فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

شمارہ نمبر ۹

جنوری۔دسمبر ۲۰۲۴ء

زیرِ نگرانی

فیروز احمد سیفی۔نیویارک

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

مجلس مشاورت

پروفیسر عبدالحق۔دہلی
ڈاکٹر آصف آذر۔گلاسگو
ڈاکٹر احمد القاضی۔جامعہ ازہر، مصر
ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزادؔ فتح پوری
ڈاکٹر راہی فدائی۔بنگلور
ڈاکٹر شعائر اللہ خان۔رام پور
پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد۔بڑودہ
فاروق احمد جائسی۔کانپور
ڈاکٹر جعفر جری۔حیدر آباد
ڈاکٹر رضوان انصاری۔سیتا پور
قاضی اسدؔ ثنائی۔حیدر آباد

مجلہ دبستانِ نعت میں شامل نگارشات کی آراء سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ جملہ تخلیقات ماہرین کی آراء کے اتفاق سے شامل کی گئی ہیں۔

NAAT RESEARCH CENTER-INDIA

Mohalla Banjaria West,
Khalilabad -272175
Distt. Sant Kabir Nagar, UP
INDIA

Mob: +91-9415875761
7985754611
+ 1-347-561-2447

drsiraj123@gmail.com
anees11435@gmail.com
www.naatresearchcentreindia.com

پاکستان میں رابطہ:
غلام علی- 92-302-461-2214

ہدیہ -/Rs.500

دبستانِ نعت شمارہ نمبر ۹

صنعتِ معز

برنگ گل سراج قادری کے عشق کا ہدیہ

۱۴۴۶ھ

دبستان نعت کا ہے پاک نیّت ارفع واعلیٰ

۲۰۲۴ء

ڈاکٹر سید عبدالمہیمن قادری (حیدرآباد)

شرف انتساب

گروہِ صوفیہ کے سرخیل، اودھی شاعری کے امام، ہندی ادب کے مایۂ ناز شاعر
حضرت شیخ ملک محمد جائسی علیہ الرحمہ
کے نام
جو حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت اقدس میں فرماتے ہیں:

کینھس پُرکھ ایک نرمرا نام محمد پونو کرا

ترجمہ: خالق نے ایک نہایت پاک و صاف مرد پیدا کیا جس کا نام محمد جو چودہویں چاند کے مانند روشن تھا۔

پرتھم جوت بدھ تاکر ساجی اوتھ پریت سہٹ اُپراجی

ترجمہ: سب پہلے خالق نے اپنے نور سے نور محمد کو بنایا اور ان کی خوشنودی کے لئے تمام خلقت پیدا کی۔

حضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

دبستانِ نعت

شہرہ آفاق دبستاں ہے ترا ہشت پہل
نعت کا جس کو کہیں ایک حسیں تاج محل

شگفتہ ترے گلستاں میں غنچہ ہائے درود
سمجھ سکے نہ جسے رہ روانِ راہ جہل

دمیدہ ترے دبستاں میں نعت ہائے رسول
ہو جیسے چشم نسوں ساز میں نمودِ کحل

زمین پاک پاک تک کاوش کی گونج جا پہنچی
سواد ہند میں نعتوں کے لہلہائے کنول

کئے سراؔج نے روشن جو مہر و ماہِ مبیں
وفور عشق سے ہر سو کھلے رموزِ ازل

دبستاں تیرا بنا مرکزِ نگاہ و قلم
قمؔر یہ دعویٰ سرِ عام ببانگ دہل

قمؔر اجلال (اورنگ آباد، مہاراشٹر)

نور ونکہت

اداریہ 9

تحمید وتقدیس

سُمرَ وں آدی ایک کرتارو | حضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ | 13
حمد وثنائے ربِ اکبر لا الٰہ الا اللہ | پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پور(بہار) | 16
جو مرضیٔ مولیٰ میں یکسر کردیتے ہیں اپنی اَنا کو فنا | پروفیسر مقصود احمد مقصودؔ | 17

تابشِ فکر ونظر

حمد کا تعارف اور اس کی مختصر تاریخ | ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ، (فتح پور، یوپی) | 20
بہار میں اُردو نعت کا آغاز وارتقاء | پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور، بہار) | 41
ہندو نعت گو شعرا کے کلام میں
عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم | پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین (نئی دہلی) | 55
سراپائے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
اور سلامِ رضاؔ علیہ الرحمۃ | ڈاکٹر عقیل ہاشمی (حیدرآباد) | 61
آصفِ سلطنتِ خداداد خانہ زاد اوران کا نعتیہ کلام | ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور) | 76
قاضی عبدالوحید فردوسیؔ کی شاعری: ایک مطالعہ | ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ (پٹنہ) | 85
نامورانِ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی
اور نعتیہ شاعری کی روایت | ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی | 95
نعت کی قرأت | ڈاکٹر محمد آصف (امراوتی، مہاراشٹرا) | 115

مداحانِ رسول بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں	محمد علی قاضی (بنگلور)	121
ریاست تمل ناڈو کے نمائندہ نامی گرامی نعت گو شعراء	پروفیسر سید سجاد حسین (بنگلور)	129
عثمانی سلاطین کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر محمد آصف (امراوتی، مہاراشٹرا)	138
سفیرِ نعت علامہ عبدالرحمٰن جامی حیات وشاعری	محمد قمر انجم قادری فیضی	156
دکن کا زندۂ جاوید منظوم صحیفہ سیرت طیبہ	مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قادری (ویلور، تمل ناڈو)	181
کوکبۂ کاروانِ ہجرت اور خیمۂ اُمِّ معبد	علامہ عتیق اثر (ندوی)	210
نعت رسول کی جامعیت وبلند مائیگی	مرزا ساجد حسین (امروہہ، یوپی)	216
نعتیہ شاعری کے امام: مولانا احمد رضا خاں بریلوی	عظیم انصاری (جگتدل، بنگال)	228
''ڈاکٹر محمد علی اثر کی نعتیہ رباعی گوئی''	پروفیسر ستار ساحر (کڈپہ، اے۔ پی)	235
''عرب کا چاند'' (سیرتِ رسول) اور سوامی لکشمن مہاراج	ڈاکٹر شاہد احمد جمالی (جے پور، راجستھان)	240
اردو میں نعتیہ شاعری - تنقیدی مطالعہ	پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڈھ)	246
ڈاکٹر راہی فدائی کی نعتیہ تخلیق 'نا عت ومنعوت' کا ایک مطالعہ	ڈاکٹر محمد انظر ندوی (حیدرآباد)	289
بدایوں میں اردو نعت کا آغاز وارتقاء اور چند ممتاز نعت گو شعراء	ڈاکٹر محمد تنویر خاں قادری (بدایوں)	299
امروہہ میں نعت گوئی کی روایت	ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (امروہہ، یوپی)	352
حضرت خاکی امروہوی اور 'کلیاتِ علامہ خاکی' ایک تعاف وتبصرہ	ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڈھ)	379
'میں نے اسلوب تراشا ہے جو پھولوں کی طرح' حبیب ہاشمی کی نعت نویسی	ایم۔ نصر اللہ نصر (ہوڑہ، کولکاتہ)	392
شاہ جہانپور کے چند نعت گو شعراء ایک مطالعہ	الحاج سید محمد مفیض الدین قادری (شاہجہانپور، یوپی)	398
ظفر صدیقی کی نعتیہ شاعری (رسالت مآب کی روشنی میں)	سلطان آزاد (پٹنہ)	414

اعلیٰ حضرت سیّد علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی شاعری کے تنوّعات اور اس میں نعت کی جمالیات	ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ)	419
ڈاکٹر محمد آصف حسین کا بڑا کارنامہ ''دیوانِ کافی کی تدوین و تصحیح متن''	ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (امروہہ)	431
دیوانِ کافی: ایک تجزیاتی مطالعہ	محمد معز عالم اویسی نعیمی (مراد آباد)	437
کتاب 'جاورہ (گلشن آباد) میں نعت گوئی کی تاریخ' کا ایک تجزیاتی مطالعہ	محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)	449
''لبیان الحمد الحمد''	محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)	456

زاویۂ نگاہ

دبستانِ نعت (۸) ایک جائزہ	فاروق جائسی (کانپور)	461
دبستانِ نعت شمارہ ۸ پر ایک ناقدانہ نظر	پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور)	514
''دبستانِ نعت'' کے آٹھویں شمارہ کا تجزیاتی عمل	پروفیسر مجید بیدار (حیدر آباد)	520
حمد و مناجات کا کتابی سلسلہ 'دبستان نعت'- شمارہ نمبر-7	ڈاکٹر محمد چاند نظامی (ہزاری باغ، جھارکھنڈ)	527

گلہائے عقیدت

طفیل سرورِ عالم ہوا سارا جہاں پیدا	حضرت سیّد کفایت علی کافی (مراد آبادی) رحمۃ اللہ علیہ	536
الٰہی! وہ زباں دے جو ثنا خوان محمد ہو	مبلغ اسلام حضرت علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ	537
تمنا ہے کہ مرتے وقت بھی ہم مسکراتے ہوں	شکیل بدایونی	538
جا زندگی مدینے سے جھونکے ہوا کے لا	مظفر وارثی (پاکستان)	539
سرکار، مری تشنہ لبی کا بھی مداوا	ریاض حسین چودھری (پاکستان)	540
دستِ اقدس سے بیعت کو جب مَس ہوا	احمد حاطب صدیقی (اسلام آباد، پاکستان)	541
گنبد فکر و تصور میں کھلا در کس لیے	پروفیسر سراج اجملی (علی گڈھ)	542

تخلیقِ کائنات کا دعویٰ ہے اُن کی ذات	پروفیسر عبدالمنان طرزؔی	543
عاقبت سنور جائے مصطفیٰ کے دامن میں	اؔنا دہلوی	544
مکاں کے دل میں، سرِ لامکاں میں آپ ہی آپ	ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)	545
نورِ ازلی افضل و امجد ہیں وہ	فاروقی جائسی (کانپور)	546
اعزاز یہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا	ڈاکٹر اشفاق انجم (مالے گاؤں)	548
اساسِ یقیں ہے متاعِ حسیں ہے	متین طارقؔ باغپتی (غازی آباد)	549
انہیں جب ان کا خدا آشنائے راز کرے	پروفیسر رضوان الرضا (رضوان علیگ)	550
وہ شبیہ کوئے رسول تھی جو متاع دیدہ وری رہی	ضیاء فاروقی (بھوپال)	551
حدودِ طیبہ میں جب داخلہ ہو	محمد محبّ اللہ نوری	552
قدرت نے دیا ایسا انعام مدینے میں	ندیؔم فاروقی	553
حدیثیں گفتگو ان کی عمل قرآن جیسا تھا	سیؔما عابدی (شکاگو)	554
اُجالے دے کے دنیا کو کدھر جاتا ہے یہ سورج	صبیحہ صدفؔ (رائسین، مدھیہ پردیش)	555
نام محمد نورِ الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم	شری منیش شکلا (لکھنؤ)	556
اتنی ہی دور کعبے سے شہرِ حضور ہے	رام پرکاش بیخوؔد (لکھنؤ)	557
ان کا روضہ مری منزل ہے، ارادا کرلوں	سنجے مصرا شوقؔ (لکھنؤ)	558
مصطفیٰ نورِ یزداں پہ لاکھوں سلام	غوثیہ سلطانہ نوریؔ (شکاگو)	559

ستائش نامے

ڈاکٹر محمد شعائر اللہ خاں قادری وجیہی (رامپور)، ابوذر انصاری (جونپور)، ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ (پٹنہ)، ڈاکٹر جمیل الدین (جمیلؔ راٹھوی)، سیّد محمد مفیض الدین قادری۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اداریہ

''دبستان نعت'' کا نواں شمارہ آپ کے پیش نظر ہے۔اس کے مشمولات کوایک نظر دیکھتے ہی آپ کواس کے معیار و وقار کا اندازہ ہو جائے گا۔اس شمارے کا انتساب ہم نے گروہ صوفیہ کے سرخیل،اودھی زبان کے ماہراور ہندی ادب کے ایک مایۂ نازشاعرحضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کیا ہے۔ہم نے اس شمارے کا انتساب ان کے نام کیوں کیا ہےاس کی واحدوجہ یہ ہے کہ ہم نے''دبستان نعت'' کے پہلے ہی شمارے کےاداریے میں تحریر کیا تھا کہ:

> ''اس مجلّے کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد حمد ونعت کے فروغ و ارتقاء کے حوالے سے ادبا،شعراء اور محققین کی ان کاوشوں سے اہلِ علم کو روشناس کرانا ہےجواب تک ناقدین ادب کی نگاہِ توجہ سےمحروم رہی ہیں۔''

یقیناً حضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی انہی شعراء وادبا میں سےایک ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی ادب کےفروغ کے لئے وقف کردی تھی مگرافسوس صدافسوس کہ اردوادب میں ان کووہ مقام ومرتبہ نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔میری دانست میں اس کی وجہ خاص یہ رہی کہ انہوں نے اپنے فکروفن کا موضوع علاقائی زبان اودھی کو بنایااوراسی میں وہ اپنی تمام تر تخلیقی گل ریزیاں کرتے رہے۔میرااپنا ماننا ہے کہ علاقائی زبانوں کوبھی وہی مقام ومرتبہ حاصل ہے جو عالمی سطح پر بولی جانے والی زبانوں کوحاصل ہے۔بس فرق اتنا ہے کہ عالمی زبانوں سےلوگوں کی دل بستگی طبعی طور سے ہوتی ہےاسی لئے انہیں علاقائی زبانیں غیر مانوس سی محسوس ہوتی ہیں لیکن اگرارباب علم وفضل تھوڑی سی توجہ دیں تو علاقائی زبانوں سے بھی انہیں وہی دل بستگی محسوس ہوگی۔

ہاں ہندی ادب کے ناقدین نے حضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ علیہ کی قدر کرنے،ان کو متعارف کرانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔پوری تن دہی کے ساتھ ان کی تصنیفات وتالیفات کوتحقیق کوتنقید کے عالمی معیار کے مطابق ایڈیٹ کران کی عظمت کودوبالاکرنے میں اپنے جان کی بازی لگا

دی۔ جہاں تک میری معلومات ہے ہندی ادب کے مایۂ ناز ادیب، محقق اور ناقد اچاریہ رام چندر شکل نے تو حضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو متعارف کرانے اور ہندی ادب کے ایک نامور شاعر کی حیثیت سے ان کے مقام و مرتبے کے تعین میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ کھپا دیا۔

حضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات و تالیفات میں ان کی مشہور زمانہ مثنوی ''پدماوت'' جس کا پہلا باب حمد باری تعالیٰ، نعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب نیز مثنوی کی وجہ تالیف پر مشتمل ہے۔

''دبستان نعت'' کے اس شمارے میں ہم نے ان کی حمد کے چند اشعار بطور ثبوت تحریر کیے ہیں جسے پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ انہوں نے کس نفیس انداز میں حمد باری تعالیٰ کو تحریر کی ہے نیز اسی مناسبت سے ہم نے شرف انتساب میں ان کی نعت کے دو اشعار بھی تحریر کئے ہیں۔

ہماری دلی خواہش ہے کہ جس طرح سے یونیورسٹیز اور دیگر تعلیمی اداروں میں غالبؔ، اقبالؔ، میر تقی میرؔ، آتشؔ و ناسخؔ وغیرہم کی علمی و ادبی شخصیات، ان کی شاہکار زمانہ تصنیفات و تالیفات پر سیمینارز انعقاد پذیر ہوتے رہتے ہیں اسی طرح ان حضرات جیسے حضرت شیخ ملک محمد جائسی کی عظیم علمی و ادبی شاہکار ''پدماوت'' اور حضرت مُلا داؤد کی مثنوی ''چنداین'' وغیرہم پر بھی سیمینارز اور ڈیبیٹ ہونا چاہئے تا کہ آنے والی نسلوں اور ادب سے وابستہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ اردو ادب کی تاریخ میں ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے اور ان کا زبان و ادب سے کتنا گہرا رشتہ تھا؟

''دبستان نعت'' کے اس شمارے میں حمد پر ایک وقیع مضمون ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری صاحب کا شامل ہے جو نعت کی تعریف سے لے کر اس کی مکمل تاریخ اور دیگر جہات پر محیط ہے۔ یہ مضمون چشم کشا ہونے کے ساتھ ہی حمدیہ شاعری پر پڑھنے لکھنے والوں کے لئے مشعل راہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی تناظر میں ایک اہم مضمون پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی سابق صدر شعبۂ اردو بی۔ آر امبیڈکر یونیورسٹی، مظفر پور بہار کا ''بہار میں اردو نعت کا آغاز و ارتقاء'' کے عنوان سے شامل ہے جو نہایت عرق ریزی سے لکھا گیا ہے جس میں یہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بہار میں اردو نعت گوئی کا آغاز کب سے ہوا اور فی الوقت اس کے ارتقائی فروغ کی نوعیت کیا ہے؟ بالکل اسی طرز و آہنگ کے دو مضامین (۱) ڈاکٹر تنویر احمد خاں ''بدایوں میں اردو نعت کا آغاز و ارتقاء'' (۲) ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی ''امروہہ میں نعت گوئی کی روایت'' بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں جو مستقبل میں نعتیہ ادب کی لکھی جانے والی تاریخ میں ایک نمایاں کردار ادا کریں گے خاص کر نعتیہ ادب پر تحقیقی و

تنقیدی ابعاد و جہات کا ذوق و شوق رکھنے والوں کے لئے تو متاع گم گشتہ سے کم نہیں۔

''دبستان نعت'' کے اس شمارے میں ''دیوان کافی'' پر دو وقیع تبصرے شامل ہیں۔حضرت سید کفایت علی کافیؔ مرادآبادی علیہ الرحمہ کی شخصیت اردو نعت گو شعراء میں اتنی سر بلند ہے کہ بغیر ان کے ذکر کے اردو نعت گوئی کی تاریخ مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔ڈاکٹر محمد آصف حسین صاحب لائق صد مبارک باد ہیں کہ انہوں نے ''دیوان کافی'' کی تحقیق و تدوین میں ایک عرصۂ دراز تک ہمہ تن مشغول رہ کر اردو ادب کو انہوں نے جو ایک تحفۂ گراں مایہ دیا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔اس عظیم علمی و ادبی کاوش کے لئے ان کی جتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے۔

''دیوان کافی'' کے منظر عام پر آ جانے کے بعد نعت گوئی کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب کی آہٹ محسوس کی جا رہی ہے اس لئے کہ جہاں ارباب علم و فضل حضرت کافیؔ مرادآبادی علیہ الرحمہ کی نعت گوئی کے فکر و فن سے آگاہی حاصل کر سکیں گے وہیں لوگ اس بات سے بھی واقف ہو سکیں گے کہ ہمارے اسلاف کی نعت گوئی کا معیار اور اس فن پر انکی گرفت کتنی مضبوط و مستحکم تھی،مزید برآں یہ دیوان عصر حاضر کے نعت گو شعراء کے لئے لائحۂ عمل بھی ثابت ہوگا اس لئے حضرت سید کفایت علی کافیؔ مرادآبادی علیہ الرحمہ کی ذات وہ ذات ہے کہ جن کی شاعری کی پذیرائی امامِ نعت گویاں حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے کی ہے۔

یوں تو ہماری ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ اپنے قارئین کرام کو بہہ سے بہتر مقالات و مضامین اور نعت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فراہم کریں جو ان کی بصیرت و بصارت دونوں کو اُجال سکیں،لیکن اس کے باوجود اگر آپ کو کہیں کوئی تشنگی یا کمی محسوس ہو تو اسے میری کوتاہی یا فکری انحطاط تصور کریں۔

اداریئے کے اختتام پر حسب روایت ہم اپنے جملہ قلمی تعاون فرمانے والے احباب کے دلی طور پر شکر گزار ہیں کہ جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر فکر انگیز مقالات و مضامین،تبصرے اور نعتیں عنایت فرمائیں جو اس گل دستے کی زیب و زینت ہیں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ہمارے ان کرم فرماؤں کی عنایات نہ ہوتیں تو ہم اتنا خوبصورت مجلّہ ہرگز ہرگز آپ کی خدمت میں نہیں پیش کر پاتے۔جذاک اللہ احسن الجزاء۔

سراج احمد قادری

تحمید و تقدیس

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

سُمرَوں آدی ایک کرتارو جیہ جیو دینہ کینہ سنسارو

ترجمہ: یاد کرتا ہوں اس قدیم اور واحد کارساز کو جس نے زندگی عطا فرما کر خلقت پیدا کی۔

کینھس پرتھم جوت پرگاسو کینھس تیہ پریت کیلاسو

ترجمہ: سب سے پہلے اس خدا نے ایک نور ظاہر کیا اور اس نورِ محمدی کی خاطر بہشت آراستہ کی۔

کینھس اگن پون جل کھیہا کینھس بہتے رنگ اُریہا

ترجمہ: پھر چار عناصر آگ، ہوا، پانی اور مٹی بنائے اور ان سے بہت طرح کی تصویریں رنگ برنگی بنائی۔

کینھس دھرتی سرگ پتارو کینھس برن برن اوتارو

ترجمہ: زمین و آسمان اور تحت الثریٰ بنائے ان میں قسم قسم کے رنگین مخلوقات پیدا کیے۔

کینھس دن دنیئر سسِ راتی کینھس نکھت ترائن پاتی

ترجمہ: اس نے دن اور سورج و چاند اور رات بنائے اور قطار قطار ستاروں کو سجایا۔

کینھس دھوپ سئیو او چھانہاں کینھس میگھ بیج تیہ مانہاں

ترجمہ: اس خدا نے دھوپ، سردی اور سایہ پیدا کیے اور بادل میں بجلی بنائی۔

کینھس سپت مہے بر مھنڈا کینھس بھون چودھو کھنڈا

ترجمہ: پھر سات طبقے زمین کے اور سات آسمان کے بنائے۔ اس طرح خلقت کو چودہ حصوں میں بنایا۔

کینھ سبے اُس جا کرا دوسر چھاج نکاہِ پہلے تا کر ناؤں لے کتھا کروں اُوگاہ

ترجہ: اس نے سب کچھ بنایا ہے جس کی ہمسری کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ پہلے اس کا نام یاد کرتا ہوں پھر اس قصہ کو بیان کروں گا۔

کینھس میر کھکھنڈ پہارا کینھس سات سمند اپارا

ترجمہ: پھراس نے ناپیدا کنار سات سمندر بنائے اور بنائے پہاڑ سُمیر و کسکندھا وغیرہ۔

کینھس مگر مچھ بُہہ برنا کینھس ندی نار او جھرنا

ترجمہ: اس نے بنائے ندی نالے اور جھرنے مگر مچھ وغیرہ دریائی جانور بہت طرح کے پیدا کیے۔

کینھس بُہتے نگ نِرمرے کینھس سیپ موت جیہ بھرے

ترجمہ: صدف پیدا کیے جن میں موتی بھرے ہیں اور بہت سے صاف وشفاف نگینے پیدا کیے۔

کینھس ترور، تار، کھجوری کینھس بنکھنڈ اوجر موری

ترجہ: جنگل بنائے اور ادویات جڑی بوٹی پیدا کیے اور کھجور و تاڑ وغیرہ پیڑ پیدا کیے۔

کینھس پنکھ اُڑ ہنہ جہہ چہیں کینھس ساوج آرن رہیٹیں

ترجمہ: شکار کرنے کو جانور پیدا کئے جو جنگل میں رہتے ہیں اور پرندے بنائے جو جہاں چاہیں اُڑ کر جاسکتے ہیں۔

کینھس بھوکھ نیند بسراما کینھس برن سیت او سیاما

ترجمہ: طرح طرح رنگ سفید و سیاہ پیدا کئے۔ بھوکھ پیدا کر کے نینداور آرام عطا کیے۔

کینھس بہو اوکھد بہو روگو کینھس پان، پھول او بھوگو

ترجمہ: پان و پھول پیدا کر کے سامان عشرت عطا کیے اور بہت طرح کی ادویات وامراض بنائے۔

نمکھ نہ لاگ کرت اُوہ سبھے کینھ پل ایک گگن انترکھ راکھا باج کھمبھ بن ٹیک

ترجمہ: اس خلقت کو پیدا کرنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ اس خدا نے سب کچھ ایک پل میں بنا دیا۔ آسمان اور خلاء کو بغیر ستون وغیرہ کے درمیان میں روک رکھا ہے۔

کینھس بھیم سین او چینا کینھس اگر کستُری بینا

ترجمہ: خدا نے مشک، اگر اور خش وغیرہ پیدا کیا اور کافور بھیم سینی و چینا قسم کے پیدا کیے۔

کینھس منتر ہرے جیہ ڈسّا کینھس ناگ جو مکھ بکھ بسّا

ترجمہ: سانپ پیدا کیے جن کے منہ میں زہر بھرا ہے، افسوں بنائے جس سے سانپ کا زہر زائل ہو جاتا ہے۔

کینھس امی جیئے جو پائے کینھس بکھ میچ جیھہ کھائے

ترجمہ: آبِ حیات بنایا جس سے زندگی حاصل ہوتی ہے اور زہر پیدا کیے جن کو کھانے سے موت ہو جاتی ہے۔

کینھس اوکھ میٹھ رس بھری کینھس کرو بیل بہو پھری

ترجمہ: گنّا میٹھے رَس والا اور رَس بھری بنایا اور بہت پھلنے والی کڑوی بیل پیدا کی۔

کینھس مدھ لاوے لے ماکھی کینھس بھنور پنکھ او پاکھی

ترجمہ: شہد بنایا جس کو مکھیاں جمع کرتی ہیں بھنورے اور پروانے کو پردار بنایا۔

کینھس روباہ اِنڈُر، چانٹی کینھس بہت رہنہ کھن مانٹی

ترجمہ: لومڑی چوہا اور چیونٹی پیدا کئے جو بے تعداد ہیں اور مٹی کھود کر بل میں رہتے ہیں۔

کینھس راکس بھوت پریتا کینھس بھوکس دیو دمئیتا

ترجمہ: راکشش بھوت پریت وغیرہ شیطان پیدا کیے اور بھوکس دیو دمیتہ وغیرہ بنائے۔

کینھس سہس اٹھارہ برن برن اُپراج بھگت دہس پُن سبن کنہ سکل ساجنان ساج

ترجمہ: رنگ برنگ مخلوقا تا ٹھارہ ہزار قسم کے پیدا کیے اور سب کو زیست عطا کی سب طرح کی آسایش کے ساتھ۔

حضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

حمد و ثنائے ربِ اکبر لاالٰہ الا اللہ
روزِ ازل سے نقش ہے دل پر لاالٰہ الا اللہ

جنّ و اِنس و ملک کے لب پر لاالٰہ الا اللہ
کہتے ہیں سب خالقِ اکبر لاالٰہ الا اللہ

ذکر ہیں جتنے اُن میں بہتر لاالٰہ الا اللہ
پڑھتے رہے ہیں سارے پیمبر لاالٰہ الا اللہ

گلشن میں ہر برگ پہ طاری کیف کا عالم ہوتا ہے
جھوم کے جب پڑھتے ہیں گلِ تر لاالٰہ الا اللہ

جتنے ہیں اجرامِ سماوی، گیت اُسی کے گاتے ہیں
مہر مبیں، یا ماہ اختر لاالٰہ الا اللہ

اپنی دُھن میں، اپنی لے میں نغمۂ شوق سناتے ہیں
بام حرم پر بیٹھے کبوتر لاالٰہ الا اللہ

بزم جہاں کا ذرّہ ذرّہ یاد میں اُس کی بے کل ہے
ورد زباں رکھتا ہے یکسر لاالٰہ الا اللہ

روح کے اندر آجاتی ہے تازگیِ ایماں کی اُس دم
پڑھتا ہے جب جب کوئی سخنور لاالٰہ الا اللہ

نازاں اپنی خوش بختی پہ رہتا ہے فاروقؔ بہت
بچپن سے ہے اُس کا ثنا گر لاالٰہ الا اللہ

پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفرپور (بہار)

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

جو مرضئ مولیٰ میں یکسر کردیتے ہیں اپنی اَنا کو فنا
ملتی ہے حقیقت میں ان کو فردوسِ رضا، سوغاتِ بقا

اے بندۂ رب، اے غلامِ نبی! دل میں چاہت کی جوت جلا
اور اپنی عروسِ ہستی کو اعمال کے زیور سے بھی سجا

دکھلا دیں عجب کیا خواب میں ہی اپنا جلوہ کبھی شاہ زمن
جنت کی بشارت بھی دے دیں، ان سے دل وجاں سے تو لولگا

ذی شان ربیعہ سے پوچھو آقا کی نوازش کا عالم
جنت تو جنت، جنت میں انہیں کردی رفاقت اپنی عطا

فوراً ہی تصور میں حاضر ہوجاؤ درِ شاہِ دیں پر
اور رب سے دعا بخشش کی کرو سرزد جو کبھی ہوجائے خطا

پھر بہر دعائے رحم و کرم محبوب خدا سے عرض کرو
پاؤ گے تم اپنے مولیٰ کو مائل بہ کرم لاریب سدا

مایوس ہو کیوں، غمگین ہو کیوں، کثرت سے درود وسلام پڑھو
سارے ہی گنہ مٹ جائیں گے کہتے ہی زباں سے صلِّ علیٰ

یہ سوچ کے ان پہ درود پڑھو سنتے ہیں قریب و دور سے وہ
پھر دیکھو تم پر ان کا کرم ہوتا ہے کیسا صبح و مسا

اے بے خوف و بیباک بشر! یہ بات ہمیشہ یاد رہے
گستاخِ نبی کو ملتی ہے دونوں ہی جہاں میں ضرور سزا

جب دولتِ ایماں ہم کو ملی ہے بے کاوش بے حسنِ عمل
دل سے نہ کریں پھر کیوں ہر دم مالک کا ہم اپنے شکر ادا

افسوس کہ عمرِ عزیز تری گزری ہے دیرِ غفلت میں
جو کچھ بھی ہوا وہ برا ہی ہوا، اب دل کو کعبۂ یاد بنا

مقصودؔ عزیز ہے تجھ کو اگر دونوں ہی جہاں میں سرافرازی
بس نامِ خدا کی مالا جپ اور یادِ نبی کو دل میں بسا

پروفیسر مقصود احمد مقصودؔ
(بڑودہ، گجرات)

تابشِ فکر و نظر

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ، (فتح پور، یو پی)

حمد کا تعارف اور اس کی مختصر تاریخ

حمدیہ شاعری کا محور خالق کائنات وربِّ الخلائق کی ذات اقدس ہے خداوند کریم کا تصور کسی نہ کسی نوعیت میں ہر زمان و ہر مکان و ہر زبان میں ملتا ہے۔ عہد عتیق (عہد ما قبل تاریخ) کی غیر مہذب قوموں اور عہد جدید کی متمدن اقوام میں بھی تصور الٰہ موجود ہے۔ پروفیسر میکس مور کے قول کے مطابق اُڈجی (Odji) اور اشانتی (Ashanti) قبائل کے نزدیک آسمان معبود اعظم ہے جسے وہ شخصی خدا، خالقِ ارض وسما اور مالک خیر متصور کرتے تھے۔ (Yelu) قوم کے افراد خدا کی حمد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''اے الٰہ الافلاک ہم کو خوشی اور دانشوری عطا کر'' عراق کے قدیم بابلی اور اشوری قوموں میں بھی خدا کا تصور موجود ہے جیسا کہ اس عہد کی حمد ومناجات سے آگاہی ہوتی ہے کہ متذکرہ بالا قومیں کسی نہ کسی عظیم طاقت کے اثرات کو تسلیم کرتی تھیں۔ قدیم مصر میں ''پتاح'' کا تصور، تصور الٰہ سے کافی قریب ہے جیسا کہ اس عہد کے ایک شاعر کے درج ذیل قول سے اندازہ ہوتا ہے۔

ترجمہ: باپ نے تجھے پیدا نہیں کیا اور نہ ماں نے تجھے جنم دیا۔ تو نے اپنے کو بغیر کسی دوسری انسانی ہستی کی مدد کے بنایا ہے۔

فی الحقیقت تصور الٰہ تصورِ کائنات کے ساتھ منسلک ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر زبان میں کسی نہ کسی نہج میں اللہ پاک کی حمد وثنا ملتی ہے۔

حمد عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ''تعریف'' یا ''تعریف کیا ہوا'' ہیں۔ اس کا مادہ حا، میم، اور دال ہے۔ عربی زبان میں ''رجل حمد، وامرأۃ حمدت'' مستعمل ہے۔ جس کے معنی تعریف کردہ مرد اور تعریف کردہ عورت ہیں۔ لغات وقوامیس میں حمد کے معنی قابل تعریف ہونا اور شکریہ ادا کرنا بھی مندرج ہیں۔ عربی میں ''حمدت الیک اللہ'' جملہ بھی ملتا ہے جس کے معنی ہیں میں تیرے ساتھ اللہ کی تعریف کرتا ہوں۔ یا اللہ کی نعمتوں کے ساتھ تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

سطور مرقومہ ذیل میں لفظ حمد کی تشریح مستند لغات وقوامیس کے سہارے درج کی جارہی ہے۔

الحمد۔ تعریف۔ تعریف کیا ہوا۔ کہا جاتا ہے رجل حمد وامرأۃ حمدت تعریف کیا ہوا مرد اور تعریف کی ہوئی عورت (المنجد۔ عربی اردو لغت میں 237 کالم نمبر 3)

حمد: بفتح الحاء۔ مؤنث۔ خدا کی تعریف اور عظمت بیان کرنا۔ (نور اللغات ج-2،ص-574، کالم نمبر 1، مولانا نور الحسن نیّر)

حمد: خدا کی تعریف (فیروز اللغات نیا اڈیشن میں 261 کالم نمبر-1)

حمد: Hamd Prais of God

(ڈکشنری ہندوستانی اینڈ انگلش اردو ہندی اِن ٹو انگلش میں 355 مولّفہ ڈنکن خاربس)

حمد: Hamd Prais of God, Astuti

(اے نیو ہندوستانی انگلش ڈکشنری،ص-586، مؤلّفہ این. ڈبلیو. فیلن)

حمد: خدا کی تعریف۔ خدا کی بزرگی اور عظمت بیان کرنا۔ عربی۔ مؤنث

منج۔ رائج۔

میری زبان ہے منہمک حمد میں کردگار کی مدح حیات ہے، سنو قلزم بیکنار کی

قول فیصل: حمد خدا کے لئے مخصوص ہے۔ (مہذب اللغات ج-4،ص-341، کالم نمبر 4، مؤلّفہ مہذب لکھنوی)

حمد: اسم مؤنث۔ خدا کی تعریف (فرہنگ آصفیہ، ج-2،ص-170، کالم نمبر-1، (مؤلّفہ خان صاحب مولوی سیّد احمد دہلوی، ترقی اردو بورڈ، دہلی)

اس طرح لغوی اعتبار سے حمد کے معنی تعریف ہیں، لیکن شعر وشاعری کی اصطلاح میں حمد اس صنف سخن کو کہتے ہیں جس کا مطمح فکری اللہ پاک کی ذات گرامی اور اس کے متعلقات ہوں۔ حمد میں بہت وسعت ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کے مضامین جو اللہ پاک کی ذات وصفات سے متعلق ہوں بیان کئے جاتے ہیں اور اس طرح عشقِ رب اور فنا فی الرب میں طاری ہونے والے جملہ جذبات کی ترجمانی حمد کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

اردو زبان میں حمد کا استعمال خدا کی تعریف کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ پاک کی ذات وصفات اور اس کے متعلقات ومنسلکات کے اظہار کو حمد کہا جاتا ہے۔

شمیم احمد حمد کے بارے میں رقم طراز ہیں:

8-40 حمد: ایسے اشعار جو بلحاظ موضوع اللہ تعالیٰ کی تعریف میں رقم کئے جائیں۔ 8-45 حمد الگ سے نظم کی صورت میں لکھی جاسکتی ہے اور کسی اور صنف مثلاً قصیدے یا مثنوی کا ایک جزو بھی ہوسکتی ہے۔قصیدہ یا مثنوی یا کسی اور صنف کا حصہ ہونے کی صورت میں حمد کے اشعار سب سے پہلے لکھے جاتے ہیں یعنی ان ہی اشعار سے صنف کا آغاز ہوتا ہے۔(اصناف سخن اور شعری ہیئتیں۔شمیم احمد ص-486،انڈیا بک امپوریم،بھوپال پہلی اشاعت (1981)

ہر زبان و ادب میں اللہ پاک کی حمد سے متعلق شہ پارے کسی نہ کسی صورت میں ضرور ملتے ہیں۔ ہندی ادب میں بالخصوص متقدّ مین ومتوسطین کے عہد میں شعرائے کرام التزاماً حمد یہ اشعار کہتے تھے جنہیں ''ایشور بندنا'' کہا جاتا ہے۔حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔**"کل امر ذی بال لم یبدء بسم اللّٰہ او بحمد اللّٰہ فھو اقطع و ابتر"** یعنی ہر مہتّم بالشان امر جس کا آغاز اللہ پاک کے نام سے یا اس کی تعریف سے نہ کیا گیا ہو ناقص اور ادھورا ہے۔اس حدیث نبوی کے باعث بھی شعراء نے اپنے اپنے دیوانوں کی ترتیب میں حمد کو التزاماً شامل کیا ہے۔مثنوی جو اردو ادب کی ایک مقبول اور کار آمد صنف سخن ہے۔اپنے اجزائے ترکیبی میں حمد کو لازمی طور پر شامل کئے ہوئے ہے۔اردو کے پہلے شاعر ملّا داؤد سے لے کر آج تک کے شعراء کے یہاں حمد کا وجود علی سبیل التّوالی .... پایا جاتا ہے۔یہ ایک ایسا آئینہ ہے،جس میں زبان و بیان،ان کے ارباب کے معتقدات و مذمومات اور شاعرانہ اشکال وہیئات کی جملہ تبدیلیوں کے خدوخال بآ سانی دیکھے جاسکتے ہیں لیکن یہ بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شاعری کی یہ قسم شاعری کی آفرینش سے لے کر اب تک بالتّسلسل بے اعتنائیوں کی شکار ہوتی چلی آرہی ہے۔

جیسا کہ ماقبل میں لکھا جاچکا ہے مختلف اقوام و مذاہب اور زمانہ ماسبق کے قدیم دانشوروں کے یہاں بھی خدا کا تصور اور حمد نگاری کا وجود ملتا ہے۔

عراق کی قدیم بابلی و آشوری اقوام میں خدا کے تصور کے ثبوت ان کی نظموں کے مطالعہ کے دوران ملتے رہتے ہیں۔چنانچہ قمر (چاند) دیوتا سے متعلق ان کے معتقدات ملاحظہ ہوں:

آسمان میں افضل کون ہے،صرف تو ہی افضل ہے۔

جب تیرا حکم زمین سے گزرتا ہے تو سبب ہوتا ہے پودوں کے اُگنے کا۔تیرے حکم سے اصطبل اور غلّے کے گودام بھر جاتے ہیں اس سے حیوانوں کی افزائش ہوتی ہے۔(نگار خدا،ص-23)

اُن کے یہاں اُلوہی قوت رحم کرنے والی اور عفوودرگزر کرنے والی ہے۔ملاحظہ ہو:

میں اپنے رحمدل دیوتا سے رجوع کرتا ہوں۔ اس کی مدد چاہتا ہوں اور آہیں بھرتا ہوں جو بڑے کام میں نے کیئے ہیں ہوا اُنہیں اُڑا لے جائے اور میرے گناہوں کو کپڑے کی طرح پھاڑ دے۔

قدیم یونان میں اس کے فلاسفہ، تکوینِ عالم پر غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خدا ہے جو انسانوں اور دیوتاؤں میں سب سے بڑا ہے اس کا جسم اور ذہن انسانوں کے مانند نہیں ہے۔ وہ سراپا بصارت، سراپا سماعت اور سراپا عقل ہے۔ (نگار خدا نمبر، ص-39)

فیثا غورث (Pythogoris) کائنات کی عددی تشریح کی کوشش میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وحدت کی دو قسمیں ہیں۔ (1) وحدتِ مطلقہ اور (2) وحدتِ اضافی۔

اس کے نزدیک وحدتِ مطلقہ ہی تمام اشیاء و اعداد کی اصل ہے (درسگاہ دانش۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ص-39)

سلی کا باشندہ، امپیڈوکلیر (Empedoclar) کا قول ہے کہ وحدتِ الٰھی اضداد سے ماوریٰ ہے۔ (ایضاً، ص-45)

سقراط (Socrates) کے نزدیک خدا غیر مطلق ہے اس کا قول ہے کہ انسان سے اعلیٰ تر فوق الفطرت ہستیوں کا وجود ہے لیکن اصلی الوہیت خدائے واحد کو حاصل ہے۔ جو خیر مطلق علم مطلق اور ربّ العالمین ہے۔

روم کے باشندے بھی خدا کے معترف تھے۔ ان کے مابین یہ عقیدہ راسخ تھا کہ ہر ذی روح میں روح ربانی حلول کیئے ہوئے ہے اور وہ ہمارے تمام اعمال اور ہمارے تمام اندرونی جذبات سے باخبر ہے۔ (تاریخ اخلاق یورپ، ص-161، 162، بحوالہ نگار خدا نمبر، ص-42، شمارہ فروری 1956ء)

ان کے تصور الٰہ میں حرّیت، فیّاضی، اور صداقت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسی لئے وہ لوگ ان اوصاف کو اپنے میں اتارنے کی کوشش کرتے تھے۔

ہندوستان کی قدیم مذہبی کتاب رگ وید میں اللہ پاک کو پرجاپتی سے مخاطب کرتے ہوئے اس کی حمد اس طرح کی گئی ہے۔

پرجاپتی نے اس عالم کو ایک کاریگر کی طرح بنایا ہے۔

دسویں منڈل کی 72 ویں سوکتی میں لاشے سے شے کے وجود کی بات کہی گئی ہے۔ رگ وید کے منڈل 8 کی سوکتی نمبر 98 میں اللہ پاک کی حمد یوں کی گئی ہے کہ وہ ایک اگنی ہے جو بہت سے مقامات پر روشن ہوتی ہے وہ ایک سورج ہے جو ہر جگہ چمکتا ہے وہ ایک شفق ہے جو سب کو روشن کرتی ہے وہ ایک

ہے، جو انیک کے وجود کا باعث ہے۔ (بحوالہ نگار خدا نمبر، ص-53)

یجر وید میں اللہ پاک کی حمد و ثنا اس طرح کی گئی ہے۔

وہ ایک ہے جو غیر متحرک ہونے کے باوجود اتنا زیادہ سریع السّیر ہے کہ اس تک حواس نہیں پہنچ سکتے۔ (نگار خدا نمبر، ص-54)

قرآن پاک کی ایک آیت میں یہی مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ **"لا تدرکه الابصار و هو يدرك الابصار و هو اللطيف الخبير"** (سورۂ انعام، آیت-104)

اتھر وید میں خدا کو ''ورن'' بتلاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ اس طرح دیکھتا ہے گویا وہ ہمارے نزدیک ہو جب کوئی شخص کھڑا ہوتا یا چلتا ہے یا چھپتا ہے یا سونے جاتا ہے، یا اٹھتا ہے یا جب دو اشخاص ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر کانا پھوسی کرتے ہیں، تب بھی وہ شاہ ورن کی پہنچ سے نہیں بچ سکتے۔ اسی مفہوم کی ایک آیت قرآن پاک کی سورۃ ق، پارہ 26، کی آیت نمبر 16 ہے۔ **"ونحن اقرب من حبل الورید"** یعنی ہم انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ اور ایک آیت سورہ رحمٰن میں ہے۔ **"یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوات والارض فانفدوا لا تنفذون الا بسلطان۔"** (القرآن سورہ رحمٰن آیت نمبر 33)

شنکر اچاریہ (788ء-820ء) نے جس ''اَدیت واد'' یعنی وحدۃ الوجود کا فلسفہ عوام کے سامنے پیش کیا ہے، وہ اسلامی فلسفہ وحدت الوجود کے بہت قریب ہے۔

شنکرا چاریہ فرماتے ہیں:

اے خدا میرے تین گناہوں کو معاف کرنا۔

(1) میں نے اپنے تصور میں تیری تصویر بنائی حالانکہ تو تصویر سے مبرّا ہے۔

(2) میں نے تیری مدحت سرائی کی حالانکہ تیری تعریف ہو ہی نہیں سکتی۔

(3) میں مندر جاتے وقت یہ بھول گیا کہ تو ہر جگہ موجود ہے۔ (نگار خدا نمبر، ص-3)

امریکہ کے قدیمی مذہب میں بھی خدا کا تصور موجود ہے۔ امریکہ کی قدیم قوم ازتیق میں خدا کا تصور یہ تھا کہ وہ اپنی ہیقل شدہ ڈھال میں انسانوں کے تمام اعمال دیکھتا ہے۔ روح قبض کرنے کے لئے وہ تاریک راستوں میں ہوا کی طرح تیز دوڑتا ہے۔ وہ عجیب الخلقت ہے۔

جین اور بُدھ مذھبوں میں اگرچہ خدا کا تصور نہیں ہے لیکن وہ تیرتھنکر یعنی پیغمبر ہی کو خدا کی شکل دیتے ہیں اور وہ تیرتھنکر کی عبادت اس طرح کرتے ہیں جس طرح خدا کو ماننے والے خدا کی عبادت

کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

''میں آقا جینندر کے سامنے اپنا سر عاجزی سے جھکاتا ہوں، جو ساری دنیا کا معبود اور امن وراحت بخشنے والا ہے۔''

ایران کے مانوی مذہب میں اللہ کی حمد کا نمونہ ملاحظہ ہو:

''اے سراپا نور تو قابل تعریف ہے تو ہمارا ہادی اور نور کا پیغامبر ہے تو ہمارا ہادی اور نور کے سرچشمۂ حیات کی شاخ ہے۔ اے عظیم بحر جو کہ سراپا شفا ہے میں تجھ کو سجدہ کرتا ہوں۔''

یہودیوں کے یہاں بھی خدا کا تصور موجود ہے۔ یسعیاہ نبی نے اللہ پاک کی حمد اس طرح بیان کی ہے۔ اس نے پانی کو ہاتھ کے چلو سے ناپا، آسمان کی پیمائش بالشت سے کی اور زمانے کی گرد کو پیمانے سے بھرا اس نے پہاڑوں کو پلڑوں میں ڈال کر وزن کیا۔ دیکھو وہ بھری ممالک کو ایک ذرّے کی طرح اٹھالیتا ہے۔ ساری قوتیں اس کے آگے ہیچ ہیں۔ وہ اس کے آگے حساب میں ناچیز سے بھی کمتر ہے۔ (یسعیاہ باب 4 آیات 12-18، بحوالہ نگار خدا نمبر، ص-96)

عیسائیوں کے پیغمبر حضرت مسیح نے بھی خدائے واحد کی دعوت دی ہے چنانچہ یوحنا کے باب سوم کی سترہویں آیت ملاحظہ ہو:

''اے خدا تو واحد و برحق ہے۔ لوقا میں کہا گیا ہے کہ کوئی نیک نہیں مگر ایک ذات یعنی خدائے بلند و برتر۔''

مولانا ابوالکلام آزاد نے درست کہا ہے کہ آسٹریلیا کے وحشی قبائل سے لے کر تاریخی عہد کے متمدن انسانوں تک کوئی بھی اس خدا کے تصور سے خالی نہیں رہا۔ رگ وید کے زمزموں کا فکری مواد اس وقت بھی موجود تھا جب تاریخ کی صبح بھی پوری طرح نمودار نہ ہوئی تھی۔ مصریوں نے عیسیٰ مسیح کی پیدائش سے ہزاروں سال پیشتر اپنے خدا کو مختلف ناموں سے پکارا تھا۔ اور کالڈیا کے صنعت گروں نے مٹی کی پکی ہوئی اینٹوں پر حمد و ثنا کے وہ ترانے کندہ کیے جو انہیں امم مافیہ سے وراثت میں ملے تھے لیکن اسلام کے علاوہ ادیانِ عالم میں وحدانیت کا تصور بڑی حد تک ناقص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قوموں میں پیغمبرانِ دین اور مصلحین قوم سے عقیدت میں اس قدر غلو کیا گیا کہ الوہی صفات بھی ان جلیل القدر ہستیوں سے منسوب کر دیئے گئے۔

زردشت (583-660 ق۔م) کے یہاں خدائے واحد کا تصور موجود تھا۔ لیکن امتدادِ زمانہ

کے ساتھ ساتھ اس تصور میں وحدانیت کی جگہ یزداں واہرمن کی ثنویت نے لے لی۔ ہندوستان کے قدیمی مذاہب میں اللہ پاک کی صفات نے ذات کی صورت اختیار کر لی اوراس طرح خدائے واحد کی پرستش متعدد صفات کے حامل مختلف مصنوعی دیوتاؤں کی شکل میں ہونے لگی اور یوں تینتیس کروڑ دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہونے لگی۔ عیسائی قوم نے ایک خدا کے تصور کو تثلیث (خدا اس کا بیٹا، روح القدس یا مریم) میں تبدیل کر دیا۔

اسلام میں، جو ادیانِ عالم میں سب سے کم عمر ہے، اللہ الواحد کا اقرار غیر اللہ کی نفی کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اولاً لا یعنی نفی کے ذریعہ غیر اللہ کے وجود کو مٹا دیا جائے اور پھر اس ذات کا اقرار کیا جائے جو وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ قرآن مجید کی سورہ، سورہ اخلاص میں اللہ پاک کی وحدانیت کا اعلان بہت مدلّل اور دوٹوک انداز میں کیا گیا ہے۔ "**قل ھو اللّٰہ احد، اللّٰہ الصمد لم یلد و لم یولد، و لم یکن له کفوا احد**" آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ اکیلا ہے۔ لفظ اللہ کا مادّہ الٰ اور الٰہ ہے جو معبود کے معنی میں مستعمل ہے۔ وہ خدا کا ذاتی نام ہے۔ جو جملہ الوہی صفات کا مظہر ہے۔ یہی اسم اعظم اور جملہ اسمائے حسنہ کا مبداو منبع اور محور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تحمید و تمجید کا حکم دیتے ہوئے ایک پوری سورہ نازل فرمائی ہے یہ سورہ سورۂ فاتحہ ہے۔ آیۃ الکرسی اور سورہ حشر کی آخری آیات، نیز سورہ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی جامع و مانع حمد و ثنا بیان کی گئی ہے۔ ان آیاتِ مقدسہ کے علاوہ بھی متعدد آیاتِ قرآنی ہیں جن میں رب عظیم کی حمد و ثنا موجود ہے۔ مثلاً سورہ الجمعہ آیت 46، سورۃ النمل آیت 59، سورۃ القصص آیت 70، سورہ ہود آیت 73، سورۃ الروم آیت 18، سورۃ الطّور آیت 48، سورۃ النصر آیت 3 وغیرہ۔

حمد و نعت و منقبت میں تعریف ایک امر مشترک ہے لیکن باعتبار موضوع ان تینوں میں بہت فرق ہے۔ اللہ پاک کی ذات وصفات کی تعریف حمد، اللہ کے رسول پاک کی ذات وصفات اور ان کے متعلقات و منسلکات کا شعری بیان نعت اور بزرگانِ دین اور ائمہ کرام کی مدح سرائی منقبت کہلاتی ہے۔

مولوی نورالحسن نیّر صاحب نے حمد و ثنا کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حمد خدا کیلئے مخصوص ہے اور ثنا کا استعمال انسان کے لئے بھی ہوتا ہے۔ (نور اللغات، ج-2، ص-574، کالم 1و2)

حمد کی دو نمایاں قسمیں ہیں۔ حقیقی حمد اور رسمی حمد۔ رسمی حمد میں دراصل حصول ثواب و برکت کا تصور شامل ہے۔ جسے تحقیق حمد میں ایک محرّک کی حیثیت حاصل ہے۔ اربعین، نووی اور سند الفردوس

(ویلمی) میں درج ذیل حدیث موجود ہے۔

کل امر ذی بال لا یبدء بحمد اللّٰہ والصلوٰۃ علی فھو اقطع ابتر ممحوق من کل برکۃ۔ ترجمہ: ہر اہمیت والا کام جو اللہ کی ثنا اور میری نعت سے شروع نہ کیا گیا ہو نامکمل ناقص اور برکت سے محروم ہے۔ (الانصار۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، ص۔216 مطبوعہ نظامی آفسیٹ پریس، لکھنؤ 1992ء)

واضح ہو کہ حمد کو رسمی اظہارِ عقیدت کے روایتی انداز سے باہر نکال کر ادبی و فنّی خصوصیات سے آشنا کرانے اور اسے بطور صنف ایک معیاری مقام عطا کرنے میں حالؔی اور اقبالؔ کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ حالؔی اور اقبال سے پیشتر کا حمدیہ ادب زیادہ تر وصفی اندازِ بیان کی حمد نگاری سے عبارت ہے۔ اس اوّلین حمدیہ سرمایہ میں بعض شعراء کے قصیدوں، مثنویوں یا غزلوں میں کہیں کہیں حقیقی حمد کی جھلک مل جاتی ہے لیکن مجموعی طور پر حالؔی سے پہلے کی شاعری میں حقیقی حمد کی وہ فضا نظر نہیں آتی جو حالؔی کا خاصہ ہے۔ ڈاکٹر اقبالؔ نے کیفِ حمد میں قابل قدر اضافے کئے ہیں۔ حالؔی نے صحیح معنوں میں حمد کو ایک اسلوب اور معیار عطا کیا اور انہوں نے اپنی مختلف حمدیہ کاوشوں کے ذریعہ حقیقی حمد کے معیاری اور مؤثر نمونے پیش کئے حالؔی ہی کے زیر اثر علامہ اقبال نے حمد نگاری کی طرف خصوصی توجہ کی اور لب و لہجہ کی چاشنی، فنی خوبیوں اور والہانہ پن کے سہارے حقیقی حمد نگاری کے پرکیف مرقعے منصۂ شہود پر جلوہ گر کئے۔ حمد کی تاریخ وارتقاء میں آگے چل کر یہی روایت اسماعیل میرٹھی، اکبرالہ آبادی، محمد علی جوہرؔ، بے نظیر وارثیؔ، ریاضؔ خیرآبادی، اصغرؔ گونڈوی، ظفرعلی خاں، احمدؔ ندیم قاسمی، عمیقؔ حنفی، افسرؔ میرٹھی، مجیدؔ امجد، ماہر القادریؔ، نعیمؔ صدیقی، خالد بزمیؔ، سرورؔ بجنوری، محمد اکرام رضا، ذکیؔ قریشی، زیبؔ غوری، ولی الحقؔ انصاری، احسنؔ بھوپالی، سرورؔ انبالوی، شمسؔ بریلوی، حسینؔ اشرفی، وجدؔ چغتائی، نظیرؔ لدھیانوی، صباؔ اکبرآبادی، حفیظ ثابتؔ، شیداؔ بریلوی اور عہد حاضر کے دوسرے انگنت شاعروں کی مساعی جلیلہ کی باعث استوار اور مستحکم ہوگئی اور ان ہی حمد نگاروں کی وجہ سے عہد حاضر کے زیادہ تر حمد نگار شعراء کے یہاں حمد کی فضا رسمی اور روایتی نہیں بلکہ تحقیقی اور حقیقی ہے۔

متذکرہ بالا حمد کی دو بڑی قسموں (رسمی اور مقصدی) کا تجزیہ، اگر ان کے محرکات و مقاصدِ تخلیق موضوعات اور ان کے پیش کرنے کے طور طریقوں اور زبانی اثرات کے حوالہ سے کیا جائے تو حمد نگاری کے انداز کے تنوع اور اس کے اسالیب کی رنگارنگی کا بخوبی احساس ہوجاتا ہے۔ یہ صنف عربی اور فارسی سے ہوتی ہوئی اردو میں آئی اور اسے اردو کے اصناف شعری میں ایک جداگانہ مقام حاصل

کرنے میں کئی صدیاں لگیں کہ اس نے اپنے ارتقائی سفر میں موضوع اور انداز بیان کے متعدد اسلوب اختیار کیئے۔ان کا یہ جائزہ ایک اعتبار سے فن حمد نگاری کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کا مطالعہ ہے۔جو اس صنف سخن کی تفہیم کے لئے بہت ضروری ہے۔

صنف حمد میں حمد نگار شعراء کے مزاج ان کے افتادمزاج،ان کے تخلیقی محرکات ومقاصداورعصری ضروریات واثرات کے تحت جومنفردونمایاں انداز واسالیب نظر آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(1) توصیفی انداز حمد۔ (2) عشقیہ انداز حمد۔ (3) غزلیہ انداز حمد۔ (4) مقصدی انداز حمد۔ (5) تاریخی اندازِ حمد۔(6) التجائیہ واستغاثیہ اندازِ حمد۔

توصیفی اندازِ حمد:

اس انداز کی حمدوں میں اللہ پاک کی مدح وثنا کا رجحان غالب رہتا ہےاوراظہارِ محبت وشفتگی کی حیثیت ثانوی ہوتی ہےاس اندازِ بیان میں اللہ پاک کےان اسمائے حسنہ کا ذکر بکثرت ملتا ہےجن کا تذکرہ قرآن پاک، احادیث نبویہ اور دیگر کتب سماویہ میں موجود ہے۔اس قبیل کی حمدوں میں اللہ پاک کے بنی نوع انسان پراحسانات جوتفصّلات کے حوالہ سےاللہ پاک کی حمدوثنا کی جاتی ہے۔

عشقیہ اندازحمد:

اس قبیل کی حمدوں میں اللہ پاک کی حمدوثناپراللہ پاک سےمحبت وشیفتگی کا جذبہ متولی رہتاہےاور اللہ پاک کی ستائش کی بہ نسبت آپ کی ذات اقدس سے وابستہ جذبات واحساسات اورواردات قلبی کا ذکرزیادہ ہوتاہے۔حمد کا یہ اندازِ جذب وشوق اور کیف وسرمستی میں مستغرق نظر آتا ہے۔صوفیائے کرام کی حمدیہ شاعری میں اس انداز کی کثرت دیکھنے کوملتی ہے۔

غزلیہ حمد:

غزل وتغزّل فارسی اور اردوشعراء کی گھٹی میں شامل ہےاس لئے اس کے اثرات حمد پر بھی پڑےاوراس طرح ایجاز واختصار، رمزوایما، کنایہ واشارہ،استعارہ وتلمیح اورغزل کی دیگرخصوصیات حمد میں بھی درآئیں اوراس طرح حمد میں اللہ پاک سے محبت کے ذکراوراس کے ثنا کے بیان میں غزلیہ انداز کی گہری چھاپ ہے۔

اردوحمد میں غزلیہ انداز کی صدہا مثالیں ملتی ہیں۔نعتیہ دواوین میں غزل کے انداز میں لکھی گئی حمدوں کی کثرت ہے۔

مقصدی اندازِ حمد:

ہر زمانے کے حمد نگاروں نے حمد کو اپنی عصری ضروریات اوراپنے زمانے میں درپیش مسائل کے مطابق کسی نہ کسی مقصد کی تحصیل کے لئے غزل کے اسلوب کو استعمال کیا ہے۔

حمد میں مقصدیت کو مدنظر رکھ کر حمدوں کے تجزیہ سے مرقومہ ذیل چار صورتیں سامنے آتی ہیں۔

معاشرتی مقاصد:

حمدوں کے ذریعہ اصلاح معاشرہ اوراسلامی نظام حیات کی ترویج کے سلسلے میں تخلیق کی گئی حمدیں۔

آفاقی مقاصد:

اس قبیل کی حمدوں میں توحید، حفظ ایمان وایقان، ارکان اسلام پر مواظبت، اعلاء کلمۃ اللہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، ظلم وستم اور فسق وفجور کے انسداد کی کوششیں، جدوجہد اور سعی وعمل کی تلقین، یاس وقنوطیت کے خلاف جہادی اقدامات، اخلاص وقناعت، حمیت وخودداری، صبر واستقامت۔ ذکر وفکر وغیرہ موضوعات کا شمار آفاقی مقاصد کے تحت ہوتا ہے۔ ان عام موضوعات کا تعلق فرد معاشرت، ملّت اور بنی نوع انسان کی اصلاح سے ہے۔

تاریخی اندازِ حمد:

حمد کے اس انداز میں اقوام ماضیہ کے عروج وزوال کا نقشہ پیش کرکے اللہ پاک کی قدرت کاملہ اوراس کی عظمت وتمکنت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس قبیل کی حمدوں کے اچھے نمونے حالؔی، اقبالؔ، حفیظ جالندھری اور ماہرؔ القادری کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

التجائیہ واستغاثیہ اندازِ حمد:

انسان طبعی طور پر عبدیت ومعبودیت کا خوگر ہے وہ جب بھی مشکلات میں گھر جاتا ہے تو اپنی بے کسی کا اعتراف کرتے ہوئے ذات لم یزل ولا یزال کی بارگاہ میں اپنے عجز وبیکسی کا اظہار کرتے ہوئے قادر مطلق سے مدد کا خواستگار رہوتا ہے۔ اللہ پاک بندے کی ناچاری اور بے بسی کے اظہار کو دیکھ کر اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور بارانِ رحمت نازل کرتا ہے۔

نعت کی طرح حمد کا شمار بھی موضوعاتی شاعری کے تحت ہوتا ہے اور وہ شاعری کی تمام ساختوں میں کہی جاتی ہے۔

عربی کی حمدیہ شاعری میں امیّہ بن صلت، عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، محمود الورّاق، عمر بن وردی، سبعہ معلقہ کے شاعر لبید، حسان بن ثابت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ حضرت لبید کے جو مخضر ی شاعر ہیں، درج ذیل مصرعے کی تعریف نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی متبرک زبان سے کی گئی ہے۔

"**الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل**" (اللہ کے سوا ہر شئی باطل ہے) اس مصرعہ کا مصرعہ ثانیہ ہے۔ "**وکل نعیم لا محالہ زائل**"۔ یعنی ہر نعمت کا انجام بہر حال زوال ہے۔

حضرت حسان کی ایک نعت کے درج ذیل حمدیہ اشعار قابل ذکر ہے:

تعالیت رب الناس عن قول من دعا سواك اللّٰـه انت اعلیٰ و امجد

لك الخلق و النعماء کله فایاك نستهدی هو ایّاك نعبد

ترجمہ: اے لوگوں کے رب آپ اس شخص کے قول سے بلند و بالا ہیں، جس نے آپ کے علاوہ کسی کو معبود کہہ کر پکارا۔ آپ تمام خلائق اور نعمتوں کے مالک ہیں۔ پس ہم آپ ہی سے طالبِ ہدایت ہیں اور ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔

جہاں تک فارسی زبان وادب میں حمد نگاری کا تعلق ہے۔ شاہنامہ فردوسی میں حمد کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ فارسی کے قدیم شعراء میں شیخ فضل اللہ، سید ابوالخیر نے کافی جاندار حمدیہ، رباعیاں لکھی ہیں۔ نظامی، مولانا عبدالرحمٰن جامؔی، عراقؔی، شیخ سعدؔی، امیر خسرؔو اور مرزا غالبؔ نے بھی فارسی ادب کو اچھی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔

حمد اردو ادب میں اس وقت سے ملتی ہے جب کہ اردو نے اپنی توتلی زبان سے بولنا شروع کیا تھا۔ ملّا داؤؔد سے لے کر زیبؔ غوری اور پروفیسر ولی الحق انصاری تک اردو میں حمد نگاری کی ایک جاندار اور دم دار روایت ہے۔ فخر دین نظامی نے بھی ملّا داؤد کی طرح اپنے حمدیہ اثاثہ میں قرآنی آیات کو نظم کر کے کلام کے حسن کو دوبالا کیا ہے۔ ان کی تصنیف کدم راؤ پدم راؤ مضامین کے ساتھ ساتھ لسانی نقطۂ نگاہ سے بھی اہم ہے انہوں نے اپنی مذکورالسبق تصنیف میں عربی و فارسی الفاظ کی بجائے سنسکرت، پراکرت اور علاقائی زبانوں کے الفاظ بکثرت استعمال کئے ہیں۔

ملّا داؤد فخر نظامی سے پہلے کے شاعر ہیں لیکن ان کی زبان نظامی کی زبان کے مقابلہ میں زیادہ صاف اور زیادہ سادہ ہے اور اس میں سنسکرت کے لفظوں کی بھی کثرت نہیں ہے۔ موصوف نے اپنی تخلیق ''چندائن''، میں حمد باری تعالیٰ سے متعلق پانچ بند حوالۂ قرطاس کئے ہیں، جن میں مختلف نہج اور پیرائے

میں حمد الٰہی پیش کی گئی ہے۔ان سے پیشتر حمد باری میں اس قسم کا لاجواب انداز دیکھنے کو نہیں ملتا۔

میران جی نے اپنی حمد میں سے ثقیل الفاظ خارج کر کے زبان کو نکھار عطا کیا۔شاہ بہاء الدین نے جو عبدالکبیر کبیرؔ سے زیادہ متاثر ہیں، اپنے حمدیہ مضمون میں اس ہستی مطلق کو کائنات کے ذرّے ذرّے میں جلوہ نما دیکھا ہے، جو واحد و یکتا ہے۔انہوں نے نظریہ ''ہمہ اوست'' کو شاعری کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ان کے یہاں مقامی رنگ کافی چوکھا ہے۔ان کا ایقان ہے کہ بھیم جیسا مہابلی بھی اس کے سامنے اپنی قوت کھو دے گا اور علام جیسی عظیم ہستی بھی اپنی بے بسی پر اس رب العزت کے سامنے رو دے گی۔اس کی قوت و جبروت کے سامنے انبیاء بھی نفسی نفسی کرتے دکھائی پڑیں گے۔

اشرفؔ نے حقائق و معارف کی تعلیم ورثہ میں پائی تھی چنانچہ انہوں نے اپنی تصانیف میں توحید پر خصوصی توجہ دی ہے موصوف ''نوسر ہار'' میں کہتے ہیں:

اشرف لیکھے ایہ بکھان — توحید حق کی موزوں آن
اللہ واحد حق سبحان — جن پہ سرجیا بھومی سمان

فرمانروائے بیدر مرزا علی کے عہد میں قریش بیدریؔ نے، جو جنسیات کی ایک مستقل تصنیف ''بھوگ بل'' کے تخلیق کار ہیں، اپنی تخلیق ''ولایت نامہ'' میں اللہ پاک کی حمد و تقدیس میں نئے نئے پہلو نکالے ہیں۔''بھوگ بل'' تخلیق کا تخلیق کار اس طرح کی مذہبی تصنیف کیسے لکھ سکتا ہے۔قریشی نے اپنی حمد میں اللہ پاک کی خلاّقیت ہی کو مدنظر رکھا ہے۔

خوب محمد چشتی خدا کے لطیف ہونے پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی فاعل حقیقی اور قادر مطلق ہے۔کہا گیا ہے کہ **"لا تتحرك ذرة الّا باذن الله"** یعنی کوئی ذرّہ اللہ کی اجازت کے بنا حرکت نہیں کرتا۔اسی حقیقت کو بنیاد بنا کر خوب محمد چشتی نے کہا ہے کہ جتنے بھی اعمال ہیں سبھی قدرت کی منات سے پیدا ہوئے ہیں لیکن نفس، خودی سے دھوکا کھا کر، یہ سمجھتا ہے کہ فاعل یعنی فعل کو انجام دینے والا وہی ہے۔

شاہ ابوالحسن قرنی نے اللہ پاک کی تحمید میں وصفی انداز بیان اپناتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ پاک کا عَلم خالقِ کائنات ہے، جس نے لفظ ''کُن'' سے کائنات کی تخلیق کی ہے۔وہ مظاہرِ کائنات پر محیط ہے عالم کائنات، جب عدم کے پردے میں تھا، تب بھی اللہ پاک کو اس کا علم تھا۔

عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر ملک الشعراء غواصی نے مثنویوں کے علاوہ۔قصائد میں بھی حمدیہ شاعری کے نادر نمونے پیش کئے ہیں۔

ابن نشاطی ایک مذہبی اور راسخ العقائد شاعر تھا وہ دنیوی عیش و نشاط کا طالب اور آلام روزگار کی تلخیوں سے تحفظ کا خواہاں تھا وہ اللہ پاک سے ''ولایتِ شاعری'' بخشش کے بطور مانگتا ہے تا کہ وہ اشعار کی نزاکت سے مرقع سازی کر سکے۔اس کی مذہبیت میں رسمیت کی بجائے خلوص وعقیدت کی حکمرانی ہے۔اس کے حمدیہ ومناجاتیہ اشعار میں خلوص کی گہرائی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔اس نے اپنی ایک حمدیہ کاوش میں لکھا ہے کہ آسمان کی گوہرافشانیاں، چمن کی گلکاریاں، پھولوں کی عطربیزیاں و رنگ آمیزیاں اور نرگس کی کور چشمی، سروکا سیدھا پن، بادبہاری کا الھڑ پن اور دن رات کی سفیدی، سیاہی غرضیکہ کائنات کی ہر شئی اللہ پاک کی قدرت کاملہ کے شواہد میں داخل ہے۔

صنعتی نے اپنی حمدیہ کاوش میں خلاّق اعظم کی بزرگی اور خلائقِ خداوندی میں مقام بشریت، انسان کی عظمت اور اس کی دیگر خلائق خداوندی پر برتری نظم کی ہے۔اس نے اپنی حمد نگاری میں آیات قرآنی سے استنباط کیا ہے۔

بلاؔقی، معظمؔ، مختاؔر اور عبداللطیفؔ نے اپنی حمدیہ کاوشوں میں وصفی اندازِ بیان اپناتے ہوئے اللہ پاک کے اسمائے حسنہ پر روشنی ڈالی ہے۔سرتاج شعراء نصرتیؔ نے اپنے حمدیہ اشعار میں اللہ پاک سے عقیدت کے عمدہ نمونے پیش کئے ہیں۔اس نے اللہ پاک کی صفتِ نور پر بطور خاص زور دیا ہے۔اس نے اپنی مثنوی ''علی نامہ'' میں بطالت و پامردی، شجاعت و شہامت اور ہمت و جوانمردی کو حمدیہ شاعری کا جزو بنایا ہے۔اس کی مثنویوں کے دعائیہ حصے زیادہ درخور اعتنا ہوتے ہیں۔

اردو کی حمدیہ شاعری کا یہ سفر اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ فلکِ شاعری پر ایک نیا سورج طلوع ہوا۔راقم الحروف نے اس سورج کے طلوع ہونے کو حمدیہ تاریخ کا حدّ فاصل قرار دیا ہے یہ نیا سورج ولی محمد ولیؔ ہے۔تاریخ ادب اردو میں 1718ء کو بڑی اہمیت حاصل ہے یہ وہ سنہ ہے جب ولیؔ کا دیوان دلّی پہنچا اور اس نے اردو شاعری کو دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ولیؔ نے شمال وجنوب کے ڈانڈوں کو ملا کر اردو شاعری کو دوآتشہ بنا دیا۔ولیؔ کی کلیات کا آغاز غزل سے ہوا ہے۔جو بیک وقت عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں کا غمّاز ہے اس نے اپنی حمد میں اس بات کا صاف طور پر اعلان کیا ہے کہ تمام تعریفیں اس قادر بے ہمتا کو سزاوار ہیں جو قائم بالذات اور سارے عالم کا پالنہار ہے جس کی قدرتِ کاملہ اور جس کے حسن تدبیر سے یہ نظامِ عالم چل رہا ہے۔اس کا اعتقاد ہے کہ جب باری تعالیٰ اپنی شانِ ظہوری سے خارجی مظاہر فطرت میں ظہور فرماتا ہے تو اس کی وحدت کی جلوہ گری کثرت میں ہوتی ہے جو اضافات و اعتبارات سے ماوریٰ اور کافی بالذّات ہوتی ہے۔ولیؔ کے یہاں اللہ پاک کی

ذات سے گہری عقیدت اور وابستگی پائی جاتی ہے۔

فائزؔ پہلے دہلوی شاعر ہیں جنہوں نے اپنی کلیات میں شاعری کو میزانِ مذہب پر تولا ہے۔ وہ بادشاہ حقیقی کے علاوہ کسی اور کو مدح کے لائق نہیں مانتے۔ ان کے دیوان میں مناجات کے عنوان سے جو مثنوی موجود ہے اس میں انہوں نے اپنی بیکسی، عاجزی، عصیان اور گناہ کا اعتراف کیا ہے اور رب العزت سے رحم وکرم اور عفوو درگزر کی التجا کی ہے۔

ولیؔ کی روایت کو آگے بڑھانے میں جو شعراء سرفہرست ہیں ان میں داؤدؔ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ شاہ صدرالدین، شاہ ابوالحسن قربیؔ اور شاہ کمال الدین کمالؔ کے یہاں صوفیانہ و مذہبی خیالات باہم مدغم ہوگئے ہیں۔ اس ادغام سے ایک نیا مذہبی رجحان جنم لیتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ نیا رجحان اگر ایک طرف ہندو مسلم اتحاد کا علمبردار ہے تو دوسری طرف قوم وملّت کی اصلاح کا ضامن ہے۔ اس میں روحانیت کے ساتھ ساتھ امن وآشتی کا پیغام ہے۔ شاہ کمال الدین کمالؔ کے یہاں مشاہدۂ حق اور ’’عرفانِ وحدت‘‘ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حمد کی اس روش کو انعام اللہ خاں یقینؔ، مرزا مظہر جان جاناں اور شیخ ظہورالدین حاتمؔ نے آگے بڑھایا۔

حمدیہ شاعری کے لئے بھی سوداؔ کا عہد، عہد زرّیں کہا جاسکتا ہے سوداؔ سے پیشتر اردو حمد فنّی شعور سے عاری تھی۔ سوداؔ وہ پہلا شخص ہے جس نے فنّی شعور کے ساتھ حمد پر خامہ فرسائی کی ہے اس نے قصائد و ہجویات میں بھی حمدیہ مضامین نظم کئے۔ اس کی حمدیہ غزلوں میں خیالات کی نزاکت، الفاظ کی بندش اور صنائع لفظیہ ومعنویہ کی ترتیب وتہذیب دیدنی ہے۔ اس نے اس عقدہ کو حل کیا ہے کہ روئے زمین کا ہر فرد اگر ’’پروانۂ تجلّی وحدت‘‘ بن جائے تو ’’چراغِ دیر‘‘ اور ’’شمع حرم‘‘ کا نور ہر ایک کے لئے یکساں ہوجائے گا۔

میر تقی میرؔ نے اپنی حمدوں میں یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ پاک غنی ہیں اور استغنا کو پسند فرماتے ہیں۔ میرؔ اللہ پاک کی رحمت اور اس کے غضب کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی بے بسی اور اللہ پاک کی قدرت کاملہ کا اظہار اپنے مخصوص لہجے میں اس طرح کیا ہے:

’’چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث یہ نام کیا‘‘

خواجہ میر دردؔ اپنی حمدیہ شاعری میں اس آفاقی حقیقت کا اظہار کرتے دیکھے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قائم بالذات اور دائم بالصفات ہستی ہے جو وقت اور زمان ومکان سے ماوراء اور ازلی وابدی ہے وہاں تک عقل کی رسائی مستبعد بلکہ محال ہے لیکن کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں اس کا ظہور اور آفتاب و ماہتاب میں اسی کا نور جلوہ گر ہے۔ میر حسن حسنؔ کے حمدیہ اشعار میں اللہ جل شانہٗ کی ذات قدسیہ اور

صفات عالیہ کا ادراک اور اس ذات سے والہانہ عقیدت نمایاں ہے۔ سوداؔ کے شاگرد قائمؔ کے یہاں وصفی اندازِ بیان نمایاں ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ سمیع و بصیر اس کی صفات ہیں اور وہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

خواجہ میر دردؔ کے معاصرین سیّد محمد میر سوز کا نام لائقِ رقم ہے ان کی حمدیہ شاعری میں اعترافِ عجز کا عنصر کافی نمایاں ہے۔ جرأت کے یہاں جنسیات کے کھلے دفتر کے ساتھ ساتھ جذبات محمودہ اور واردات قلبی کی عمدہ ترجمانی ہے۔ ان کے حمدیہ اشعار میں والہانہ جذبۂ بندگی کی جھلک صاف طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

اردو کی حمدیہ شاعری میں نظیرؔ اکبر آبادی کا نام کافی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے دہلوی اور لکھنوی مکاتب فکر سے انحراف کر کے عوامی زبان کو اپنایا ہے اور اپنی حمدیہ شاعری سے عوام و خواص کے اخلاق سنوارنے کا کام لیا ہے۔

سعادت یار خاں رنگینؔ نے اللہ پاک کی خلّاقیت پر زیادہ زور دیا ہے۔ دہلی کے نصیر الدین شاہ نصیر سنگلاخ زمین اور مشکل ردیف و قافیہ نظم کرنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں لیکن حمد کے میدان میں ان کے یہاں توحید و معرفت کے مضامین میں رنگا رنگی اور تنوّع ہے جو قدرت و عقیدت کے نقاطِ نظر سے خاصے کی چیز ہے۔ یہ تنوع صرف بصیرت افروز نہیں بلکہ جذبات عشق کا صحیح ترجمان بھی ہے جس سے قاری و سامع کے قلب کی تاریک گہرائیوں میں سرور و کیف کی شمع روشن ہو جاتی ہے۔

میر نظام الدین ممنونؔ نے حمدیہ شاعری میں بھی اپنی جودت طبع کے جوہر دکھلائے ہیں۔ ممنونؔ کے معاصر حکیم مومن خاں مومنؔ کی حمدیہ شاعری میں عبادت و عبدیت کے والہانہ جذبات اور طاہر و مطہر خیالات کی عکاسی بڑی صفائی اور موزونیت کے ساتھ درخشاں و تاباں نظر آتی ہے۔ ان کے نزدیک اللہ ہی وکیل و کارساز اور والی و معین ہے۔ اللہ پاک کے علاوہ دیگر مصنوعی خداؤں سے استمداد شرک ہے۔

ذوقؔ کی حمدوں میں قرآنی آیات کے مفاہیم بڑی خوبصورتی کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں۔

1857ء کی جنگ آزدی کے بعد کی حمدیہ شاعری اپنے ماقبل کی حمدیہ شاعری سے واضح طور پر نمایاں ہے۔ 1857ء کی شکست کے بعد کی حمدوں میں التجائیہ و استغاثیہ پہلو نمایاں ہے۔

غالبؔ اپنی حمدوں میں ایک زبردست موحّد کی شکل میں ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ غالبؔ کے موحد ہونے کا کھلے بندوں اعتراف خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے اپنی تصنیف یادگار غالبؔ میں اس طرح کیا ہے کہ ''مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے اور توحید وجودی کو اسلام کا اصل

اصول اور رکن رکین جانتے تھے۔'' غالبؔ کا توحیدی نظر ''ہمہ اوست'' کے فلسفہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ صاف طور پر کہتے ہیں:

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر　　ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

غالبؔ وسعت رحمت کا گہرا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ بے لوثی اور اخلاص کے ساتھ عبادت الٰہ کے قائل ہیں:

طاعت میں نہ رہے مئے وانگبیں کی لاگ　　دوزخ میں ڈال دو کوئی لاکر بہشت کو

غالبؔ کے عقیدۂ توحید سے متعلق رقم ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا　　جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

☆

ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم　　ملّتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں
(دیوان غالب، ص-90)

ہر چند ہر ایک شئے میں تو ہے　　پر تجھ میں تو ایک شئے نہیں ہے
(ایضاً، ص-150)

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں　　ہم کہاں ہوتے، اگر حسن ہوتا خودبیں
(ایضاً، ص-184)

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے　　حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں
(ایضاً، ص-84)

ہے تجلی تری سامان وجود　　ذرّہ بے پر تو خورشید نہیں
(ایضاً، ص-79)

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود　　پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
(ایضاً، ص-124)

بہادر شاہ ظفرؔ کے نزدیک باری تعالیٰ کی ربوبیت اور قدرت کے مظاہر تمام روئے زمین اور تمام آسمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس نے اپنی قدرت کی کرشمہ سازی سے جس طرح چمن کو گلوں سے سجایا ہے، اسی طرح بے آب و گیاہ صحراء میں بھی گلہائے رنگارنگ کی قالینیں بچھا دی ہیں:

چمن ہی پر فقط موقوف کیا ہے اس کی قدرت　　ہزاروں ہیں ظفرؔ گلہائے رنگارنگ صحراء میں

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ مرثیہ خوانی کے دوران اللہ پاک کی ثنا و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ان کے حمدیہ اشعار میں وصفی انداز کا غلبہ ہے۔

امیرؔ و محسنؔ و داغؔ نیز شاگردانِ داغؔ میں نوحؔ ناروی کے شاعرانہ اکتسابات میں حمد نگاری کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ 18 مئی 1874ء دور جدید کا نقطہ آغاز ہے۔ جدیدیت کے انقلاب نے اردو شاعری کی ہیئت بدلی، موضوعات بدلے، بحور و قوافی میں نئے نئے تجربات کئے غرضیکہ ہر اعتبار سے اسے نکھارا، سنوارا، سجایا اور اردو شاعری کو اس قابل بنا دیا کہ وہ دوسری عالمی زبانوں سے آنکھ ملا سکے۔ مولوی محمد حسین آزادؔ جدیدیت کے علم بردار ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری میں مسائل حیات کے نقوش ہیں اور حسنِ عقیدت کے پھول بھی۔ اس دور کے ایک شاعر منشی درگا سہائے مسرورؔ ہیں جنہوں نے شاعرانہ تنگ خیالی اور مذہبی تعصب کو بالائے طاق رکھ کر اردو کی مذہبی شاعری کے دامن کو توحید کے زمزموں سے مالا مال کر دیا ہے۔

طرز جدید کے علمبرداروں میں مولانا الطاف حسین حالیؔ ایک مصلح قوم کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ بندۂ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کو معبود حقیقی کی یاد میں سدا رطب اللسان رکھے۔ محبت ہو تو اسی سے ہو اور امیدیں وابستہ کی جائیں تو صرف اسی سے۔ عبادت ہو تو اُسی کی اور پرستش کے لائق بھی اسی ایک ذات بے ہمتا کو سمجھا جائے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ تمام جہتوں سے منہ موڑ کر اسی ایک ذات کی جانب اپنا رخ کر لیا جائے جو تمام کائنات کا خالق و مالک اور رب ہے۔ ایک بندہ کی یہ صفات اس کے عابد کامل ہونے کے دلائل ہیں۔ یہی ہیں وہ خیالات جن کا اظہار حالیؔ نے اپنی حمدیہ شاعری میں کیا ہے۔ انہوں نے ''مناجاۃ بیوہ'' میں جہاں عورتوں کے جذبات کی صحیح ترین ترجمانی کی ہے، وہیں نسوانی زبان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بھی کی ہے۔ حالیؔ کی حمدیہ شاعری میں جلال و جمال اور الوہی اوصاف کا حسین بیان ہے اور اپنی عجز بیانی کا دلکش اظہار بھی ہے:

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا ۔۔۔ ایک بندۂ نافرمان ہے حمد سرا تیرا
گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا ۔۔۔ بندے سے مگر ہوگا حق کیونکر ادا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں ۔۔۔ ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط ان کو ۔۔۔ جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلہ تیرا
کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا ۔۔۔ باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ ۔۔۔ ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب و جمال تیرا

ان کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
(کلیات حالؔی طبع اوّل لاہور 1968ء، ص-87)

علامہ شبلی نے عالمانہ سنجیدگی اور غور وفکر کو اپنی شاعری میں برت کر صرف مسلمانوں کے تنزل کے رشتے ہی نہیں دکھائے بلکہ اسلاف کی سنہری تاریخ کو شعری پیکر میں ڈھال کر انہیں رجائی پہلو کے شاندار مستقبل کا مژدہ بھی سنایا ہے۔

اسماعیل میرٹھی کا یہ ایمان ہے کہ اللہ پاک کی ذات واحد ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اگر اس کے علاوہ بھی کوئی الٰہ ہوتا تو یہ زمین فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن جاتی۔ انہوں نے بچوں کے لئے اللہ پاک کی حمد وثنا غزل کے پیکر میں بڑے مؤثر انداز میں پیش کی ہے۔ اسی زمانے میں میر یار علی جان نے ریختی یعنی عورتوں کی زبان میں اپنا دیوان مرتب کیا اور حمد یہ اشعار میں بھی خالص نسوانی زبان استعمال کی۔ اسی عہد میں اکبر حسین اکبرؔ الٰہ آبادی کی شخصیت کافی اہم ہے جنہوں نے حالؔی اور شبلؔی کی شاعری کو اقبال کی شاعری سے جوڑنے میں کافی اہم رول ادا کیا ہے۔ مغربی تہذیب کے اثرات کے ردّعمل میں جو رجحانات اور جو تحریکیں اس دور میں، بالعموم ہندوستانی سماج اور بالخصوص مسلم معاشرے میں، پروان چڑھ رہی تھیں اور جو ہندوستان کی دیگر زبانوں کے ساتھ اردو زبان کو بھی متاثر کر رہی تھیں، اکبرؔ کے یہاں ان رجحانات وتحریکات کے ردّعمل کی فراوانی اور بہتات ہے جہاں قوم وملت کے مسائل ان کی شاعری میں جگہ پاتے ہیں وہیں خدا اور رسول کا ذکر بھی ان کے یہاں رواں دواں ہے۔ اللہ پاک کی حمد میں انہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں ان میں عقیدت بھی ہے اور ایمان واخلاص بھی۔ اکبرؔ نے اللہ تعالیٰ کی صفت نور پر بھی اپنی حمد یہ شاعری میں روشنی ڈالی ہے۔

شوقؔ قدوائی، شادؔ عظیم آبادی اور مولانا محمد علی جوہؔر کے یہاں بھی حمد یہ عناصر فراوانی اور بہتات کے ساتھ موجود ہیں۔ اردو شاعری میں خمریات کو معراج کمال تک پہنچانے والے شاعر ریاضؔ خیر آبادی بھی اسی کیف وسرور میں اپنے معشوق حقیقی کو یاد کرتے ہیں۔ اصغرؔ گونڈوی قدیم موضوعات شاعری کو نئے انداز میں پیش کرنے کا ایک خاص سلیقہ رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں حمد کا موضوع بھی دلآویز اور پر کیف بن کر ابھرا ہے۔ اُن کے یہاں وحدۃ الوجود کے پیچیدہ مسئلہ کا حل عام فہم اور سیدھے سادے انداز میں ملاحظہ کریں:

پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا

نوحؔ ناروی کے یہاں حمد کے باب میں ندرتِ اسلوب ملاحظہ ہو:

خدایا ہے زمیں تیری، الٰہی آسماں تیرا اِدھر تیرا، اُدھر تیرا، یہاں تیرا وہاں تیرا
زمین و آسماں تیرا، مکان و لامکاں تیرا غرض ساری خدائی ہے تیری، سارا جہاں تیرا
کہیں صورت نظر آئی، کہیں جلوہ نظر آیا عیاں تیری، نہاں تیری، نہاں تیرا عیاں تیرا
ثنا و حمد لکھے نوحؔ ہرگز لکھ نہیں سکتا کہاں توحید تیری اور یہ بندہ کہاں تیرا

(گل رعنا مولانا سید عبدالحئی طبع دوم، ص-455)

ڈاکٹر سر محمد اقبال عصر حاضر کے طاغوتی ناپیدا کنار میں ایک نئی شان وشوکت کے ساتھ ''ارمغان حجاز'' کی کشتی لئے وارد ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں ''بال جبرئیل'' کی پتوار اور زبان پر "**یــأمــرون بالمعروف و ینهون عن المنکر**" کا وظیفہ تھا۔ اقبالؔ کو اقبال بنانے میں مذہب، فلسفہ اور شاعری کا بڑا دخل ہے۔ ان کی شاعری جو خوابیدہ اقوام کے لئے ''بانگِ درا'' ہے۔ مکمل نظام حیات پر محیط ہے اور چونکہ تعمیر حیات کا محل توحید ہی کی بنیاد پر مستحکم رہ سکتا ہے۔ اس لئے اقبال کے یہاں توحید اور نظام حیات کے روابط اور دینی تعلیمات پر کافی شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ انہوں نے خدا کے وجود کو کسی منطقی طرز استدلال سے ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اقبال کی شاعری میں مذہب اور فلسفہ کا حسین سنگم ہے۔ انہوں نے اپنی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی مطلق حاکمیت کا بیان کس فلسفیانہ انداز میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

(کلیات اقبال، بانگ درا مطبع پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص-197)

اے انفس و آفاق میں پیدا تری آیات حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات

(ایضاً، ص-83)

ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آنات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

☆

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینۂ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرّۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

(ایضاً، ص-89)

علامہ اقبال نے ایک گلہری کی زبان سے درج ذیل حمدیہ اشعار میں اللہ پاک کی کرشمہ سازی کے جلوے اس طرح دکھائے ہیں:

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے — کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے
بڑا جہاں میں تجھ کو بنایا اس نے — مجھے درخت پر چڑھنا سکھا دیا اس نے

(ایضاً، ص-23)

اقبالؔ کے یہاں اللہ پاک کی بیکراں رحمت اور بے پایاں عفو کا بیان کس حسین انداز میں کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بگڑتا ہے — جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے

(ایضاً، ص-81)

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے — قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے
روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل — آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

(ایضاً، ص-5)

قنوطی شاعر شوکت علی فانیؔ میں ان کے قنوطی نظریہ نے احساسِ کمتری پیدا کر دی تھی، جس کی جھلک ان کی حمدیہ شاعری میں بھی نظر آتی ہے وہ اللہ پاک کی صفتِ عفو کا تذکرہ کچھ اس طرح کرتے ہیں:

عجب نہیں، تیری رحمت کی حد نہیں کوئی — گناہگارِ ازل ہوں، میری سزا میں یہ ڈھیل

سیمابؔ اکبرآبادی اور ظفر علی خاں نے اپنی حمدیہ شاعری کی تزئین و ترتیب میں قرآنی آیات سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ تلوک چند محرومؔ مناظرِ قدرت میں حسنِ مطلق کی جلوہ گری کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ شاکرؔ میرٹھی اور آثرؔ لکھنوی بھی کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ جوشؔ مسلمانوں کے انحطاط و پستی کو مائل بہ ارتقاء کرنے کے لئے اللہ پاک سے التجا کرتے ہیں کہ وہ سینۂ مسلم کو سوز و گدازِ حیدری اور شجاعت و شہامتِ حمزہ رضی اللہ عنہ عطا فرمادے۔ افسرؔ میرٹھی نے ہمہ اوست، کا ایک عمدہ حل اپنی نظم ''رموزِ توحید'' میں پیش کیا ہے۔ عہدِ حاضر کے پاکستانی شاعر منیرؔ نیازی کی حمدیہ شاعری میں موجزن عقیدت و خلوص لائقِ ستائش ہے۔

پروفیسر ولی الحق فرنگی محلی کی حمدوں میں نعت و منقبت کا ادغام بہت بھلا لگتا ہے۔ پروفیسر ولی الحق انصاری متولد 1924ء کے ایک حمدیہ قصیدہ معنون بہ ''قصیدہ 33 اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں نعت و منقبت کا حسین ادغام ہے:

حور و قصور و باغ ہیں سب اس کا لازمہ | عاصی وؔلی ہے تجھ سے طلبگارِ مغفرت
آ جائے جب جہاں سے وقتِ روانگی | دنیا میں بعد مرگ ہو اظہارِ مغفرت
روشن ہو اس کی قبر، معطّر ہو اس کا جسم | شانوں پہ اپنے لے کے چلے بار مغفرت

اس قصیدہ میں مشمول دو نعتیہ اشعار اور ایک منقبتی شعر دیدنی ہیں:

رہتا ہے جس کے پیش نظر روضۂ رسول | کرتے ہیں چشم دل سے وہ دیدارِ مصطفیٰ
ہوتی ہے اس کی روح ثنائے رسول پاک | وہ بزم جس میں ہوتی ہے گفتارِ مغفرت
اصحابِ مصطفیٰ میں ہیں ایسے بھی دس بزرگ | پہلے ہی جن سے ہو چکا اقرار مغفرت

(معارف اعظم گڈھ جلد-161، شمارہ-6، جون 1998ء، ص-477-476)

فضل الرحمٰن، نعیم صدیقی، رشید وارثی، نظؔیر لدھیانوی، ضؔیاء اکبر آبادی، شاؔد، انصاراللہ الٰہ آبادی، شمؔس بریلوی، حسین مشرقی اور پروفیسر ولی الحق فرنگی محلی کی حمدیہ شاعری عہد حاضر کے مقتضیات کی عکّاسی کرتی نظر آتی ہیں۔

ملّا داؤد ڈلمئوی سے لے کر زیبؔ غوری اور ولی الحق انصاری تک کی حمدیہ شاعری کے اس مختصر سے جائزے سے یہ بات عیاں ہے کہ اردو حمد میں فکر و فن کی وہ ساری خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں جو شاعری کی کسی بھی صنف کے لئے طرۂ امتیاز گردانی جاسکتی ہیں۔ جب تک کائنات اور کائنات کو ژرف نگاہی سے دیکھنے والے افراد موجود ہیں اور جب تک منت شناسی ایک صفت محمود گردانی جاتی رہے گی تب تک حمد نگاری کی روایت شادابی و رعنائی کے ساتھ زندہ رہے گی۔ سائنس اور ٹکنالوجی میں ہونے والی تحقیقات اور اس کے نتیجہ میں سامنے آنے والے نت نئے انکشافات نے اللہ پاک کے وجود اس کی وحدانیت، اس کی خلاقیت، اس کی رزّاقیت اور اس کے دیگر اسمائے حسنیٰ کی حقّانیت کو واضح کر کے حمد نگاری کے لئے نئے نئے دروازے وا کر دیئے ہیں۔ حمد مسائل حیات سے زبردست وابستگی رکھتی ہے اور اس کا دامن، دامنِ ابد سے منسلک ہے۔

☆ سابق ریسرچ سپروائزر، کانپور یونیورسٹی کانپور
لال حویلی، امام گنج، جی آئی سی، فتح پور (یوپی)
موبائل : 9415157070

☆☆☆

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور، بہار)

بہار میں اُردو نعت کا آغاز و اِرتقاء

ریاست بہار میں اُردو میں نعت گوئی کی روایت بہت قدیم معتبر، مستحکم اور مسلسل ہے۔ دیگر جملہ اصنافِ سخن کی داغ بیل تو بعد میں بڑی مگر صنف نعت تو اس زمانے سے موجود ہے جب بہار میں اردو شاعری ابھی گھٹنوں کے بل چل رہی تھی۔ کیونکہ اس عہد میں تو شاعری کی ابتدا ہی حمدیہ ونعتیہ اشعار سے ہوتی تھی۔ بہار کی اردوشاعری اپنے دامن میں مقدار اور معیار دونوں اعتبار سے نعتوں کا عظیم سرمایہ رکھتی ہے اور ابتداء سے ہی یہاں نعت گویوں کا سلسلۂ نجوم نظر آتا ہے۔ بہار میں اردو شاعری کے مراکز عام طور پر خانقاہیں رہی ہیں۔ یہاں کے بزرگوں اور صوفیوں نے شاعری کی پاکیزہ اصناف حمد و نعت کو اپنے لئے وسیلۂ اظہار بنایا ہے۔ یہ بزرگان دین عشقِ رسول کے سب سے بڑے امین و علمبردار ہوئے ہیں۔ انہوں نے اردو کی نعتیہ شاعری کو اپنے مشاہدات کی تجلی اور اپنے جذبات و کیفیات کی بوقلمونی عطا کی ہے۔ نعتیہ شاعری خانقاہوں سے نکلی تو خانقاہوں کے پر مریدین متوسلین اور معتقدین کے یہاں پہنچی، اس طرح اردو شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں دو چار اشعار بھی نہیں کہا ہو۔ یہ تو معلوم ہے کہ نعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش کو کہتے ہیں۔ یہاں اس کی صنفی حیثیت اور فنی عظمت پر اظہار خیال سے شعوری طور پر احتراز کیا جاتا ہے کہ بحث طوالانی ہو جائے گی لیکن عرفیؔ نے نعت گوئی کے تعلق سے جو رہنما اُصول بتلائے ہیں اور جن پر دنیائے علم و دانش کا اجماع ہو چکا ہے۔ ان کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ:

ہُشدار کہ نواں بیک آہنگ سُرودن   نعتِ شہ کونین و مدیح کئی و جم را
عرفیؔ مشتاب ایں رہ نعت اس نہ صحرا ست   آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

یعنی نعت نگاری تیز تلوار کی دھار پر قدم رکھنے کے مترادف ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ حضرات جنہوں نے سلامتی کے ساتھ وادی پُرخطر کو طے کیا ہے۔

بہار میں اُردو کی نعتیہ شاعری کا آغاز کا سہرا کس بزرگ محترم شاعر کے سر باندھا جائے اس کی

تحقیق اب تک نہیں ہوسکی ہے۔ مگر دستیاب مواد کے مطابق اس ضمن میں سب سے پہلے میں حضرت سید شاہ قاسم ابوالعلائی (۱۸۸۵-۱۸۰۳ء) داناپوری کا نام لینا چاہوں گا۔ محترم پروفیسر طلحہ رضوی برق نے اپنی کتاب ''اُردو کی نعتیہ شاعری'' میں ان کے تین اشعار نقل کئے ہیں جو اس طرح ہیں:

الٰہی مجھے عشق احمد کا دے　　مرے سر میں سودا محمد کا دے
دکھا دے جمال اپنے محبوب کا　　جو شافع ہے میرا بروز جزا
میں واری ہوں اپنے شہنشاہ کے　　مثال چکور اپنے اس ماہ کے

خانقاہ داناپور کے ہی ایک دوسرے عظیم المرتبت شاعر حضرت شاہ اکبر ابوالعلائی (۱۹۰۹-۱۸۴۳ء) ہوئے ہیں عشقِ رسول اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ''جذبات اکبر''، اور ''تجلّیات اکبر'' ان کے دواوین ان کی نعتیہ غزلوں سے معمور ہیں۔ وہ نعت گوئی میں خود کو شاگرد حق تعالیٰ قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

مجھے اس فن میں شاگرد خدا کا ہے لقب اکبر　　اسی نے مجھ کو بتلایا طریقہ نعتِ احمد کا

چنانچہ وہ نعت احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں رطب اللسان ہیں:

تھا مدینہ سامنے آنکھوں کے ہنگام طواف　　میں نے کعبہ میں بھی دیکھا گھر رسول اللہ کا
تینوں قبریں روضۂ اقدس میں ہیں اس شان سے　　خطِ کوفی میں لکھا ہو جیسے نام اللہ کا

شادؔ عظیم آبادی (۱۹۲۷-۱۸۴۶ء) کی قد آور شخصیت اُردو دنیا کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ انہوں نے ''ظہورِ رحمت'' کے نام سے ایک میلادی رسالہ تصنیف کیا جس میں بڑی دلکش اور روح پرور نعتیں موجود ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں جن سے ان کی علوئے تخیل اور زورِ بیان کا اندازہ ہوتا ہے:

دیباچۂ سخن ہے شہِ انبیاء کی مدح　　محبوب ہے دلوں کو حبیب خدا کی مدح
طغرائے موج عشق ہے، خیرالوریٰ کی مدح　　اسلام کا نشان ہے، اس پیشوان کی مدح
نعت رسول حق ہے ہماری سرشت میں　　اُمت پہ اس کا راز کھلے گا بہشت میں
لکھتے رسالہ ہم ترے وصفِ جمیل کا　　ملتا قلم ہمیں جو پر جبرئیل کا

اپنے گدا کو خود وہ پکارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے
اُٹھ میرے عاشق، اُٹھ مرے پیارے، اُٹھ مرے کالی کملی والے

علامہ قتیلؔ داناپوری جو اپنے وقت کے ممتاز عالم دین، عارف کامل اور آستانہ چشتیہ نظامیہ داناپور کے زیب سجادہ تھے۔ بحیثیت شاعر ان کا شمار اساتذۂ فن میں ہوتا تھا انہوں نے یوں تو تمام مروجہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن نعت و غزل سے انہیں خصوصی لگاؤ تھا۔ ان کی نعتیہ شاعری

عشق ووارفتگی کا ایک ایسا حسین گلدستہ ہے جو آنکھوں کو نور اور دل کو سرور عطا کرتا ہے۔اس میں خلوص کی خوشبو بھی ہے اور عقیدت کی روشنی بھی۔ ایمانی لذت وحلاوت بھی ہے اور زبان و بیان کی پاکیزگی و نفاست بھی۔ان کی متفرق نعتوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رُخِ پُرنور حضرت، حق نما ہوتا ہے — یہ وہ آئینہ ہے، جس میں خدا معلوم ہوتا ہے
کلاہ بادشاہت ہے تری نعلین کا صدقہ — شہنشاہِ جہاں ترا گدا معلوم ہوتا ہے
کسی سے دامنِ خیرالبشر چھوٹا تو سب چھوٹا — قسم ذاتِ خدا کی یہ اگر چھوٹا تو سب چھوٹا
ہو کعبہ دل میں آنکھوں میں مدینہ چاہئے ورنہ — اُدھر چھوٹا تو سب چھوٹا، اِدھر چھوٹا تو سب چھوٹا
درِ فردوس ہو، بام حرم ہو، یا درِ کعبہ — اگر اس سرورِ عالم کا در چھوٹا تو سب چھوٹا

لسان الملک علامہ شاہ فضل امام واقف آروی نے بھی بہار کی نعتیہ شاعری کو بڑا وقار واعتبار بخشا ہے۔قدرتِ فن، ندرتِ فکر، جولانیٔ طبع اور جذب دروں ان کی نعتیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ان کی ایک بے حد مشہور و مقبول نعت کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پڑھو صلِّ علیٰ جب گفتگو میں ان کا نام آئے — نہ جانے یہ عمل کس وقت کس مشکل میں کام آئے
خدا کا حکم ہے، جب اُمتِ خیرالانام آئے — نبی پر بھیج کر میرے، درود آئے سلام آئے
ہوں ابراہیم و موسیٰ، نوح و آدم کوئی پیغمبر — شہِ لولاک اُن کی ہر کٹھن منزل میں کام آئے

حضرت امام احمد رضاؔ بریلوی کی مشہور نعت پاک پر ان کی تضمین کا صرف ایک بند ملاحظہ ہو:

عالم غیب و شہادت میں ہے چرچا تیرا — سب کو دیتا ہے ترے ہاتھ سے مولا تیرا
تو وہ داتا ہے کہ ثانی نہیں دیکھا تیرا — فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

پروفیسر عطاء الرحمٰن عطا کاکوی کو اردو فارسی ادب میں استناد کا درجہ حاصل ہے۔اصناف سخن میں غزل اور رباعی سے ان کو خاص دلچسپی رہی ہے۔مگر انھوں نے عشق وعقیدت میں ڈوبی ہوئی نعتیں بھی کہی ہیں۔ان کی قادرالکلامی اور صنّاعی مسلم ہے۔ان کے چند نعتیہ اشعار یہاں نقل کئے جارہے ہیں:

اے کہ ترا وجودِ پاک باعثِ رحمت تمام — اے کہ ترا کلام حق، حق کا کلام لاکلام
خاک کوئی سمجھ سکے، رفعتِ ذکر کو تری — بھیج رہا ہے خود خدا، تجھ پر درود اور سلام
نہ دیکھا ہو جس نے وہ جلد آ کے دیکھے — کہ عرش معلّیٰ ہے، فرشِ مدینہ
جو جاتا ہے بھر لیتا ہے کشکول گدائی — کس چیز کی دربار میں مولیٰ کے کمی ہے

بہار کے نامور نعت گو شاعروں میں ایک معتبر نام حضرت مولانا شبنم کمالی کا ہے۔ان کا تعلق شمالی بہار کے مشہور ترین سرزمین شعروسخن ''پوکھیرا'' سے ہے۔ان کی شاعری کا آغاز ہی نعت گوئی سے ہوا۔ زُود گوئی اور پُرگوئی ان کا امتیازی وصف رہا ہے۔انہوں نے نعتیہ شاعری کے سرمایہ میں قیمتی اضافہ کیا ہے۔ان کی نعتوں کے چار مجموعے ملتے ہیں۔جن کے نام اس طرح ہیں، ''انوارِعقیدت''، ''ریاضِ عقیدت''، ''فردوس عقیدت'' اور ''صبہائے عقیدت'' ان کے کلام میں عشق کی گرمی، آہ و نالہ، سوز و ساز، تب وتاب اور درد و داغ سب موجود ہیں۔شعری اور فنی محاسن کے لحاظ سے ان کی نعتیں بڑی باعظمت ہیں۔چند اشعار بطور نمونہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

جو پاتی فیضِ کفِ پائے آں جناب نہیں ۔۔۔ زمیں کی گود سے اُگتا کبھی گلاب نہیں

مرے سرکار کے قدموں کا بوسہ لے لیا ہوگا ۔۔۔ اسی سے آسماں کا چاند اتنا خوبصورت ہے

اے نسیم کوئے طیبہ آ ذرا مرے قریب ۔۔۔ بے رخی سے تیری، میرا دم ہی نکلا جائے ہے

اے صبا مجھ کو غبار کوئے جانا ہی سمجھ ۔۔۔ ساتھ لے چل، چھوڑکر، کاہے کو تنہا جائے ہے

بہار کے نعت گو شاعروں میں ایک معتبر نام حفیظ بنارسی (مرحوم) کا بھی ہے۔وہ تھے تو بنارس کے رہنے والے مگر ان کی علمی و ادبی زندگی بہار کے شہر آرہ میں گزری ہے۔ یہاں وہ ایک مقامی کالج میں انگریزی زبان کے پروفیسر تھے۔مگر اردو شعروادب سے بھی ان کا گہرا شغف رہا ہے۔ان کی پُرگوئی اور خوش کلامی ان کی نعتوں سے بھی مظہر ہے۔ بادۂ عرفان، اور جلوۂ ایمان کے نام سے ان کی نعتوں اور مذہبی نظموں کے مجموعے چھپ چکے ہیں۔حب رسول سے معموران کے اشعار ذیل سے لطف اٹھایئے:

علاجِ ہر پریشانی نبی کا ذکر پیہم ہے ۔۔۔ یہ سرمایہ سلامت ہے،تو پھر کس بات کا غم ہے

قدم چومے ہیں اس نے برسوں سرکار دوعالم کے ۔۔۔ تعالیٰ اللہ طیبہ کی زمیں کتنی مکرم ہے

☆

کوئی تجلی نہ جلوہ گر تھی، نمود شام وسحر سے پہلے ۔۔۔ مگر وہ اک نورِ مصطفائی، ظہور شمس وقمر سے پہلے

نہ صبحِ ہستی تھی کیف افزا نہ شام ہستی میں دلکشی تھی ۔۔۔ حیات نامعتبر تھی گویا، ترے غمِ معتبر سے پہلے

پروفیسر طلحہ رضوی برق کو بہار کی نعتیہ شاعری کی آبرو کہا جا سکتا ہے۔انہوں نے فکری وفنی اعتبار سے اردو کے نعتیہ سرمایے میں جو گراں بہا اضافے کئے گئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں ایک روحانی خانوادہ کے چشم و چراغ ہونے کے باعث نعتیہ شاعری ان کی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رگ وریشے میں پیوست ہیں۔شگفتہ زمینوں، مترنم بحروں، دلنشیں ترکیبوں

اور حسنِ اضافت کا بھی ان کے یہاں التزام ملتا ہے۔ چند اشعار سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا:

گلی طیبہ کی رشک کہکشاں معلوم ہوتی ہے زمیں خجلت وَہِ ہفت آسماں معلوم ہوتی ہے
جو دیکھو چشم حق بیں سے، انہیں کی جلوہ آرائی یہاں معلوم ہوتی ہے، وہاں معلوم ہوتی ہے

☆

سنگ اسود بوسہ گاہ ختم پیغمبر بنے دل یہ کہتا ہے کہ چوما، سنگ نے لب آپ کا
مسکرا دی صبح اُن کے طالعِ بیدار پر نام لے کے سوگیا جو، ہجر کی شب آپ کا
چاند پر جاکر اُسے دو نیم ہی پایا گیا ایک ہلکا سا اشارہ کب ہوا تھا آپ کا

☆

اے کِشتِ سخن سبزیٔ مدحت نہ ملے گی جب تک کہ نمِ چشم عقیدت نہ ملے گی

جناب رمزؔ عظیم آبادی بھی بہار کے نعت گو شاعروں میں امتیازی حیثیت کے مالک رہے ہیں۔ ان کے فن کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نعت گوئی میں ہیئت کی سطح پر گونا گوں تجربات کئے ہیں۔ ان کے یہاں الفاظ کا بڑا خوبصورت اور فنکارانہ استعمال ملتا ہے۔ مشکل زمینوں میں بھی انہوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی نظم ''رحمۃ اللعالمین'' کا ایک بند یہاں نقل کیا جاتا ہے:

وہ جنگ بدر و احد اور وہ غزوۂ خندق مباہلہ کا وہ منظر، وہ ہادیٔ برحق
تمام دشمن اسلام کا تھا چہرہ فق دَمک رہا تھا جو پیشانی نبی کا عَرق
نظر ٹھہرتی نہیں تھی، جمال ایسا تھا
وہ آدمی تھا، مگر بے مثال ایسا تھا

معجزۂ شق القمر کی ایک حسین ولطیف توجیہ رمزؔ کی زبان ملاحظہ ہو:

شق ہوا چاند تو نافہموں کو حیرت کیوں ہے تابشِ حُسن سے، آئینہ درَک جاتا ہے

شادؔ عظیم آبادی نے بہت صحیح کہا ہے کہ خدا کی دین ہے انسان کا مشہور ہو جانا۔ اس کا صد فیصد اطلاق وانطباق حمید ویشالوی (مرحوم) پر ہوتا ہے جو ایک جوہر قابل تھے مگر کوئی مناسب قدرداں نہیں مل سکا اس لئے محتاج تعارف رہ گئے۔ ان کو شاعری کی جملہ اصناف میں استادانہ مہارت حاصل تھی۔ مگر اپنی فطری کم آمیزی کے باعث بہار کے علمی وادبی حلقوں میں بھی محتاج تعارف رہے۔ راقم سے ایک مشاعرہ میں ملاقات ہوئی تھی اس کے کچھ مہینوں بعد ہی وہ ملک عدم کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد عزیز ڈاکٹر ظفر انصاری ظفر سے توشۂ آخرت، کے نام ان کا ایک خالص نعتیہ

مجموعہ شائع کرایا ہے جو میرے پیش نظر ہے۔اس سے یہ چند منتخب اشعار پیش کیئے جارہے ہیں:

فہم سے باہر ہے رتبہ سرور کونین کا وصف ہو انسان سے کیا سرور کونین کا

ہوگئی ہے اس پہ بیشک آتش دوزخ حرام جس نے دیکھا روئے زیبا سرور کونین کا

☆

عشق نبی نے میرا مقدر بنادیا ہر داغ دل کو مہر منور بنادیا

مجھ تشنہ کام کے لئے ربّ قدیر نے میرے نبی کو ساقیِ کوثر بنادیا

شور صل علیٰ ہے فلک پر، آج خیرالانام آرہے ہیں

عرش پر آج ملنے خدا سے، دوجہاں کے امام آرہے ہیں

اے حمید حزیں روز محشر، حکم دے گا یہی رب اکبر

اے فرشتو! ہٹو راہ دے دو، مصطفیٰ کے غلام آرہے ہیں

فرحت قادری کا مستقل قیام شہر گیا میں تھا۔ایک ممتاز ومعتبر شاعر کی حیثیت سے ان کا مقام مسلم ہے۔دیگر شعری اصناف کے ساتھ نعت گوئی سے بھی ان کو شغف رہا ہے۔'رقص وعکس' ان کی نعتوں اور دینی ملی نظموں کا مجموعہ ہے۔ان کی نعتیں داخلی وصوری محاسن کی آئینہ دار ہیں۔تازگی مضمون، لطف زبان، غنائیت، وضاحت اور برجستگی سے ان کے کمال فن کا اندازہ ہوتا ہے۔نمونہ کلام درج ذیل ہے:

طیبہ کی زمیں وہ ہے کہ فلک، پلکوں سے بہارا کرتے ہیں

اس در پہ سلاطیں بھی اپنے دامن کو پسارا کرتے ہیں

☆

خدا کی قسم ہم نہ لیں ایسی جنت جہاں ان سے ملنے کی نکلے نہ صورت

یہ مانا کہ جنت میں سب کچھ ہے فرحتؔ، مگر ان کا دیدار اپنی جگہ ہے

جناب اشرف قادری کا شمار بہار کی نامور ادبی شخصیتوں میں ہوتا ہے۔اردو فکشن اور شاعری سے ان کا گہرا ربط وتعلق رہا ہے۔ان کے کارنامے متنوع اور گراں مایہ ہیں۔''دیوان'' کے نام سے ان کا شعری سرمایہ بہت پہلے منظر عام پر آچکا ہے۔ادب کے ساتھ مذہب سے بھی وابستہ تھے۔صورت اور سیرت دونوں لحاظ سے ان کو دیکھ کر بزرگوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی ان کی نعت پاک کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

غریبوں، بے نواؤں، بیکسوں کے ہیں واحد آسرا سرکار بطحا

میری کشتی کو ہو کیا خوف طوفاں ہیں اس کے ناخدا سرکار بطحا

پروفیسر نجم الہدیٰ اُردو کے ایک نامور استاد، ناقد اور محقق کی حیثیت سے پوری اردو دنیا میں جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ وہ کئی تنقیدی کتابوں کے مصنف ہیں اور تحقیق کی جوئے شیر کے فرہاد بھی۔ ان اوصاف کے علاوہ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں اور شاعر گر بھی۔ تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ ان کی نعت گوئی کا امتیازی وصف یہ ہے کہ جو ان کے دل میں ہے وہی ان کی زبان قلم پر۔ سراپا سنت وشریعت میں ڈھلی ہوئی شخصیت کے یہ نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

مری جانب اگر چشم کرم اک بار ہوجائے		مجھے دنیا و مافیہا سے مستغنی بنادے گی
کہ گنج شائیگاں، میری نظر میں خوار ہوجائے		ملے وہ دولت عشق الٰہی آپ کے در سے
کہ جذبِ اندروں شائستۂ اظہار ہوجائے		عطا ہو مجھ گدائے بے نوا کو وہ سخن سنجی

پروفیسر کلیم عاجزؔ بھی بہار کی نعتیہ شاعری کا ایک معروف ومقبول نام ہے۔ بنیادی طور پر وہ غزل کے اپنے رنگ خاص کے نمائندہ شاعر ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے نعتیں بھی بہت پُرسوز وکیف آور کہی ہیں۔ نمونۂ کلام دیکھئے:

پھر اس کے بعد غریبوں کا ماجرا کہیو		ادب سے پہلے سلام ان کو اے صبا کہیو
بس اُن کے نام کا باقی ہے آسرا کہیو		نہ غمگسار نہ کوئی ہمدم رہا کہیو

منیر فاروقی کا نام اہل علم وادب کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ ان کا تعلق دربھنگہ شہر سے تھا اور بڑی خموشی سے وہ اردو شعر وادب کی خدمت میں مصروف ومنہمک رہے۔ وہ بزم شمال کے مولف شاداں فاروقی کے برادر عزیز تھے۔ مدھے پورہ میں بسلسلۂ ملازمت مستقل قیام تھا۔ ان کی نعت پاک کے یہ روح پرور اشعار آپ کے مشام جاں کو معطر کریں گے:

اس روشنی کے جسم کا سایہ بھی آفتاب		مرے نبی پاک کا چہرہ بھی آفتاب
جب چل پڑے تو نقش کفِ پا بھی آفتاب		وہ رُک گئے تو راہ کے ذرّے چمک اُٹھے

بڑی حق ناشناسی ہوگی اگر اس سلسلے میں اویس احمد دوراں کا نام نہیں لیا جائے۔ وہ ایک ممتاز ترقی پسند شاعر کی حیثیت سے اپنی خاص شناخت رکھتے ہیں۔ اردو شعر وادب کی تعمیر وتشکیل میں ان کی اہم خدمات ہیں۔ لیکن ان کو شعوری طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔ ان کی طبعی خودداری اور عزت نفس نے دربارداری کے آداب کبھی سیکھا ہی نہیں۔ المیہ یہ ہے کہ خود ترقی پسندوں نے ان کو جائز وواجب مقام عطا کرنے میں مصلحت اندیشوں سے کام لیا ہے۔ لیکن بقول سعدی:

''گوہر اگر در خلابِ اُفتد ہماں نفیس است''

بہر کیف ایک ترقی پسند ہونے کے باوجود ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا قلبی اور روحانی لگاؤ قابلِ احترام ہے۔ آزاد نظم کی ہیئت میں ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

صحن کعبہ مہک رہا ہے باغ مدینہ لہک رہا ہے
گنبد خضریٰ جھوم رہا ہے کتنی صدیاں بیت گئی ہیں
لیکن ان کے نقش قدم سے آج بھی بطحا چمک رہا ہے
آج بھی فاراں گونج رہا ہے

پروفیسر عبدالمنان طرزیؔ بہار میں اردو کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک اہم ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی جامع حیثیات وکمالات شخصیت آفاق میں محترم ہے۔ ان کے والد گرامی، خلد آشیانی، حضرت قاری داؤد طالب جلواروی بھی ایک بلند پایہ نعت گو اور استاد شاعر تھے۔ حضرت طرزی شاعر ابن شاعر ہیں۔ ان کی خوبصورت نعتوں کا مجموعہ ''طلع البدر علینا'' کے نام سے بہت پہلے منظرعام پر آچکا ہے۔ پھر ''سیرت الرسول'' کے نام سے ان کا شاندار نعتیہ کارنامہ شائع ہوا۔ ان دنوں وہ غیر مسلم نعت گو شاعروں پر بڑا کام کررہے ہیں۔ ان کی ہر سانس سے صل علیٰ محمد کی خوشبو نکلتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بلاشبہ تو بشر ہے، تو کبھی خدا نہیں ہے کوئی کیا بتائے لیکن کہ تو کیا ہے کیا نہیں ہے
فکر وجدان، نعت و نغمہ و شعر کیا ہمارا ہے، سب تمہارا ہے
درود پاک پڑھ کر نعت محبوب خدا لکھئے زمیں بھی نرم ہوگی، دل کی کھیتی بھی ہری ہوگی

بہار میں اردو شعر وادب کے حوالے سے ناوک حمزہ پوری کا نام ومقام بھی سورج کی طرح درخشاں اور تابناک ہے۔ وہ ایک اچھا ناقد کے ساتھ ہی ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ صرف شاعر نہیں۔ بلکہ استادالشعراء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رباعی کے فن اور علم العروض پر ان کی ماہرانہ نظر ہے۔ نعت گوئی میں بھی ان کا انفرادی رنگ ہے۔ اشعار ذیل دیکھئے:

ورد زباں نعت پاک شام وسحر ہے ذکرِ رسولِ کریم آٹھوں پہر ہے
سینہ ہے دریا کی طرح، دل ہے صدف سا جذبۂ حُبّ رسول، اُس کا گُہر ہے

ان کی ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ ہو:

کیا چیز ہے اے صلِّ علیٰ ذکر رسول دیتا ہے طمانیت اگر دل ہو ملول
بنتا ہے دعاؤں کے لئے حُسن قبول ہوتا ہے یہ رحمت کے لئے وجہِ نزول

بہار میں اُردو کی نعتیہ شاعری کو موقر بنانے والوں میں ایک بے حد اہم نام ڈاکٹر مناظر عاشق

ہرگانوی کا ہے۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ ''ہر سانس محمد کہتی ہے'' حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ ان کی نعتوں کا ایک تجزیاتی مطالعہ بھی کتابی صورت میں آیا ہے جس کا نام ''مناظر عاشق ہرگانوی کی نعتیہ شاعری میں ندرتِ فن'' ہے اس میں راقم کا بھی ایک مقالہ شامل ہے۔ ان کے کچھ منتخب اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

انسان کیا بیان کرے عظمت رسول کی | قرآن سے آشکارا ہے رفعت رسول کی
روضے پہ حاضری ہو، کروں پیش میں سلام | دل میں یہی ہے آرزو، ارمان مصطفیٰ
اب آپ کا سہارا مناظرؔ کو ہے فقط | کچھ مغفرت کا ہے نہیں، سامان مصطفیٰ

قیصر صدیقی سمتی پوری کی شاعرانہ عظمت کا بھی سارا زمانہ معترف ہے۔ وہ بنیادی طور پر غزلوں کی شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں کے چار، پانچ ضخیم مجموعے اب تک منظر عام پر آ چکے ہیں۔ وہ نعت کے بھی بڑے کامیاب شاعر ہیں۔ ابھی حال ہی میں ان کا نعتیہ کلام ''روشنی کی بات'' کے نام سے اشاعت پذیر ہوا ہے۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ سو نعتیں ہیں۔ فکری اور فنی دونوں لحاظ سے بہت ہی باوقعت اور باعظمت کلام کہتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر یہ اشعار دیکھیں:

وہ دن بھی کاش مقدر مرا دکھائے مجھے | رسول پاک کی چوکھٹ پہ موت آئے مجھے
سورج ہو ل چاند تارے ہوں یا کوئی نور ہو | نکلی ہے سب زکوٰۃ محمد کے نور سے
جب چشم کرم احمد مختار کریں گے | ہم لوگوں کو فردوس کا حقدار کریں گے
پہچانتے ہیں سب جسے قیصرؔ کے نام سے | بندہ ہے اپنے رب کا، غلام رسول ہے

بہار میں اردو نعت وغزل کے ایک بڑے فنکار کا نام صبا نقوی ہے۔ ان کا مستقل قیام مظفر پور میں ہے۔ شاعری سے اُن کو دینی اور فکری لگاؤ ہے زبان وبیان پر غیر معمولی دسترس حاصل ہے۔ مراثی اور مقاصدے بھی کافی تعداد میں لکھے ہیں۔ وہ خود کو ''شاعر اہل بیت'' بھی کہتے ہیں سرِ دست ان کی پاکیزہ نعتوں کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں جس میں فکر کی ندرت اور فنی لطافت ثریا سے ہمکلام ہے:

خاکِ دیارِ مصطفیٰ، سُرمۂ چشمِ دل بنے | جنبشِ نگاہ ہو، دل کی گرہ کشا فقط
میری نگاہِ شوق میں، ماہ و نجوم ہیچ ہیں | میرے لئے ہے کہکشاں، آپ کی گردِ پا فقط
بڑھے نہ منزلِ سدرہ سے، جبرئیل خیال | کبھی بھی منھ سے، کوئی ایسی التجا نہ کرے
تیری خوش خرامی پر، ناز ہے بہاروں کو | گلشن وِلا میں ہے، موجۂ صبا ترے

قوس صدیقی کا شمار بھی بہار کے کہنہ مشق شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ کوئی نصف صدی سے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ تازہ افکار و مضامین، نئی نئی ترکیبیں، قوافی اور ردیفیں استعمال

کرنا آپ کے زرخیز ذہن کا کمال ہے۔ نعت گوئی سے ان کا قلبی لگاؤ ہے۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں:

احسان ذوالجلال، مرا پائے نقش تاب وہ صاحب جمال تھے، یکتائے نقش تاب
بے نفس ہو کے جس نے کیا آشنائے خاص اُس سے زیادہ کون شناسائے نقش تاب
کی آپ نے ہیں خاک کی پہچان مکمل ورنہ کہاں انسان تھے، انسان مکمل

محترم مین عمادی، خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ کی باوقار شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ کوئی نصف صدی سے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے آرہے ہیں اور نعتیہ شاعری تو ان کی روحانی خوراک ہے۔ عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر نعتیں کہتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں بڑے والہانہ انداز میں۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

دل میں بسا لیا ہے محبت رسول کی پاؤں گا روز حشر شفاعت رسول کی
صف بستہ جس میں سارے نبی تھے کھڑے ہوئے کیسی تھی شاندار امامت رسول کی

رشید عارف بھی بہار کی نعتیہ شاعری کا ایک نمایاں نام ہے۔ وہ اک شاعر خوش کلام بھی ہیں اور شاعر خوشنوا بھی۔ جب وہ اپنے خاص انداز میں پڑھتے ہیں تو سماں بندھ جاتا ہے۔ ان کے یہ اشعار دیکھیں:

ترے نقش پا سے بہتر کوئی رہنما نہیں ہے ہے قدم قدم پہ منزل، ذرا فاصلہ نہیں ہے
ہے جمالِ حق کا مظہر، فقط ان کا روئے انور رُخِ مصطفیٰ سے بہتر، کوئی آئینہ نہیں ہے

اسد رضوی کا شمار عصر حاضر کے نمائندہ غزل گو شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کی شہرت و مقبولیت کا گراف روز افزوں ہے۔ نعت و منقبت گوئی کا ذوق ودیعت ربانی ہے۔ خوب کہتے ہیں اور خوب پڑھتے بھی ہیں:

جب بھی آیات الٰہی یہ نظر جاتی ہے تیری تصویر نگاہوں میں اُبھر جاتی ہے
لکھ کے پتوں پہ ترا نام اُڑا دیتا ہوں تری جانب جو کبھی باد صبا جاتی ہے

بہار میں اُردو شاعری کی روایت کو پروان چڑھانے والوں میں ایک اہم نام جناب مختار احمد عاصی کا آتا ہے۔ وہ دانا پور کے رہنے والے تھے۔ نہایت سادگی پسند اور شریف النفس آدمی تھے۔ شعر و سخن سے ان کا بھی فطری لگاؤ تھا اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ دل بریاں رکھتے تھے۔ جب کسی مشاعرہ یا شعری نشست میں نغمہ سرا ہو جاتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ تصور میں گنبد خضریٰ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ ان کی نعت کے رنگ و آہنگ ملاحظہ ہوں:

نظر کی کور ذوقی کہہ رہی تھی تیرگی ہوگی تجلی کہہ رہی تھی، روشنی ہی روشنی ہوگی

نکالی اک کرن اپنی تجلی زارِ مطلق سے | کہا ترسیل حق کی بس یہ صورت آخری ہوگی

مولانا شمیم القادری بہار کی نعتیہ شاعری کا ایک نمایاں اور مقبول نام ہے۔ان کے مشق سخن کی عمر نصف صدی سے زیادہ ہی ہے۔ان کی نعتیں براہ راست دلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔کیونکہ عشق رسالت مآب میں ڈوب کر نعتیں کہتے ہیں۔اور جب نغمہ سرا ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بلبل چہک رہا ہے ُریاض رسول میں‘ان کے اشعار دیکھیں:

خلش دردِ جگر کی کم نہیں معلوم ہوتی ہے | نگاہِ رحمۃ للعالمیں معلوم ہوتی ہے
مکمل شرحِ قرآنِ مبیں معلوم ہوتی ہے | تری صورت،تری سیرت،حسیں معلوم ہوتی ہے

مولانا اشتیاق عالم بھاگلپوری (مرحوم) بلند پایہ خطیب کی حیثیت سے تو پورے ملک میں جانے اور پہچانے گئے مگران کی شاعرانہ حیثیت ہمیشہ پردۂ خفا میں رہی۔ان کو نعتیہ شاعری سے خصوصی دلچسپی رہی ہے جس کے نتیجے میں ’’سبز حروف کے شجر‘‘ جیسا خوبصورت اور ایمان افروز مجموعہ شائع ہوا۔مولانا مرحوم نے نعت گوئی میں اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔یعنی جدید لب ولہجہ میں انہوں نے جو نعتیں کہی ہیں وہ اپنے رنگ و آہنگ میں سب سے مختلف اور منفرد ہیں۔لیکن بے حد دلکش اور نظر افروز۔کیا آپ نے ایسا نعتیہ کلام پہلے کہیں پڑھا ہے:

لُغت، حروف، کتابت، زبان، قلم، کاغذ | نبی کے ذکر نے سب کا رکھا بھرم کاغذ
تو ایک نرم سا پتہ، تری حقیقت کیا | بڑھایا نعت نبی نے ترا حجم کاغذ
تمام ہو نہ کبھی حرف میم کی تفسیر | ہزار بار بھی تو لے اگر جنم کاغذ
تو محترم ہے کہ تجھ میں نبی کے لکھے ہیں | صفات، نام، لقب، کنیت، عَلَم کاغذ
سبزم شجر سے پتہ لاؤ نعت نبی کی لکھنی ہے | شاخ جنا کا خامہ لاؤ، نعت نبی لکھنی ہے
ان سے کام نہیں چلنے کا،یہ سب لفظ ادھورے ہیں | جیسی ذات ہے،ویسا لاؤ،نعت نبی کی لکھنی ہے
روح القدس کے سبز پرندے،دعا کے موتی برسائیں | شعر کا وہ سرمایہ لاؤ، نعت نبی کی لکھنی ہے

پروفیسر ظفؔر حبیب ایام طالب علمی سے ہی متاع لوح وقلم سنبھالے ہوئے ہیں۔نثر ونظم دونوں پر ان کو قدر حاصل ہے۔بیگوسرائے شہراور اس کے اطراف ونواح کی ادبی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے ہیں۔اب جب کہ وہ یونیورسٹی سروس سے متقاعد ہو چکے ہیں پھر بھی لکھنے پڑھنے کے تعلق سے بالکل تازہ دم نظر آتے ہیں۔اس وقت چونکہ صرف نعتیہ شاعری زیر بحث ہے اس لئے صرف ان کے نعتیہ کلام پر گفتگو ہوگی۔انہوں نے چند نعتیں کہی ہیں مگر حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر کہی

ہیں فکر میں بھی تازگی ہے اور فن میں بھی شائستگی ہے۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں:

نام لیتے ہی شہ لولاک کا، تر ہوگئی باران رحمت سے زباں
نام میں ہے جن کے اتنی تازگی، ذات ان کی ہوگی کتنی مہرباں

☆

دل سے صدا نکلتی ہو، بس اللہ، اللہ ہو　　ہو ہونٹ پر بھی نام محمد دَمِ نزع

☆

کچھ نہیں پاؤ گے، دنیا میں غزل خواں ہوکر　　خوں میں تر ہو کے ظفر نعت محمد لکھو

پروفیسر ناز قادری کی شاعرانہ حیثیت محتاج بیان نہیں وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ مگر ادھر حالیہ برسوں میں انہوں نے نعتوں کی طرف خصوصی توجہ کی ہے جس کے نتیجے میں ان کے دو نعتیہ مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان کے تازہ ترین نعتیہ مجموعہ ’’سلسبیل نور‘‘ سے یہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

گوہر علم نبی دامنِ ادراک میں ہے　　جلوۂ نور خدا صاحب لولاک میں ہے

☆

حق ادا نہیں ہوتا ناز پھر بھی مدحت کا　　روز و شب میں لکھتا ہوں، مدح سرور عالم

بہار میں نعت گوئی کا موجودہ منظر نامہ جن فنکاروں سے منور ہے۔ اُن میں ایک بے حد اہم اور ممتاز نام ظفر صدیقی کا ہے۔ وہ پُر گوئی اور زود گوئی دونوں نعتوں سے مالا مال ہے۔ فکر تازہ اور نفاست اظہار ان کے فن کا کمال ہے، بعد از خدا، کے نام سے ان کا ایک نعتیہ مجموعہ بہت پہلے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ ان کا تخلیقی شعور بھی تموج پر ہے۔ ان کی نعت کے چند نکہت بداماں اشعار سے اپنے مشام جان کو معطر کیجئے:

دل کے گلشن میں کھلا جب اُن کی صورت کا گلاب　　گر گیا اپنی نظر سے ساری خلقت کا گلاب
آسماں پر بھی گیا وہ رب کی رحمت کا گلاب　　صرف دھرتی پر نہ ٹھہرا، خیر و برکت کا گلاب
وہ بے مثال ہیں، ان کی کوئی مثال نہیں　　جہاں میں ان سا کوئی صاحب جمال نہیں
نبی کی بات سناؤ اگر سنانا ہے　　کسی کا ذِکر ظفر چھیڑنے سے کیا حاصل

نئی نسل کے ہونہار شاعر شکیل سہسرامی بھی بہت تیزی سے جادۂ شعر و ادب پر گامزن ہیں وہ ہر موضوع پر اظہار خیال کر لیتے ہیں یہ بڑی بات ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کے یہاں بھی بڑی برجستگی ملتی ہے ان کا شعری مستقبل بڑا تابناک ہے۔ نعتیہ شاعری سے دلچسپی اور ان کا ایمانی تقاضا ہے۔ وہ عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ مست و سرشار رہتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اس کی تقدیر منفرد ہے شکیل — جس کا رشتہ ہے نعت گوئی سے
حبیب خدا سے ہے ہم کو محبت — خدا کی محبت حبیب خدا سے

بدر محمدی ایک بڑے قلمکار کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اپنی شناخت بنا چکے ہیں اردو نثر و نظم دونوں پر ان کو یکساں دسترس حاصل ہے۔ شاعری اور تنقید نگاری دونوں میدانوں میں انہوں نے اپنی انفرادیت کا پرچم لہرایا ہے۔ نعتیہ شاعری سے ان کی فطری دلچسپی ان کے علمی خانوادہ اور ان کے خوش عقیدہ ماحول کی دین ہے۔ ان کے درج ذیل اشعار سے حظ اٹھائیں:

ہر کسی کی خواہشیں آرام کرتی ہیں یہاں — گنبدِ خضریٰ کی چھاؤں میں ہے آسائش بہت
مرضی خدا کی ہے کہ نبی کی ثنا لکھوں — بہرِ خدا میں نعتِ حبیب خدا لکھوں
خوب ٹھہری نبی کی پیدائش — تھی وہ پہلی خوشی کی پیدائش

ضمیر احمد مضمر موضع عماد پیٔ ضلع مشرقی چمپارن بھی نعت گوئی میں ایک انفرادی شان کے مالک ہیں اپنے کاروبار کے سلسلے میں ان کا قیام زیادہ تر دہلی اور کلکتہ میں رہتا ہے۔ اس لئے وہاں کی شعری اور ادبی نشستوں میں ان کی شرکت ہوتی رہتی ہے۔ بڑا ستھرا اور بالیدہ شعری مذاق رکھتے ہیں۔ ان کی نعت پاک کے اشعار پڑھ کر ان کی فنی مہارت کا اندازہ ہو جائے گا:

تری رحمت نے کردیا ہے شوخ — ہم خطا بار بار کرتے ہیں
ہر ایک لمحہ تقدس کا تھا لحاظ ہمیں — حریم ناز میں ہرگز میں بے وضو نہ گیا
شبیہ دوست بڑی دلفریب ہے ہمدم — جسے ازل میں تھا دیکھا کہیں وہی تو نہیں

ایک شاعر، ادیب، خطیب اور صحافی کی حیثیت سے ڈاکٹر امجد رضا امجد ملک گیر شہرت کے حامل ہیں۔ کئی رسائل کی وہ ادارت کر چکے ہیں۔ اور اب بھی کر رہے ہیں۔ نظم و نثر دونوں میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا بڑے سلیقے سے اظہار کرتے ہیں شاعری میں نعت گوئی سے خصوصی دلچسپی ہے۔ کیونکہ عشق رسول کی دولت بیدار سے بحد وافر مالا مال ہیں۔ اور خدا کے دوسرے بندوں تک اس نعت کبریٰ پہنچاتے بھی رہتے ہیں۔ فن شعر گوئی کے اسرار و رموز پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ اس لئے نعتیہ اشعار کہتے وقت فکری اور فنی محاسن کا ان کے یہاں خاص التزام ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

دل چاہتا ہے نعت حبیب خدا لکھوں — لیکن یہ سوچتا ہوں کہ بندہ ہوں کیا لکھوں
عکس جمال حق لکھوں یا آئینہ لکھوں — یا کچھ بھی لکھ نہ پاؤں و سرِ خدا لکھوں
اچھا یہی ہے رب کا ہی لکھا ہوا لکھوں — اپنی کہاں بساط کہ ان کی ثنا لکھوں

مرے جذب شوق جنون کو کہوں کیا، کہاں کی تلاش ہے
جہاں سرنگوں ہیں بلندیاں، اُسی آسماں کی تلاش ہے

ڈاکٹر ظفر انصاری کا تعلق ضلع ویشالی سے ہے وہ ابھی الٰہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں استاد ہیں۔ شاعری اور تنقید نگاری سے انہیں خاص دلچسپی ہے۔ ادبی مسائل و معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ نعتیہ شاعری سے ان کی خاص دلچسپی مسرت افزا ہے ان کی ایک نعت کے یہ اشعار جنت نگاہ بنیں گے:

تیری رفعت، تیری عظمت، تیری شان مجھ سے کم فہموں نے کب پہچانی ہے
روح امین بھی ناز کریں جس خدمت پر وہ کیا ہے تیرے در کی دربانی ہے
نور مجسم کی جو نعت لکھی تو نے تیرا اک اک حرف نورانی ہے

آخر میں راقم الحروف اپنے بھی کچھ نعتیہ اشعار حصول برکت کے لئے پیش کرنا چاہتا ہے۔ میرا تعلق سرزمین شعر و ادب پوکھریرا ضلع سیتامڑھی سے ہے جہاں کی فضا ہمیشہ نعتیہ نغموں سے معمور رہتی ہے۔ یعنی کان جدھر لگایئے ان کی ہی داستان سنائی دے گی۔ میری نعتوں کا پہلا مجموعہ ''ازہار مدینہ'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ نمونۂ کلام دیکھیں:

فرازِ عرش اعظم یا فضائے لامکاں تک ہے خدا ہی جانے اُن کی منزل رفعت کہاں تک ہے
خدا خود نور، قرآں نور، محبوب خدا نوری خدا جانے یہ نوری سلسلہ پہنچا کہاں تک ہے

☆

عرش اعظم سے بھی بڑھ کر ہے وہ خطہ بالیقیں جسم اطہر سیّد عالم کا ہے جس خاک پر
منعکس ہوتا ہے جیسے آئینے میں آفتاب جلوہ گر نور خدا ہے اُن کے روئے پاک پر

☆

نبی کے عشق میں ہو پختہ تر آہستہ آہستہ صدف میں جیسے بنتا ہے گہر آہستہ آہستہ
قریب روضہ لفظوں کا سہارا بھول جاؤں میں جو کہنا ہے کہے یہ چشم تر، آہستہ آہستہ

بہار میں نعت گو شاعروں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق آسمان کے تاروں کی طرح بے شمار ہے۔ تمام حضرات کے نام اور کلام کا احاطہ کر لینا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں۔ پھر بھی میں نے پوری کوشش کی ہے کہ کوئی اہم نام چھوٹنے نہ پائے اگر کوئی قابلِ ذکر نام رہ گیا ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔

☆ سابق صدر شعبہ اردو، بی آر امبیڈکر یونیوسٹی، مظفر پور، بہار-9835660835

☆☆☆

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین (نئی دہلی)

ہندو نعت گو شعرا کے کلام میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نعت جیسی صنف کا جب نام آتا ہے تو معاً ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ نعت لکھنے والے، نعت پڑھنے والے صرف مسلمان ہوں گے، کیونکہ نعت کی صنف کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے ہے لہٰذا جو ان کو مانتا ہے، ان پر ایمان رکھتا ہے وہی ان کی تعریف کرتا ہے یا کرے گا۔ لیکن ایسا بالکل نہیں ہے۔ ہندستان بلکہ یوں کہیں کہ برصغیر کی شعری و ادبی روایت کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہندو نعت گو اور نعت نویس شعرا کی بڑی تعداد ہے جن کے کلام میں عشق رسول کا والہانہ پن موجود ہے اور عقیدت و محبت کی ترجمانی بھی۔ اگر ان کا نام نہ بتایا جائے تو یقین نہیں کر سکتے کہ یہ کسی ہندو شاعر کا نعتیہ کلام ہے۔

اردو ادب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ہندو شعرا نے بھی ادب کی اس روایت کی پاسداری کی ہے جس میں دیوان یا مجموعۂ کلام کی ابتدا میں حمد، نعت اور منقبت لکھی جاتی تھی۔ لہٰذا ہندو شعرا نے بھی اپنے کلام کی ابتدا حمد و نعت سے کی ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہ حضور کی نعتیں محض اسی روایت کا حصہ رہی ہیں بلکہ کئی شعرا نے اس روایت سے الگ ہٹ کر بھی باضابطہ نعتیہ شاعری کی ہے۔ چونکہ نعت کے لیے کوئی۔ ہیئت مقرر نہیں اس لیے ان کے یہاں دوہہ، گیت، نظم اور غزل کی ہیئت میں نعتیہ شاعری دیکھنے کو ملتی ہے۔

ایک بات اور ذہن میں رکھیں کہ اس دنیا میں بڑی بڑی شخصیات بھی آئیں اور بڑی تعداد میں لوگ ان سے متاثر بھی ہوئے۔ لیکن کسی کی شان میں تسلسل اور عقیدت سے شعری اظہار کی کوئی اور روایت نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ کسی مذہبی شخصیت کے حوالے سے بھی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اس تسلسل سے شعری اظہار کی روایت ان کے نام سے منسوب ہو۔ یہ صفت خاص ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا۔

حضور اکرم کی سیرت مبارکہ اور اوصاف حمیدہ کو بیان کرنے والے صرف مسلمان ہی نہیں ہیں۔ اگر صرف اردو کی بات کریں تو دوسرے مذاہب کے شعرا کی بڑی تعداد ہے جنھوں نے حضور کی شان میں نعتیں لکھی ہیں جن کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ ذیل میں چند اہم شعرا کے کلام کو نمونے کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ چندر بھان خیالؔ کی ایک طویل نظم کے یہ چند اشعار ہیں۔ ''لولاک'' کے نام سے ان کا مجموعۂ کلام ہے اسی سے یہ اشعار پیش کر رہا ہوں۔ ان اشعار میں حضور کی آمد کا ذکر ہے ملاحظہ فرمائیں:

سمت سمت نورانی..........
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
دشت میں کہستاں میں، شہر میں بیاباں میں
پُر سکون سی ہلچل، عالمینِ امکان میں
اور زمین کے اوپر
آسمان کے نیچے، اک شبیہ لاثانی
جس طرف نظر جائے، روشنی کی طغیانی
صاحبِ کتاب آیا، لے کر پھر شباب آیا
آ گیا یقیں سب کو، اہل انقلاب آیا
اور سکوت نے گایا
نور کی ولادت کا، ایک گیت لافانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
شش جہات نے چوما، کائنات نے چوما
چاند جیسے چہرے کو، سب صفات نے چوما
اور حرا کی آنکھوں نے
آمنہ کے آنچل میں، دیکھا عکسِ ربّانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی

یہ نظم شروع ہوتی ہے۔ حضرت آدم کی اس زمین پر تشریف آوری سے قبل چند انبیاء کرام کا بھی

اس میں ذکر ہے جو آمد رسول کی بشارت دیتے ہیں اور حضور اکرم کی آمد اور اسلام کی روشنی اور انصاف و مساوات پر مبنی معاشرے کا وجود عمل میں آتا ہے۔

ان اشعار کو پڑھ کر کہیں سے ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی ہندو کا کلام ہے۔ جی یہ اشعار دہلی میں موجود ایک ہندو شاعر جناب چندر بھان خیال کے ہیں۔

اب دہلی سے لاہور کی طرف چلتے ہیں۔ لاہور کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے ہری چند اختر کے نعتیہ کلام کو دیکھیں:

پہلے ان کا ایک شعر سنیں اور اس شعر کے ساتھ حالی کی مسدس کا وہ شعر بھی ذہن میں رکھیں:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی	عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

اب ہری چند اختر کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

ہری چند اختؔر

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا	اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

اب یہ اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

ہری چند اختر

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا	کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مردہ اس کے نام پر	اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
شوکتِ مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم	منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم	اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولیٰ کر دیا
سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں	لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم
یا الٰہی کس طرف کو ہے مرا عزمِ سفر	خضر کہتے ہیں کہ ساتھ آئیں ذرا سرکار ہم
نام پاک احمد مرسل سے ہم کو پیار ہے	اس لیے لکھتے ہیں اختؔر نعت میں اشعار ہم

ہرہ چند اختر کے بعد پشاور کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے نند لال نیرنگ سرحدی جو تقسیم ہند کے بعد ریواڑی، ہریانہ میں مقیم ہوئے۔ ایک پختہ شاعر تھے اور ان کی شخصیت مشترکہ تہذیب کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ نثر و نظم میں ان کی تخلیقات کا ضخیم کلیات موجود ہے۔ جس میں حمد یہ و نعتیہ کلام بھی موجود ہیں۔

نیرنگ سرحدی نے بھی اپنے دیوان کی ابتدا حمد، مناجات اور نعت سے کی۔ یہ اسی شعری روایت کی

پاسداری ہے جسے تمام ہندو اور مسلم شعرا نے کی ہے۔ حمدیہ اور نعتیہ شاعری کی کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

حمد/مناجات

دَرد مندوں کی دَوا، اور شِفا کے مالِک — خالقِ ہر دو جہاں، اَرض وسَماء کے مالِک
صاحبِ فقر و غنا، شاہ و گدا کے مالِک — واقفِ رازِ فنا، دارِ بقا کے مالِک
ہیں گُل و خار ترے، سر و سَمن تیرے ہیں — خُشک وتَر تیرے ہیں صحرا وچمن تیرے ہیں
تُو نے بخشے اَدبی ذوق کے ساماں مجھ کو — یُوں، کہ صحرا نظر آتے ہیں گلستاں مجھ کو
کبھی آغوش میں لیتے ہیں بیاباں مجھ کو — تیری رَحمت نے بنایا ہے سخن داں مجھ کو
دَردِ اُلفت مرے سینے میں فراواں بخشا — دلِ مُضطر کو مِرے ذوقِ حسیناں بخشا

نعت

کیوں کر نہ کروں مدحتِ سُلطانِ مدینہ — جب پیشِ نظر ہوں مرے فیضانِ مدینہ
تہذیب کا گہوارہ، دبستانِ مدینہ — یہ خاکِ عرب ہے وہ مری جانِ مدینہ
ہے ہیچ ہر اِک چیز جہاں کی مرے آگے — سینے میں تڑپتا رہے ارمانِ مدینہ
خوشبوئے محبّت سے مُعطر ہے زمانہ — کس شان سے مہکا ہے گُلستانِ مدینہ
یہ جوش محبّت ہے، کہ اخلاص کا جذبہ — ہر بات بنی جاتی ہے عنوانِ مدینہ
کیوں سایۂ افلاک میں خدشہ ہو کسی سے — ہوگا وہی ہوگا جو ہے فرمانِ مدینہ
کچھ اور مقامات بھی ہیں ارفع و اعلیٰ — اُن سب سے زیادہ ہے مگر شانِ مدینہ
نیرنگؔ ہی نہیں زیرِ گراں باریٔ احساں — ہر صاحبِ ایماں پہ ہے اِحسانِ مدینہ

پنجاب کی سرزمین سے کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو سب جانتے ہیں اب ان کے کلام کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

تسکینِ دل ہے سرورِ کون و مکاں کی یاد — سرمایۂ حیات ہے، الفت رسول کی
انسانیت، محبتِ باہم، شعور و فکر — جو چیز بھی ہے، سب ہے عنایت رسول کی
ہے مرتبہ حضور کا بالائے فہم و عقل — معلوم ہے خدا ہی کو، عزت رسول کی

ان کے یہ مشہور نعتیہ اشعار:

ہم کسی دین سے ہوں، صاحبِ کردار تو ہیں — جیسے بھی ہیں، ثنا خوانِ شہہِ ابرار تو ہیں

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

چندر پرکاش جوہرؔ

ہر ایک کا حصہ نہیں، نعت نبی جوہر
اللہ جسے بخش دے عرفانِ محمد

روی پرکاش بھاردواج

کاشیہ توفیق دیں حضرت محمد اے روی
نعت روزانہ لکھوں میں، اور گاؤں باربار

سوم مورنڈوی

یہ اثر اُسی کا ہے یا نبی! جو عقیدت اِس کو ہے آپ سے
بھلا نعت کہنا بھی سوم کے، کہیں اختیار کی بات ہے

گوپال کرشن شفقؔ

کیوں وجد آفریں نہ ہو احساسِ زندگی
گونجا ہے سازِ روح پہ نغمہ رسول کا

شگن چند جین روشنؔ

جس کے قدموں کے اشارے پہ رہا تاج وکلاہ
جو فقیری میں رہا جن و بشر کا بادشاہ
فیضِ قدرت سے ہوئی جس کو عطا ایسی نگاہ
جس کے آگے ماند ہے یہ روشنیٔ مہر و ماہ
اس نے اخلاص و وفا کا بول بالا کر دیا
جس نے عالم کے اندھیروں میں اُجالا کر دیا

اس طرح اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور تسلسل سے یہ روایت جاری وساری ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ شاعری کی دیگر صنف کی طرح اس میں بھی فنی اور فکری گہرائی و گیرائی کے ساتھ کما لاتفن موجود ہیں۔ دلورام، کوثری کا یہ شعر سماعت فرمائیں:

کچھ عشق پیمبر میں نہیں شرطِ مسلماں
ہے کوثری ہندو بھی طلبگار محمد

جموں کشمیر سے جگن ناتھ آزاد کو سنیں:

مبارک ہو زمانہ کو، کہ ختم المرسلیں آیا
سحابِ رحم بن کر رحمۃ للعالمین آیا

زیب راجا چھولال

انسان سے کیا طے ہو رہِ نعت پیمبر
چلنا جہاں مشکل ہو فرشتوں کی زباں کا

جیوتی باپھلے، مراٹھا:

تفوق، تفضّل جیسے سب الفاظ تھے گونگے
نہ تھی تفریق کچھ باقی وہاں آقا اور غلاموں میں
(کشن پرشاد شآد، ہدیۂ شاد، ص-92)

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
پر بندہ ہوں اس کا جو ہے سلطان مدینہ
مدینہ کو چلوں دربار دیکھوں رسول اللہ کی سرکار دیکھوں

☆

منشی شنکر لال ساقی کا یہ کلام معراج سے متعلق:

تھی شبِ معراج میں سارے فلک پر چاندنی نورِ محبوب خدا سے تھی منوّر چاندنی
عرش و کرسی پر کہاں تھا، ماہ کا نام و نشاں روئے احمد چاند تھا، اس سے تھی یکسر چاندنی
کھل گئی جاتے ہوئے جب کاکلِ عنبر فشاں ہوگئی فیضانِ نکہت سے معطّر چاندنی
کیا کہوں صلِ علیٰ، صلِ علیٰ، صلِ علیٰ رہ گئی تھی دیکھ کر حیران و ششدر چاندنی
ساقیا جس جا کہیں جاتے ہوئے ٹھہرا براق بن گئے قندیل تارے، فرش چادر چاندنی

فراؔق گورکھپوری کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

معلوم ہے کچھ تم کو محمد کا مقام
وہ امت اسلام میں محدود نہیں

☆ ہندوستانی زبانوں کا مرکز، جواہر لعل یونیورسٹی، نئی دہلی
موبائل : 9717977743

☆☆☆

ڈاکٹر عقیل ہاشمی (حیدرآباد)

سراپائے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
اور سلامِ رضاؔ علیہ الرحمۃ

قرآن مجید کا یہ اعجاز کس قدر منفرد ممتاز اور ایمان افروز ہے کہ اس نے انبیاء کرام کی عظمت و بزرگی کو انسانی فکر و فہم کے عین مطابق واضح کیا ہے، انبیاء سابقین ہی نہیں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشیرت کے بارے میں قرآن حکیم نے ایک ایک جزو کو نمایاں کیا ہے یعنی آپ کی بشیرت، عبدیت، مسئولیت جس کی نصِ قرآنی سے فی الواقعی تصدیق ہوتی ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جس چیز سے مبرّا رکھا ہے وہ معصیت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم یا قانون کی ارادی عدول حکمی، گریز، نافرمانی یا پھر وحیِ الٰہی میں کسی طرح کا تصرف ردّ و بدل وغیرہ اور باقی تمام امورِ طبعی لوازم بشریت کے دائرہ میں ہیں، خواہ جسمانی ہوں یا عقلی ان میں نفی یا کمی بیشی کہیں بھی نظر نہیں آتی بلکہ اگر ان پیغمبرانِ حق کو یکسر محفوظ بنا کر بھیجا جاتا تو منکروں اور کافروں پر حجت کیونکر قائم ہوتی شاید اسی لئے انسانی فکر اس وہم و گمان بلکہ گمراہی میں مبتلا نظر آتی کہ انبیاء اکرم علیہم السلام بھی بشر ہیں تو یہ اختصاص کیسا کہ وہ عام انسانوں کی ہدایت ان کی اصلاح فرمائیں گے قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر اس خام خیالی کی وضاحت کی گئی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کی تمام مشہور قوموں نے اپنے اپنے پیشواؤں کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھا بلکہ انہیں مظہرِ خدا مان کر ان کی پرستش بھی کی ہندو مت میں کوئی (۳۲) سے زائد ایسے نام ملتے ہیں جن کے ساتھ اوتار (خدائے واحد کا روپ لے کر ظاہر ہونے والا) کا عقیدہ ملتا ہے گویا خدا نے مادی شکل اختیار کر کے مخلوق کا جامہ پہن لیا، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی مقام پر سمجھا، یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہا ان حالات میں قرآن مجید کے ذریعہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حقیقت کا انکشاف فرمایا۔ "**قُلْ**

اِنَّمَا أنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ یُوحیٰ اِلَیَّ۔" (الکھف آیت:۱۱۰) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا ایک بشر ہوں (بس فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی آتی ہے اور یہ مرتبہ مخلوقات میں اعلیٰ ترین درجہ ہے واضح ہو کہ رسول سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان اُن اعتراضات تردد و تشکیک و کفر کا سد باب ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہوتا رہا تھا یعنی بشریت عبدیت، ان مشرکانہ منطق میں یہ بات بھی مضمر تھی کہ رسالت و نبوت کے وہ ہادی کیونکر ہیں یا ہو سکتے ہیں جو بشر انسان ہیں طنز و تعریض کے ساتھ ہر دور کے کفار و مشرکین یہی سوال بار بار پیش کرتے رہے ہیں قرآن مجید نے بھی یہ حکایت دہرا، دہرا کر نقل کی ہے جیسے "ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا۔" (التغابن آیت:٦) یہ عذاب الٰہی اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے تو یہ حیرت و انکار سے کہتے تھے کہ کیا ہماری ہدایت کوئی بشر (انسان) کرے گا بالفاظ دیگر ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کے سامنے بالمقابل رو برو کہتے کہ تم کیا ہو ہمارے ہی جیسے بشر ہو اور بشر کہیں بشر کا ہادی یا رہبر ہو سکا ہے۔" قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔" (ابراہیم آیت:١٠) تم اور کیا ہو اس کے سوا کہ ہم ہی جیسے ایک بشر ہو حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا "مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا۔" (الشعراء آیت:١٨٦) تم بس ہم جیسے ایک بشر ہی تو ہو، حضرت شعیب علیہ السلام سے کہتے ہیں۔" وما انت الا بشر مثلنا۔" اور دیدہ دلیری کی وجہ سے سامنے کہنے سے نہیں چوکتے تو پیچھے استہزا اور گستاخانہ لہجے میں کہتے "اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَراً رَسُوْلاً" کیا خدا نے رسول بنا کر ایک بشر کو بھیجا اور کہیں یوں آپس میں تذکرہ کرتے ہیں۔" هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔" (الانبیاء آیت:٣) یہ مدعی نبوت بس ایک بشر ہی تو ہے تم ہی جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی آپس میں ہنسی اڑاتے۔ "هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لا يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ" (المومنون آیت:٢٤) یہ شخص تو بس ایک بشر ہے تم ہی طرح، چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر جن کی کھلی نشانیاں لے کر فرعون اور فرعونیوں کے ہاں پہنچے تو انہوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا یہاں بھی انہیں بشریت ہی نظر آئی یعنی داعیان حق اور بشر۔ "فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ" (المومنون آیت:٤٧) وہ کہنے لگے کیا ہم ان دونوں پر ایمان لائیں جو ہم ہی جیسے بشر ہیں حالانکہ ان کی قوم ہماری محکوم ہے یہی نہیں ان کور باطنوں کو اس کے سوا کچھ اور سوجھائی نہ دیا اور وہ اللہ کے اُن محبوب و مقتدر بندوں کی رفعت و شان میں گستاخی کرتے رہے اس کیفیت کو قرآن مجید یوں

دوہراتا ہے۔"مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ، وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔" (المومنون آیت:۳۴) بس یہ تو ایک بشر ہیں تم ہی جیسا کھاتے پیتے ہیں اور اگر کہیں اپنے جیسے بشر کے کہنے پر چلنے لگے تو تم تو بالکل نقصان میں رہو گے پھر بھی اُن تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمایا۔"قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔" (ابراہیم آیت:۱۱) ان پیغمبروں نے اُن سے کہا کہ بیشک ہم بشر ہیں تمہاری طرح نیز اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد"قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔" (بنی اسرائیل آیت:۹۳) بشریت کا واضح اعلان ہے اور یہ بھی کہا گیا۔"مَا هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِيْ الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنُ نَذِيْرًا، وَ يُلْقِىٓ اِلَيْهِ كَنْزاً وَ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا۔" یہ پیغمبر تو ہم انسانوں کی طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں گھومتا ہے اس کے ساتھ انسانی قویٰ سے ماوراء کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا اسے فکر معاش سے بے نیاز کرتے اور عیش کی زندگی گذارنے کو غیب سے کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا اسے جنت کے باغ کیوں نصیب نہ ہو جاتے سو، تم اپنی خام خیالی اور بے مغزیوں کے جواب کے لئے تیار ہو جاؤ چونکہ ہمارا موضوع بشریت انبیاء اور اس کے متعلقات نہیں اس لئے اس عنوان سے گریز کرتے ہوئے سراپائے رحمۃ للعالمین صلی الہ علیہ وسلم سے متعلق کچھ اہم نکات پیش کئے جائیں گے۔

واضح ہو کہ بشر کے ساتھ ہی ذہن میں انسانی شکل وصورت اس کے خدوخال قدوقامت وغیرہ ساری باتیں ابھرنے لگتی ہیں ظاہر ہے انسانی ہیولہ میں اس کے جسد خاکی میں حق تعالیٰ جل شانہٗ کی شان یکتائی اس کی کبریائی جلوہ ہوگی تب ہی تو کہا گیا خلق آدم علیٰ صورتہ اس کے باوجود سیّد عالم عالمیاں فخر موجودات سرور کائنات مقصد کن فیکون احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی شباہت کی تفصیلات کیونکر رقم کی جاسکتی ہے، ظہور قدسی کی روایت ہے کہ آپ عالم قدس سے عالم امکان میں دوشنبہ ماہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گذرنے کے بعد سنہ فیل میں تشریف فرما ہوئے۔ (ابن ہشام، ص:۲۲۷) بقول علامہ شبلی نعمانی مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشاہ فلکی نے اپنے استدلالی رسالہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ابن اسحاق نے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف نے یحییٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ الانصاری کی روایت سے حدیث بیان کی حضرت حسان ابن ثابت کہتے ہیں کہ وہ سات آٹھ برس کے تھے کہ اچانک ایک یہودی نے یثرب (مدینہ) کے ایک بلند مقام سے آواز لگائی۔اے گروہ یہود! سنو کہ آج رات احمد کا ستارہ طلوع ہو گیا

جس میں وہ پیدا ہو گیا۔ (ابن ہشام، ص:۲۱۸) سرکار دوعالم کی ولادت باسعادت کی اطلاع آپ کے دادا سردار قریش حضرت عبدالمطلب کو دی گئی وہ آئے دیکھا اور محمد نام رکھا جب کہ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ کو ہاتف غیبی نے احمد پکارنے کی تلقین کی سیدالمرسلین والآخرین رحمۃ للعالمین خاتم النّبیین کی اس تشریف آوری پر کسی موقع پر کہا تھا:

و احسن منك لم تلد النساء — و أجعل منك لم ترقط عيني
كانت قد خلقت كما تشاء — خلقت سيد و من كل عيب

(آپ سے زیادہ دلربا شخصیت پر میری نگاہ کبھی نہیں پڑی آپ سے زیادہ حسین وجود کسی عورت نے جنم نہیں دیا حسین نگاہ بلند مرتبہ، گویا آپ جیسا چاہتے تھے ویسے ہی پیدا کئے گئے) (عربی میں نعتیہ کلام، ص:۳۹)

رضاعت کے لئے والدہ محترمہ کے بعد ثویبہ (ابولہب کی کنیز) کی خدمات لی گئیں بعدازاں قریش کے دستور کے مطابق آپ کو بنی سعد بن بکر کی حلیمہ سعدیہ بنت ابی ذویب کے سپرد کیا گیا سچ تو یہ ہے کہ دنیا کی عظیم شخصیتوں کا معاملہ ہی جدا ہے چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کی شخصیتوں سے جو عظمتوں کا ظہور ہوتا ہے ان کے لئے کیا کہا جا سکتا ہے اور پھر محسن انسانیت پیغمبر آخرالزماں کا افتخار و اختصاص اللہ اکبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری آدمیت کی معراج ہے لیکن کسی بھی شخصیت کو سمجھنے میں اس کی شباہت وجاہت پیکر دلنواز کے ظاہری پہلو بھی بڑی حد تک مددگار ثابت ہوتے ہیں آدمی کا سراپا اس کے جسم کی ساخت اعضاء و جوارح کا تناسب ڈیل ڈول خصوصاً اس کے چہرے کی تابناکی مزید کردار وضع قطع ذہنی اخلاقی جذباتی مراتب کی ضوفشانیاں کا خصوصی مطالعہ ہوتا ہے چنانچہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بات قرآن مجید احادیث شریفہ کتب تواریخ وسیر سے استنباط اس امر کی وضاحت کرے گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کس قدر نورانی مصفا و متجلی ہے گو حضور اکرم کی کوئی حقیقی شبیہ تصویر کا ادراک کرنا ممکن نہیں اور خود رسول اکرم نے امت کو اس سے باز رکھا کیونکہ تصویر کا فتنہ شرک سے کہیں نہ کہیں مربوط ہو ہی جاتا ہے حضور کی خدانخواستہ اگر کوئی تصویر ہوتی تو نہ جانے اس کے ساتھ کیا کیا باتیں منسوب کر لی جاتیں شاید اسی لئے یہ باب ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا مگر یہ بھی سچ ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب کی تعریف و توصیف کے جو قرینے قرآن میں بیان کئے ہیں وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ محبوب رب العالمین کی قدوسی صفات پاکیزہ و مطہر ہستی عظیم المرتبت شخصیت کیسی ہے چنانچہ قرآن کریم کی کوئی ۲۸ سورتوں میں ۳۸ مقامات پر آپ کی محامد و محاسن کا واضح و روشن اندراج ملتا ہے جیسے "**يا ايها المزمل يا ايها المدثر يٰسين طٰهٰ محمد**

رسول اللّٰہ سراجاً منیراً انك لعلیٰ خلق عظیم و رفعنا لك ذكرك" وغیرہ لیکن یہاں تمثیل وتصویر کا معاملہ ہی دیگر ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار جاں نثاروں نے کم ازکم پردۂ الفاظ میں حضور سرور کائنات کی شبیہ مبارک مرتب کردی، جو روایتاً آج تک موجود ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے صدیوں پہلے حضرت سلیمان پیغمبر علیہ السلام نے تشبیہات سلیمان (غزل الغزلات) باب پنجم آیت ۱ تا ۱۶ میں آپ کی حلیہ نورانی کا یوں ذکر کیا ہے:

"میرا دوست نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے اس کا سر ہیرے کا سا
چمکدار ہے اس کی زلفیں مسلسل سیاہ ہیں اس کی آنکھیں ہیں جیسے پانی کے کنڈل پر
کتو بر اس کے ہونٹ پھول کی پنکھڑی اس کا چہرہ مانند ماہتاب اس کا گلا نہایت
شیریں اور وہ بالکل محمد (تعریف کیا گیا ہے) یہ ہے میرا پیارا اور میرا محبوب۔"

(ماخوذ مقالات سرسیّد احمد خاں، ارمغانِ نعت از شفیق بریلوی، ص:۳۰)

سلسلۂ کتب احادیث خصوصاً ترمذی شریف میں آپ کے شمائل و خصائل حمیدہ کا جس قدر اظہار ہے وہ وقیع وغیر معمولی ہے، حضور اکرم کے چہرۂ اقدس قد و قامت وجاہت کا جو عکس صدیوں بعد توسط در توسط ہم تک پہنچا وہ بہرحال ایک انسانِ کامل بشر عظیم کا تصور دلاتا ہے جو شکل و شباہت ذہانت و شجاعت صبر و استقامت راستی و دیانت عالی مرتبت وقار و تمکنت فصاحت و بلاغت تواضع و انکساری دستگیری و سخاوت فرض شناسی و اخلاق ہمدردی و استعانت غرض ایسے لاتعداد خصوصیات کمالات، محامد محاسن شائستگی شیفتگی شگفتگی دل بستگی دلجوئی سرپرستی وغیرہ جن کا احاطہ عقل انسانی سے ممکن نہیں کہ آپ کے بدن مبارک میں روح نبوت و رسالت کا جمال و جلال تمام تر نورانی پرتوئے یزدانی لئے جلوہ گر تھا اور یہی آپ کی عظمت و بزرگی کی روشن و تابناک دلیل ہے آپ نے ارشاد فرمایا تھا "**ان تقویٰ اللّٰہ تبیض الوجوہ**" (خدا کا تقویٰ ہی چہروں کو روشن کرتا ہے) نبی مکرم و معظم صاحب رخ بے مثل و بے مثال ازل سے ہی اس قدر نور افشاں ہے کہ کسی حاشیہ خیال میں نہیں آسکتا جب ہی تو عبداللہ بن سلام (یہودی سردار) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے بعد بے ساختہ کہہ اٹھا ھذا لیس وجہ کاذب (شفا قاضی عیاض، جلد-۱، ص:۱۰۵) میں نے جونہی حضور کو دیکھا تو فوراً سمجھ گیا کہ آپ کا چہرہ کسی دروغ گو شخص کا چہرہ نہیں ہوسکتا، مزید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"حضور سے زیادہ خوبرو کسی کو نہیں دیکھا ایسا لگتا گویا آفتاب
چمک رہا ہے۔"

اسی ضمن میں ہند بن ابی ہالہ، حضرت انس، حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب، حضرت ربیع بن معوذ کے علاوہ حضرت علی ابن ابی طالب کے بیانات کے ساتھ ساتھ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تاریخی لحاظ سے غور کیا جائے تو ہمیں سب سے پہلے حضرت ابوطالب عم بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تائید رسول خاتم میں جو مدحیہ اشعار کہے ہیں وہ غیر معمولی ہیں، دراصل اعلان نبوت کے بعد قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر کمر کس لی ابوسفیان نے اس کو بنی امیہ کے خلاف بنوہاشم کی سازش قرار دی چنانچہ ابوطالب نے خواہ اپنے بھتیجے کی حمایت کے جوش میں یا قبائل کے تعصب اور خاندانی مناسبت کے جذبہ میں اشعار کہے ابن ہشام نے سیرۃ النبی میں اس کے صرف سات شعر ہی نقل کئے مگر یہ قصیدہ کم وبیش سوشعروں پر مشتمل ہے اوراس کا موضوع اہل قریش کو جنگ و جدال سے باز رکھنے کی دعوت ہے آپس کی خوں ریزی جنگ سے پیدا شدہ مصائب اس کے نقصانات کے ساتھ ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں تو فطرتاً حضرت ابوطالب کا جوش وولولہ بڑھ جاتا ہے بقول ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی آپ کی مدح میں ایک ایسا شعر بیان کیا ہے جو ہزاروں قصائد پر بھاری ہے:

**وأبیض یستقی الغمام بوجھه		ثمـال الیتامیٰ عصمة للأرامل**

(وہ روشن وتابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے پناہ گاہ ہیں)

مخفی مبارکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں توصیفی قصائد لکھے گئے ان میں حضرت ابوطالب کے علاوہ میمون بن قیس (اعشیٰ) کعب بن زہیر، حسان ابن ثابت، عبداللہ بن رواحہ کے اشعار سیرۃ النبی کی تمام معتبر کتابوں میں منقول ہیں جب کہ حمزہ بن عبدالمطلب حضرت عباس کے ساتھ ساتھ حضرت صفیہ بن عبدالملک کے مدحیہ اشعار ملتے ہیں مزید حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے دوشوہروں کے دو بچے تھے ایک شوہر سے لڑکا اور دوسرے سے لڑکی اور دونوں کے نام ہند تھے لڑکا ہند بن ابی ہالہ اپنے سوتیلے والد (رسول اللہ) سے بیحد مانوس تھے آگے چل کر وہ اسلام میں حضور اکرم کے حلیہ شریف کے بارے میں سب سے زیادہ معتبر راوی قرار پائے وہ کہتے ہیں۔ اُن (رسول اللہ) کا منھ یاقوتوں سے بھرا ہوا صندوقچہ تھا ان کا چہرہ چودھویں کے چاند سے زیادہ حسین تھا۔ (نقوش رسول نمبر، جلد-۱، صفحہ:۵۲۴) اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور بی بی فاطمۃ الزہرہ سے منسوب نعتیہ اشعار کی روایتیں ملتی ہیں سراپائے اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں یہ عرض کردوں کہ

کئی صحابہ کرام نے رسول اللہ کا سراپا بیان کیا ہے خصوصیت سے مسجد کوفہ میں کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور ختمی مرتبت کے حلیہ مبارک کے بارے میں دریافت کیا، حضرت علی نے فرمایا:

''رسول کا رنگ گورا سرخی مائل تھا گہری سیاہ آنکھیں ڈھیلے بال گھنی ریش و رخسارے پر گوشت نہ تھے گیسو گھنے اور گھونگھریالے، سینے سے شکم مبارک تک بالوں کی ایک لکیر تھی گردن چاندی کی صراحی جیسی لگتی تھی ہنسلی سے ناف تک بال تھے اس کے سوا بدن پر بال نہ تھے ہتھیلی اور پاؤں کے تلوے دبیز تھے جب چلتے تو لگتا تھا کہ کسی بلندی سے اتر رہے ہیں کھڑے ہوتے تو پھرتی سے کھڑے ہوتے اور جب کسی طرف مڑتے تو پوری طرح مڑ جاتے آپ کے چہرے اقدس پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمکتے تھے اور پسینے میں مشک سے زیادہ خوشبو تھی آپ نہ دراز قد تھے اور نہ کوتاہ قامت نہ آپ کے جسم اطہر میں کوئی عیب تھا نہ ڈھیلے ڈھالے تھے میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی کو آپ کے جیسا نہیں دیکھا صلی اللہ علیہ وسلم۔''

(نقوش رسول نمبر، جلد-۱، صفحہ: ۵۲۸)

اس کے علاوہ الطبقات الکبریٰ جلد اوّل، صفحہ: ۴۱۰، پر دوسری روایات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان ہوا ہے ایک اور اقتباس دیکھئے:

''آپ نہ تو بہت لمبے تھے نہ نمایاں طور پر پستہ قد بلکہ میانہ قد تھے اسی طرح آپ کے بال چھوٹے گھنگھریالے تھے نہ کہ لمبی لمبی سیدھی زلفیں ہلکے ہلکے گھنگھریالے گیسو تھے اسی طرح نہ آپ فربہ بدن تھے رخسار بھرے بھرے آپ کے چہرے میں ایک روشن ہالہ تھا چہرے مہرے سے جلالت ظاہر تھی دونوں کندھوں کے درمیان بال نہ تھے البتہ وہاں مہر نبوت تھے آپ خاتم النّبیین تھے لوگوں میں سب سے زیادہ سخی سب سے زیادہ جری اور صادق القول تھے۔''

نیز حضرت حسان بن ثابت نے نام نامی اسم گرامی محمد کے بارے میں یوں کہا تھا:

وضم الالٰہٗ اسم النبی الیٰ اسمہ — اذ قال فی الخمس الموذن اشھد
و شق لہ من اسمہ لیجلہٗ — فذوا العرش محمودٌ و ھذا محمدٌ

(اللہ نے اپنے نام کے ساتھ ان کے نام کو جوڑ دیا جب کہ موذن پانچ وقت اشھد کہتا ہے۔ اللہ

نے ان کا نام ان کے اجلال کے لئے اپنے نام سے مشتق کیا ہے جو صاحب عرش محمد ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

تاریخی لحاظ سے سراپائے رحمت عالم کے سلسلے میں ام معبد کا تذکرہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے بقول ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی جس کی نثر بھی کسی نظم سے کم مرصع اور آب دار نہیں ہے۔

(عربی میں نعتیہ کلام)

ام معبد (عاتکہ) قبیلہ خزاعہ کی ایک نیک نہاد خاتون تھی جو عموماً راہگیروں کی مہمان نوازی کے لئے شہرت رکھتی تھی ابن ہشام سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما رہے تھے تو غار ثور سے نکلنے کے بعد آپ کا گزر اسی مہمان نواز خاتون کے ہاں ہوا حسنِ اتفاق اس وقت ام معبد کا شوہر گھر پر موجود نہ تھا اور ضیافت کے لئے بھی اسباب خورد و نوش نہ تھے البتہ محض ایک لاغر بکری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری پر دستِ رحمت پھیرا بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے پھر یہ ہوا کہ نہ صرف آپ نے اس کا دودھ نوش فرمایا بلکہ حضرت ابوبکر صدیق اور آپ کے غلام دیگر دو لوگوں نے بھی دودھ پیا۔ سبھوں کے دودھ پینے کے بعد آپ نے بکری کو دوبارہ دوہا اور دودھ سے بھرا پیالہ ام معبد کے حوالہ کر کے وہاں سے روانہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد ام معبد کا شوہر آیا جب اس کے آگے دودھ رکھا گیا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اس نے تفصیل سے آگاہی چاہی ام معبد نے شوہر کے اصرار پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حلیہ بیان کیا وہ تاریخ میں معروف مستند و معتبر سمجھا گیا ام معبد نے عرب کی فصاحت و بلاغت کے مدنظر جس حسین ترین الفاظ میں مرقع رسول پیش کیا اور ایک دلکش نورانی شبیہ بنائی اس کی خوبی یہ ہے کہ ام معبد کی بیساختگی میں کسی طرح کا تعارف تھا نہ تعصب بلکہ اس نے سرکار دو عالم کو جیسا دیکھا ویسے ہی بیان کر دیا:

''پاکیزہ رو کشادہ چہرہ پسندیدہ خوشکم قدرے ابھرا ہوا نہ سر کے بال گرے ہوئے زیبا صاحب جمال آنکھیں سیاہ فراخ بال لمبے اور گھنے آواز میں بھاری پن بلند گردن روشن مردمک سرمگیں چشم باریک و پیوستہ ابرو سیاہ گھنگھر ویالے بال خاموش وقار کے ساتھ گویا دبستگی لئے ہوئے دور سے دیکھنے میں زیادہ زیبندہ و دل فریب قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین شیریں کلام واضح الفاظ کلام کمی و بیشی الفاظ سے معریٰ تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قد کہ کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتے نہ طویل کہ

آنکھ اس سے نفرت کرے زیبندہ نہال کی تازہ شاخ زیبندہ منظر والا رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں مجذوم مطالعہ نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔"

(زادالمعاد جلد-۱،ص ۳۰۷، ترجمہ از رحمۃ للعالمین سلیمان منصور پوری)

عربی نعتیہ شاعری میں مدح نبوی کے نہ جانے کون کون سے پہلو عزت و توقیر پا گئے تاہم سراپائے رحمت عالم کے بہت کم مرقع بار پا سکے اکثر شعراء نے نعتیہ قصائد کے دوران محامد ومحاسن سرکار کے ساتھ ساتھ سراپائے رسول کو بھی رقم کر دیا، چنانچہ قصیدۂ بابت سعاد از کعب بن زہیر، قصیدۂ بردہ جس کا اصل عنوان الکوکب الدریہ فی مدح خیر البریہ از شرف الدین بوصیری کی شہرت ومقبولیت تاریخی حیثیت رکھتی ہے اور جب دین حنیف عرب سے نکل کر عجم پہنچا تو شعرائے عجم نے بھی سیرۃ رسول کو بیان کرنے کو اپنا امتیاز وافتخار بنالیا اس طرح نعت شریف کا مزاج ومرتبہ عظمت ورفعت اوج ثریا تک جا پہنچی حضرت مولانا رومیؔ، جامیؔ، قدسیؔ، عرفیؔ، حافظؔ، امیر خسروؔ وغیرہم و دیگرہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وابستگی جاں نثاری کو اس قدر ضوفشاں بنادیا کہ دل ونگاہ مسرور وشاداں ہو گئے کہ اس کے فیض سے ایمانی حلاوت وکمال محبت کا بول بالا ہو گیا:

بلغ العلیٰ بکماله کشف الدجیٰ بجماله
حسنت جمیع و خصاله صلوا علیه وآله
(سعدی)

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهك المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توی قصہ مختصر
(شاہ عبدالعزیزؒ)

ترا عز لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسیں بس است
(رومی)

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
(قدسی)

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند کہ تو تنہا داری
(حافظ)

ہزارہا بشویم زوہن مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست
(عرفی)

ز رحمت کن ہر حال زارم یا رسول اللہ غریبم بے نوایم خاکسارم یا رسول اللہ
(حاجی)

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری
(امیر خسرو)

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است
(غالبؔ)

اے سرور دو کون شہنشاہ ذوالکرم سرخیل مرسلیں و شفاعتِ گر اُمم
(بہادر شاہ ظفرؔ)

نعت شریف میں سراپائے رحمۃ للعالمین کی لفظی تصویریں یقیناً اہل ایمان وایقان کے دلوں میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ومودت لازوال بناتی ہیں ویسے بھی سراپائے قدس پیغمبر مظہر کمال قدوسیت شہکار دست الٰہی خالق کائنات کے حسن جہاں تاب کی تعریف وتوصیف انسانی فکر ونظر سے بالاتر ہے تاہم محبوب رب العالمین کے سراپا کو روح کی اتھاہ گہرائیوں میں بسا لینے کی آرزو نے اُن پاکیزہ نفوس (شعراء وادباء) کو آمادہ کیا کہ اشہب تصویر کو مہمیز دیں اور ایک تصویر نو جمالِ جہاں آرا کی صورت گری سے دامن دل کو منور و تابناک بنالیں عربی و فارسی کے قطع نظر ہندوستان کی مختلف زبانوں خصوصاً اردو میں نعتیہ کلام کہنے کی سعادت نے اپنا کمال دکھایا چنانچہ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ سے یہ سلسلہ چل پڑا اور جانے کتنے ہی شاعروں نے اس مطہر موضوع کو بطریق احسن منہاج معتبر کو اختیار کرتے ہوئے دارین کی نعمتیں نیز خوشنودی پروردگار عالم اس کے فضل وانعام کے حق دار ہوئے اور خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات بے پایاں کے بھی نوازشات کے اہل قرار پائے۔

سراپائے قدس ومحترم رسول خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت محسنؔ کاکوروی نے محامد خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم میں مسدس کی شکل میں اس کا اہتمام کیا جب کہ اس عاجز کے دوران مطالعہ ایک مخطوطہ قریب تین سو سالہ یعنی ۱۱۴۴ھ (مملوکہ ڈاکٹر محمد عطاء اللہ خاں) دستیاب ہوا اس کے ماخذ محرر اور کاتب کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی اور پھر فارسی زبان میں تحریر کردہ یہ سراپائے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوعیت میں منفرد جامع اور خوبصورت ہے اس نثری

سراپا کے محض چند سطور نذر قارئین ہیں:

در بیان صفت آفریدن بدن مبارک حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

خلق راسہ من البرکۃ آفرید ہ شد سر محمد از برکت وخلق وجہ من

ملح نور المتجلی آفریدہ شد روئے محمد از نمک نور تجلی وخلق عیناہ من الحیاء

آفریدہ شد دو چشم محمد از شرم و خلق انفسہ من عنبر الجنۃ

اسی طرح اردو میں حضرت محسنؔ کاکوری کے بعد نواب عزیز جنگ ولاؔ نے ۱۳۳۸ھ میں بعنوان تصویر نور سراپائے رحمۃ للعالمین تحریر کیا مسدس کی اس صنف میں لکھے اس مبارک سراپا کی تاریخ تصنیف کا قطعہ تاریخ سیّد نور الضیاء الدین مفتی مجلس عدالت عالیہ حیدرآباد المخاطب بہ نواب ضیاء یار جنگ نے یوں لکھی:

تصویر مرا است یا کہ نقشِ حورے　　دارد ز تجلیش فروغِ طورے

تاریخ نکوش ہدیۂ طبع ضیاؔء است　　تصویر محمد سراپا نورے

۱۳۳۸ھ

اس مسدس کے دو بند ملاحظہ ہوں:

مکمل مصحف عارض اسی کا ایک پارہ ہے　　یہاں انگشت بینی بھی اسی کا اک اشارہ ہے

چمن رخسار کا اس گلشن رخ میں نظارہ ہے　　گل گوشِ مبارک بھی اسی کا گوشوارہ ہے

اسی کو مطلع خورشید و برج ماہ کہتے ہیں　　ہم اس کو چہرۂ پاک رسول پاک کہتے ہیں

☆

منور جسم اقدس نور یزدانی کا پُتلا ہے　　جسے خود اپنے ہاتھوں صانع قدرت نے ڈھالا ہے

اسی نور مجسم کا مرقع یہ سراپا ہے　　اسی کا عکس ہے جرم قمر، خورشید سایا ہے

زمیں پر عمر بھر ہم نے نہ پایا اس کے سائے کو　　سمجھتے ہی نہ تھے کچھ آج تک ہم اس کنائے کو

سلسلۂ راقم الحروف نے بھی سراپائے اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بعنوان مرقع رسول آیات پیغمبر نور اللہ ۱۹۸۸ء میں لکھنے کی جسارت کی ننانوے اشعار پر مشتمل اس نظم کے چند شعر دیکھئے:

تصویرِ ذات ہو ہیں وہی منبع حیات　　ممدوحِ حق تعالیٰ ہیں وہ نورِ کائنات

سرتاج انبیاء ہیں وہی جان اولیاء　　تسکین اتقیاء ہیں وہی آن اصفیاء

ذاتِ گرامی ان کی ہے ممتاز و مفتخر　　کونین میں ہے واقعی بے مثل و معتبر

صلی علیٰ ہے خوب سراپائے مصطفیٰ آئینہ جمال خدا شان کبریا

جلوؤں سے ہورہا ہے شمائل کا رابطہ جاں بخش خوبیوں کا ہے لاریب سلسلہ

اس اجمالی گفتگو اور اس مرحلہ پر جب ہم سراپائے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے شہرۂ آفاق ''سلام'' پر نظر ڈالتے ہیں تو اہل دل اہل عشق کی آنکھیں ایمان کی ضیاء باریوں سے خیرہ ہوجاتی ہیں دل لذت عشق محمدی سے سرشار ہوجاتا ہے یوں تو اعلیٰ حضرت نے جہاں دنیائے اسلام میں کئی اہم انقلابی کارنامے انجام دیئے ہیں وہیں عاشقان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود وسلام کی لاتعداد نعمتوں کا احساس دلایا حدائق بخشش کی نعتیہ شاعری کا مرکز ومحور عشق رسول کی وہ لازوال دولت عظمیٰ ہے جس کی مثال نہیں خصوصیت سے سلام رضؔا بہ بارگاہ مصطفیٰ تحیۃ الثناء کا نذرانہ اس قدر جاں سوز دل گداز نورانیت سے معمور محبت و مودت کے کمالات کا قرینہ رکھتا ہے کہ آج اقطاع عالم میں اس کی بازگشت حرارت ایمانی وایقان سے جدا نہیں، یہاں اس بات کا بطور خاص خیال رکھنا چاہئے کہ نعت شریف کے سلسلے میں کسی شاعر کی کسی اور شاعر سے مسابقت موازنہ یا تقابل کی گنجائش نہیں کیونکہ نعت کا راست تعلق عشق سرور کائنات سے ہے اور عشق کا موضوع اس قدر ہمہ گیر ہمہ جہت اور آفاقی ہے جس کی شرح ممکنات کے دائرہ عمل میں نہیں آسکتی:

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما اے دوائے جملۂ علت ہائے ما

عشق کا معاملہ یہ ہے کہ وہ صاحب جنوں بھی رہے اور اسباب وعلل سے بھی بے پرواہ نہ ہو، دراصل عشق کے جنونِ تخلیق وعمل پر اگر عقل کی روک نہ رہے تو انسانی معاملے درہم برہم ہوجائیں، عشق وعقل کا امتزاج انسان کو سعادتِ عمل کی راہ پر لاتا ہے یہ عشق ہی ہے جو انسان کو تکمیل ذات کا شعور بخشتا ہے یوں قافلۂ حیات کی ساری ہماہمی عشق ہی سے عبارت ہے:

من بندۂ آزادم عشق است امامِ من عشق است امام من عقل است غلام من

(اقبال)

عشق زندگی کی اعلیٰ ترین تخلیقی استعداد سے اس بارے میں ہر صاحب حال نے اپنے اپنے احوال درج کئے ہیں مرزا غالبؔ کے الفاظ ہیں:

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا درد کی دوا پائی درد لادوا پایا

یا علامہ اقبال کے نزدیک:

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دمبدم

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق　　شاخ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

اور شاید یہی عشقِ رسول کی ساری کیفیات اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات میں بدرجۂ اتم واحسن موجود تھیں کہ آپ حبیب کبریا کی حیات طیبہ آپ کے ذکر وفکر سے ہمیشہ شاداں و فرحاں رہتے تھے:

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز افزوں کرے خدا　　جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

(رضاؔ)

اعلیٰ حضرت اور عشق رسول بجائے خود ایک مستقل عنوان ہے لیکن یہاں حضور سرورِ کائنات کے سراپائے مقدس کی بابت گفتگو ہے اور وہ بھی سلام رضا علیہ الرحمۃ کی روشنی میں کچھ کہنا مقصود ہے چنانچہ حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی ''شرح سلام رضا'' از مفتی محمد خاں قادری کے ابتدائی صفحات میں رقمطراز ہیں:

''اس میں کسی مومن کو شبہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن حکیم میں درود وسلام کا صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ پہلے خود اور اپنے ساتھ ملائکہ کے درود پڑھتے رہنے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور درود کے ساتھ سلام کا حکم دیا ہے تو اس کو مفعولِ مطلق تسلیماً سے موکد بھی فرمایا ہے جس سے سلام کی اہمیت پر مزید روشنی پڑتی ہے غالباً اس نکتے کے پیش نظر امام احمد رضا قدس سرہ نے درود وسلام دونوں پر قصیدے لکھے لیکن سلام کے اشعار کو بڑھا کر اس کی تعدا (۱۷۲) تک پہنچا دی جس میں نعتِ رسول بھی ہے سراپائے رسول بھی اور سرکار کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اہلبیت عظام ائمہ دین اولیاء امت بالخصوص سرکار غوث اعظم اور پھر ساری امت پر بھی بالواسطہ سلام پیش کیا ہے اور آخر میں یہ آرزو ظاہر کی ہے کہ میدان حشر میں جب ملائکہ سرکار اقدس میں سلام کی فرمائش کریں تو اس وقت بھی میری زبان پر سلام کا یہی نغمہ ہو ملاحظہ ہو کیا پیاری عرض ہے کیا ایمان بھرا لہجہ ہے اور کیسا عشق آگیں تصور ہے:

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور　　بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ　　مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اس اقتباس کی روشنی میں سلام رضاؔ کا مطالعہ ایمانی حلاوت عرفانی شہامت کی ترا وانی متاثر کئے بغیر نہیں رہتی یہاں میں شرح سلام رضا کی بابت ایک اور تاثر رقم کرتا ہوں مولانا کوثر نازی دنیائے علم وادب کی ایک معروف وممتاز شخصیت تھی جو کبھی مولانا مودودی مسلک کے سعید وہمنوا تھے لیکن اعلیٰ حضرت کی عظمت ورفعت سے اثر پذیر ہو کر ان کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ سب جانتے ہیں میں ادب کا طالب علم ہوں ہرا بھرا شعر بھی

کہہ لیتا ہوں اردو فارسی عربی زبانوں کا نعتیہ کلام میں نے دیکھا ہے اور بالاستیعاب دیکھا ہے میں بلا خوف وتردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور زبانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام ایک طرف...... اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا قصیدۂ بردہ ہے تو اس میں ذرّہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا، جو زبان و بیان جو سوز و گداز جو معارف وحقائق قرآن و حدیث اور سیرت کے جو اسرار و رموز، انداز و اسلوب میں جو قدرت وندرت اس سلام میں ہے وہ کسی زبان کی شاعری کے کسی شہ پارے میں نہیں، مجھے افسوس ہے کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔''

(امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت (شائع کردہ دعوت اسلامی راج محل صاحب گنج بہار، ص:۲۳ تا ۲۵)

مولانا کوثر نیازی نے کیا خدا لگتی بات کہی کہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں چنانچہ ۱۹۶۸ء تا ۱۹۹۴ء شرح سلام رضا کے تین ایڈیشن شائع ہوئے۔(۱۹۹۴ء سے تا حال اور کتنے ایڈیشن منظر عام پر آئے اس کا مجھے علم نہیں (اعتذار) ۵۶۵ صفحات پر مشتمل شرح سلام رضا ایک ایسی معرکۃ الآراء کتاب ہے جس کے مطالعہ سے دیدہ ودل روشن ہوجائے اور روح انسانی عشق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرشاری وبیخودی سے متمتع ہوجائے جب کہ اصل سلام کی شرح ۵۱۵ صفحات پر محیط ہے فاضل شارح مفتی محمد خاں قادری نے کمال عقیدت نیز نہایت ادب واحترام و احتیاط سے ہزارہا قرآن اور احادیث کے حوالہ جات کے ساتھ امام اہلسنّت علیہ الرحمۃ کے اشعار کی اتنی دلکش خوبصورت ایمان افروز تشریح فرمائی ہے کہ یہ تشریح وتوضیح بجائے خود خزینۃ الحسنات سے جدا نہیں اِھداء میں جس حسن طریق سے سلام رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی بابت تحریر کیا ہے وہ آپ بھی پڑھ لیجئے:

''حبیب خدا وجہ تخلیق کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جن کے مراتب وشیون کا بیان بوجہ عجز فکر اور ضعف بیان انسانی بس کی بات نہیں البتہ ایک سچے عاشق رسول نے اپنے سلام نیاز میں اس جامع صفات ہستی کے جن چند اوصاف ومحاسن کا تذکرہ کیا ہے اور سبد عقیدت میں جو خوش رنگ نعتیہ پھول نذر کئے ہیں، ان کی دید وشنید سے اپنی اور سب اہل محبت کی آنکھوں کی

ٹھنڈک اور دل ودماغ کی تنویر کا سامان کررہا ہوں۔'' (ص:۳۰)

واقعہ یہ ہے کہ اس سلام میں اعلیٰ حضرت نے جس خوبی اور رعنائی دلکشی وشائستگی محبت واخلاص سے سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رقم کیا ہے وہ خاصہ کی چیز ہے حد ادب کے سلسلے میں مشہور زمانہ شعر کے مصداق یا پھر حکم الٰہی کو مطمح نظر جائے یعنی **"لاترفوا اصواتکم فوق صوت النبی"**:

گر خواہی معرفت و قرب ذات کردگار   باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

مزید سراپائے رحمۃ للعالمین کو سلام رضا میں بعثت نبوی کے چالیس سال کی مناسبت سے کوئی ۴۰ عنوانات کے تحت پیش کیا گیا ہے یہ بات سونے پر سہاگہ ہوگی کہ اعلیٰ حضرت نے اس سلام میں جس اہتمام اور وابستگی ونسبت رسول کی نعمت کو آشکارا کیا ہے کہ سراپائے قدس نہایت دلکش جانفزاء انداز میں شبیہ مبارک نظروں میں سما جائے اگر کسی کو یہ تصویر لاثانی کو دیکھنا مقصود ہو تو وہ سلام رضا سے اس کا انتخاب کرلے اور اپنی دنیا وآخرت کو ضیاء بار بنالے۔

عبارت مختصر! الحاصل سراپائے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیات فیوضات وبرکات سے بہرہ ور ہونے کی سعادت کہیں نظر آتی ہے تو بس سلام رضا میں کہ اس بوستان عشق ووفا کا ہر خوشہ چیں اپنے قلب میں ایک کیف وسرور روحانیت عرفانی آسودگی آگہی وقرب ومعیت کی دولت سے مالا مال نظر آئے جس کے لئے وہ صبر وشکیب اضطراب وبے چینی آشفتگی سے دوچار ہوا تھا اور جب گلستان رسول کی عطر بیزی اس کی لطافت سے روح میں تسکین وارفتگی نیاز کشی ذوق فدائیت کو فزوں سے فزوں تر بنادے، اپنی اس تمام تر گفتگو کو امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے وجد آفریں تابندہ درخشندہ لاتعداد اشعار میں سے اسی شعر پر ختم کرتا ہوں:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

☆ سابق صدر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد
موبائل : 9000289189

☆☆☆

ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

آصفِ سلطنتِ خداداد خانہ زاد اور ان کا نعتیہ کلام

ذوق اور ذمہ داری دو مختلف جہات کے نمائندے ہیں، بسا اوقات یہ دونوں جہتیں ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتی ہیں، اسی طرح اقتدار اعلیٰ کی مصروفیات اور حسنِ تخلیق کی واردات، یہ دونوں متنوع اشغال ہونے کے باوصف کسی ایک ذات والا صفات کی زینت بن جاتے ہیں۔ یہ درحقیقت خالق کائنات رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ہے۔عربی کے مشہور شاعر ابونواس (متوفی تقریباً ۱۹۵ھ) کا شعر ہے:

لیس علی اللّٰہ یُمتنکر ان یجمع العالم فی واحدٍ

یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی ممکن ومحال نہیں ہے کہ وہ تمام عالم کو ایک ہی ذات میں جمع فرما دے۔

ہر کسی حکمران کے لئے یہ امر ممکن نہیں کہ وہ صاحب سیف ہونے کے ساتھ صاحب قلم بھی ہو، ہندوستان کی سرزمین پر بہت کم ایسے تاجور گزرے ہیں جو بیک وقت تاج وتخت کے مالک بھی ہوں اور شاہراہ فکر وفن کے مسالک بھی، ان دونوں اوصاف حمیدہ کے مجمع البحرین تاریخ قرطاس وقلم میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔انہیں معدودے چند مقتدر ہستیوں میں جنوبی ہند میں قائم سلطنت بہمنیہ (۷۴۸ھ تا ۸۹۵ھ) کے حکمراں سلطنت محمد شاہ بہمنی (متوفی ۸۸۷ھ) کے لائق وفائق وزیر اعظم خواجہ عماد الدین صدر جہاں محمود گاواں شہید (۸۱۳ھ-۸۸۶ھ) تلمیذ امام المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے شہر بیدرؔ (موجودہ علاقہ کرناٹک) میں ایک عظیم الشان مدرسہ کی سہ منزلہ عمارت ۸۷۲ھ میں تعمیر کی تھی، جہاں خواجہ گاواں دن بھر جاری سلطنت کی مصروفیات سے فارغ ہو کر شب میں خود طلبۃ العلوم کو معقولات ومنقولات کا درس دیا کرتا تھا۔[1] خواجہ نہ صرف حاکم وقت تھا بلکہ وہ بلند پایہ شاعر، باکمال انشاء پرداز اور مایہ ناز مصنف بھی تھا، خواجہ کی دو معرکہ آراء تصانیف ''ریاض الانشاء'' اور ''مناظر الانشاء'' زیور طباعت سے آراستہ ہو کر مقبول ومتداول ہوئیں۔

کسی بھی فنکار کے لئے اپنے بالیدہ ذوق اور حکومت کی حسّاس ذمہ داریوں کو یکجا کرنے کا عمل

پُل سراط پار کرنے کے مترادف ہوتا ہے، باوجود اس کے ہماری سرزمین میں ایسی بھی چند شخصیتیں آسودہ ہیں جنہیں خداوندقدوس نے یہ سعادت بخشی ہے۔ "ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ" اس خصوصیت کا بہترین نمونہ سلطنت بہمنیہ کے زوال کے بعد قائم شدہ گول کنڈہ کے قطب شاہی حکومت کا پانچواں فرمارواابوالمظفر سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۷۳ھ-۱۰۲۰ھ) ابن سلطان ابراہیم قطب شاہ (متوفی ۹۸۸ھ) باتمکنت ذات ہے، تاریخ ادب اردو میں اس سلطان کو اردو کے اوّلین صاحب دیوان شاعر کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا دیوان اس کی وفات کے پانچ سال بعد سلطنت کے چھٹے حکمران سلطان محمد قطب شاہ ظلّ الٰہ (متوفی ۱۰۳۵ھ) نے سنہ ۱۰۲۵ھ میں مرتب کیا تھا، یہ چھٹا سلطان پانچویں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا بھتیجہ اور داماد تھا، یہ بہت ہی دیندار اور باکردار سلطان تھا، اسی نے شہر حیدرآباد کی عظیم الشان مشہور ومعروف مسجد "مکہ مسجد" کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔۲ اس کے مرتب کردہ دیوان سلطان محمد قلی قطب شاہ میں پچاس ہزار اشعار جلوہ گر ہیں۔۳ اس نے اپنی شاعری میں سترّہ تخلص استعمال کئے ہیں، ان میں شاہی، قطب، قطبی معنی وغیرہ شامل ہیں۔۴ اس کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے محسوسات ومشاہدات کو سادگی وشیفتگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ ایک مطلق العنان بادشاہ ہونے کے باوجود شعروسخن کے ساتھ اس کا انتہائی شغف واقعی قدرت کا کرشمہ ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور مثال بھی اہل علم کے لئے قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ سلطنت آصفیہ (قائم شدہ ۱۱۳۶ھ) کے بانی آصف جاہ نظام الملک نواب قمرالدین چین خلیج خاں (۱۰۸۲ھ-۱۱۶۱ھ) سلطنت مغلیہ کے ایک عظیم جرنیل، بے مثال مدبر واعلیٰ منتظم اور وفاشعار شخص تھے، آپ کے والد ماجد میر شہاب الدین غازی الدین خاں فیروز بیگ (متوفی ۱۱۲۲ھ) کو شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ) نے بلند مناصب عطا کرتے ہوئے اپنے خاص مصاحبین میں شامل کیا تھا، آصف جاہ کے جداعلیٰ خواجہ عابد خاں (متوفی ۱۰۳۲ھ) مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ) کی اولاد سے تھے۔ آصف جاہ نے کم عمری ہی میں علوم متداولہ میں مہارت حاصل کرلی تھی۔ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں پر یدطولیٰ حاصل تھا، شاعری کا ذوق عہد طفلی ہی سے تھا، بعدازاں حسن اتفاق آپ کو عالمی شہرت یافتہ سخنور مرزا عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی (متوفی ۱۱۳۳ھ) سے شرف تلمذ حاصل ہوا، آپ حکومت مغلیہ کے آخردم تک وفادار رہے۔ بعض ناگزیر حالت کے تحت دکن تشریف لائے اور سنہ ۱۱۳۷ھ مطابق ۱۷۲۴ء میں اپنی خودمختار حکومت قائم کرلی، آپ اپنی ساری زندگی رزم

گاہوں کی نذر کردی تھی، تاہم آپ کا اعلیٰ ذوق آپ کو ہمیشہ مشق سخن پر آمادہ رکھتا تھا، آپ کے ضخیم دو دیوان مطبع سرکار آصفیہ حیدرآباد (دکن) سے شائع ہوکر اہل ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنے رہے۔ ۵؎

مذکورہ بالا اصحاب سیف وقلم شخصیات کی صف میں سلطنت خداداد کے قابل قدر سید سالار اور دور نواب حیدر علی خاں بہادر (متوفی ۱۱۹۵ھ) اور عہد سلطان فتح علی ٹیپو شہید (شہادت ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۹ء) کے لائق و فائق منتظم آصف (گورنر) محمد علی مہکری خانہ زاد (متوفی ۱۲۴۰ھ) نا قابل فراموش شخصیت کے مالک ہیں، آپ کی شجاعت وشرافت کے مدنظر سلطان ٹیپو علیہ الرحمہ نے آپ کو ''فلک شکوہ'' کے لقب سے نوازا تھا، آپ اپنی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی بنا پر کالی کٹ، بارہ محل (جس میں سیلم کشنگری، ترپاتور وغیرہ علاقے شامل تھے) اور تمکور کے گورنر (آصف) کے اعلیٰ وارفع منصب پر فائز کئے گئے تھے آپ کی ولادت شہر نلمنگل (علاقہ بنگلور) میں سنہ ۱۱۵۶ھ مطابق ۱۷۴۳ء میں ہوئی، تعلیم وتربیت والد ماجد خواجہ محمد سعید مہکری عاصی نلمنگلی (متوفی ۱۱۶۷ھ) اور آپ کے پیرومرشد بارہویں صدی ہجری کے نامور صوفی حضرت سید شاہ صدرالدین نلمنگلی ابن حضرت سید شاہ میراں حسینی ملقب بہ منزوی الجبلین ۶؎ (متوفی ۱۱۴۰ھ) کے زیر سرپرستی ہوئی تھی، آپ کے خاندان کا تعلق قبیلہ نوائط کی ایک مشہور شاخ ''مہکری'' سے ہے، جن کا سلسلۂ نسب حضرت جعفر صادق علیہ السلام (متوفی ۱۴۰ھ) سے ملتا ہے۔ ۷؎ یہ قبیلہ طویل مدت تک اپنے وطن مالوف مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھا، پھر اس کے ایک فرد فرید با کمال صوفی حضرت شاہ علی سرمست قلندر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ھ) ابن شاہ حسن ذاکر درویش شاکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منامی اشارہ پاکر مدینہ منورہ سے بصرہ تشریف لائے، پھر وہاں سے شیراز (ایران) کی سرزمین پر قدم رنجا ہوکر اشاعت دین اور خدمت خلق میں مصروف ہوگئے۔ ایک مدت کے بعد شاہ سرمست نے گجرات (ہندوستان) کا رخ کیا، وہاں کی آب و ہوا نے آپ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ چنانچہ آپ گجرات کے شہر ''مہروالا پٹن'' میں مستقل اقامت گزیں ہوگئے، آپ گجرات کے طول وعرض میں سفر کرتے ہوئے اشاعت اسلام اور اصلاح باطن کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ آپ کی آخری آرام گاہ ''مہروالا پٹن'' ہی میں ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب سولہ (۱۶) واسطوں سے حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر تک پہنچتا ہے۔ ۸؎

آصف محمد علی مہکری جن کا تخلص خانہ زاد تھا، بڑے ہی پُرگو، طباع اور قادرالکلام شاعر تھے۔ آپ نے مختلف اصناف سخن غزل، رباعی، قطعہ، مسدس، مخمس، ترجیع بند وغیرہ میں خوب طبع آزمائی کی،

حمد و نعت اور منقبت میں شور انگیز قصیدے تحریر کئے۔ حین حیات آپ نے اپنی کلیات فارسی و اردو خود مرتب کی، فارسی کلیات کا نام ''بحر و کان'' رکھا جو سنہ ۱۲۱۹ھ میں ترتیب دیا گیا، اردو کلیات بنام ''گنجِ شائگاں'' سنہ ۱۲۲۱ھ میں حسن تکمیل کو پہنچی۔[9] گنجِ شائگاں کو پہلی بار راقم التحریر (راہی فدائی) نے اپنے طویل مقدمہ کے ساتھ ایڈیٹ کر کے ۲۰۱۶ء میں شائع کیا، محمد علی مہکری حکومت وقت کے اعلیٰ منصب گورنری (آصفی) پر متمکن ہونے کے باوجود اپنا تخلص خانہ زاد رکھا، جس کے معنے غلام، خادم اور خاکسار کے ہیں۔ یہ آپ کے انکسار کا بیّن ثبوت ہے۔ گنجِ شائگاں تین ہزار سے زائد اشعار کا خزینہ ہے۔ جس کے ہر ہیرے کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرنے والی اور اس کے ہر موتی کا حسن دل و دماغ کو وارفتہ کرنے والا ہے۔ ''گنجِ شائگاں'' جس کے معنے بادشاہوں کے لائق عمدہ اور بڑا خزانہ ہے۔ اسم بامسمّٰی کلیات ہے۔ اس میں شامل حمد و نعت سے مزیّن اشعار خزانہ شاہی سے کم نہیں بلکہ اس سے زیادہ ہی ہے۔ آپ نے حمدیہ اور نعتیہ قصائد میں خاقانی، عرفی، ظہیر فاریابی اور سودا کی زمینیں اختیار کیں۔ بقول مصنف ''شواہد'':

> ''حضرت خانہ زاد نہ صرف عالم و فاضل اور صاحب ورع و اہلسنّت تھے بلکہ ایک بہترین شاعر قصیدہ نگار اور بلند فکر سخنور کی حیثیت سے بھی آپ کا مقام ارفع و اعلیٰ تھا، آپ کے کلام کے محاسن کماحقہٗ دریافت کرنے کے لئے گنجِ شائگاں کا مطالعہ مدد و معاون ثابت ہوگا، آپ نے اپنے منصب گورنری کے سرکاری مصروفیات کے باوجود اور حکومت خداداد کی اہم ترین ذمہ داریوں کے باوصف شعر و سخن اور فکر و فن میں بھی جولانیاں دکھائیں، آپ کا کمال اور آپ کی ہنرمندی آپ کے اشعار سے نمایاں ہے۔ آپ اس وقت جب کہ اردو محاوراتی زبان اور دکنی مروجہ زبان کا سنگم ہورہا تھا، ایسی شاعری کی ہے جس سے دونوں طبقوں کو شاید ہی کسی طرح کی شکایت کا موقع ملے، علاوہ ازیں آپ نے اس وقت تک کی مروجہ قصیدہ نگاری کی راہ سے خود کو کسی قدر ہٹا کر اپنی ایک مخصوص راہ نکالنے کی سعی کی ہے، آپ نے کہیں بہت زیادہ بلند بانگ دعوے نہیں کئے ہیں، کہیں کہیں شاعرانہ تعلّی کی جھلک نظر آتی ہے مگر وہ تحدیث نعمت کے طور پر ہے، فخر و مباحات کے طریقے پر نہیں۔''[10]

خانہ زاد (۱۱۵۶ھ-۱۲۴۰ھ) مرزا محمد رفیع سودا (۱۱۱۸-۱۱۹۵ھ) اور میر تقی میر (۱۱۳۶-۱۲۲۵ھ)

کے جواں سال معاصر تھے، آپ نے گنج شائگاں میں سودا کا ذکر تو کیا مگر میر کا تذکرہ کہیں نہیں کیا، شاید سودا کا کلام جنوبی ہند میں میر سے بہت پہلے پہنچ چکا تھا، شہر حیدر آباد میں ''گنج شائگاں'' کی رسم رونمائی ۲۰۱۶ھ میں بڑے آب و تاب کے ساتھ ہوئی تھی جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے اردو دنیا کے نامور نقاد پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی جلوہ افروز تھے، اس جلسہ میں جہاں اہل علم واصحاب ذوق کی کثرت تھی، جناب فاروقی صاحب نے خانہ زاد کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ''دکن میں بیٹھ کر خانہ زاد نے ایسی اعلیٰ شاعری کی، اگر میر اور سودا اس کو سن لیتے تو رشک کے مارے زہر کھا لیتے'' اس تبصرہ پر حاضرین جلسہ حیران رہ گئے تھے، بعض اہل قلم نے کہا کہ فاروقی صاحب نے برسبیل تذکرہ مبالغۃً کہہ دیا ہے۔ اس واقعے کے دس سال بعد جب راقم یکم ماہ نومبر ۲۰۱۷ء کو دارالمصنّفین، علی گڈھ (یوپی) میں منعقدہ سیمینار میں شرکت کی غرض سے اپنے احباب مولانا نثار فدائی باقوی اور جناب اقبال احمد بیگ بنگلوری کے ہمراہ بنگلور سے بذریعہ فلائٹ بنارس پہنچا تو خیال ہوا کہ الہ آباد جاکر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب سے شرف ملاقات حاصل کروں، ہم تینوں ساتھی فاروقی صاحب کے دولت کدے پر حاضر ہوئے فاروقی صاحب بہت خوش ہوئے فوری دسترخوان سجایا گیا، ظہرانے سے فراغت کے بعد میں نے گفتگو کے دوران فاروقی صاحب کو ''گنج شائگاں'' کی رسم اجرا کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سوال کیا کہ آپ اب بھی اپنی بات پر قائم ہیں تو فوراً فاروقی صاحب نے کہا راہی سن لو، میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ خانہ زاد کی شاعری میر و سودا سنتے تو رشک کے مارے زہر کھالتے۔ یہ اس عظیم نقاد کا تبصرہ ہے جس نے میر کو اپنی ضخیم تصنیف ''شعر شور انگیز'' کے ذریعہ از سر نو زندہ و تابندہ کیا تھا۔

حضرت خانہ زاد کے نعتیہ قصائد صنائع و بدائع کا مرقع ہیں، پُر شکوہ الفاظ کے علاوہ نو بہ نو مضامین کا وافر حصہ نعتیہ اشعار کی زینت ہے، اسلوب کی ندرت کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا الفت وعقیدت کا والہانہ اظہار سرمایۂ نعت میں ایک اہم اضافہ ہے۔ آپ کی اس خصوصیت و انفرادیت کے شواہد آپ کے نعتیہ قصائد ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند متفرق اشعار بلا ترتیب پیش کئے جارہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) قصیدہ در نعت سید المرسلین خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

شمع وحدت ہے تو اے شاہنشہ دنیا و دیں　　　(گھر) کیا آخر اگرچہ ہے بہار اوّلیں

احمد مرسل حبیب حضرت پروردگار
ہیں ازل کے روز سے سرتاج وفخر المرسلیں

کُن فکاں کے روز سے تو ہے بصد عز وعلو
سرور اولاد آدم اور امام المسلمیں

لامکاں پر جب گیا تو یک بیک با امر حق
پست تھے پائیں ترے سب عرش کے بالانشیں

کیوں زباں ہو وصف میں تیری کہو کچھ بھی بلند
تاب نئیں لائے تری ہمراہی کا روح الامیں

گر ہو دنداں سے ترے گوہر کبھو دوچار اب
آب بہہ جا لعل کا، خورشید ہوئے گا حزیں

گر تصدق کا نہ ہو تیرے خیال اس کو بدل
کاں صدف راکھے شکم میں سالہا دُر ہمیں

آسماں گر چرخ میں ہو کچھ تعجب ہی نہیں
عرش ہے عظمت سے تیری گر کبھو جو سہم گیں

ظاہر و باطن میں تھا رخشندہ تیرا نور پاک
آدم و حوا تھے جس وقت میں در ما وطیں

تھا تو ذات بحت میں خورشید یکتائے کمال
عکس نور رخ ترا یکسر لیا ہے خافقیں

کیا چھپے پھر وسواس امت کو تری اب حشر کا
ذات ہے تیری ازل سے رحمۃ للعالمیں

گر پڑے جاروب پر تیری نگہ زلفیں لے ہاتھ
آوے جنت سے نکل یک پل میں سارے حورعیں

پردہ ہائے نہی ساری خلق کی آنکھوں اوپر
روشنی بخشی جہاں کو تیری چشمِ سرگیں

واسطے تیرے لکھا بہر شفاعت خلق کے
تختۂ ابجد میں دست قدر نے یہ حرف شیں

ہو جو گر برّاق پر تیری نگہ یوسف ابھی
پنجۂ مژگاں سے کھینچے آکے تیرا تنگ زیں

نا لکھے عصیاں کو اس کے ہو جو تیری نعت میں
ہاتھ لے لے کر قلم کو گر کراماً کاتبیں

گر نگہ رحمت کی ہو تیری کسو پر ایک بار
آب ہوں ہاتھوں میں اس کے شعلہ ہائے آتشیں

انبیا پر فخر ہے علمائے امت کو ترے
ناز پرورحق کے ہیں امت کے تیرے صالحیں

جو نہ گویا حمد میں ہو یا بہ نعت و منقبت
کیا عجب چھپے وہ نبٹ دارین میں اندوہ گیں

ہے تری درگہہ میں میری عرض اے نور خدا
ہاتھ نا ڈالے مرے دل پر کبھو دیو لعیں

ظاہر و باطن سے حاضر ہے ترے در کے اوپر
خانہ زاد از جان در دل بے شبہ اور بالیقیں''[11]

(۲) قصیدہ در نعت حضرت سرور عالم وسید ولد بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

''رکھے جب سر یو اپنے ایک وقت او تاجِ شاہانی
لباس زر سے اب خورشید کو ہووے گی عریانی

بہار غنچہ و گل ہے لب و رخسار سے اس کے
کہاں ہو اس بو بھی ویسی جگہ شبنم کی طغیانی

امام مشرق و مغرب، شہنشہ احمد مرسل
کریں جبریل جس کی راہ میں آکر حُدی خوانی

فروغ مجلس وحدت، بہار گلشن کثرت
یہ دونوں مرتبہ میں ہے وہ ظاہر اور پنہانی
کہاں گویا ہوں اس کے وصف میں سارے ہی پیغمبر
بلاحق نے کیا ہے لامکاں میں جس کی مہمانی
کہاں ہو فرق کو جا گا مگر آداب لازم ہے
ہویدا ذات سے جس کی سبھی آثار رحمانی
ملک بیکار ہوویں عرش کے سارے بھی یک پل میں
ہو گر موسیٰ و عیسیٰ سے اگر اس کی ثنا خوانی
نہ تھا سایہ جو قد کو اس کے کاں ہمسر ہو پھر اس کا
وہی ہو اور اس کا ہو تو اب دارین میں ثانی
ہے واجب بلبل روح کو بھی بزم قدس حضرت میں
کرے از جان و دل پھر نعت میں اس کی غزل خوانی
تھی اس کو منکشف ہر حرف کے معنے بصد آئیں
نزول وحی کے پیش از جو ہوں آیات قرآنی
ہو شاید پردۂ رحمت جو اپنے منھ پوانچا ہے
نہ چھوڑا ابر نے یکسر بھی اپنی طرز گریانی
اگرچہ قبلۂ کونین ہے روز ازل سے وہ
ہے روح کعبہ کو تائید اس کی امن و آمانی
جو ہو عیدالضحیٰ میں گر حمل پر سایہ گستر وہ
دیوے افلاک اپنے ثور کو لا بہر قربانی
دے کاں خوسبوئے عنبر صبا اب اس کے دیکھے سے
اگرچہ زلف سے اس کی کیا سنبل نے پہچانی
نکالو گر حرف میم اس کے نام اقدس سے
ہو گر اب شرح اس کی مختصر ہوویگی طولانی
اگر خورشید رحمت ہو طلوع مدّت سے گر اس کے
مثال قطرہ ہوئے خشک پل میں بحر عصیانی
کہاں ہو وصف اس کے عقل ناقص سے بھی ہر یک کے
ازل سے تا ابد جو ہوئی الآن و کما کافی
طلوع ہو گر جو اس کا آفتاب رخ جہاں اوپر
ہر ایک ذرّہ ہو اس کا فخر سے اب یوسف ثانی
کریں تحسین میری پر یہ بیتیں نعت کی سن کر
امام افضل الدین نام ہے مشہور خاقانی
ہو گر مقبول عزت ہی کیا ہم خانہ زاد اس کا
پئے نعت مقدس اس کی جو کچھ گوہر افشانی'' ۱۲؎

آخر میں حضرت خانہ زاد کی چند نعتیہ رباعیاں پیش ہیں:

سر نامہ راحت دل و جاں میرے
پیرایۂ جسم و روح و ایماں میرے
ہو روز ازل سے لعل سے اپنے
عیسیٰ منش قالب بہ جاں میرے

☆

دیکھا تو نظر سے جب مکان وحدت
رکھا تھا تو دل بیچ خیالِ کثرت
آویاں سے بھی بیچ واحدیت کے تو
خلوت کے تیں چھوڑ ہو کیا در خلوت

☆

مستزاد رباعیاں

"لے نام تو احد کا ہی وہ میم نکال، اللہ ہو
آواز مرے ہر موئے ترا ہو خوش حال، از ہر سو
باریک ہے یہ بات سمجھ سے باہر، تو نہ جاں
پہچان تو خوب ورنہ جان کا ہو وبال، مت کھول تو مو

☆

بے عین عرب ہے رب ہی دیکھ جو اسے، اللہ اللہ
اور کچھ بھی نہیں ہے سب میں دیکھ جو اسے، آوے ہے گواہ
سمجھو تمہیں اس بات کو اثبات کرو، بے شک و ریب
ہے سب میں وا در کب ہے دیکھو جو اسے، گر ایک نگاہ" ۱۴

مآخذ وحواشی:

۱ راہی فدائی ڈاکٹر، "قدیم ہندوستان میں علوم دین کے سرچشمے" الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد، مطبوعہ ۲۰۰۹ء، ص ۳۵

۲ محمد علی اثر پروفیسر "بصارت سے بصیرت تک" ایجوکیشنل پبلی سنگ ہاؤس دہلی، مطبوعہ ۲۰۱۲ء ص ۲۷

۳ ایضاً ص ۱۹

۴ راقم کے استفسار بر پروفیسر ڈاکٹر نسیم الدین فریس نے اطلاع دی، جزاک اللہ خیرا

۵ راہی فدائی ڈاکٹر "تذکرۂ محدثین جنوب اور دیگر مضامین" الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد، مطبوعہ ۲۰۲۰ء ص ۲۰۹-۲۱۰

۶ حضرت میراں حسینی معروف بہ میراں شاہ ولی اللہ شہر آرکاٹ (تمل ناڈو) کے قریب واقع باوا آدم کا پہاڑ پر جو مرور زمانہ کے سبب "بادام پہاڑ" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا، عبادت وریاضت میں مصروف رہا کرتے تھے، آپ صاحب تصنیف بزرگ تھے، آپ کی دو کتابیں "خلاصۃ الرویۃ" اور "سبع صفات" مشہور ہیں۔ آپ چونکہ دو بڑی چٹانوں کے درمیان واقع درے میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے، اس لئے آپ کا لقب "حمز وی الجبلین" ہو گیا (یعنی دو پہاڑوں کے بیچ چلہ کش ہونے والا) راقم الحروف (راہی فدائی) اپنے مخلص دوست جناب سیّد سلیم ویلوری کے ہمراہ اس جگہ کی زیارت کی تھی، کہا جاتا ہے

کہ دو پہاڑوں کے اوپر سے بعض اجنہ نے ایک بڑا پتھر آپ کو ختم کرنے کے لئے ڈالا تھا جسے آپ نے اپنے ہاتھ کے نیچے سے روک لیا تھا، اس پتھر پر آج بھی آپ کی انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔

۷۔ حبیب النساء بیگم ولی اللہ ڈاکٹر ''جواہرات میسور'' مطبوعہ اسد پرنٹنگ پریس، میسور ۱۹۶۷ء ص ۸۸

۸۔ محمد علی مہکری آصف خانہ زاد فلک شکوہ ''گنج شائگاں'' تحقیق و تقدیم ڈاکٹر راہی فدائی الانصار پبلی کیشنز، حیدر آباد، مطبوعہ ۲۰۱۶ء ص ۷

۹۔ ''گنج شائگاں'' ص ۳۴

۱۰۔ راہی فدائی ڈاکٹر ''شواہد'' الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدر آباد، مطبوعہ ۲۰۱۷ء ص ۱۵۲

۱۱۔ ''گنج شائگاں'' ص ۶۷

۱۲۔ ایضاص ۷۰

۱۳۔ ایضاً ص ۳۷۶-۳۷۷

الحمد للّٰہ والمنه والصلوٰة والسلام علی رسوله الرحمه و علیٰ آله و اصحابه تمامه۔ تمت بالخیر

☆ ادیب و شاعر محقق و ناقد

ABN Elegent No 399, A-Black
Flat No. 001, Ground Floor,
Haji Mohammd Ibraheem Sahib Road
Rasad Nagar, AC Post Banglore
560045 (K.S.)
موبائل نمبر : 7760292020

☆☆☆

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجؔد (پٹنہ)

قاضی عبدالوحید فردوسؔی کی شاعری: ایک مطالعہ

قاضی عبدالوحید فردوسی [۱۲۸۹ھ-۱۳۲۶ھ] عظیم آباد پٹنہ کے ایک جید عالم، مخلص داعی و مبلغ تھے۔ان کا خاندان بڑا علمی تھا، ملا غلام یحییٰ بہاری ''آپ ہی کے خاندان کے ہیں جو آداب المریدین اور مکتوبات صدی کے محشی ہیں۔شرح آداب المریدین آپ ہی کتاب ہے۔ ملا عبدالشکور منیری، ملا شیخ رکن الدین منیری، بھی آپ ہی کے خاندان کے نامور افراد ہیں جن کا روحانی فیضان تھا کہ قاضی صاحب متبحر عالم دین، متورع و خداترس خادم اہلسنّت اور شاہ خرچ وفیاض صفت، صاحبِ ثروت انسان بن کرابھرے۔انہوں نے اپنے عہد میں دین کے نام پر پیدا ہونے والے فتنوں کے دفاع کے لئے خود کو وقف کردیا۔اپنے سرمائے کے دہانے کھول دیئے، پٹنہ، کلکتہ، امرتسر جہاں جہاں بھی جماعتی ضرورت نے آواز دی، آپ مردانہ وار گئے اور فاتح واپس لوٹے۔ جیسا کہ ''مجلس اہلسنّت کلکتہ'' اور ''مجلس اہلسنّت امرتسر'' کی روداد سے ظاہر ہے۔

حضرت قاضی صاحب کی شادی سید شاہ لطف الرحمٰن متوطن کاکو (ضلع جہان آباد بہار) کی صاحبزادی سے ہوئی، جوان کے والد کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔قاضی صاحب کو چار اولاد ہوئی۔ تین بیٹے: قاضی عبدالودود، قاضی محمد سعید، قاضی محمد فرید اور ایک صاحبزادی عائشہ۔سب سے بڑے قاضی عبدالودود تھے،ان کی تعلیم قاضی صاحب نے مذہبی رنگ میں کی اور انہیں حافظ قرآن بنایا۔ پھر درس نظامیہ میں تعلیم کے لئے لگایا۔ مگر افسوس کہ ابھی وہ رابعہ ہی میں تھے اور شرح جامی، شرح تہذیب، قطبی، شرح وقایہ مختصر المعانی تک ہی تعلیم ہوئی تھی، کہ سن ۱۳۲۶ھ میں قاضی صاحب قبلہ وصال فرماگئے۔قاضی صاحب کے وصال کے بعد، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے بریلی شریف طلب فرمایا اور حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ انہیں لینے کے لئے پٹنہ عظیم آباد تشریف بھی لے گئے مگر قاضی عبدالودود نے سرے سے انکار کردیا اور انگریزی تعلیم کی طرف مائل ہوگئے۔ اس

انقلاب سے اردو دنیا کو ایک قابلِ قدر محقق تو مل گیا مگر لادینوں کی صحبت کے سبب معاذ اللہ! وہ خود دہریہ ہو گئے، سچ فرمایا حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے:

پسر نوح بابداں بنشست نشان نبوتش گم شد

یہ معلومات خود قاضی عبدالودود صاحب کی خودنوشت سوانح ''میں کون ہوں میں کیا ہوں'' سے ماخوذ ہیں جو ''رسالہ معاصر پٹنہ مطبوعہ اگست ۱۹۷۶ء میں شامل ہے۔

حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی [۱۲۸۹ھ-۱۳۲۶ھ] جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی علیہ الرحمہ والرضوان [م۱۳۲۱ھ] زیب سجادہ خانقاہ معظم بہار شریف کے مرید خاص اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ [م۱۳۴۰ھ] کے خلیفہ ومجاز تھے۔ آپ کی ولادت سن ۱۳۲۶ھ میں پٹنہ عظیم آباد میں ہوئی اور سن ۱۳۲۶ھ میں پٹنہ ہی میں وصال ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی اور جی اٹھلی شریف (پٹنہ) میں حضرت پیر شہاب الدین پیر جگجوت علیہ الرحمہ والرضوان کے مزار اقدس کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔ جنازہ کے ہمراہ جاتے ہوئے امام احمد رضا نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

یا اکرم الخلق انت الکریم اکرم القاضی عبدالوحید

قال الرضا فی الدعا اولہ ارحم القاضی عبد الوحید

لحد میں اتارنے کے لئے اعلیٰ حضرت اور حضرت محدث سورتی [م۱۳۳۴ھ] خود ہی قبر میں اترے، اور چہرہ کھول کر دکھایا جو انتہائی پُرنور اور چمکتا دمکتا تھا امام احمد رضا [م۱۳۴۰ھ] نے زائرین کو مخاطب کر کے فرمایا ''دیکھئے ایسے ہوتے ہیں مجاہدین دین کے پرنور چہرے۔''

قاضی عبدالوحید فردوسی دینی علوم میں مہارت کے ساتھ شاعری پر بھی عبور تام رکھتے تھے۔ یوں بھی عظیم آباد شہر علم وادب ہے تو عظیم آباد کا رنگ علم وفن اور ذوق شعر وسخن قاضی صاحب کے اندر پایا جانا فطری امر ہے۔ وہ ایک باکمال عالم دین مبلغ اسلام اور محافظ سنیت کے ساتھ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ زبان وبیان پہ قدرت تھی، جذبات کے اظہار میں بے باک تھے اور بلا تکلف شعر کہتے تھے۔ ان کی شاعری میں تکلف نہیں مگر اس کے باوجود پر تکلف شاعری کے محاسن وہاں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ رمز وایما اور استعارہ وکنایہ کی جلوہ سامانی بھی وہاں نظر آتی ہے اور ''فاش می گویم'' کی ''عشوہ طرازی'' بھی۔ ڈاکٹر مختار آرزو (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ان کی شاعری کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''ابتدائی زمانہ میں ان کی شعر وسخن سے بھی دلچسپی تھی۔ وہ وحیدؔ تخلص لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے وحیدؔ الہ آبادی (۱۳۰۹ھ) شاگرد آتش کی صحبت

پائی تھی۔ وہ باضابطہ ان کے شاگرد نہ ہوں گے۔ ان کا اردو کلام اس زمانے کے اردو گلدستوں میں چھپا تھا، لیکن میرے استفسار پر قاضی عبدالودود نے بتایا کہ اب ان کے پاس موجود نہیں۔''

وحیدؔ الہ آبادی کے شاگرد نہ ہونے کی وجہ انہوں نے یہ لکھا ہے:

وحیدؔ (الہ آبادی) کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد محمد اکبر دانا پوری ابو العلائی (م ۱۳۲۷ھ) نے ایک طویل قطعہ تاریخ وفات نظم کیا تھا، جس میں وحیدؔ کے بیشتر تلامذہ کا ذکر ہے۔ اس فہرست میں قاضی عبدالوحید کا ذکر نہیں ہے۔

بہرحال قاضی صاحب ایک پرگو شاعر تھے میرے سامنے ان کی فارسی شاعری کے کئی نمونے ہیں جس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد کے وہ کامیاب اور ممتاز فارسی شاعر تھے۔ بہار کے فارسی ادبا و شعرا میں جناب خواجہ رکن الدین عشق، خواجہ قیام اصدق، شاہ فرد پھلواروی، شاہ سجاد دانا پوری، شاہ اکبر دانا پوری، شاہ امین احمد فردوسی، شاہ شفیع بہاری، شاہ غلام حسن بیتھوی، باقر عظیم آبادی کا نام نامی بڑا نمایاں ہے۔ قاضی صاحب کی شاعری کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان بڑے صوفی شعرا سے متاثر تھے اور ان کی فکر سخن سے خوب حصہ پایا تھا۔ گو کہ ان کی شاعری کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے اور انہوں نے باضابطہ شاعری کو اپنی جولان گاہ نہیں بنایا مگر جو سرمایہ بھی دستیاب ہے وہ انہیں ایک بڑا شاعر ثابت کرتا ہے۔

قاضی صاحب کی شاعری میں حمد نعت سلام منقبت سبھی رنگ کے جلوے ہیں اور ہر جلوہ میں ان کی شان یکتائی، ہم سے داد کی طالب ہے۔ ان کے کلام میں لفظ و بیاں کے ساتھ ایک کیفیت ہے جو ان کے جذبات کو آئینہ کر دیتا ہے۔ ذیل میں ان کی حمد کے چند اشعار دیکھیں اور محسوس کریں وہ کس کیفیت و محویت میں روانی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں:

حمد شکر وثنا فزوں زعدد — می رسانم ببارگاہ صمد
صدق دل می بردد ان کویم — ورنہ حمد تو کیسزد گویم
اے کریم وقدیر وفرد واحد — ذات تو لم یلد و لم یولد

فارسی شاعری میں عربی کی آمیزش اکابر شعرا کے تبحر علمی، زبان پہ قدرت اور تلمیحات اسلامی تک براہ راست رسائی کا مظہر رہا ہے ایسی سیکڑوں مثالیں ان شعرا کے دواوین میں موجود ہیں۔ شائقین براہ راست ان کے مطالعہ سے مکمل سیری حاصل کر سکتے ہیں۔ یہاں حضرت قاضی صاحب کی شاعری کے حوالہ سے عرض کرنا ہے کہ ان کی فارسی شاعری جہاں اکابر کے جلوؤں سے روشناس کراتی

ہے وہیں عربی کے ایسے نمونے بھی پیش کرتی ہے جس میں قاضی صاحب عربی زبان وادب کے ماہر اور ایک حاذق شاعر معلوم ہوتے ہیں اپنے اسی حمدیہ کلام میں قاضی صاحب کہتے ہیں:

کفوك ليس لم يكن احدا ربى اللّٰه وحدهٗ صمدا
وِردِمن لااِلٰه الا اللّٰه وحده لاشريك له باللّٰه
ربنا اغفر لنا لابوينا ولاولادنا واخوينا

[تحفہ حنفیہ رجب ۱۳۱۵ھ ص-۲۴]

اپنی اس حمد میں انہوں نے کس روانی وشیفتگی کے ساتھ سورہ اخلاص کے مفہوم کو عربی اشعار کے پیکر میں ڈھالا ہے اہل فن محسوس کر سکتے ہیں۔ واحد اور یولد کے قافیہ پہ بحث کی گنجائش کے باوجود اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد کے معانی ومفہوم کو:

ذات تو لم يلد ولم يولد ربى اللّٰه وحده صمدا
كفوك ليس لم يكن احدا وحه لاشريك له باللّٰه

سے تعبیر کرنا قدرت فن کی اعلیٰ مثال ہے۔

عربی فارسی اردو ہر زبان کی شاعری میں بارگاہ رسالت میں سلامی پیش کرنا ایمان کی روح سمجھا جاتا رہا ہے۔ سلام، زبانی ہو یا تحریری اور نثر میں ہو یا نظم میں، یہ دراصل پروردگار عالم جل مجدہٗ کے ارشاد یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پر عمل ہے جو ہر صاحب ایمان کے عمل کا حصہ ہے اسی غرض سے ہر زبان کے شاعر نے بارگاہ رسالت میں سلاموں کے ہدیئے پیش کئے ہیں۔ برصغیر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا ''قصیدہ سلامیہ'' ایک صدی سے محافل میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھا جارہا ہے۔ خطہ عرب جہاں اردو بولی اور سمجھی نہیں جاتی، وہاں بھی یہ سلام اسی جذبۂ شوق میں پڑھا اور سنا جاتا ہے جس طرح ہمارے یہاں عربی ''قصیدہ بردہ'' اہل ہند و پاک اس قصیدہ کے معانی ومفاہیم سمجھیں نہ سمجھیں، مگر اسے سن کر ان پر کیفیت طاری ضرور ہوتی ہے، ویسے ہی سلام رضا کے پڑھنے سے سننے والے پر کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ دراصل جو چیز حقیقی جذبہ اور اخلاص نیت پر محمول ہو اس کی تاثیر ایسی ہی ہوتی ہے اس سلام کے چند اشعار دیکھیں:

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ روشن درود ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام
شب اسریٰ کے دُولہا پہ دائم دُرُود نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی دُرُود فرش کی طیب ونزہت پہ لاکھوں سلام
ماہِ لاہوت خلوت پہ لاکھوں دُرُود شاہِ ناسوت جلوت پہ لاکھوں سلام
فرحتِ جانِ مومن پہ بے حد دُرُود غیظِ قلبِ ضلالت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے بھی اپنی ایک فارسی نعت پاک میں بارگاہ رسالت علیہ التحیہ والثنا میں سلاموں کے لئے پیش کئے ہیں، ان میں بھی ایک وجدانی کیفیت ہے جو پڑھنے سننے والے کو متاثر کرتا ہے چند اشعار ملاحظہ کریں:

السلام اے بادشاہ یثربی السلام اے پیشوائے ابطحی
السلام اے نخل بستان ارم السلام اے گوہر کان کرم
السلام اے درد درج اصطفا السلام اے مہر برج اقتدا
السلام اے سرور یحی العظام السلام اے شافع یوم القیام
السلام اے صاحب شق القمر السلام اے شاہ مازاغ البصر

ان اشعار میں سلامی پیش کرنے کے لئے جن نایاب اور انوکھی تراکیب کا استعمال کیا ہے وہ دیدنی ہے۔''نخل بستان ارم، گوہر کان کارم، درد درج اصطفا، مہر برج اقتدا، سرور یحی العظام، شافع یوم القیام، صاحب شق القمر، شاہ مازاغ البصر'' جیسی ترکیبیں فنی مہارت والوں ہی کے یہاں دیکھنے کو مل سکتی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ شاعر اپنے جذبات کے اظہار پہ کیسی قدرت رکھتا ہے۔

عشق رسول بندۂ مومن کے ایمان کی اساس ہے۔اسی پر اس کے ایمان کی عمارت کھڑی ہے۔ عشق جہانِ بیکراں ہے۔ یہ جہاں جلوہ فگن ہوتا ہے اسے امر اور تابناک بنا دیتا ہے۔جس آدمی کے اندر سماتا ہے اسے آفاقی بنا دیتا ہے۔اس کے اندر تڑپ، اضطراب اور کسک پیدا کر دیتا ہے، اور اس کی پہچان بن جاتی ہے:

در فراق تو یا رسول اللہ سینہ دارد چہ بے قراریہا

حضرت قاضی صاحب بھی توفیق الٰہی سے درد عشق کی لذت سے آشنا تھے، اس لئے وہ اپنے شعروں میں ''دیدہ گریاں سینہ بریاں دل کباب'' کی بات کرتے تھے۔ ذیل کے اشعار میں ایک عاشق کے دل کی کیفیت دیکھیں کہ کس طرح فراق میں اضطراب اور اضطراب میں وصل کا اشتیاق رخ بدل بدل کر خود کو بے نقاب کرتا ہے:

دارم از ہجر تو اے عالی جناب دیدہ گریاں سینہ بریاں دل کباب
کاش بودے ہر سر مویم زبان از فراقت گفتمتے صد داستاں
سینہ ویران ما آباد کن جان بے معنی ز وصلت شاد کن
تا بکے داری مرادر بند غم تابکے باشی جدا اے محترم
تاکے از ہجر تو گویم زار زار دہ مرا از شربت وصلت قرار
از غمت خوں نامہ دل می خورد ہم چوں مرغ نیم بسمل می طپد
گر بیابم خاک نقش پائے تو سر مہ سازم از سر سودایتو
از من خستہ مشو غافل چنیں ذات تو شد رحمۃ للعالمیں
تابکے نالد وحید بے نوا از فراقت روزوشب صبح ومسا

نعت کے موضوعات بے شمار ہیں پیغمبر اسلام کی ذات بابرکات سے وابستہ ہر وہ بات جوان کی عظمت شان کا اظہار اوران کی محبت کے بیان پر مشتمل ہو وہ نعت کا عنوان ہے۔ معجزات رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی موضوع کا ایک اہم حصہ ہے اور نعت گوئی کی پوری تاریخ میں یہ عنوان قوس وقزح کی طرح جگمگا تا نظر آ تا ہے۔ حضرت قاضی صاحب قبلہ کی نعتیہ شاعری میں بھی ہمیں پیارے آ قا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی خوشبوئیں معطر اور متحیر کرتی ہیں ذیل کے اشعار میں ''ولادت کے وقت کسریٰ میں زلزلہ آ نا، پتھروں کا کلمہ پڑھنا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، لکڑی (استن حنانہ) کا آپ کی محبت میں سسکیوں کے ساتھ رونا، زہر آ لود گوشت کا زبان قال سے آ گاہ کرنا، درخت کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا، ایک ہی پل میں آپ کا آ سمانوں سے گزر جانا، جن وبشر کا آپ کے تابع ہونا، چاند کا آپ سے باتیں کرنا (انگلیوں کے اشارہ کھلونہ کی طرح گھومنا)، تھوڑے دودھ میں درجنوں صحابہ کا سیر ہوجانا، سوسمار (گوہ: چھپکلی سے بڑا ایک جانور) کا آپ کی شہادت کے لئے آنا، آپ کی خوشبو سے مردہ بچہ کا زندہ ہوجا، ناانگلیوں کے اشارہ سے چاند کا شق ہونا، آپ کے صدقہ نابینا کو بینائی ملنا، کھارا پانی کا آپ کے لعاب دہن سے شیریں ہونا، دشمنوں کی طرف خاک پھینک کرانہیں اندھا کردینا جیسے معجزات کا اس روانی سے ذکر ہوا ہے کہ فارسی شاعری بھی عش عش کرنے لگی ہے۔ ان معجزات کے ذکر کے بعد، آخر میں قاضی صاحب نے یہ لکھ کر اپنی بات واقعی مکمل کردی کہ:

من چہ سازم شرح اے عالی جناب ہست اعجازتو بیروں از حساب

ملاحظہ کریں یہ اشعار جن میں متذکرہ بالا معجزات کو کیفیاتی پہلو میں بیان کیا گیا ہے:

وقت میلاد تو اے عالی نژاد زلزلہ در قصر کسریٰ اوفتاد
از تو ساکس ندید اندر جہاں سنگ شد در دست تو تسبیح خواں
ازوضوئے تو عیاں شد چشمہ سار چوب خشک از بہر تو نالید زار
بز بہ مشت زہر خود اظہار کرد نخل تصدیق ترا اقرار کرد
بر گزشتی دردمے از نہ فلک تابعِ حکم تو شد جن وملک
گفتگو شد از تو باماہِ منیر شد زمانے سیریک جمع کثیر
سوسمار آمد شہادت گوئے تو طفل بے جاں زندہ گشت از بوئے تو
از سر انگشت تو شق گشتہ قمر گشت روشن از تو چشم بے بصر
گشت زاعجاز شیریں آب شور چشم بد بیناں شداز خاک تو کور
من چہ سازم شرح اے عالی جناب ہست اعجازتو بیروں از حساب

قاضی صاحب کی شاعری میں نعتیہ اشعار کے ساتھ کچھ مناقب بھی ہیں۔ وہ یارِ غار مصطفیٰ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اس لئے اپنے نام کے آگے ''غلام الصدیق'' بھی لکھا کرتے تھے۔ یہ محبت اس نسبت خاص سے تھی جو حضرت صدیق اکبر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ وہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ بھی تھے اور محبوب بھی، محبّ ایسے کہ اپنی جان مال ومتاع سب اپنے محبوب پہ قربان کردیا۔ جان قربان کرنے کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

صدیق بلکہ غار میں جان ان پہ دے چکے اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے

اور ایثار مال کے تعلق سے ڈاکٹر اقبال کی نظم ''صدیق'' کا یہ شعر زبان زد خاص وعام ہے:

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس صدیق کے لئے خدا کا رسول بس

حضرت قاضی صاحب، اس راز و نیاز عشق سے واقف تھے۔ اس لئے ان کی محبت بھی حضرت صدیق اکبر سے مثالی تھی وہ اس دور میں جب کہ ندوہ میں سارے فرقہ کے لوگ شریک تھے، شیعہ علماء کی بھی شرکت تھی۔ سنی علما اس شرکت کے مخالف تھے اور اسے اہل سنت کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے کہ شیعی علما حضرات شیخین سینا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں سب وشتم کرتے ہیں۔ اس شرکت سے ان کے منفی اثرات اہل سنت پہ مرتب ہوں گے۔ ایسے ماحول قاضی صاحب اپنے نام سے پہلے ''غلام الصدیق'' اسی نظریہ کے تحت لگاتے تھے کہ اس سے ان کے ایمانی

وجماعتی رشتہ کا اظہار ہو۔اور اسی نسبت روحانی وایمانی تقاضے کے تحت انہوں ''افضل البشر بعدالانبیاء بالتحقیق'' کی شان میں منقبت کے یہ اشعار کہےاور کس محبت وعقیدت سے کہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

حضرت صدیق فخر اصفیا — محرم اسرار صد را نبیا
افضل اصحاب مولائے جہاں — اکمل احباب شاہ کن فکاں
آیت حق نو را ایمان و یقین — والہ شیدائے فخر المرسلین
وقت ہجرت مصطفیٰ را یار شد — ہمنشین مجتبیٰ در غار شد
صدق و عدل و حلم و علم مصطفیٰ — یافت از حق آن رئیس اولیا
جان خود را باختہ بہر رسول — صرف زر کرد از پئے مہر رسول
حضرت ابراہیم شد حق را خلیل — این برائے مصطفیٰ آمد خلیل
بعد ذات کبریائے ذوالجلال — نیست کس برتر ز احمد ذو الکمال
ہم چناں بعد از رسول مجتبیٰ — نیز جملہ انبیاء رہنما
از ہمہ صدیق شد افضل ترین — در مدارج از ہمہ اکمل ترین
شان والایش وحید آمد وحید — رہنمائے ہر شقی و ہر سعید

تحفہ حنفیہ شوال ۱۳۱۵ھ

مولائے کائنات مشکل کشا شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ الکریم کی ذات بابرکات تو سرخیل جملہ اولیا کی ہے۔ ہر سلسلہ ولایت کی منتہا آپ ہی کی بارگاہ ہے۔ان سے محبت پیغمبر اسلام سے محبت کی دلیل ہے آپ ہی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **من کنت مولاہ فعلی مولاہ**۔ یہی شان رفعت نشان ہے کہ تمام سلاسل کے افراد عام وخاص آپ سے اپنی نسبت غلامی کا اعتراف واظہار کرتے رہے ہیں۔خاص فارسی زبان کی شاعری میں بھی مناقب کا ایک دبستاں ہے جس سے حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت وعقیدت کی خوشبوئیں مشام جان وایماں کو معطر کرتی رہتی ہیں۔

حضرت قاضی عبدالوحید کی فارسی شاعری متنوع جلووں سے آباد ہے۔حضرت شیر خدا کی عقیدت ومحبت کا جلوہ نو بہار بھی اس گلستاں شعر وسخن کا حصہ ہے۔انہوں نے مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کی شان میں نو اشعار پر مشتمل سلامیہ منقبت کہا ہے جس میں انہیں ''معنی اوصاف حق، سر ذات کبریا، والی ملک ولا، کحل چشم اتقیا، باب علم مصطفےٰ، مخزن اسرار غیب، نور ایمان ویقیں'' جیسے القابات

سے خطاب کیا ہے۔ان میں ندرت بیان کی جو کرشمہ سازی ہے وہ اس پر مستزاد ہے۔ چند تلمیحات بھی اسی ضمن میں پیش ہوئی ہیں جیسے: ''باب علم مصطفٰے، تاجدار انما، یادگار ہل اتی، شہسوار لوکشف'' یہ احادیث مصطفٰے اور آیات قرآنی سے مستفاد ہے۔اور پورے واقعہ کی ترجمان ہے۔ان تفصیلات کے ساتھ اب بارگاہ مولائے کائنات میں، قاضی صاحب کے، سلام کیا شعار دیکھیں اور محسوس کریں کہ کیسے زبان کی چاشنی، بیان کی سلاست اور عشق وادب کی کیفیات سبھی کچھ یہاں مجتمع ہوگئی ہیں:

السلام اے مظہر ذات خدا — السلام اے نام پاکت مرتضٰی
السلام اے سر ذات کبریا — السلام اے معنی اوصاف حق
السلام اے باب علم مصطفٰے — السلام اے مرشد ومولائے حق
السلام اے سرور ہر دوسرا — السلام اے ابن عم شاہ دیں
السلام اے تاجدار انما — السلام اے قامع گبرو یہود
السلام اے یادگار ہل اتی — السلام اے مخزن اسرار غیب
السلام اے کحل چشم اتقیا — السلام اے نور ایمان و یقیں
السلام اے والی ملک ولا — السلام اے شہسوار لوکشف
راہ عرفانش نمایا مرتضٰی — تحفۂ سنت فریسد عبؔد تو

[تحفۂ حنفیہ: جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ، ص-۸]

آخر میں ان کی ایک نعت پاک کے چند اشعار اور ملاحظہ کرلیجیے یہ ۱۵-اشعار پر مشتمل ہے اور ۱۳۲۱ھ میں ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ میں شائع ہوئی۔اس وقت اس رسالہ کے مدیر حضرت مولانا ضیاء الدین ہمدم پیلی بھیتی تھے اس لئے انہوں نے بطور شاعر قاضی صاحب کے نام کے پہلے ان کے لئے متعدد القابات استعمال کئے جیسے''طبع رشاد، ذہن نقاد، ناصر سنت، قاتل بدعت، جناب فیض مآب'' اس سے ان کے ہمعصروں میں بھی ان کی عظمت شان کا پتہ چلتا ہے۔بہرحال ملاحظہ کریں ان کی یہ نعت، اور دیکھیں کہ انہوں نے کس طرح عمل تسمیط سے کام لے کر اپنے مصرعوں کو مسمط کیا ہے اور ان میں بہاؤ کی کیسی کیفیت پیدا کردی ہے:

آں ہادی راہ صفا آں شاہ خیل اتقیا — سرچشمہ جود وعطا یعنی رسول مجتبٰی
مقصود ومطلوب ہمہ منظور ومرغوب ہمہ — حق را تو محبوب از ہمہ لولاک گوید برملا
داعی الی اللہ آمدی غواص بحر سرمدی — از جملہ برتر آمدی اے مرسلاں را پیشوا

شہباز قاف لامکاں سیاح دشت بے اماں
سلطان جن وانسیاں اے انبیارا مقتدا

نے علم و نے تقویٰ مرا نے دین و نے دنیا مرا
از بس کہ ہستم بے نوا وریاب از لطف وعطا

مسجود آدم بہر تو طوفان نوح از قہر تو
لطف خدا از مہر تو احسن الینا ما منا

چوں سائلم بر در گہت استادہ پیش خر گہت
افتادہ بر خاک رہت دستم بگیر اے داورا

پیش کہ آرد التجا ایں عاجز بے دست و پا
اے سید ہر دوسرا امداد کن بہر خدا

من بندہ احسان تو برتر زعالم شان تو
امید وار از خوان تو آمد وحید بے نوا

[تحفۂ حنفیہ: محرم، ۱۳۲۱ھ، ص-۳۳]

افسوس ہے عشق ادب اور زبان و بیان کا یہ شاعر محض ۳۶ سال سات ماہ کی عمر میں اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہو گیا اور مذہب ادب قوم جماعت سب اپنے ایک مسیحا سے محروم ہو گئے۔ اللہ رب العزت انہیں غریق رحمت فرمائے ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی لحد پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے۔ آمین

☆ قاضی شریعت مرکزی دارالقضاء ادارہ شرعیہ (پٹنہ، بہار)
Mob.9835423434

☆☆☆

ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی (گوالیار، ایم پی)

نامورانِ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور نعتیہ شاعری کی روایت

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سر سید کے خوابوں کی مقدس تعبیر، علم و ادب کا گہوارہ، تحریکات کا مرکز، اہل ہند کا نشانِ امتیاز اور اُن کے درخشاں ماضی و مستقبل کی علامت ہے۔ یہ تاریخی ادارہ 1857ء کی جنگ آزادی اور اِس سلسلے میں دی گئی بے شمار قربانیوں کا ثمرہ ہے۔ یہ ایک ایسا تعلیمی قلعہ جس کی تعمیر و ترقی کے لئے سیاسی، سماجی، مذہبی گویا ہر قسم کے محاذ طے کئے گئے۔ تعلیم کو عام کرنے کی پیغمبرانہ خواہش اور تعمیر قوم و ملت اِس ادارے کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وابستگان علی گڑھ نے ہر دور میں اپنی طبیعت کی جولانیاں ملک و ملت کی بھلائی میں صرف کیں۔ تعلیم، مذہب، ثقافت، سیاست، ادب خواہ تمامی شعبہ ہائے زندگی نامورانِ علی گڑھ کی جامع الصفات شخصیات کے گونا گوں کارناموں سے منور نظر آتے ہیں۔

اردو، جس کے بغیر علی گڑھ تحریک کا تصور ممکن نہیں، روزِ اوّل سے اِس ادارے کی روحانی زبان رہی ہے۔ جس کے فروغ و استحکام میں علی گڑھ کا کردار کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اِک زمانہ علی گڑھ اور اردو کو مترادفات میں شمار کرتا ہے۔ اردو دنیا کو اِس ادارے نے ایسے تخلیقی اذہان عطا کئے جن کے سبب اردو زبان و ادب میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ادب اور زندگی کے فاصلے کم ہوئے۔ ادبی اقدار و معیارات میں تغیر آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ غالباً دنیا کے سب سے بڑے شعبۂ اردو، اردو اکیڈمی، مختلف رسائل و جرائد (مثلاً تہذیب الاخلاق، فکر و نظر) اور مولانا آزاد نیشنل لائبریری کی صورت میں اردو کے بیش بہا ادبی سرمائے کے تحفظ اور اُس کی ترویج و اشاعت میں بھی اِس ادارے نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

اردو شاعری کے ضمن میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، اپنے آپ میں اِک دبستان کی حیثیت رکھتی ہے۔ بانی درسگاہ سر سید از خود شاعر تھے۔ آہی تخلص اختیار کر رکھا تھا جو اُن کی خطر پسند طبیعت اور پر

آشوب زندگی کے لحاظ سے اُن پر مکمل صادق آتا ہے۔سر سید کے تمامی کار ہائے زندگی کا منبع ومحور انسانیت اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سر بلندی تھی۔اسی مقصد کے حصول کے لئے اُس مردِ مجاہد نے زندگی کی تمام سختیاں برداشت کیں۔حبّ رسول کے جذبے سے سرشار سید احمد آہی اپنے پیغمبر کی ناموس کی فکر میں سراپا احتجاج نظر آتے ہیں۔نواب محسن الملک کے نام لکھے گئے اِک خط میں خطبات احمدیہ کا ذکر کرتے ہیں جسے وہ، ولیم میور کی گستاخانہ کتاب کے جواب میں تیار کر رہے تھے۔اسی خط کی درج ذیل عبارت سر سید کی نسبت نبوی کی شدت کو بخوبی عیاں کرتی ہے:

''ان دنوں میرے دل کو سوزش ہے۔ولیم میور نے جو کتاب آنحضرت کے حال میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں اس نے دل کو جلا دیا اور ان کی ناانصافیوں اور تعصّبات سے دل کباب ہے اور مصمم ارادہ کر لیا کہ آنحضرت کی سیرت میں سب کچھ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے، قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ ''اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو۔''[1]

تاریخ بتاتی ہے کہ سید احمد نے اپنے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت سے غیر مشروط محبت کی۔''امّتی امّتی'' کا وِرد رکھنے والے پیغمبر کے خاندان کا یہ چشم و چراغ تمام عمر ''قومی قومی'' کی تسبیح پڑھتا رہا۔قوم وملت کی سر بلندی کے لئے بے شمار صعوبتیں اٹھانے والا یہ درویش اپنی قلبی کیفیت کو نعتیہ پیرہن میں یوں نظم کرتا ہے:

خدا دارم دل بریاں زعشق مصطفیٰ دارم | نہ دارد ہیچ کافر ساز وسامانے کہ من دارم

سر سید کی اِسی فکر کے زیر اثر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں ایسی شخصیات کی ایک طویل فہرست ملتی ہے جن کا دل حبّ نبوی اور قومی درد سے ''بریاں'' نظر آتا ہے۔جس کے نتیجے میں وقت تاسیس تا دور حاضر یہ ادارہ نابغۂ روزگار نعت گو شعراء کا مرکز رہا ہے۔یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے سر سید اگر چہ با قاعدہ نعت گو نہیں تھے لیکن ''نعت گر'' ضرور تھے۔خواجہ الطاف حسین حالی کے نعتیہ شاہکار ''مسدس مدّ وجزر اسلام'' کی محرک سر سید کی ہی ذات ہے۔عرف عام میں فقط ''مسدس'' کے معروف یہ تخلیق اردو کی پہلی با قاعدہ قومی نظم ہے۔سر سید کو حالی کی اِس کاوش اور اپنی دلی خواہش پر بڑا ناز تھا حالی کے نام لکھے گئے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا، میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا

لایا ہوں۔''۳۲

اِس نعتیہ تخلیق کا ایک امتیاز یہ بھی ہے، کہ مولانا حالیؔ نے اِس نظم میں اسلام اور مسلمانوں کے شان دار ماضی اور مستقبل وحال کے دورِ زوال کی زر خرید دوزخ کا نقشہ نہایت ہی سادہ اور پرسوز انداز میں نظم کیا ہے۔ حالیؔ کا یہ قومی مرثیہ ایجاز میں اعجاز کا لطف رکھتا ہے۔ ظہور کوکبِ اسلام یعنی بعثت نبوی کے باب میں حالیؔ کے قلم سے نکلے یہ اشعار ایک تاریخ کی صورت میں اردو نعت کا سرمایہ بن چکے ہیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔۔۔ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا ۔۔۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ ۔۔۔ یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

مسدس کے علاوہ حالیؔ نے مختلف نظموں اور غزلوں میں نعتیہ اشعار رقم کئے ہیں اور ایک رسالہ بنام 'مولود شریف' تحریر کیا ہے۔ جو کہ حالیؔ کے نعتیہ اشعار کی خالص خوشبو سے معطر نظر آتا ہے۔ اِس تصنیف کا امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اِس میں موجود کلام مسدس کے ''با مقصد'' اظہارِ خیال کے بجائے نعت کی عام روِش یعنی وصفِ رسالت کی والہانہ روایت کی پاسداری کرتا ہے۔ درج ذیل اشعار بتاتے ہیں کہ حالیؔ اگر چاہتے تو عام روِش میں بھی اپنے امتیازی نعتیہ کاوشات تخلیق کر سکتے تھے:

بنے ہیں مدحت سلطان دو جہاں کے لئے ۔۔۔ سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لئے
گھر اس کا مورد قرآن و مہبط جبریل ۔۔۔ در اس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لئے
سپہر گرم طواف اس کی بارگاہ کے گرد ۔۔۔ زمین سر بہ سجود اس کے آستاں کے لئے

(مولود شریف مرتبہ آفتاب احمد آفاقی، انجمن ترقی اردو دہلی، ۲۰۰۱ء)

حالیؔ کے بعد سرسید کے رفقا میں دوسرا سب سے اہم نام شبلی نعمانی کا ہے۔ آپ عظیم مورخ، عالم دین، شاعر اور نقاد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ایم۔ اے۔ او۔ کالج کے صف اوّل کے اساتذہ میں بھی آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ شبلیؔ کا قلم ماضی کی شاندار روایت کا ترجمان اور عظمت رفتہ کی سراغ رسانی اُن کی فکر کا مرکز و محور ہے۔ دیگر تاریخی کتب کے علاوہ ''سیرۃ النبی'' شبلی کا ایسا بے مثل کارنامہ ہے جس کا شمار عالمی کتبِ سیرت میں ہوتا ہے۔ اردو ادب کو سیرت نبوی کا بے مثل تحفہ دینے والے شبلی نعمانی ذکرِ رسول کو وسیلۂ نجات مانتے ہیں۔ اپنے ایک قطعہ میں، جو کہ اُن کے لوح مزار پر بھی کندہ ہے، لکھتے ہیں:

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی ۔۔۔ مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبرِ خاتم ۔۔۔ خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

اگر چہ شبلی کے یہاں کوئی باقاعدہ نعتیہ تخلیق نہیں ملتی، مگر اُن کی تاریخی نظموں نے نعتیہ شاعری کو ایک نئے طرزِ اظہار سے روشناس کرایا۔ نعت کہنے کا وہ جدید سلیقہ یہ تھا کہ شبلی نے نعت میں پہلی مرتبہ صحیح تاریخی واقعات کو شامل کیا۔ اُن سے قبل اردو نعتیہ شاعری فقط روایتی فضائل وشمائل اور چند فوق الفطری یا مابعدالطبیعاتی گوشوں مثلاً قدِ بے سایہ، سفرِ معراج اور دیگر معجزاتِ نبوی کے گرد پھر رہی تھی۔ شبلی نے تاریخی واقعات میں نعتیہ گوشے دریافت کرنے کی جو روایت شروع کی وہ اقبال، حفیظ جالندھری سے ہوتے ہوئے چندر بھان خیال (نعتیہ سیرت بہ عنوان لولاک) تک آتی ہے۔ مثلاً۔ نظم ''ایثار کی اعلیٰ ترین مثال'' میں غزوۂ احد میں شہادت رسول کی ہفوات، اہل مدینہ کی بے قراری اور بالخصوص ایک انصاری صحابیہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے، شبلی لکھتے ہیں کہ جب اُن صحابیہ تک یہ خبر پہنچی تو وہ بے تابانہ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راہ میں اُن کے کنبے کے دیگر افراد حتیٰ کہ اُن کے شوہر کے شہید ہونے کی خبر ملتی ہے لیکن اُس مومنہ خاتون کے جواب کو شبلی جس خوبی کے ساتھ نعت میں تبدیل کرتے ہیں، وہ دیدنی ہے:

اس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہ امم
سب نے دی اس کو بشارت کہ سلامت ہیں حضور
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اس نے (جب) رخِ اقدس کو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیں (ہیچ) سب رنج و الم
میں بھی اور (ماں) باپ بھی شوہر، برادر بھی فدا
اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم [4]

سرسید تحریک اپنے شباب پر تھی اسی زمانے میں انجمن پنجاب کے زیرِ اثر باضابطہ موضوعاتی نظموں کی تخلیق کی گئیں۔ آزاد اور حالی سے شروع ہونے والی یہ شاندار روایت اقبال تک آتی ہے۔ سرسید تحریک نے جس مثالی شاعری کا تصور پیش کیا تھا اِقبال کے یہاں اُس کی عملی تصویر نظر آتی تھے۔ اقبال کی بیشتر نظمیں تاریخی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، رومانی اور اکثر مذہبی نوعیت کی ہیں۔ یہ نظمیں اُس عہد کی فکری نمائندگی کرتی ہیں لیکن اِن تمام نظموں میں ایک قدر مشترک نظر آتی ہے وہ یہ کہ اقبال کے فکر وفن کا نکتۂ کمال رسول اور حُبِّ رسول کے تقاضوں پر منتہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی منظومات میں گردشِ ایّام

کا رُخ عہد نبوی کی مبارک ساعتوں کی طرف موڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِسی سلسلے کی ایک کڑی شبلی کی نظم ''ہجرت نبوی'' ہے۔ جس میں شبلی نے پیغمبر اسلام کی آمدِ مدینہ کا منظر کچھ اِس انداز میں نظم کیا ہے کہ تمام مناظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں:

یاں مدینے میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں	راہ میں آنکھیں بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں شوق میں آکر اشعار	نغمہ ہائے ''طلع البدر'' سے گونج اٹھے گھر
ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے	نازنینانِ حرم بھی نکل آئیں باہر
آلِ نجّار چلے شہر سے ہو کر تیار	زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر
دفعتاً کوکبۂ شاہ رسل آپہنچا	غل ہوا صلّ علیٰ شاہ اناسِ و بشر
طور سے حضرت موسیٰ کی صدا آتی تھی	آج اک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہ دل حاضر ہیں	آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر۵

شبلی، حالی، سرسید اور علی گڑھ تحریک سے قلبی اور روحانی وابستگی رکھنے والوں میں ایک بہت اہم نام علامہ محمد اقبال کا ہے۔ اُن کی نظمیں ''سید کی لوح تربت''، ''طلباء علی گڑھ کالج کے نام''، ''شبلی و حالی'' دیگر فارسی کلام، خطبات اور خطوط اِس کے شاہد ہیں۔ تعلق نبوی کے ضمن میں، اقبال سرسید کے معتقد ہیں۔ مثنوی ''پس چہ باید کرد'' کی شان نزول کے متعلق معروف ہے کہ سرسید اقبال کے خواب میں آئے اور انہیں اپنی مشکلات بارگاہ نبوی میں پیش کرنے کا مشورہ دیا۔ ''مثنوی پس چہ باید کرد'' اِسی خواب کی عملی تعبیر ہے۔۶ سرسید سے اس قدر روحانی شغف رکھنے والے اقبال کے نعتیہ کلام میں سوز و گداز، قلبی وارفتگی، روایتی اسلوب سے اجتناب، آفاقیت، ابدیت اور اسلامی قومیت کا عالم گیر تصور پایا جاتا ہے، جس کے عوامل میں سرسید اور علی گڑھ تحریک کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں:

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا	اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا	محمد عربی سے ہے عالم عربی
وہ دانائے سبل ختم رسل مولائے کل جس نے	غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر	وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اقبال نے پہلی مرتبہ نعتیہ شاعری میں آفاقیت، بین الاقوامی اخوّت اور عالمِ انسانیت کے فطری تقاضوں جیسے موضوعات کو جگہ دی۔ اُن کا رسول فقط محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں بلکہ تمام سرحدوں سے بالاتر ایسا سالارِ کارواں ہے جس کی رہبری میں غبارِ راہ بھی وہ دیکھ لیتی ہے جو فقط موسیٰ پیغمبر کا حصہ

تھا۔ اقبال کا دانائے سبل، ختمِ رسل خود شناسی کے ساتھ ساتھ خدا شناسی کا ہنر بھی سکھاتا ہے۔ اسی لئے اقبال انہیں ایسا مولائے کل مانتے ہیں جو مثل قرآں تمام انسانی تقاضوں کی آخری روشنی ہے۔

اقبال کے بعد سرزمین سیالکوٹ سے تعلق رکھنے والی اردو کی عالمی آوازوں میں فیض احمد فیضؔ کے ساتھ ساتھ مولانا ظفرؔ علی خاں کا نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ مولانا ظفر علی خاں بہ یک وقت قادر الکلام شاعر، صاحب اسلوب ادیب، بے باک صحافی، مقبول سیاست دان اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ علی گڑھ میں دوران طالب علمی سرسید اور خواجہ الطاف حسین حالی کی موجودگی میں متعدد مرتبہ اپنے فن کا مظاہرہ پیش کر چکے تھے۔ مولانا کی شخصیت کا غالب پہلو اُن کی سیاسی سرگرمی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعرانہ استعداد کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ اُن کی شاعری کا اُس وقت کے سیاسی اتھل پتھل اور وقتی تقاضوں سے متعلق ہونا ہے۔ پھر بھی جب کبھی مولانا ظفر علی خاں وقتی تقاضوں سے بالاتر ہو کر فقط دِل کی زبان کی میں گفتگو کرتے ہیں تو اُن کی شاعری چیز دیگری کے ذیل میں پہنچ جاتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے کہ جس کے سبب اُن کی شاعری کے مدّاحوں میں داغ دہلوی، خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی، شورش کاشمیری جیسے نام شامل ہو جاتے ہیں۔

جذبات و احساسات کی فراوانی، کسی ازلی وابدی سہارے کی تلاش، بے حد سادہ تمناؤں کو نہایت سادگی سے بیان کرتا ہوا آپ کا نعتیہ کلام قوم کو خواب غفلت سے بیداری اور بارگاہ نبوی میں تقرب کے آداب سکھاتا ہے۔ اُن کی نعتوں میں نسلِ آدم کو سرخ رو کرنے والے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہی رحمت ہیں۔ اِس رحمت تامّہ کا حصار ایسا مضبوط اور وسیع ہے جس میں دونوں عالم کی رونقیں سمٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ظفرؔ کی نعتوں میں ایک ایسے امّتی کا والہانہ لہجہ ملتا ہے جس کے پاس فخر و ناز کے لئے کچھ بھی نہیں ہے فقط اُس کے آقا و مولا کی نسبت کے:

شایاں ہے تجھ کو سرور کونین کا لقب
نازاں ہے تجھ پہ رحمت دارین کا خطاب

برسا ہے شرق و غرب پہ ابر کرم ترا
آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

مجھ پر خطا کی لاج تمہارے ہی ہاتھ ہے
مجھ ننگ دو جہاں کا وسیلہ تمہیں تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہوے

تحریک آزادی اور تحریک خلافت کے عظیم رہنما ''رئیس الاحرار'' مولانا محمد علی جوہر مسلم یونیورسٹی کے اوّلین طلبا میں سے ہیں۔ مولانا کو شعر و ادب سے دلی شغف تھا۔ آپ کا کلام شوخی اور مجاہدانہ

بانکپن سے مملو ہے۔ قتلِ حسین کو مرگ یزید قرار دینے والے اِس شاعر کا دل حب نبوی سے سرشار تھا، جس کا بخوبی اظہار آپ کے نعتیہ کلام سے ہوتا ہے۔ نعت سے مولانا کی انس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ڈائری میں ایک جگہ لکھتے ہیں: ''مقدمے کی سنوائی کے لئے ٹرین سے لاہور جاتے ہوئے تمام سفر آسی غازی پوری کے ایک شعر کو پڑھتے ہوئے گزار دیا۔ وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد/تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد''۔ آپ اس شعر سے مولانا کی نسبتِ نبوی اور قلبی وارفتگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جذبات کی صداقت اور انداز بیان کی ندرت آپ کے نعتیہ کلام کے جوہر ہیں۔ آپ کے یہاں اکثر نعتیہ اشعار تغزل کی چاشنی میں ڈوبے ہوتے ہیں:

جود و سخائے ساقیِ کوثر کی دھوم ہے
ہم کو بھی ایک جام عطا ہو تو جانئے

رونمائی کے لئے لایا ہوں جاں
اب تو شاید چہرۂ انور کھلے

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا
تو زندگی کے لئے آخری نظام آیا

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہے درودوں کی کچھ میں نے بھی سوغاتیں

دشت رہ غربت میں اکیلا تو نہیں تو
بطحا کے مہاجر کا تو نقش کفِ پا دیکھ

ہے محمد کی شفاعت تو خدا کی رحمت
حشر کیا عید ہے امت کے گنہ گاروں کی[8]

صاحبِ کوثر کے حضور کہنا کہ ''ہم کو بھی ایک جام عطا ہو تو جانئے'' یا پھر چہرۂ انور کی زیارت کے لئے نذرِ جاں پیش کرنا، جوہر کے نعتیہ اشعار کا یہ انداز چونکاتا ہے لیکن جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ''رئیس الاحرار'' داغؔ دہلوی سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے تو اُن کے نعتیہ اشعار کی بے تکلفی اور جذبات کی گھلاوٹ فطری معلوم ہوتی ہے۔ میدان محشر کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہ گاروں کی عیدگاہ بنادینا مولانا کی مضمون آفرینی کا کمال ہے۔ جوہر کے نعتیہ اشعار حُبِّ نبوی میں لبریز بے ساختگی کی مثال پیش کرتے ہیں جو اُن کے عہد میں حسرت موہانی کے یہاں بھی اپنی تابانیوں کے ساتھ موجود ہے۔

رئیس المتغزلین مولانا حسرتؔ موہانی علیگ برادری کے اُس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جس نے ایک عہد کو متاثر کیا۔ وہ بہ یک وقت اردو غزل کے مجدد، مجاہد آزادی، آئین ساز اسمبلی کے ممبر، ماہر سیاست دان، نقاد، محقق، تذکرہ نگار، شارحِ کلامِ غالب اور صحافی تھے۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ سید فضل الحسن کی ہمہ جہت شخصیت پر شاعر حسرتؔ موہانی غالب نظر آتا ہے۔ جس کی شاعری کا بنیادی مرکز عشق ہے۔ بے شمار حسرتوں کا مالک حسرتؔ تمام عمر محبوب مجازی کے ترانے گاتا رہا۔ عشق مجازی کی ایسی سچی اور جاندار تصویریں کھینچیں کہ مومن خاں مومنؔ کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ اِس کے برعکس عشق حقیقی کا یہ

عالم تھا کہ عالمِ بے سروسامانی میں ۱۱/گیارہ مرتبہ سرزمین حجاز کا طواف کیا۔

حسرت کی زندگی کا بیشتر حصہ قیدِ عشق اور قیدِ فرنگ سے عبارت ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے جیل میں ایسی صعوبتیں برداشت کیں جن کی تاب ہر ایک شخص نہیں لا سکتا۔ سیاسی، سماجی اور خانگی زندگی میں اپنے پیغمبر کی سادگی اور درویشی کو چراغِ راہ بنایا۔ انگریز حکومت اور دنیاوی شاید مل کر بھی مولانا حسرت اور بیگم حسرت موہانی کی اصول پسند زندگی کی آہنی دیوار نہ توڑ سکے۔ حسرت نے مشکِ سخن اور چکّی کی مشقّت کو ہمراز و دم ساز بنا دیا۔ انگریز حکومت کا یہ ''باغی'' جیل میں بھی اسیروں کے چارہ ساز سیدِ ھاشمی کی نعتیں بہ آوازِ بلند پڑھتا رہا۔ وہ غمِ دنیا کو غمِ جاناں بنانے کے فن سے خوب واقف تھا مگر جب پیمانۂ ضبط لبریز ہوا تو ایسے عالم میں حسرتؔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں آواز دیتے ہیں:

خرد کو اپنا دیوانہ بنا دو یا رسول اللہ　　　خیالِ غیر کو دل سے مٹا دو یا رسول اللہ
ہمیں بھی اک جھلک اُس کی دکھا دو یا رسول اللہ　　　تجلی طور پر جس نور کی دیکھی تھی موسیٰ نے
ہمیں بھی اس بلا کا حوصلہ دو یا رسول اللہ۹　　　حسینؑ ابن علی کے صبر نے جس کے مزے لوٹے

پیغمبرِ اسلام اور آپ کے آل و اصحاب پر ''درود'' بھیجنا اسلامی عبادات کا ایک اہم جز ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اِسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ افضل ترین عبادت نماز میں بھی درود شامل ہے۔ حسرتؔ موہانی درود کو قربتِ نبوی اور تمامی کلفتوں کے مداویٰ کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ درود پاک پڑھنے میں ہماری قوت ارادی سے زیادہ توفیق الٰہی کا حصہ ہوتا ہے:

قید میں بے گماں درود شریف　　　اسم اعظم ہے قیدیوں کے لیے
ہم کہاں اور کہاں درود شریف۹　　　یہ بھی اک فیضِ عشق ہے ورنہ

حسرتؔ موہانی کے بعد ترقی پسند شعراء کا سرخیل شبیر حسن خاں جوشؔ ملیح آبادی کو مانا گیا۔ سراپا شعلہ مزاج اور شاعرِ انقلاب کے طور پر معروف جوشؔ ملیح آبادی نے ۱۹۲۱ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں داخلہ لیا۔ جہاں اُن کا قیام ممتاز ہال کے کمرہ نمبر ۲۴/ میں رہا۔۱۰ عام طور پر جوشؔ کی شاعری باغیانہ، رندانہ اور حسن پرست رئیس زادے کے مزاج کی ترجمان مانی جاتی ہے۔

نظموں اور غزلوں کے علاوہ مذہبی شاعری کے ضمن میں بھی جوش نے اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ اِسی سلسلے میں اُن کے طرزِ جدید کے مراثی کے ساتھ ساتھ اُن کا نعتیہ کلام بھی ملتا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ جوشؔ صاحب کا نعتیہ کلام بھی اُن کی مخصوص ''پُرشکوہ اور گھن گرج'' والی طرزِ ادا کا حامل ہے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف مصلحِ قوم کے ساتھ ساتھ مصلح مردِ مجاہد کے طور پر

بھی کراتے ہیں۔ جوش اُس رسولِ عظیم کے ثنا خواں ہیں جو ہادی و رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کا سب سے بہادر سپاہی بھی ہے۔ ایسا سپاہی جس نے انسانیت کے دشمن انسانی لشکروں کے ساتھ ساتھ وحشی نظریات و خیالات کو بھی روئے زمین سے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ رسول جس کا محاذ میدان جنگ سے انسانی قلب و نظر کے ہر مورچے پر تھا:

آ گیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسول ‏ روحِ فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسول
موت کو جس نے بنا یا زندگانی وہ رسول ‏ موت کو جس نے بنا یا زندگانی وہ رسول
محفلِ سفاکی و وحشت کو برہم کردیا
جس نے خون آشام تلواروں کو مرہم کردیا
فقر کو جس کے تھی حاصل کج کلاہی وہ رسول ‏ گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسول
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسول ‏ جس کی ہر اک سانس قانونِ الٰہی وہ رسول
جس نے قلبِ تیرگی سے نور پیدا کردیا
جس کی جاں بخشی نے مُردوں کو مسیحا کردیا
واہ کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر ‏ حشر تک طالع رہے گی تیرے جلووں کی سحر
تونے ثابت کردیا اے ہادئ نوعِ بشر ‏ مرد یوں مہریں لگاتے ہیں جبینِ وقت پر
کروٹیں دنیا کی تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں
تیری پنہاں قوتوں سے آج بھی دنیا ہے دنگ ‏ کس طرح تو نے مٹا یا امتیازِ نسل و رنگ
ڈال دی تونے بنائے ارتباطِ جام و سنگ ‏ بن گیا دنیا میں تخیلِ اخوت ذوقِ جنگ
تیرگی کو روکشِ مہرِ درخشاں کردیا
تونے جس کانٹے کو چمکا یا گلستاں کردیا[11]

جوش ملیح آبادی کا عہد اردو مشاعرے کی تاریخ کا عہد زریں تھا۔ جس میں ایک طرف اصغر، جگر، فانی، حسرت اور جوش جیسے اساتذہ ہوتے تھے وہیں دوسری سمت نومشقوں کی بھی ایک معیاری جماعت تیار ہو رہی تھی۔ انہیں نومشق شعراء میں ایک اہم نام شکیل احمد قادری المعروف شکیلؔ بدایونی کا ہے۔ شکیلؔ کے خاندانی ماحول اور مسلم یونی ورسٹی کی تربیت کا فیض تھا کہ فلمی دنیا سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ مسلسل نعتیہ شاعری کے گیسوؤں کی تابداری کرتے رہے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ”نغمہ فردوس“

۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔نعتیہ ادب کے حوالے سے شکیلؔ کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے فلموں میں نعتیہ نغموں کو رواج دیا۔فلم ''درد'' میں شکیل کی نعت ''بیچ بھنور میں آج پھنسا ہے دل کا سفینہ شاہ مدینہ'' ثریا نے گائی تو فلم ''مغل اعظم'' میں اُن کی لکھی ہوئی نعت ''بے کس پہ کرم کیجئے سرکارِ مدینہ'' کولتا منگیشکر نے اپنی خوبصورت آواز دی۔آپ کی ایک اور نعت ''نہ کلیم کا تصور نہ خیال طور سینا'' عوام و خواص میں خاصی مقبول ہے۔شکیل کا نعتیہ کلام حسرت موہانی کی نعتیہ روایت سے تعلق رکھتا ہے جہاں کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ اعترافات قلبی کو جگہ دی جاتی ہے:

تمنا ہے کہ مرتے وقت ہم بھی مسکراتے ہوں
زباں پر یا محمد ہو جب اس دنیا سے جاتے ہوں
بنے اے کاش اس دم ساز ہستی آخری ہچکی
فرشتے نغمۂ صلِّ علیٰ جب گنگناتے ہوں

شکیل موت کی تلخی کا مداوا اِسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حلاوت سے کرتے ہیں۔اُن کی تمنائیں بھی عجیب ہیں وہ زندگی کے ساز کو اُس وقت اور اُس حال میں روکنا چاہتے ہیں جب اُن کا رسول اُن کی سمت آ رہا ہو اور اُس کی آمد کی مبارک سلامت کا شور فرشتوں کی زباں پہ جاری ہو۔یہ تاریخی حقیقت ہے کہ رسولِ رحمت کی آمد کے ترانے نعتیہ شاعری کا ایک اہم جُز ہیں۔اسی روایت کی پاسداری شکیل کے یہاں بھی بخوبی ہوتی ہے:

صبا رہ گزر میں بچھی جا رہی ہے کوئی رہبر خوش خرام آ رہا ہے
خوشا بخت آدم کہ بزمِ فنا میں امین حیات دوام آ رہا ہے
جو والشّمس چہرہ تو واللیل گیسو جلو میں لیے صبح و شام آ رہا ہے[۱۲]

مولوی یعقوب بخش راغبؔ بدایونی، ایک نامور علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔سخت حنفی سنّی قادری تھے۔سلسلۂ قادریہ میں حضرت عبد القادر صاحب بدایونی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔سر شاہ سلیمان وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر شعبۂ دینیات میں ملازمت اختیار کی۔علی گڑھ میں ہی ۲۱ر فروری ۱۹۴۸ء کو دل کا دورہ پڑنے کے سبب انتقال ہوا۔تدفین درگاہ عالیہ قادریہ بدایوں میں ہوئی۔مولانا عبد السلام ندوی نے آپ کو عربی کا بڑا عالم، لغت کے فاضل اور ہئیت و نجوم کا استاد کہا ہے۔مرحوم کی کلیات حمد، نعت، منقبت، غزلیات و رباعیات پر مشتمل ہے۔آپ کے نعتیہ اشعار میں موجود رعایت لفظی، خود سپردگی اور پابندی روزمرہ جیسے خواص کلاسیکی شعراء کی یاد تازہ

کراتے ہیں۔نعت میں صحیح روایات کو دلگداز پیرائے میں ادا کرنے کی جو روایت حالیؔ و شبلیؔ سے شروع ہوئی تھی اُس کی واضح صورت راغبؔ کے یہاں نظر آتی ہے۔آپ کے نعتیہ اشعار افراط و تفریض سے پاک اور سادہ پیرائے میں الفت نبوی کی سرشاری کے بیّن ثبوت ہیں:

ترے براق کی نسبت سے برق برق ہوئی یہ بدر بدر ہوا تیرا نقش پا ہو کر
خدا کے واسطے محشر میں لاج رکھ لینا خدا کا چور نہ ٹھہروں میں آپ کا ہو کر
مثال شمع مہ و مہر جلتے ہیں دن رات نبی کے سوز محبت سے آشنا ہو کر
پیشِ حضور کیا ہے ضرورت سوال کی ذروں نے آفتاب سے کب عرض حال کی

راغب کا کمال یہ بھی ہے اُن کی نعتوں میں صنائع بدائع اِس خوبی سے استعمال کئے گئے ہیں کہ وہ شعر کا جُزبن جاتے ہیں۔مثلاً: براق (شبِ معراج کی سواری) کی نسبت سے برق (آسمان کی بجلی) کا برق ہونا (شوخ یا تیز رفتار ہونا)، قدمِ رسول پڑ جانے کے سبب بدر (میدانِ بدر جہاں کفر و اسلام کی پہلی جنگ ہوئی) کا بدر (چودھویں رات کے چاند) بن جانا، رعایت لفظی کی ایسی صنعت گری ہے جو اردو کی نعتیہ شاعری میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔تیسرے شعر میں چاند سورج کی روشنی کا سبب اُن کے عشقِ رسول میں جلنا قرار دینا حسنِ تعلیل اور مضمون آفرینی کی عمدہ مثال ہے۔آخری شعر میں حسنِ طلب کو تشبیہ کے ساتھ ملا کر کس خوبصورت انداز میں تمنائے دلی کا اظہار کیا گیا ہے کہ آخر میں حقیر ذرّہ سہی لیکن اُس آفتابِ ہاشمی سے سوال کرنے کا موقع ہی نہ ملے گا کہ آفتاب سے بڑھ کر کون ہوگا جو ذرّوں کی حالتِ قلبی کو جانتا ہو۔دھیان رہے کہ شعری روایت میں ذرّہ و آفتاب کو عاشق و معشوق مانا جاتا ہے۔ذرّے اپنے محبوب و مطلوب یعنی آفتاب کی روشنی سے جلا پاتے ہیں۔

راغب کے یہاں فقط صنعت گری ہی نہیں عشق رسول میں سرشار جذبات و احساسات کی نہایت پاکیزہ فضا بھی نظر آتی ہے۔اپنے ممدوح کی خوبیوں کو کیسی خوبی کے ساتھ نظم کرنا کہ جس میں بیجا غلو اور افراط و تفریط جگہ نہ پاسکیں یہ نعتیہ شاعری کا کمال ہے جو کہ راغب کے یہاں جا بجا موجود نظر آتا ہے۔آپ دیکھیں:

قبلہ پھر جائے جو ایما ہو ذرا بھی تیرا ہے خدائی بھی تری اور خدا بھی تیرا
ہاں اٹھا دست ترحم سے توجہ کی نقاب کہ اثر ہی نہیں منہ دیکھے دعا بھی تیرا
دمِ عیسیٰ سے تو افراد ہی جی اٹھتے تھے جی اٹھی قوم اگر نام لیا بھی تیرا[۱۳۱]

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے منشی پریم چند کو چلتا پھرتا گاؤں کہا ہے جب کہ اُن کی تحریریں اور

سوانحی کوائف بتاتے ہیں کہ رشید صاحب از خود چلتا پھرتا علی گڑھ تھے۔ اُن کی تحریروں میں علی گڑھ سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ رشید صاحب کا دولت کدہ ایک ادبی خانقاہ تھا جہاں اُس دور کے تمام اہل فن حاضری دینا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ جگر مرادآبادی، اصغر گونڈوی اور حفیظ جالندھری اکثر رشید صاحب کے مہمان ہوتے اور علی گڑھ کی علمی اور ادبی رونقوں میں اضافہ کرتے۔ اِس مناسبت سے اصغر اور جگر کے نعتیہ کلام کا اِک گونہ رشتہ اِس ادب نواز ادارے سے قائم ہوتا ہے اور ابوالاثر حفیظ جالندھری کا نعتیہ شاہکار ''شاہنامۂ اسلام'' مسلم یونی ورسٹی کے احیائے ملت کے پیغام کی بازگشت قرار دیا جا سکتا ہے۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی کے ہم جماعت اور قریبی دوستوں میں مجاہد آزادی، ابوالمظفر اقبال سہیل کا نام قابل ذکر ہے۔ علی گڑھ سے ایم۔ اے۔ اور ایل۔ ایل۔ بی۔ کی اسناد حاصل کیں۔ وکالت کے پیشے سے وابستہ ہوئے۔ علامہ شبلی نعمانی سے شرف تلمذ رہا۔ آپ کو اردو کی شعری روایت کا شعور بھی تھا اور شعر گوئی میں مہارت بھی حاصل تھی۔ ادبی دنیا میں روایتی لفظیات کو نئی معنویت عطا کرنے والے غزل گو کی حیثیت سے شہرت پائی۔ سیاسی اور متصوفانہ خیالات کے ساتھ ساتھ آپ نے نعتیہ خیالات بھی بہ کثرت نظم کئے۔ آپ کا مجموعۂ کلام ''ارمغان حرم'' نعت و منقبت پر مشتمل ہے اور نعتیہ قصائد کا مجموعہ ''موج کوثر'' کے نام سے معروف ہے۔ شاعری میں اپنے استاد آپ تھے اِس لحاظ سے اقبال سہیل نے دنیائے شاعری میں ''الشعراء من تلمیذ الرحمٰن'' کے مقولے کو از سرِ نو ثابت کیا۔ آپ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ کے ہم عصر سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> ''شاعر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پڑھ لکھ کر قابلیت کے زور سے شاعر بنتے ہیں دوسرے وہ جو ماں کے پیٹ سے شاعر ہو کر آتے ہیں وہ کچھ نہ بھی پڑھتے تو بھی شاعر ہی ہوتے۔۔۔ البتہ تعلیم ان کی شاعری کو جلا بخشتی ہے۔ ہمارے دوست اقبال سہیل دوسری قسم کے شعرا میں ہیں یعنی فطری اور طبعی شاعر ہیں۔''[۱۴]

اقبال سہیل کے دیگر نعتیہ کلام سے قطع نظر سودا کے مشہور نعتیہ قصیدے ''ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی'' کی زمین میں کہے گئے نعتیہ قصیدہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جس میں اقبال سہیل کی سخن وری، سخن فہمی، زبان دانی اور ملکۂ شعری کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اقبال سہیل نے اس قصیدے میں سودا کی زمین کو خوب نباہا ہے اور حق یہ ہے کہ اُس زمین کا حق ادا کر دیا ہے۔ سودا کے یہاں صرف

تشبیب زوردار ہے، مدح کے باب میں جہاں سودؔا کا قلم لڑکھڑاتا ہوا نظر آتا ہے وہیں اقبال سہیلؔ نے مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گلشن آباد کر دیئے ہیں۔ صفات نبوی کی ترصیع کچھ اِس انداز سے کی ہے کہ کلام اردوئے معلیٰ کا شاہکار نظر آتا ہے:

محمد وہ کتاب کون کا تغرائے پیشانی
محمد وہ حریم ِقدس کا شمع شبستانی

وہ فاتح جس کا پرچم اطلس زنگاریِ گردوں
وہ امّی جس کے آگے عقلِ کل طفل دبستانی

وہ رابط، عقل و مذہب کو کیا شیر وشکر جس نے
وہ فارق، زہد سے جس نے مٹایا داغ رہبانی

وہ ناطق جس کے آگے مہر برلب بلبلِ سدرہ
وہ صادق جس کی حق گوئی کا شاہد نطق ربّانی

وہ گنجور معارف، جس کے اِک اِک حرف میں پنہاں
نکات فلسفی، اسرارِ نفسی، راز عمرانی

دعائے یونسی، خلق خلیلی، صبر ایوّبی
جلال موسوی، زہد مسیحی، حسن کنعانی ۱۵

احسنؔ مارہروی مدرس کی حیثیت سے علی گڑھ آئے اور مسلم یونی ورسٹی کے شعبہ اردو سے وابستہ رہے۔ داغؔ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ نے لالہ سری رام کے تذکرہ خم خانہ جاوید کا مسودہ لکھا۔ داغؔ اور متعلقات داغؔ کے ساتھ ساتھ اردو لسانیات پر متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ۱۶ آپ کا شعری مجموعہ ''احسن الکلام'' غزل، رباعی، قطعہ اور نظموں پر مشتمل ہے۔ احسنؔ کی غزلوں میں نعتیہ اشعار بہ کثرت ملتے ہیں:

پیاسا ہے جو دیدار رسول عربی کا
کیا خوف قیامت میں اسے تشنہ لبی کا

تو احمد و محمود و محمد ہے بلا شک
شہرہ ہے فرشتوں میں تری خوش لقبی کا

دشمن بھی ہیں مدّاح شہنشاہِ رسالت
ادنیٰ سا یہ اعجاز ہے اخلاق نبی کا ۱۷

ضیاؔ احمد بدایونی ۲۱ رستمبر ۱۸۹۴ء کو بدایوں کے ایک معزز اور باعلم گھرانے میں پیدا ہوئے والد محمد رفیع المتخلص عالیؔ کا پیشہ وکالت تھا۔ الہ آباد یونی ورسٹی سے فارسی میں ایم اے کی سند حاصل کی اور پھر عہد اکبری کے فارسی ادب پر تحقیقی مقالہ سرانجام دیا۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں شعبہ فارسی کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے۔ ۱۹۷۳ء میں برین ہیمرج کے سبب انتقال ہوا۔ یونی ورسٹی قبرستان آپ کی آخری آرام گاہ بنا۔ شاعری میں برادر اکبر حضرت رضیؔ بدایونی سے تلمذ حاصل رہا۔ یگانہؔ چنگیزی سے قریبی مراسم تھے اور یگانہؔ اکثر اپنی تازہ غزلیں ان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ اکبرؔ الہ آبادی کی تحریک پر شبلی نعمانی کی روایت کو آگے بڑھایا اور تاریخ اسلام کے سبق آموز واقعات کو نظم کے پیکر میں ڈھالا۔ جو بعد میں ''تذکار سلف'' اور اور ''تجلیات'' کے عنوان سے شائع ہوئے:

زیرِ دستوں سے تواضع ہے ضعیفوں پہ کرم
ترے اخلاق کے صدقے تری رحمت کے نثار
غلافِ کعبہ کی صورت نہ کیوں عزیز ہو وہ
کیا پسند جسے شہ نے پیرہن کے لیے
زمیں کے حال پہ عرش بریں نے مہربانی کی
گدائے بے نوا پر شاہ دیں نے مہربانی کی
ان آنکھوں کیلئے اہل نظر آنکھیں بچھائیں گے
یہ جن سے کر کے دید روضۂ خیرالانام آئے ۱۸

علی گڑھ تحریک کے سرگرم داعی مولانا عبدالماجد دریابادی ایک مقتدر عالم دین، صاحب طرز ادیب اور انشا پرداز، آپ بیتی نگار، کالم نویس، صحافی، مفسر قرآن، خطیب اور شاعر تھے۔ آپ کا تخلص ناظرؔ تھا۔ شاعری میں باقاعدہ کسی کے شاگرد نہ رہے البتہ اکبرالہ آبادی سے کئی غزلوں پر اصلاح لی۔ اپنی خودنوشت سوانح ''آپ بیتی'' میں آپ نے اپنی شاعری کو ''تک بندی'' سے تعبیر کیا ہے جو کہیں کہیں عاجزی اور اکثر اعتراف معلوم پڑتا ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام نعت گوئی کے روایتی انداز سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً نعت میں ''پردے میں ملاقاتیں، بھیجی ہوئی سوغاتیں، فرشتوں کو دل لگی سوجھنا'' جیسے مضامین باندھنا جو کہ زیادہ تر غزل کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ یہ انداز اور یہ اسلوب بتاتے ہیں کہ ناظرؔ کے یہاں مولانا محمد علی جوہرؔ کی نعتیہ شاعری کی گہری چھاپ ہے:

غم خواری امت سے اک آن نہیں غافل
ظاہر میں تو ہے پردہ پردے میں ملاقاتیں
محشر میں اماں پائی صدقے میں دُرودوں کے
دُشواری میں کام آئیں بھیجی ہوئی سوغاتیں
میں جاتا تھا یثرب یہ جنت میں لائے
فرشتوں کو سوجھی یہ کیا دل لگی ہے ۱۹

منظور حسین المعروف ''ماہرالقادری'' ایک صاحب طرز نثر نگار اور کلاسیکی طرز کے شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ علی گڑھ سے آپ نے میٹرک کی تعلیم حاصل کی۔ نظم، نثر اور تنقید کے شعبہ جات میں آپ کا قلم یکساں امتیازی شان کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر منظوم تخلیقات مثلاً: ''ذکر جمیل'' اور ''فردوس'' وغیرہ بھی نعتیہ کلام سے مزیّن ہیں۔ ادب اور عقیدت کا خوبصورت امتزاج، لغت و لسان پر گہری گرفت اور ایسے پہلوؤں پر خصوصی توجہ جنھیں حسن انسانیت قرار دیا گیا ہے، ماہر القادری کے نعتیہ کلام کی خصوصیات ہیں:

تاروں سے یہ کہہ دو کوچ کریں خورشید منور آتے ہیں
قوموں کے پیمبر آ تو چکے اب سب کے پیمبر آتے ہیں
رستے میں جو پودے ملتے ہیں تعظیم کو جھک جھک پڑتے ہیں
کُھل کھل کے گواہی دیتے ہیں مٹھی میں جو کنکر آتے ہیں

اے حامی بیکس ختم رسل! یہ حال ہے تیری امت کا
دنیا میں کسی کی بھی ہو خطا الزام ہمیں پر آتے ہیں۲۰

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلمسے ماہر القادری کی والہانہ الفت کا مظہر آپ کا مشہور ناول ''دُرِّ یتیم'' اور آپ کی بے مثل نعتیہ تخلیق ''ظہور قدسی'' ہے۔قلبی وارفتگی ،فدویانہ سوز گداز ،اور پیغمبر اسلام کو محسنِ انسانیت کے طور پر پیش کرنا آپ کی نعتیہ شاعری کا امتیازی وصف ہے۔''سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی دست گیری کی'' آپ کا مشہور زمانہ سلام ہے۔جس کے اشعار آج بھی اہل ذوق کی محافل میں رقّتِ قلبی کا باعث ہیں۔مندرجہ اشعار دیکھیں کہ:

دُرود اُس پر کہ جس کے خلق کی تفسیر قرآں ہے دروداُس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل وجاں ہے
درود اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی درود اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اُس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے درود اُس پر کہ جس کا تذکرہ عینِ عبادت ہے
درود اُس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں درود اُس پر کہ جو تھا صدر محفل پاکبازوں میں۲۱

خانوادۂ اشرفیہ کے چشم و چراغ پروفیسر سید امین اشرف مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ انگریزی سے وابستہ تھے۔آپ کے مجموعۂ کلام ''جادۂ شب'' اور ''قفس رنگ'' میں نعتیہ شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ آپ کے نعتیہ کلام میں صوفیانہ آہنگ اور چھوٹی زمینوں میں طویل مضامین باندھنے کا رجحان نظر آتا ہے۔نعتیہ شاعری کی روایت میں بار بار استعمال ہو چکے مضامین میں ایک نیا گوشہ دریافت کر لینا سید امین اشرف کا امتیازی وصف ہے۔ذات باری کی لامحدودیت کے مقابل ذات رسالت کی محدودیت میں نعتیہ وصف تلاش کر لینا،علماء وصوفیاء کے تاریخی تسلسل کو سلسلۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کرنا اِس کی عمدہ مثالیں ہیں:

محمد ابتدا ہے انتہا ہے تعیّن سے پرے ذات خدا ہے
مگر تا لامکاں رونق فزا ہے محمد وجہ تخلیق مکانی
اسی کا سلسلہ در سلسلہ ہے۲۲ جنید و بایزید و شمس و تبریز

امید فاضلی کا اصل نام ارشاد احمد فاضلی ہے۔آپ کے والد دعاڈبایوی اور بھائی ندافاضلی اردو شاعری میں بلند مقام رکھتے ہیں۔امید فاضلی نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔کچھ عرصہ شکیل بدایونی سے مشورۂ سخن بھی رہا۔تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہیں کی خاک کا پیوند بنے۔ ''میرے آقا'' آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔امید کا شعری سرمایہ نعت کے جدید آہنگ کا پتا دیتا

ہے۔ جہاں تعین ذات، تفہیم کائنات اور تعمیر حیات کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔اُن کے نعتیہ کلام کو پڑھتے ہوئے بار بار محسوس ہوتا ہے کہ وہ ثنائے رسول کے آداب اور تقاضوں سے خوب واقف ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ مدحتِ نبوی کا حلقہ ایک ایسی ادب گاہ ہے جس میں جنید و بایزید بھی دم نہیں مارتے۔ غالب جیسا مشکل پسند قادر الکلام بھی ''ثنائے خواجہ'' کو ''حضورِ یزداں'' کے سپرد کر کے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے:

اُس کی مدحت کو قلم تحریر کر سکتا نہیں — حرف موج نور کو زنجیر کر سکتا نہیں
بے غلامی محمد بے ثنائے کبریا — آدمی قرآن کی تفسیر کر سکتا نہیں
ذہن و دل کا مرکز و محور نہ ہو جب تک وہ ذات — کوئی اپنی ذات کی تعمیر کر سکتا نہیں [۲۳]

جیسا کہ مذکور ہے کہ نعت میں عجزِ فن کا اقرار ایک اہم موضوع رہا ہے۔ جس کی مثالیں عربی و فارسی اور پھر اردو نعتیہ شاعری سے بہ کثرت فراہم کی جا سکتی ہیں۔ امید فاضلی کے یہاں ادبِ رسالت، عجزِ فن اور نعت گوئی کا یہی فدویانہ لہجہ اپنی آب و تاب کے ساتھ موجود نظر آتا ہے۔ امید کا کمال یہ بھی ہے کہ مدحِ رسالت کے عجز کو فقط روایتی انداز میں نظم ہی نہیں کرتے بلکہ بار بار اس موضوع پر نئے نئے گوشوں کا اضافہ کر کے اسے باقاعدہ نعت میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ وہ محاسن نبوی کے ''مقامِ عظیم'' کے سامنے اپنی سخن گوئی کو عاجز پاتے ہیں۔ یہ عاجزی نعتیہ پیکر میں یوں گویا ہوتی ہے:

ایک بھی لفظ نہیں عرصۂ گویائی میں — آپ کی شان کے شایان رسول عربی
کبھی یٰسین و مبشر کبھی طٰہٰ لکّھوں — زندہ جب تک رہوں نعت شہ والا لکّھوں
وصف آئینہ ہے خود آئینہ گر کی تعریف — زندہ جب تک رہوں نعت شہ والا لکّھوں
نعت لکھنے کی تمنا لئے اِس سوچ میں ہوں — خود جو ممدوح خدا ہو اُسے میں کیا لکّھوں
اُن کے در سے مجھے مل جائے غلامی کی سند — میرے معبود کوئی لفظ میں ایسا لکّھوں
ہر نفس تازہ تغیّر کا ہدف ہے دنیا — جز ترے دہر میں آقا کسے اپنا لکّھوں [۲۴]

انجمن ترقی پسند مصنّفین کے سکریٹری، جدید اردو تنقید کے بنیاد ساز، طلباء کے محبوب استاد اور صاحب فکر شاعر خلیل الرحمان اعظمی کی شاعری کا اصل میدان غزلیں اور نظمیں ہیں لیکن ان کے آخری مجموعۂ کلام ''زندگی اے زندگی'' میں چند نعتیں بھی ملتی ہیں۔ جن میں عشق رسالت پناہ کا اظہار نہایت سادگی و خوش اسلوبی کے ساتھ کیا گیا ہے:

میری جاں اس پر تصدق، اس کے نام پر — ہر بن مو سے نکلتی ہے صدا ہائے رسول

گونجتی ہے جب کبھی کانوں میں آواز اذاں پھرنے لگتا ہے نگاہوں میں سراپائے رسول

خلیل صاحب کی یہ نعتیں مرض الموت میں مبتلا شخص کے ذہنی کرب کا غماز اور ''کسی دائمی سہارے'' کی تلاش کا صوفیانہ اظہار ہیں جیسا کہ اِس مجموعۂ کلام کے اسباب وعوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے وحید اختر لکھتے ہیں:

''ایک مسلمان کے لیے جس کی تربیت عشق رسول کی آغوش میں ہوئی ہو،سب سے بڑی پناہ گاہ یہی عشق ہے۔خلیل کی نعتیں زندگی اور موت دونوں کو بامعنی بنانے اور فنا پر فتح حاصل کرنے کی مذہبی امنگ کے اظہارات ہیں۔ جس میں سادہ،سچا، بے لوث اور بے لاگ عشق رسول ملتا ہے۔تصنع،تکلف سے پاک،لفظی تراش خراش اور فنی لوازم کی تکمیل سے بے نیاز اور ماورا۔''۲۵

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے خلیل صاحب کو ایک والہانہ ربط تھا۔افسوس اِس بات کا ہے کہ مکروہات دنیا نے اسے شعری پیکر میں ڈھلنے نہ دیا لیکن خلیل صاحب کی زندگی کا وہ دور جب انہیں یقین ہو گیا تھا کہ بس سیر زندگی تمام ہونے کو ہے،انہوں نے اپنی تمام توجہ عشق حقیقی کی جانب مبذول کر لی تھی۔یہی زمانہ تھا جب خلیل صاحب بستر علالت پر لیٹے لیٹے قبر کے لیے کتبے لکھا کرتے تھے۔درج ذیل نعتیہ اشعار مرض الموت کے شدائد کا روحانی تدارک ہیں۔ایک ایسے امّتی کی پکار جو دنیا کے پُر خار راستوں پر چلتے چلتے بالکل تھک گیا ہے اور اپنے واحد ملجا و ماویٰ کو اِس تیقن کے ساتھ آواز دے رہا ہے کہ وہ اُس کی پکار کو سن بھی لے گا اور فریادرسی کو کسی نہ کسی طور ضرور پہنچے گا۔یہاں صیغۂ تخاطب بھی دیدنی ہے کہ یہ وہی لقب ہے جس سے اوّلین نزول وحی کے وقت پروردگار عالم نے اپنے پیغمبر کو پکارا تھا:

بھر دے بھر دے میرا پیالہ او مرے کالی کملی والے
میں پیاسا، در در کا نکالا، او مرے کالی کملی والے
تن کا بھوکا، من کا بھوکا، پریم کا بھوکا، پیار کا بھوکا
میں نے نہ چکھا ایک نوالا، او مرے کالی کملی والے
جس جس سے بھی چاہ بڑھائی چاہ اسی کی راس نہ آئی
کون تھا میرا چاہنے والا او مرے کالی کملی والے
ساری بستی جگمگ جگمگ، میرے گھر میں دیا نہ باتی
میں نے نہ جانا کیا ہے اجالا، او مرے کالی کملی والے

میرے ہی گھر پر ساری وبائیں، میرے ہی گھر پر غم کی گھٹائیں
کون تھا اس گھر کا رکھوالا، اے مرے کالی کملی والے
کملی والا، کملی والا، کتنا پیارا نام ہے تیرا
کہہ کے خدا بھی بلانے والا او مرے کالی کملی والے ۲۶

یہ تمامی کاوشات شاہد ہیں کہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے جہاں اردو نثر و نظم کے مختلف دبستانوں کی آبیاری کی وہیں نعتیہ ادب میں بھی اپنے لافانی نقوش ثبت کیے۔ مسلم یونی رسٹی کا ایک مایۂ ناز سرمایہ اِس کی تجدیدی فکر ہے جس کے نتیجے میں اردو ناول، افسانہ، غزل، نظم، تنقید، تحقیق، انشائیہ اور دیگر شعبہ ہائے ادب کو ایک نئی زندگی ملی۔ اسی طرح اردو نعت کو مذہبی اور اعتقادی اصناف کی ذیل سے نکال کر ایک عالمی پیغام کی صورت میں پیش کرنے کا اوّلین شرف اسی ادارے کو حاصل ہے۔ اِس ادارے نے نعت کی فکری اور جمالیاتی قدروں کو قائم کیا۔ روایت کو تاریخ کے درجہ تک پہنچایا۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نعتیہ ادب کے یہ روشن مینار اُس وقت وجود میں آئے جب بیشتر ادبی حلقوں میں نعت کو محض حصولِ برکت کے فن کے بطور دیکھا جاتا تھا۔ اس میں شاید ہی کسی کو تردد ہو کہ تاریخِ ادبِ اردو میں نعتیہ شاعری کو اعتبار دلانے میں اِس ادارے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اِس ادارے میں نعتیہ شاعری کے کسی مخصوص طرز یا اسلوب کی پیروی نہیں کی بلکہ ہر وہ انداز شاملِ سخن گیا جو نعتیہ شاعری کے جائز اور موزوں تھا۔ حالؔی اور اقبالؔ نے نعتیہ کلام کے ذریعہ قوم مسلم کی عروق مردہ کو حیات نو کا پیغام سنایا۔ شبلؔی، حفیظؔ جالندھری اور ضیا احمد بدایونی نے گردش ایّام کا رخ ماضی کی طرف موڑا اور زمانۂ رسالت کی شعاؤں سے قومی زندگی کے تاریک گوشوں کو منوّر کیا۔ مولانا محمد علی جوہؔر، مولانا ظفؔر علی خاں اور پھر جوشؔ نے اِس صنف سخن میں مجاہدانہ تیور شامل کئے۔ اقبال سہیل نے نعتیہ قصائد کو ایک نئی زندگی بخشی۔ شکیلؔ بدایونی نے فلمی دنیا کو نعت رسول کی خوشبو سے معطر کیا۔ ماہر القادری نے سیرت رسول کے ''الفقر فخری'' کے پہلو کو مرکز فکر بنایا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی، احسن مارہروی، سید امین اشرف، راغب بدایونی اور امید فاضلی نے ثنائے رسول کے نئے گوشے دریافت کئے۔ حسرت موہانی نے اِک پا بجولاں کی داستان فراق نظم کی۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے اِک ہارے ہوئے امّتی کے لبوں کو آواز دی۔ جگر مرادآبادی نے اک رند کی سر مستی کو سلطان مدینہ کی جناب پیش کیا۔ اصغر گونڈوی نے اپنے عہد کی نعت گوئی کو صوفیانہ گداز بخشا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اِن میں سے بیشتر شعراء غزل، نظم اور دیگر اصناف سخن کی وادیوں کے شہ سوار

تھے۔ یہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں روشن شمع حرم کا فیضان ہے کہ اِن شہ سواروں کی راہیں شہرِ مدینہ کی عطر بیز روشنی سے منور نظر آتی ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۱۰۹، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۵ء

(۲) موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۱۰۸، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۵ء

(۳) مقدمہ مسدس حالی از مولوی عبدالحق، ص ۲۲، عاکف بک ڈپو مٹیا محل دہلی سنہ اشاعت ۱۹۹۹ء

(۴) کلیاتِ شبلی (اردو) از شبلی نعمانی، ص ۵۱، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، سنہ اشاعت ۲۰۰۷ء

(۵) کلیاتِ شبلی (اردو) از شبلی نعمانی، ص ۴۶، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، سنہ اشاعت ۲۰۰۷ء

(۶) *شبِ سہ اپریل ۱۹۳۶ء کہ در دارالاقبال بھوپال بودم سید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ را در خواب دیدم فرمودند کہ از علالت خویش در حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عرض کن

(۷) بہارستان از ظفر علی خاں، ص ۳۰۔۴۶، اردو اکیڈمی پنجاب لوہاری دروازہ لاہور ۱۹۷۳ء

(۸) دیوان جوہر از مولانا محمد علی جوہر، صفحات ۴۰۔۴۱۔۱۱۷، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشر لاہور سنہ اشاعت ۱۹۶۲ء

(۹) کلیات حسرت از حسرت موہانی، ص ۱۷، ۶، ۱۳۲، ۴۹۲، کتابی دنیا، دہلی، سنہ اشاعت ۲۰۰۳ء

(۱۰) یادوں کی بارات کا خصوصی مطالعہ از صابر کمال صفحہ ۵۵ عماد پریس حیدر آباد سنہ ۱۹۷۶ء

(۱۱) پیغمبر اسلام از جوش ملیح آبادی، ص ۱۰ تا ۲۱، ناشر کلیم بک ڈپو، گلی کندلہ کشان، بازاری فتحپوری، دہلی ۱۹۲۰ء

(۱۲) کلیات شکیل بدایونی از شکیل بدایونی، ص ۳۶۳ تا ۳۷۳، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، سنہ اشاعت ۲۰۰۶ء

(۱۳) کلیات راغب بدایونی مرتّب طیّب بکش بدایونی، ص ۳۸، ۴۲، ۵۲، بریلی الیکٹرک پریس ۱۹۸۴ء

(۱۴) اقبال سہیل کا ایک نعتیہ قصیدہ از ظفر احمد صدیقی، بحوالہ نعت رنگ، کراچی، شمارہ نمبر۔۲۶

(۱۵) موج کوثر از اقبال سہیل ص ۷ تا ۱۰، مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ سنہ اشاعت نامعلوم

(۱۶) ماخوذ۔ تذکرہ ماہ وسال از مالک رام ص ۸۱، مطبوعہ مکتبہ جامعہ لیمیٹیڈ دہلی، ۲۰۱۱ء

(۱۷) احسن الکلام از احسن مارہروی ص ۴۷، ۱۷۲، مکتبہ تخلیق ادب کراچی، ۱۹۶۵ء

(۱۸) کلیات ضیا مرتّبہ ظہیر احمد صدیقی، ص ۸۹، ۹۲، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء

(۱۹) تغزّل ماجدی مرتبہ عبد القوی دریابادی ص ۲۳، ۲۵، ناشر مولانا عبد الماجد دریابادی اکیڈمی لکھنؤ سنہ اشاعت ۱۹۷۹ء

(۲۰) کلیات ماہر القادری از ماہر القادری ص ۱۱۹، ادارہ تعمیر ادب، کراچی، ۱۹۹۴ء

(۲۱) کلیات ماہر القادری از ماہر القادری ص ۷۷، ادارہ تعمیر ادب، کراچی، ۱۹۹۴ء
(۲۲) جادۂ شب از سید امین اشرف ص ۹، ۱۰، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۲۰۱۲ء
(۲۳) دریا آخر دریا ہے از امید فاضلی ص ۲۵ سیپ پبلی کیشنز کراچی ۱۹۷۹ء
(۲۴) دریا آخر دریا ہے از امید فاضلی ص ۲۶، ۲۷ سیپ پبلی کیشنز کراچی ۱۹۷۹ء
(۲۵) لب مرگ پر نغمۂ زندگی از وحید اختر، علی گڑھ میگزین خلیل الرحمٰن اعظمی نمبر ص ۲۰
(۲۶) زندگی اے زندگی از خلیل الرحمٰن اعظمی ص ۱۵ تا ۱۸، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۳ء

☆ اسسٹنٹ پروفیسر۔ شعبۂ اُردو
گورنمنٹ کملا راجا گرلس پی جی کالج، گوالیار (ایم۔ پی۔)
موبائل نمبر۔ 87870-72529

☆☆☆

ڈاکٹر محمد آصف (امراوتی، مہاراشٹرا)

نعت کی قرأت

قرات کی اصطلاح ہمارے معاشرے میں قرآن کی تلاوت کے لیے مستعمل ہے۔لیکن ادب کے میدان میں قرات Reading کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔Focussed Reading کے لیے قرات کا اطلاق ہوتا ہے۔ادبی فن پارے کے مطالعہ کو انگریزی میں Reading of Literary Text کہتے ہیں،جس کے لیے اردو میں ''ادبی متن کی قرات'' کی اصطلاح مروج ہے۔ادبی متن کی قرات محض متن کا پڑھنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ذریعے ہمارا منشا کسی متن پر مختلف زاویوں سے غور کرنا ہوتا ہے۔جب ہم کسی متن کو متنوع Parameters میں رکھ کر پرکھنے کی سعی کریں گے،تب ہمارا یہ عمل ادبی متن کی قرات کہلائے گا۔یہاں قرات کرنے والا کوئی عام شخص نہیں ہوتا، بلکہ فن کا پارکھ ہوتا ہے۔فن کو پرکھنے کے لیے وہ مختلف تکنیکوں کا سہارا لیتا ہے اور اس کا یہ عمل متن کی قرات کے زمرے میں آتا ہے۔

اگر متن ادبی ہے تو اس کی قرات کرتے وقت ادب سے متعلق ان تمام پہلوؤں کو بروئے کار لایا جاتا ہے جو اس مخصوص متن کو سمجھنے میں کارگر ثابت ہوں گے۔نعت کی قرات سے ہماری یہی مراد ہے۔نعت بھی ادب کا جز ہے لہٰذا نعت کی قرات بھی ادبی متن کی قرات کے طور پر کی جانی چاہیے۔نعت کا وہ قاری جو پختہ شعور رکھتا ہو یا نقاد نعت کی قرات کرتے وقت اپنی سوچ وفکر کے مطابق نعت کا مطلب اخذ کرتے ہیں۔بعض اوقات ان پر مذہبی و مسلکی نظریات بھی حاوی ہوتے ہیں۔ایسے حضرات اکثر نعت کی قدر و قیمت متعین کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔نعت گو شاعر سے غایت درجے کی عقیدت بھی نعت کی قرات میں رکاوٹ بنتی ہے۔

اسلوب نگارش کا مطالعہ نعت کی قرات میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔اسلوب نگارش کا تعلق ایک شخص سے بھی ہوتا ہے اور عہد سے بھی ہوتا ہے۔ایک ہی عہد میں تخلیق کی گئیں تحریروں میں

اسلوب نگارش ملتا جلتا ہوسکتا ہے ہر ادیب کا اپنا اسلوب نگارش ہوتا ہے جو اسکی پہچان بن جاتا ہے۔طرز نگارش فن پارے اورفن کار تک ہماری رسائی ممکن بنا دیتا ہے۔قرآن کریم کی ایک آیت جب فن کے پارکھوں کے سامنے پیش کی گئی تو وہ فوراً پکار اٹھے یہ کسی انسان کا کلام ہے ہی نہیں ۔وجہ یہ ہی تھی کہ ان کے نزدیک اتنا نکھرا اور مکمل اسلوب بیان انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔نعت کے اشعار جن کے شاعر سے متعلق ہماری معلومات کم ہے، ان اشعار کے اسلوب نگارش کو عہد بہ عہد انداز بیان کے سانچے میں رکھ کر دیکھنا ہمارے لیے مفید ثابت ہوسکتا ہے۔مثال کے طور پر ذیل کا شعر دو شعراء سے منسوب ہے:

لایمکن لاثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

فارسی شاعری میں عہد بہ عہد اسلوب نگارش کے مطالعہ کے ذریعہ ہم اس گتھی کو سلجھا سکتے ہیں۔ اس شعر کو شاہ عبدالعزیز اور مولانا جامی سے منسوب کیا جاتا ہے۔لیکن حتمی کوئی نہیں کہہ سکا کہ دونوں میں سے کس کا شعر ہے۔

نعتیہ شاعری پر تہذیبی اور سماجی عناصر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔عربی زبان میں تین قصائد جو بردہ کے نام سے مشہور ہیں تین مختلف ادوار میں تحریر کیے گئے ہیں۔تینوں کو ایک ساتھ رکھ کر تقابلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔(انگریزی زبان میں اس پر کام ہوا ہے) حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ قصیدہ اس وقت بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش کیا گیا تھا جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ معافی طلب کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہورہے تھے۔ان کا یہ عمل اس وقت کی تہذیب وروایت کی عکاسی کرتا ہے کہ اس وقت معافی کے لیے قصیدے کا سہارا لیا جاتا تھا۔اس قصیدے کی قرات میں اس پہلو کو پیش نظر رکھنا ناگزیر ہے۔جن علماء نے اس قصیدے پر تحقیقی وتنقیدی مقالات لکھے ہیں اس گوشے کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔امام بوصیری علیہ الرحمہ کے قصیدے کے ساتھ معاملہ جدا ہے۔متعدد دانشوروں نے اس پر کام کیا ہے۔اس کا ترجمہ کیا ہے، اس کی شروحات لکھی ہیں۔ان کی سوچ وفکر اور نفسیات اس پر غالب رہی ہیں۔کسی نے اس کے طرف تعویذ ووظائف کے حوالے سے توجہ کی ہے۔کسی نے کرامتی عنصر کو پیش نظر رکھا۔کسی نے تہذیب ومعاشرت کے پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔بعض نے اس پر کڑی تنقیدیں کیں۔اس قصیدے پر ہونے والے تحقیقی وتنقیدی کام دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ بہت کم علماء ہیں جنھوں نے اعتدال کو برقرار رکھا۔احمد شوقی نے اس نہج پر نہج

البردہ لکھا، لیکن سوچ وفکر دونوں (کعب بن زہیر اور امام بوصری) سے مختلف ہے۔ اردو میں شوقی کے نہج البردہ پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ قصیدہ عصری تقاضوں کو بھی زیر بحث لاتا ہے۔ تینوں قصیدوں پر تہذیب و معاشرتی عوامل کا گہرا اثر نمایاں ہے۔ تینوں میں مضامین، فکری دھاریں، تہذیبی وسماجی عوامل، لسانی خصوصیات مختلف ہیں۔ اپنے اپنے عہد کی ضرورتوں سے بھی ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ امام بوصیری علیہ الرحمہ کے قصیدے میں سیرت و معجزات کا بیان ملتا ہے وہیں احمد شوقی نے غیروں کے اعتراضات کے جواب بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ اسی منہج پر اردو میں نعتیہ شاعری کی قرات بھی کی جائے تو بہت سی مفید تنقید و تحقیق وجود میں آسکتی ہے۔

ابتدائی نعتیہ شاعری میں جو عناصر ہوں گے ضروری نہیں کہ وہی عناصر بعد کی شاعری میں بھی دیکھنے کو ملیں۔ ابتدائی نعتیہ شاعری میں صوفیانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ معراج نامے، مولود نامے اور نور نامے جیسی شعری تخلیقات ابتدائی دور میں وافر مقدار میں ملتی ہیں وجہ اس کی تہذیبی وروایتی ماحول ہے کہ اس وقت مجالس ومحافل کا اہتمام خصوصیت کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان فن پاروں پر بہت کام ہوا ہے لیکن کام کی نوعیت موضوعاتی ہے۔ ناقدین و محققین نے ان میں اسلامی عناصر، غیر اسلامی عناصر، ہندوستانی عناصر اور صوفیانہ عناصر جیسے نکات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ سماجی وتہذیبی مطالعہ ہمیں ان شہ پاروں کو سمجھنے میں کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ اس طرح کی شعری تخلیقات پر فتوے بھی صادر کیے گئے ہیں۔ انہیں شرعی احکامات کی روشنی میں بھی سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کی قرات فنی، لسانی تہذیبی وسماجیاتی نقطۂ نظر سے کی جائے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حالات بدلے شاعری کا مزاج بھی بدلا، نعتیہ شاعری نے بھی کروٹ لی اور اس کے موضوعات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اس تقلیب ذہن وفکر کے تحت بھی نعت کی قرات ہمارے مافی الضمیر تک رہنمائی کرسکتی ہے۔ انداز میں تبدیلی آئی، اسلوب نگارش نے رخ موڑا، موضوعات میں روح عصر شامل ہوگئی اور نعتیہ شاعری میں استغاثے تحریر کیے جانے لگے۔ حالؔی کا استغاثہ ''اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے'' اثر وکیف کا بہترین مظہر ہے اور اس وقت کے سماجی، سیاسی و معاشرتی حالات کا غماز بھی ہے۔ خود مسدس حالی کو اسی تناظر میں پرکھنا چاہیے۔ حالات بگڑتے گئے اور شعراء استغاثے قلمبند کرتے گئے۔ عصر حاضر میں بھی اس کی روایت قائم ہے۔ پروفیسر منظور حسین شوؔر کا استغاثہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ نور نامے، معراج نامے اور مولود نامے سے استغاثہ نگاری تک کے سفر میں تمدنی، سماجی اور لسانی تبدیلیوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ نعت کی قرات ہمارے لیے

عمرانیاتی و بشریاتی مطالعہ میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔اس دوران زمانے کی اور مسلمانوں کی سوچ و فکراورطرز عمل کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

نعت کی قرات میں لسانی مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔نعت کی لفظیات پر تحقیق وتنقید کو بڑھاوا ملنا چاہیے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کس طرح کے الفاظ پیش کیے جائیں یہ تہذیب و معاشرت کے تناظر میں پرکھا جائے۔جیسے کملی کا استعمال شعراء نے کیا ہے۔بعض علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے۔لیکن کملی کے استعمال کو درست یا نادرست کہنے سے پہلے ہمیں یہ جاننا ضروری ہوگا کہ اس عہد کہ جس میں یہ تحریر کیا گیا ہے کملی سے متعلق اہل زبان وعلم کیا فہم رکھتے تھے۔خود شاعر کا کیا مطلب ہے؟ صرف کملی کا مطلب 'چھوٹی' ہوتی ہے اس کی بنا پر اسے ممنوع قرار دینا بے جا ہے۔اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت وعشق کے اظہار میں جو لفظیات استعمال کی جاتی ہیں انہیں لسانی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔اپنی خود ساختہ باتوں یا نظریات سے دامن کو بچا کر عہد اور شاعر کے پس منظر کو سامنے رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

نعت کی قرات میں Psychoanalysis Theory تحلیل نفسی کی تھیوری کا اہم رول ہوسکتا ہے۔کیونکہ عہد اور شاعر کی نفسیات کو سمجھے بغیر اس کی باتوں کو سمجھنا مشکل ہے۔یہ تو یقینی ہے کہ ہمارے قول، فعل وعمل پر ہماری نفسیات کا گہرا اثر ہوتا ہے۔نعت گو شاعر کے اس پہلو پر غور وفکر کرنا چاہیے۔ورنہ ہوگا یہ کہ وہ کہنا کچھ چاہتا ہے اور ہم کچھ اور ہی مطلب اخذ کر لیتے ہیں۔علامہ اقبال نے بارگاہ رسالت میں عرضی پیش کی کہ:

من اے میر امم ! داد از تو خواہم
مرا یاران غزل خوانے شمردند

اے امیر امم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے داد کا طالب ہوں کیونکہ میرے احباب نے تو مجھے غزل خوانوں میں شمار کیا ہے۔

مطلب وہ صرف میری شاعری کو دیکھ رہے ہیں جبکہ میں نے شاعری کو صرف اظہار کا ذریعہ بنایا ہے اصل مقصد تو انہیں پیغام دینا ہے۔اس معاملے میں تحلیل نفسی کی تھیوری ہماری رہنمائی کرتی ہے۔اس کے ذریعے ہم نعت کی روح تک پہنچ سکتے ہیں۔بعض نعت گو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں خاص مقام ومرتبہ کے حامل ہوتے ہیں۔جب وہ کیفیت کو شعری قالب میں ڈھالیں گے تو ظاہر سی بات ہے اس کا فہم وادراک آسان نہیں ہوگا۔ہم تو صرف ظاہر کو دیکھ سکتے ہیں۔ہاں عامیانہ

شاعر کے یہاں یہ باتیں عامیانہ انداز ہی میں ظاہر ہوتی ہیں۔تحلیل نفسی ہمیں اس کے باطن کو واضح کردے گی اور ہم سمجھ سکیں گے کہ بات کہاں سے نکلی ہے دل سے یا محض خیال بندی ہے۔اخص الخواص کی نعت کی قرات بڑی احتیاط کا تقاضا کرتی ہے۔(نعت کا نفسیاتی مطالعہ، دبستان نعت کے کی شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔)

ادبی تھیوریز کے تحت بھی نعت کی قرات کرنا چاہیے یہ نعتیہ فن پارے کی قدر و قیمت متعین کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ساختیات کے تحت نعت کا مطالعہ ایک نئے باب کا آغاز کرتا ہے۔ساختیات کی بنیاد پر مقالات لکھے جارہے ہیں لیکن بہت کم۔دیگر اصناف شاعری کے مقابلے میں نعت کی ساختیات زیادہ مستحکم و پائدار ہوتی ہے۔لیکن نعت پر کام کرنے والے اس راستے پر چلنے کے لیے تیار نہیں ہوتے یا آسانی کے طالب ہیں۔بین المتونیت کے تحت نعت میں موجود وسعت، گہرائی و گیرائی کو پیش کیا جاسکتا ہے۔نعتیہ شاعری میں بین المتونیت کی خاص اہمیت ہے۔کتنی ہی نعتیں ہیں جو بین المتونیت کا نمونہ ہیں۔منظوم سیرتیں تو اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔نعت گو شاعر بے شمار مقامات پر قرآن وحدیث، کتب سیر سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔یقیناً انہیں بین المتونیت کے معیار پر جانچا جاسکتا ہے۔

نعت اور جمالیات کا گہرا تعلق ہے۔جمالیات کے جتنے شعبے ہیں وہ سب نعت کے جلوے سے روشن و تابندہ ہورہے ہیں۔جمالیات کی جتنی جہات ہیں ان تمام میں نعتیہ شاعری برتی گئی ہے۔عشق کی جمالیات سے نعت لبریز ہے۔شعراء نے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا ہے۔فطرت کی جمالیات کے تحت کون سا نعتیہ فن پارہ ہے جو فطرت مدینہ سے جگمگ نہیں کررہا ہے۔شعراء نے مدینہ کا جغرافیہ بیان کیا ہے۔حیرت کی جمالیات پر غور کیجیے تو معجزات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان جا بجا نظروں کو متحیر کررہا ہے۔حسن کی جمالیات میں حسن کے جتنے شیڈس ہیں وہ حسن مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نور حاصل کرہے ہیں۔نعتیہ شاعری کا کون سا گوشہ ہے جہاں کائنات کی جمالیات موجود نہیں ہے۔نعت کی قرات میں اگر جمالیات کو محور بنالیا جائے تو مطالعہ کی وسعت پھیلتی چلی جاتی ہے۔

نعت کی قرات میں مذہبی و مسلکی نظریات کا علم بھی ناگزیر ہے۔جس نظریے کو شاعر پیش کررہا ہے ہم اس کے حامی بھی ہوسکتے ہیں اور مخالف بھی، لیکن ہم کو اپنے ذاتی نظریے کی بنیاد پر اس شہ پارے پر فتویٰ صادر نہیں کرنا چاہیے۔بلکہ شاعر نے اپنے نظریے کو کس خوبی سے شعری قالب میں

ڈھالا ہے اس پر بحث کرنی چاہیے۔اس طرح ہم ایک صحت مند تنقید سے محظوظ ہوں گے۔ہم میں دوسروں کے تصورات ونظریات کے احترام کا جذبہ بے حد ضروری ہے۔اپنے نظریات وتصورات کو بالائے طاق رکھ کر قرات کرنا نعت کے فروغ میں ایک نئے رجحان کو جنم دے گا۔ہمارا مقصد نعت کی تحقیق وتنقید کے میدان میں ایک صحت مند روایت کو استحکام عطا کرنا ہے تو ان معروضات کے پیش نظر نعت کی قرات کی جاسکتی ہے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر
گورنمنٹ ودربھ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ہیومنٹیز
امراوتی (مہاراشٹرا)
موبائل : 9403282420

☆☆☆

محمد علی قاضی (بنگلور)

مداحانِ رسول بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں

جس کو نعت گوئی کی توفیق ملی وہ انتہائی سعادت مند و فیروز مند اور بلاشبہ خوش بخت و بلند اقبال ہے۔میرا عقیدہ ہے کہ نعت لکھنے اور نعت پڑھنے میں ہماری مرضی کا دخل کم ہوتا ہے اور جن کی نعت پڑھی جارہی ہے، اُن کی توجہ نعت گو اور نعت خواں پر زیادہ ہوتی ہے:

دیدار کے قابل تو کہاں میری نظر ہے　　یہ تیری عنایت ہے جو رخ تیرا ادھر ہے

سر دست میں یہاں پر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں منظوم خراجِ عظمت و نذرانہ ء عقیدت پیش کرنے والے محض چند ارباب دین و دیانت و وارثانِ شعر و سخن کا ذکرِ جمیل کرتا ہوں اور اشعارِ نعت ہی کے ذریعہ اُن کی تشریحات حاضر خدمت کرتا ہوں۔ پڑھئے! اور لطفِ بصارت وسماعت لیتے ہوئے عقیدہ و ایمان کی تازگی و تابندگی کا سامان کیجئے۔

فرزدق:

مَـا قَـالَ: لَا قَـطُّ ،اِلَّا فِـیْ تَشَهُّـدِهٖ　　لَـوْلَا التَّشَهُّـدُ كَـانَتْ لَاءُهٗ نَـعَـم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے تشہد کے کہیں ؛ نہ؛ نہیں فرمایا اگر تشہد میں لا (یعنی نہ) نہ ہوتا تو وہاں بھی نعم (یعنی ہاں) ہی فرماتے)۔

واہ کیا جودوکرم ہے شہ بطحا تیرا　　نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

ایک عربی شاعر:

لَمْ یَـخْـلُـقِ الـرَّحْـمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ　　اَبَـدًا وَعِـلْـمِـیْ اَنَّـهٗ لَایَـخْـلُـقْ

(حضور کے مثل پیدا فرمایا ہی نہیں اور میں یہی جانتا ہوں (کہ وہ پیدا نہیں کرے گا یا) ان کے

مثل پیدا نہ ہوگا۔سیرت مصطفیٰ)

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں
رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

حضرت حسان:

وَاَحۡسَنُ مِنۡكَ لَمۡ تَرَ قَطُّ عَيۡنِىۡ وَاَجۡمَلُ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقۡتَ مُبَرَّاءً مِنۡ كُلِّ عَيۡبٍ كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَاتَشَآءُ

(آپ جیسا صاحبِ حسن و جمال میری آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں اور آپ جیسا حسین و جمیل بچہ کسی ماں نے دنیا میں جنا ہی نہیں۔آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے گویا کہ آپ جیسا چاہتے تھے اللہ نے آپ کو ویسا پیدا فرمایا ہے)۔

امام اہلسنّت فاضل بریلوی:

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد
آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے خواہی ازورو متاب

امام اعظم:

اَنۡتَ الَّذِىۡ لَوۡلَاكَ مَاخُلِقَ اِمۡرَاءٌ كَلَّا وَلَاخُلِقَ الۡوَرٰى لَوۡلَاكَ
اَنَاطَامِعٌ بِالۡجُوۡدِ مِنۡكَ وَلَمۡ يَكُنۡ لِاَبِى حَنِيۡفَةَ فِى الۡاَنَامِ سِوَاكَ

(اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی نہ ہوتا۔ہاں ہرگز کوئی نہیں، اور نہ ہی مخلوق پیدا کی جاتی۔میں آپ سے جود و کرم کا طالب ہوں کیونکہ ابوحنیفہ کے لئے مخلوق میں آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے)۔

امام اہلسنّت فاضل بریلوی:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے
بے ان کے واسطے جو خدا کچھ عطا کرے حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

علامہ بوصیری:

دَعْ مَاادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِی نَبِیِّھِمْ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیہِ وَاحْتَکَمِ

(نصاریٰ نے اپنے نبیوں کے بارے میں جو عقیدہ رکھا، اُسے چھوڑ کر حضور کی شان میں تعریف وتوصیف کی تم ہر بات کہہ سکتے ہو۔ یعنی حضور کی شان میں رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، سید المرسلین، سید البشر اور خیر البشر وغیرہ کہو مگر نہ خدا کہو اور نہ خدا کا بیٹا کہو)۔

امام اہلسنّت فاضل بریلوی:

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بیقرار روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

شیخ سعدی:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْاعَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محاسن وکمالات کی وجہ سے بلندیوں پر پہنچے۔ اپنے حسن وجمال سے تاریکیوں کو دور فرما دیا۔ ان کے سارے خصائل اچھے ہیں (آیئے) ان پر اور ان کے آل واصحاب پر درود وسلام بھیجیں)۔

ایک عربی شاعر:

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّداً بِمَقَالَتِیْ لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدَا

(میں نے اپنے مقالے کے ذریعے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ دراصل سیدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنے کی وجہ سے میری تحریر قابل تعریف وتوصیف بن گئی)۔

حافظ شیرازی:

یَاصَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَاسَیِّدَ الْبَشَرْ مِنْ وَجْھِكَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نَوَّرَالْقَمَرُ
لَایُمْکِنَ الثَّنَاءُ کَمَاکَانَ حَقُّہٗ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ حسن وجمال والے ہیں اور آپ سید انس وجان ہیں۔ آپ ہی کے رخ انور کی روشنی سے چاند منور ہے۔ آپ کی شان کے لائق تعریف تو ہم سے ممکن نہیں ہے۔ ہاں مختصراً بات بس اتنی ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر کے بعد ایک آپ کی ذاتِ عالی مرتبت مخلوقات میں بیشک سب سے عظیم ہے)

نہ تخت وتاج نہ سیم وگوہر کی بات کرو جو خیر چاہو تو خیر البشر کی بات کرو
حجر کے روپ میں یاقوت کو حجر نہ کہو بشر کے بھیس میں لاکالبشر کی بات کرو
چاند سے تشبیہ دینا بھی کیا انصاف ہے چاند میں تو داغ ہے ان کا چہرہ صاف ہے
بدر اچھا ہے فلک پہ نہ ہلال اچھا ہے چشم بینا ہو تو ان دونوں سے بلال اچھا ہے
سمجھا ہے کون سمجھے گا خیرالانام کو اللہ ہی جانتا ہے بس ان کے مقام کو

مولانا جامی:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

(میں ہزاروں دفعہ مشک وگلاب سے اپنا منہ دھل لوں پھر آپ کا نام پاک لوں، میرا عشق کہتا ہے کہ ایسا کرنا ہنوز خلاف ادب ہوگا)۔

تعظیم جس نے کی محمد کے نام کی خالق نے اس پر آتش دوزخ حرام کی

نوٹ! علامہ عبدالرحمٰن جامی جن کو اہل علم ملا جامی کہتے ہیں۔ حضور سے ان کے عشق کا عالم یہ تھا کہ جب مدینہ منورہ میں حاضر ہوتے اور واپسی کا ارادہ فرماتے تو مواجہ شریف میں حاضر ہو کر یوں عرض کر کے اجازت چاہتے۔ ؎ بہ سفری روم چہ فرمائی (واپس جا رہا ہوں کیا اجازت ہے؟) حجرۂ مبارک سے آواز آتی۔ ؎ بہ سلامت روی وباز آئی جامی جھوم اٹھتے کہ بخیریت وطن واپسی ہوگی پھر دوبارہ حاضری بھی ہوگی۔ اخیر بار جب واپسی کی اجازت چاہی تو یہ جواب ملا۔ ؎ بہ سفر رفتنت مبارک باد یعنی تمہارا سفر میں جانا مبارک ہو۔ یہ سنتے ہی آپ پر بجلیاں گر گئیں اور زار وقطار رونے لگے۔ لوگوں نے کہا حضور تو مبارک باد دے رہے ہیں اور آپ ہیں کہ رو رہے ہیں۔ ماجرا کیا ہے؟ آپ نے بتایا پہلے بہ سلامت روی وباز آئی جواب ملتا تھا اب یہ جواب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ حاضری نہ ہوگی (ماہنامہ اشرفیہ جنوری ۲۰۱۰ بحوالہ مقالات شارح بخاری)۔

ایک اور عاشق:

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(آسمانوں کے تمام طبقات چھان ڈالے، بڑے بڑے دلرباؤں اور حسیناؤں کو دیکھا مگر واللہ آپ کی شان تو سب سے جدا اور منفرد ہے)

ہزاروں جبرئیل الجھے ہیں گرد منزل میں نہ جانے کس قدر اونچا ہے کاشانہ محمد کا

ایک اور مداح:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(پیغمبر یوسف کا حسن ہو کہ پیغمبر عیسیٰ و پیغمبر موسیٰ کے معجزات وکمالات، وہ جملہ اوصافِ عالیہ جو اِن سب انبیائے کرام میں موجود تھے ایک تنہاء آپ کی ذات مقدس میں جمع ہو گئیں ہیں)۔

تعالیٰ اللہ ذات مصطفیٰ کا حسن لاثانی کہ یکجا جمع ہیں جس میں تمام اوصاف امکانی

دعائے یونسی، خلق خلیلی، صبر ایوبی جلال موسوی، زہد مسیحی، حسن کعنانی

امیر خسرو:

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم بہ ہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم

خدا خود میر مجلس بودا ندر لامکاں خسرو محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

(میں نہیں جانتا وہ کونسی منزل تھی رات جہاں میں تھا ہر سو رقص بسمل کا منظر تھا رات جہاں میں تھا۔ اے خسرو! لامکاں میں خدا خود میر مجلس تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم شمع محفل تھے۔ از امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی:

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری بدرگاہش بیا و ہر چہ خواہی آں تمنا کن

(دین و دنیا کی خیریت چاہتے ہو تو حضور کی بارگاہ اقدس میں آؤ پھر ہر تمنا پوری ہوگی)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی:

خرابم درغم ہجر جمالت یارسول اللہ جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن

(آپ کے جمال کے ہجر میں پریشان ہوں اپنا دیدار عطا فرمائیے محبّ صادق کی جان پر رحم فرمائیں۔ نوٹ! شیخ محدث دہلوی کی نعت کا ایک شعر جس میں لفظ یارسول اللہ استعمال فرمایا جب کہ یا پر اعتراض کرنے والوں کے پیشوائے اہل حدیث صدیق حسن خان بھوپالی شیخ کے علم حدیث اور تدریس حدیث کی تعریف کرتے تھے (فقہ وتصوف از شرف قادری)۔

حضرت مرزا جان جاناں مظہر شہید! جو مقتدائے اہل طریقت اور رہنمائے ارباب حقیقت ہیں آپ کا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اپنے عارفانہ کلام میں فرماتے ہیں:

خدایا از تو عشق مصطفیٰ را محمد از تو می خواہم خدارا

(دلی کی بائیس خواجہ ص ۲۳۸)

(یارسول اللہ خدا کے واسطے سے آپ کے دربار میں طلبگار رہوں۔اے خدایا تجھے عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ عطا فرما)۔

غالب دہلوی:

ہرکس قسم بآنکہ عزیز است می خورد سوگند کردگار بجان محمد است
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کآں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

(ہر شخص اس ذات کی قسم کھاتا ہے جو عزیز تر ہو اللہ تعالی نے حضور کی جان کی قسم یاد فرمائی ہے۔حضور کی تعریف وتوصیف (اے غالب!) ہم تو ان کے خالق ہی پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ اللہ کی پاک ذات ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ جانتی ہے)۔

علامہ اقبال کہتے ہیں:

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

(بارگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں رسائی حاصل کرلو کیونکہ دین واسلام سب انہیں سے ہے ورنہ بولہب اوران لوگوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟ جو عشق ونسبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے محروم ہیں)

اقبال فرماتے ہیں:

ہرکہ عشق مصطفےٰ سامانِ اوست دین ودنیا شد تہ دامانِ اوست

(جسے حضور کے عشق کی دولت نصیب ہوگئی بے شک ہر متاعِ دین ودنیا کا وہ مالک ہے)۔

اورفرماتے ہیں:

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے

ایک عظیم صوفی عاشق:

ادب گاہیست زیر آسماں ازعرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

(حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اقدس بیشک اِس زمین پراور اِس آسمان کے نیچے عرش سے بھی زیادہ نازک مقام ہے کہ حضرات جنید بغدادی وبایزید بسطامی جیسے عارفانِ حق آگاہ بھی یہاں جان ہتھیلی پر لئے سراپا تعظیم وتکریم بن کرحاضر ہوتے ہیں)۔

امام اہلسنّت:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقعہ ہے وہ جانے والے

حسن بریلوی:

رہیں ان کے جلوے بسیں ان کے جلوے   میرا دل بنے یادگار مدینہ

محدث اعظم ہند:

نام ہی نام ہے جو کچھ ہے حقیقت کے سوا   راستہ کوئی نہیں ان کی شریعت کے سوا
فرض وواجب کے مراتب کا یہاں ہوش کہاں   مذہب عشق میں بولی نہیں سنت کے سوا
فضل ایماں ہی پہ ہے فضل نسب بھی موقوف   بولہب کے بھی لگا نہ ہاتھ تبت کے سوا

محدث اعظم ہند:

جلوہ کیجئے خواہ پردہ کیجئے   مجھ کو اپنے پاس رکھا کیجئے
پہلے پتھر کا کلیجہ کیجئے   پھر عشق کا آپ دعویٰ کیجئے

عاقلی دانائی وفرزانگی۔ان کے دیوانوں سے سیکھا کیجئے۔ان کو لانا ہوتو ایسا کیجئے۔کعبۂ دل کو مدینہ کیجئے۔

آسی:

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے   آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بےادبی ہے

کوثر نیازی:

لے سانس بھی آہستہ کہ دربار نبی ہے   خطرہ ہے بہت یہاں بے ادبی کا

بیکل اتساہی:

یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسن ایماں ہے   مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

ایک حقیقت شناس:

کافر ہے وہ بدبخت جو اس کو کہے دل   جس دل میں نہ ہوالفت سرکار مدینہ

ایک اور مداح رسول:

طریق مصطفیٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی   اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی
ہمیں کرنی ہے شہنشاہ بطحہ کی رضا جوئی   وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی

المختصر:

منشا یہی ہے سلسلۂ قیل وقال کی ہوتی رہے ثنا تیرے حسن وجمال کی
ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے اس کی زلفوں کے سبھی اسیر ہوئے

انہیں کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے رات ا ن کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

عاشقِ عاشقانِ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

☆ چیئرمین کرناٹک اردو اکیڈمی بنگلور، حکومت کرناٹک، انڈیا
Mob. 9448063144

☆☆☆

پروفیسر سید سجاد حسین (بنگلور)

ریاست تمل ناڈو کے نمائندہ نامی گرامی نعت گو شعراء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلام پاک کے ذریعہ بیان کی اور خود اس نے اپنے حبیب کی مدحت کی ذمہ داری لی اور اسی نے پہلے پہل، "وَرَفَعنَالَكَ ذِكرَك،سَنُقرِئك فَلَاتنسى، من يطعِ الرسول فقد اطاع اللّٰه" جیسی آیات مقدسات سے حضور اکرم کی تعریف بیان کی ہے۔لہٰذا یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اس پوری کائنات میں سب سے پہلا نعت گو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کبریائی ہے۔

کلام اللہ کے بعد نعت گوئی کی ابتدا کا شرف عربی شعراء کو حاصل ہوا۔حضور کے زمانے میں اور حضور کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور قیامت تک جاری رہے گا۔نعت گوئی کی یہ صنف عربی شاعری سے ہوتے ہوئے ایران پہنچی جہاں فارسی شعراء نے اس صنف میں اپنی والہانہ عقیدت اور وارفتگی کا بڑھ چڑھ کر ثبوت پیش کیا۔فارسی شعراء کا یہ عالم تھا کہ وہ عربی زبان میں بھی اپنے کمال شاعری کا مظاہرہ کرتے تھے۔فارسی کے مشہور شاعر وادیب شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق رباعی عربی زبان میں ہی کہی تھی:

بَلَغَ العُلٰی بِكَمَالِه   كَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِه
حَسُنَتْ جَمِيعُ خِصَالِه   صَلُّوا عَلَيْهِ وَاٰلِهِ

فارسی کے شہرہ آفاق شاعر حافظ شیرازی کی مشہور زمانہ رباعی کے تین مصرے عربی میں اور ایک مصرع فارسی میں ہے۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشر   من و جهك المنير لقد نورالقمر
لايمكن الثناء كما كان حقه   بعد از خدا بزرگ توی قصہ مختصر

اردو میں نعت گوئی کا فن فارسی شاعری کی دین ہے۔اردو شاعری میں نعت نگاری سب سے پہلے دکن میں شروع ہوئی اور غزل کے رنگ میں نعت شریف کہنے والا پہلا شاعر محمد قلی قطب شاہ ہے۔

مگر قلی قطب شاہ سے بھی پہلے نظامی بیدری نے نعتیہ اشعار کہے ہیں۔لیکن یہ اشعار اپنی مثنوی کی ابتدا میں بطور عقیدت اور تبرک پیش کئے ہیں۔

اصطلاح شاعری میں نعت ایسے موزوں کلام کو کہتے ہیں جس میں آقائے نامدار سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف باخلاص نیت کی گئی ہو۔نعت رسول ایک صنف سخن ہی نہیں بلکہ راہ سعادت بھی ہے اور عبادت بھی۔بقول حیات مدراسی:

نعت کو عشق کی ضرورت ہے　　نعت کہنا بڑی سعادت ہے
با وضو ہو کے نعت کہہ لینا　　نعت گوئی کی یہ طریقت ہے

نعت گوئی کے لئے جب تک فضل خداوندی اور لطف حبیب خدا نہ ہو نعت کا ایک شعر تو کجا آدھ مصرح بھی کہنے کی توفیق نہ ہوگی۔شعرائے کرام اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور ان کے فضائل وشمائل کا نہایت ادب واحترم سے ذکر کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اپنے صغیرہ وکبیرہ گناہوں کے لئے شفاعت طلب کرتے ہیں نعت کے لئے کوئی خاص ہئیت مقرر نہیں تقریباً ہر شعری صنف میں شاعروں نے نعت کہی ہے۔

عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور دراصل ہمارے ذہنوں میں میلا دناموں اور میلا دخوانوں کا دیا ہوا ہے۔حالی اور اقبال نے اس کو وہاں سے نکال کر مذہب وملت کے اعلیٰ اقدار وروایات کو سمجھنے،اُس پر عمل کرنے اور اسکو رواج دینے کا حوصلہ بخشا۔خدا اور رسول کے احکام کی اتباع اور اس پر عمل کرنے کی توفیق کلیتہ اللہ کی دین ہے لیکن ان اوامر اور نواہی کو بتانا اور دل نشین کر دینا ان برگزیدہ شعراء کے حصے میں آیا جن کے حروف شیریں کی طرف اقبال نے اپنے بے مثل پیرائیہ بیان میں اشارہ کیا ہے:

محمد بھی ترا جبرئیل بھی ترا قرآن بھی تیرا　　مگر یہ حرف شیریں ترجمان تیرا ہے یا میرا

لہٰذا نعت گوئی وہ عظیم شاعری ہے جو بقول ڈاکٹر سید حامد حسین گہری ارادت اور عقیدت کے تاثرات سے تحریک پاتی ہے۔اس میدان میں شاعر نہ تو اپنی فکر کو بے لگام چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی موضوع سخن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے اسی لئے اچھی نعتیہ شاعری غزل کی روایتی شاعری سے کہیں مشکل ہے۔یہی وجہ ہے کہ اچھے غزل گو شعراء کی ایک لمبی فہرست ہے جب کہ اچھے نعت گو شعراء کے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔صوبۂ تمل ناڈو میں اردو شاعری کی روایت اور تاریخ خاصی پرانی ہے۔حضرت قربؔی ویلوری، حضرت ذوقؔی ویلوری،مولانا باقر آگاہ حضرت لطیف آرکاٹی اور حضرت ولی ویلوری اس صوبے کے متقدمین شعراء میں اہم مقام کے حامل ہیں اور اپنی ایک علاحدہ

شناخت بھی رکھتے ہیں۔ ان شعراء نے اردو شاعری کی روایت کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ سرزمین تملناڈو میں اس کی بنیادوں کو مستحکم بھی بنایا۔ ان شعراء کا کلام بیشتر غزل قصیدہ، مثنوی، رباعی اور تاریخ گوئی پر مشتمل ہے۔ نعتیہ کلام کے جو چیدہ چیدہ نمونے ان شعراء کے دواوین میں مل جاتے ہیں ان کو پڑھنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ نعت گوئی کو انہوں نے فنی اظہار کے لئے نہیں بلکہ شان اقدس میں عقیدت مندی کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنی سعادت اور نجات کا ذریعہ سمجھا۔

والا جاہی خاندان کے چشم و چراغ اور تاجدار سلطنت نواب غلام غوث خان کے عہد میں لسان الحکمت نواب شاطر مدراسی، مولانا تجمل حسین ایمانؔ گوپاموی اور پرتو مدراس کے یہاں نعتیہ شاعری کے نمونے ہمیں مل جاتے ہیں جو نہایت عقیدت و عزیمت اور روایتی انداز سخن کی غمازی کرتے ہیں۔ ان شعراء نے نعتیہ کلام کی صورت میں باضابطہ طور پر اپنا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں کیا۔ البتہ غزل گو شعراء کی ایک طویل فہرست مل جاتی ہے۔ جس میں تقریباً تمام شاعروں نے از راہ عقیدت و سعادت نعت گوئی میں تبرکاً اور عقیدتاً طبع آزمائی کی ہے۔ ایسے ہی شعراء میں امیر الشعراء نواب منور گوہر، علامہ شاکر نائطی شاکر وانمباڑوی، علامہ محوی صدیقی، حضرت شاداں وشارمی، حضرت نور مدراسی، حضرت عباس علی عباس، افسر الشعراء بے خود مدراسی، حضرت ابوالبرکات انور مدراسی، حضرت جلال کڑپوی، پروفیسر حیدر علی خان حیدر، پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدی، جناب آثم کرنولی، حیرت القادری، اعظم الشعراء حضرت عادل مدراسی، پروفیسر محبوب پاشاہ محبوبؔ اور قلندر دکن حضرت کاوش بدری خاص طور پر قابل ہیں۔

جناب عادل مدراسی نے ''ریاض عقیدت'' کے نام سے اپنا شعری مجموعہ 1984ء میں شائع کیا۔ اس مجموعہ میں چونکہ نعتیہ کلام کے علاوہ مناقب المعصومین، سلام، اخلاقی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں اس لئے حضرت عادل کے اس مجموعے کو خالص نعتیہ کلام کا مجموعہ قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ اس کے باوصف ان کے اس مجموعے میں شامل نعتیہ کلام معیار و مقدار کے اعتبار سے اتنا تو قابل لحاظ ہے کہ کوئی بھی محقق حضرت عادل کی نعتیہ شاعری کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ حضرت عادل کا نعتیہ کلام غزل، مسدس، مخمس اور رباعی کی ہیئتوں میں ملتا ہے اور تقریباً ہر ہیئت میں انہوں نے نعت گوئی کے آداب اور اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ رباعی کی ہیئت میں حضرت عادل کا نعتیہ رنگ دیکھئے:

جب ظہور رحمتِ عالم ہوا — کیا کہوں دنیا کا کیا عالم ہوا
کھِل اٹھی فرطِ مسرت سے زمیں — آسماں جوشِ ادب سے خم ہوا

مسدس کی ہیئت میں یہ بند ملاحظہ کیجئے:

حضور ہی کی عنایت کا ہے یہ سب اعجاز　　بدل گئے جو زمانے کے طور اور انداز
درندہ خو جو تھے آپس میں ہوگئے دمساز　　جس پست سے بھی تھے پست آج ہیں بہت ممتاز

☆

ترقی علم کی حکمت کی روز افزوں ہے　　جو مبتلائے جہالت ہے اب وہ مجنوں ہے

غزل کی ہیئت میں یہ اشعار دیکھئے:

دیکھے جو نظر بھر کے کہاں تابِ نظر ہے　　ہے نورِ خدا میرا نبی مشکل بشر میں
الٹے جو نقابِ رخِ پرُ نور محمد　　ہوجائے شب تار بھی تبدیل سحر میں
معراج میں کہتے تھے ملک دیکھ کے شہہ کو　　آئی نہ ضیا ایسی نظیر شمس و قمر میں

خالص نعتیہ کلام کو ترتیب دے کر شائع کرنے والے شعراء کی فہرست انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ شریف مدراسی نے اپنے نعتیہ کلام کو کتابچہ کی صورت میں شائع کیا۔ دانش فرازی ایک طویل نظم ''محسن اعظم'' لکھ کر نعت گو شعراء کے زمرے سے وابستہ ہو گئے عبداللہ شرقی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ نعت گوئی کے میدان میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ''رحمت للعالمین'' فرید مدراسی کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔ سہیل راشد کا مجموعہ ''منزل نما'' نعتیہ شاعری کی منزل کے تعین میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے حضرت یعقوب اسلم نے ''رسول عربی'' کو شائع کر کے نعت گو شاعر ہونے کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔ راہی فدائی کا ''مصداق'' نعت اور جدید نظموں پر مشتمل شعری مجموعہ ہے۔ تملناڈو میں نعت گو شعراء کے اس عمومی تذکرے کے بعد اب میں یہاں کے چند نامی گرامی نعت گو شعراء پر اظہار خیال کرنا چاہوں گا۔

شریف مدراسی کا شمار ٹملناڈو کے صف اول کے شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ شریف الشعراء کے خطاب سے نوازے گئے اور شہر استاد کی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے آپ کے عہد میں تقریباً ہر چھوٹا بڑا شاعر آپ کی شاعرانہ عظمت کا معترف رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شریف مدراسی کو اپنے عہد میں وہی مقام حاصل تھا جو غالب کو اپنے دور میں حاصل رہا۔

حضرت شریف مدراسی نے تقریباً اردو شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ نعت گوئی میں بھی آپ نے اپنے سچے اور پرنور عقیدے کے ذریعہ ایک دور کو متاثر کیا ہے اپنے دور کے قارئین میں شریف مدراسی نے خواتین کو بھی اپنے نعتیہ کلام سے بہرور کیا ہے۔ چونکہ آپ کا مقصد خواتین کی ذہنی تربیت کرنا تھا اس لئے آپ نے سیدھے سادے عام فہم انداز میں حضور کی ولادت سے لیکر وفات تک کے جملہ واقعات کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ اس نظم میں تاثیر کی شدت اور عقیدت کی فراوانی کو بھی

محسوس کیا جاسکتا ہے۔وہ کہتے ہیں:

اے چشم! ابر تر کی طرح اشکبار ہو　　اے خامہ میری آنکھوں کے مانند زار ہو
ہاں اے زباں تو مثلِ قلم دل فگار ہو　　نزدیک ہے کہ حشر میں تو آشکار ہو

☆

ہلتا ہے عرش، ارض و سماں تھرتھراتے ہیں　　دنیا سے آج احمد مختار جاتے ہیں
ہاں مومنو نبی کا بیانِ وفات ہے　　آغازیاں سے ذکر شہ کائنات ہے
برپا ہے حشر منہ میں قیامت کی بات ہے　　واللہ آج دن مری نظروں میں رات ہے

نواب امتہ الحیٔ مبشر النساء بیگم حیاؔ حضرت مولانا ایمانؔ گوپاموی کی دختر اور نواب غلام محمد علی خان پرنس آف آرکاٹ کی زوجہ محترمہ تھیں۔آپ 1886ء میں مدراس میں پیدا ہوئیں۔ٹملناڈو کی یہ واحد نعت گو شاعرہ ہے جس نے اپنی نعتوں کا مجموعہ ترتیب دیکر شائع کیا ہے۔بیگم حیاؔ حضرت ایمان جیسے بزرگ عالم و فاضل کی نورنظر تھیں جن سے آبائی علمیت ورثہ میں پانے کی سعادت ایک طرف حاصل ہوئی تو دوسری طرف خاندان والا جاہی میں بہو بن کر زندگی گزارنے کے مواقع بھی انہیں نصیب ہوئے۔اس لطف و کرم کی بدولت ان میں علمی وجاہت وتمکنت کے ساتھ لطافت وشائستگی بھی بدرجہ اتم پیدا ہوگئی تھی حیاؔ کو نعت گوئی سے اتنی رغبت پیدا ہوئی کہ انہوں نے اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اسی میدان میں انہیں بے انتہا شہرت ومقبولیت بھی نصیب ہوئی۔بیگم حیاؔ اپنے دور کی واحد شاعرہ تھیں جن کے پایہ کی کوئی اور قال قال ہی نظر آئی۔حیاؔ کی نعتیں نہ صرف دل کو چھوتی ہیں بلکہ روح میں سرایت کر کے ایک طرح کی روحانی فرحت اور تسکین پیدا کرتی ہیں۔فنی اعتبار سے بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔آپ کی نعتوں کا مطالعہ کرتے وقت سب سے پہلے جو چیز متاثر کرتی ہے وہ ان کا جذبۂ ایمانی ہے اور یہی جذبۂ ایمانی اور حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کلام میں موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔وہ کہتی ہیں:

روز و شب نظارۂ گنبد کروں　　جھوم کر اطراف روضے کے پھروں
گریہ و زاری کروں آہیں بھروں　　آپ کے در پر ہی میں پڑ کر مروں

ان کی نعتوں کے چند مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

حیا کی زباں پر یہ دن رات ہے　　الٰہی شفیع الوریٰ پر درود

☆

اے شاہ دین والا حسب طاقت نہیں فرقت کی اب
ہو اس طرف بھی اک نظر یا سیدی خیر البشر

غرض حیا کی نعتوں میں بے پناہ وارفتگی اور عقیدت کی ترجمانی دونوں گھل مل کر اظہار کو نئی توانائی اور تابندگی عطا کر دیتے ہیں۔

دانش فرازی کا نام صوبہ ٹملناڈو کی ادبی تاریخ میں ایک مہر فروزاں ہے جس کی تابندگی سے بہت سارے چھوٹے بڑے ادیب وشاعر آج بھی اکتساب نور کر رہے ہیں۔ ''محسن اعظم'' حضرت دانش فرازی کی ایک مختصر اور جامع نظم ہے جو حضور پر نور کی حیات طیبہ نیز آپ کی بعثت سے پہلے کے واقعات کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ آپ کی یہ نظم تین شعروں پر مبنی بندوں پر مشتمل ہے جو مسدس سے قریب تو ہے لیکن اسے مسدس اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اس کا ہر بند کا پہلا مصرعہ قافیہ بردار نہیں ہے۔

اس نظم میں خالص نعت کی خصوصیت کے پانچ بند ''ظہور ناموس اکبر'' کے عنوان سے باندھے گئے ہیں جن میں حضرت دانش کا انداز بڑا نکھرا، شستہ اور دل پذیر ہے۔ نظم کے دو ایک بند ملاحظہ کیجئے اور حضرت دانش کے طرز تخلیل اور اسلوب بیان کی داد دیجئے:

نا گہاں ظاہر ہوا وہ پیکر نور ابد جس کو کہتی ہے زبانِ شوق جبرئیل امیں
سامنے اک اجنبی ہستی کا چہرہ دیکھ کر کپکپا اٹھا نئے احساس سے قلب حزیں
آنے والے نے کہا پڑھ مہبط حق نے کہا
میں وہ امّی ہوں کہ کوئی چیز پڑھ سکتا نہیں

یہ تھا آغاز نزول وحئ ربِ لا یزال
تھا محمد کے لئے اللہ کا پہلا نام عمر تھی اس وقت شاہِ دین کی چالیس سال
منتخب بہر نبوت ہوگئے خیرالانام جگمگاتا مسکراتا نور برساتا ہوا
آخرش نکلا حرا کے غار سے ماہِ تمام

اس پوری نظم میں حضرت دانش نے کسی قسم کی ذہنی کاوش کو جگہ نہیں دی ہے جو بھی کہنا تھا انہوں نے واقعات کی روشنی میں بڑی خوش اسلوبی اور عقیدت کے ساتھ کہہ دیا ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت دانش کی یہ منظوم تخلیق اپنا جواب نہیں رکھتی شروع سے آخر تک آپ کا اسلوب اور طریقہ اظہار عظیم ترین فنی معیار کا حامل ہے۔ دانش فرازی کی کی نظم ''محسن اعظم'' کو پڑھ کر ماہ نامہ ''نگار'' کے مدیر مولانا نیاز فتح پوری اور ماہ نامہ ''فن کار'' کے مدیر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نے کہا تھا کہ دانش فرازی کی فکر میں علامہ اقبال نے دوبارہ جنم لیا ہے۔ اس سے بڑا اخراج تحسین حضرت دانش کے لئے اور کیا ہوسکتا ہے۔

ہم عصر شعر وادب میں حضرت علیم صبا نویدی ایک معتبر نام ہے علیم صبا نویدی جو شعر وادب کو جدید پیرایہ بیان اور نت نئے تجربات سے ہم کنار کرنے کا قائل ہے اس نے اپنی شاعری کو آفاقیت کی حدوں تک پہنچانے کے لئے نعت گوئی کو اپنی فکر و آہنگ کا محور بنایا اور چند ہی برسوں کے اندر یکے بعد دیگرے کئی نعتیہ شاعری کے مجموعے شائع کر دئے جن میں ''ترسیلے'' نظموں اور نعتیہ ہائیکو کا مجموعہ مطبوعہ 1986ء ''شعاع مشرق'' خالص نعتیہ ہائیکو نظموں کا مجموعہ 1987ء ''مراۃ النور'' نعتیہ کلام کا مجموعہ 1988ء ''نور السلموات'' اردو ادب میں نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ مطبوعہ 1990ء اور ''ن'' نعتیہ کلام کا مجموعہ مطبوعہ 1990ء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علیم صبا نویدی کا شماران معدود چند شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی نعتیہ شاعری کے پے در پے مجموعے شائع کر کے ایک نعت گو شاعر کی حیثیت سے اپنا مقام شعر وادب کی دنیا میں تسلیم کروالیا ہے۔ اپنی سنجیدگی فکر، پاکیزگی خیال، تنوع پسند طبیعت اور تازہ کار اسلوب سے نعت جیسی انتہائی مشکل اور معظم صنف میں بھی اس طوطی سخن نے اپنی آواز کی شناخت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ''ترسیلے'' علیم صبا کے جدید انداز کی نعتوں پر مشتمل مجموعہ ہے جو قدیم جاپانی صنف شاعری ہائیکو کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے اس مجموعہ میں دو قسم کی ہائیکو نظمیں شامل ہیں (۱) پابند ہائیکو (۲) نثری ہائیکو۔ اردو میں صنف ہائیکو کو پہلی بار صبا نویدی نے نعت گوئی کے مقدس اظہار سے مالا مال کیا۔

''شعاع شرق'' ''ترسیلے'' ہی کی ترقیافتہ شکل ہے اس میں تقریباً سارے کے سارے پابند ہائیکو شامل ہیں۔ ''ترسیلے'' اور ''شعاع شرق'' میں شامل نعتوں میں شاعر اپنی جودت طبع سے اظہار کے نئے پیکر تراشتا اور ان کو اپنی مجتہدانہ کوششوں سے ایک نیا رنگ وروپ عطا کرتا ہے بالفاظ دیگر علیم صبا کے یہاں نعت کے مضامین جدت کی عبا اوڑھے ہوئے پورے تصدق کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

(۱)

آپ کے ذکر میں قلم کا سر جھک گیا بصد عقیدت سے
اور الفاظ ہو گئے ہیں گہر

(۲)

وہ ایک منبع علم و فن کا جلوس ہے ارض و سما کی نگاہوں کا نور
سراپا تجلی سراپا خلوص

(۳)

آپ ہی آپ اوّل و آخر آپ کا فیض روزِ محشر تک
آپ کا نور ساتوں عالم پر

(۴)

وہ خیر البشر ہے وہ خیر الامم جمالِ شعور زمیں آسماں
وہ ہے سب دھڑکتے دلوں کا بھرم

1990ء میں علیم صبا نویدی نے اردو زبان وادب میں نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ ''نور السمٰوات'' کے زیرِعنوان شائع کر کے سانیٹ کی ہئیت میں نعت کے موضوع کو نئے اسالیب میں ڈھالنے کا سہرا بھی اپنے ہی سر باندھا ہے۔ اپنے عہد کے پیرایہ اظہار کو نعتیہ مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں جو سرعت و رفتار صبا نویدی نے دکھائی ہے اس کے پیش نظر علی جواد زیدی کہتے ہیں۔ ''علیم صبا نویدی ہمارے بے انتہا فعّال اور توانا فن کار ہیں وہ جنوب میں نئی شناختوں کے پرچم لہرا رہے ہیں اور ہماری غیر مقیّد حدود کو ان وسعتوں سے آشنا کر رہے ہیں جو ٹملناڈو کی پیدا کردہ ہیں''۔

اور ڈاکٹر حفیظ اللہ نیول پوری علیم کی خلاّقانہ صلاحیتوں اور نئی تخلیقی فعالیت سے متاثر ہو کر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''علیم صبا نویدی کی ندرت تخیل اور تخلیقی سفر میں رکاوٹ اور تھکاوٹ کا شائبہ نہیں۔ جنوب کے اس مجذوب شاعر کو میں کھلی دھوپ کا مسافر کہتا ہوں جو کسی سایہ شجر کا مرہون منت نہیں ہے۔ سفر اور مدام سفر کا قائل ہے''۔

''نور السمٰوات'' کی نعتیہ سانیٹوں میں علیم صبا نویدی نے اپنے تخلیقی جوہر اور فن کارانہ صلاحیتوں کو بڑی خوبی سے نبھایا ہے۔ ان کی خلاّقانہ ذہنیت اور فن کارانہ تخیل کے باوجود اس کا عقیدت مند دل سراپا نیاز بن کر خاصۂ خاصان رسل کی مدحت سرائی میں اپنی بیکراں وارفتگی کے سبب گہری محویت اختیار کر لیتا ہے۔ نعتیہ سانیٹ سے ماخوذ چیدہ چیدہ اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے:

مرے فکروفن کا ہے روشن ضمیر مرے حوصلوں کی ہے اونچی اڑان
ہے پاکیزہ سب سے مری آن بان میں دربار احمد کا ہوں اک فقیر
فقیری پر اپنی مجھے ناز ہے نرالا مرا شاہی انداز ہے

☆

شہنشاہ دین کا یہ فیضان ہے		یہ سانسوں کی دھڑکن لہو کا سفر
یہ ہونٹوں کی جنبش بیاں کے گہر		محمد کا ہر شئے پر احسان ہے
محمد نہ ہوتے تو ہوتے نہ ہم		نہ اظہار ہوتا نہ نقش قلم

بلا شبہ علیم صبا کا نعتیہ کلام ہمارے لئے عہد حاضر کا ایک ایسا مقدس سرچشمہ ہے جس سے ملت اسلامیہ کے اندر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت مندی اور وارفتگی کا جذبہ بیدار ہو سکتا ہے اور اسی جذبے سے سرشار ہو کر ملت اسلامیہ کا ہر فرد علیم کی طرح دین و دنیا میں ایک خوش نصیب اُمتی بن سکتا ہے:

سچ مچ صبا نویدی وہ خوش بخت ہیں بہت		خوابوں میں جن کی روشنیٔ دل ہے آپ کی

اس مقالے کے اختتام پر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ میرا یہ مقالہ اس موضوع پر حرف آخر نہیں ہے۔ اس میں مزید پھیلاؤ کی گنجائش ہے اور یہ کمی انشاء اللہ اگلے مقالے میں پوری کی جائے گی۔

☆ شعبۂ اردو، بنگلور یونیورسٹی، بنگلور
موبائل : 9841254068

☆☆☆

ڈاکٹر محمد آصف (امراوتی، مہاراشٹرا)

عثمانی سلاطین کی نعتیہ شاعری

چھٹی صدی عیسوی میں گوک ترکوں نے وسطی ایشیا میں ایک سلطنت قائم کر لی تھی جو سائبریا سے بیکل جھیل تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس سے سیاسی سطح پر ایک طرف چین کو تو دوسری طرف ساسانی حکمرانوں کو خطرہ لاحق تھا، حتیٰ کہ انہوں نے ساسانی حکمران خسرو انوشیروا کے خلاف بازنطینیوں کے ساتھ اتحاد کی تجویز بھی رکھی تھی۔ یہ 581ء میں مغربی ترک اور مشرقی ترک ان دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ان حالات میں یہاں اسلام داخل ہوتا ہے اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ عباسی اور اموی خلافت میں اسے مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ نویں صدی میں مشرقی ترکستان میں ایغور زافق ترک پر نمودار ہوتے ہیں۔ سامانیوں کے عہد میں ٹرانسوژیانا مکمل طور پر اسلام کے دامن میں سما جاتا ہے۔ 838ء میں شاش، اسفیجاب اور دریائے ساتر کے شمالی علاقوں کے رہائشی حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔ 961ء میں قارلوق۔ ایغوز اور مغربی ترک کے تقریباً دو لاکھ افراد اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری یعنی دسویں صدی عیسوی میں کاشغر اور بالا ساعو کا میں اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں تمام ترکی اسلام کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اس دوران یہاں تصوف بھی پروان چڑھتا ہے اور صوفیائے کرام اسلام کی تبلیغ اور تزکیہ کی نمایاں خدمات انجام دیتے ہیں جس کے لیے وہ شاعری کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ صوفیائے کرام لوگوں کو محبت، اخوت۔ رواداری، سماجی ہم آہنگی کا درس دیتے ہیں اور اس کے لیے تعلیمات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہارا لیتے ہیں۔ یہاں صوفیاء لوگوں کو عشق رسول کے جام پلاتے ہیں اور لوگ عشق رسول میں سرشار ہو جاتے ہیں، نتیجہ میں یہاں نغمات حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گونج بڑے پیمانے پر سنائی دیتی ہے۔ نعتیہ شاعری پر تبصرہ ہم دبستان نعت شمارہ نمبر آٹھ (۸) میں کر چکے ہیں۔ یہاں مقصود عثمانی سلاطین کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے گفتگو مقصود ہے۔ اس سے قبل ایک نظر سلطنت عثمانیہ پر ڈالتے ہیں۔

سلطنت عثمانیہ کا تعارف

عثمانی سلطنت دنیا کی وسیع و عریض اور لمبے عرصے تک قائم رہنے والی سلطنت تھی جو جنوب مشرقی یورپ، مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ پر مشتمل تھی۔ یہ سلطنت چودہویں صدی سے ۱۹۲۲ء تک باقی رہی۔ اس کی بنیاد ۱۲۹۹ء میں مسلم ترک نے اناطولیہ میں رکھی۔ اس سلطنت کے بنیاد گزار عثمان خان اوّل تھے جو قبیلے کے سردار تھے۔ انہیں کے نام کی نسبت سے یہ سلطنت عثمانیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ عثمان کے والد ارطغرل تھے۔ ارطغرل جب اپنے قبیلے کے ساتھ ہجرت کر رہے تھے راستے میں انہوں نے دیکھا کہ دو فریق میں جنگ ہو رہی ہے۔ انہوں نے کمزور فریق کی مدد کی۔ ان کے تعاون سے ناتواں فریق غالب آ گیا۔ ارطغرل نے جس فریق کو کمک پہنچائی تھی وہ سلطان علاوالدین کیقباد کی فوج تھی اور جس فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا وہ تاتاری تھے۔ اس کے صلے میں سلطان نے انہیں دریائے سکاریہ کے کنارے رومی سرحد کے قرب میں جاگیر عطا کر دی۔ انہیں اس علاقے کا سپہ سالار بھی مقرر کر دیا۔ یہ عثمانیوں کے ترقی کا پہلا پڑاو تھا۔ ارطغرل کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا عثمان قبیلے کا سردار بنا اور اس نے مسلسل علاقے فتح کیے۔ علاوالدین کے انتقال کے بعد عثمان نے ۱۲۹۹ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور عثمانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس سلطنت میں بایزید یلدرم، سلطان محمد فاتح اور سلیمان اعظم جیسے عظیم سلطان پیدا ہوئے۔ یہ سلطنت تیز رفتاری کے ساتھ پھیلتی چلی گئی۔ پندرہویں صدی میں اسے بے پناہ طاقت و قوت حاصل ہوگئی۔ سولہویں صدی میں جب سلیم کی حکومت تھی خلیفہ متوکل علی اللہ ثالث نے تبرکات اور خلافت کے نشان اس کے سپرد کر دیے۔ اس وقت سے خلافت ترکوں کو حاصل ہوگئی۔ سترہویں صدی میں اس کی حدود وسیع تر ہوگئیں۔ عثمانیہ سلطنت میں مطلق العنانیت اور آئینی مونارکی کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ اپنی بہترین لچکدار معاشی پالیسی کے لیے جانی جاتی ہے، اس نے اسے عصر جدید تک استحکام بخشا۔ یہ سلطنت اپنی بے شمار خوبیوں اور خاص طور اسلام پسند ہونے کی وجہ سے ہمیشہ مغرب کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔ اس کی ابتدا ہی سے مغرب نے اس میں بگاڑ پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ ۱۸۳۹ء میں محمود دوم کے انتقال تک اس سلطنت میں بدامنی پھیلا دی گئی۔ ۱۹۲۲ء میں اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

ترکی میں شاعری اور عثمانی سلاطین کا شعر و سخن سے شغف:

ترکی میں ترکی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے اور یہاں کی دفتری زبان بھی ہے۔ مصر اور ایران میں بھی ترکی بولنے والے پائے جاتے ہیں۔ ترکی زبان ان علاقوں کے علاوہ دریائے دنیوب سے نیل

تک اور قسطنطنیہ سے چین تک معروف ہے۔عالمی سطح پر جن زبانوں کی شناخت اسلامی یا مسلمانوں کی زبان کے طور پر ہے ان میں سے ایک ترکی زبان بھی ہے۔ترکی عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی بعد میں یعنی خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد جو بڑی تبدیلیاں ترکی میں رونما ہوئیں ان میں تبدیلی رسم الخط بھی ہے۔اب ترکی رومن رسم الخط میں تحریر کی جاتی ہے۔

ترکوں کی تہذیب میں قبولیت اسلام سے قبل بھی شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔شعراء اپنے ساتھ ساز رکھا کرتے تھے۔ایک مقام سے دوسرے مقام پر ہجرت کرتے رہتے۔قبل از اسلام شعراء مختصر بحریں استعمال کرتے تھے:

> "The Turks possessed a literature even before the conquest of Constantinapole, and they have always had the greatest respect for learning and admiration for literatrature."

فتح قسطنطنیہ سے قبل ہی ترک اپنا ادب رکھتے تھے، وہ ہمیشہ سے ادب کے مدح اور ادب سیکھنے کے خواہاں رہے ہیں، ترک ادب کا احترام کرتے رہے ہیں۔(۱)

> "Numerous Sultans did not think it beneath their dignity to become authors themselves and they delighted specially in the society of poets,historians and other literati."

متعدد سلاطین ادیب بننے میں قصر شان نہیں سمجھتے تھے، بلکہ شعراء، مورخین اور ادبا کی محافل سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔(۲)

حتیٰ کہ فاتح قسطنطنیہ خود شاعر تھا اور اپنی حدود سلطنت میں اور حدود سے باہر بھی ادب کی سرپرستی کرتا تھا۔کہا جاتا ہے کہ وہ تیس ترکی شعراء کو پنشن دیتا تھا۔ہندوستانی خواجہ جہان اور ایرانی جامی کو سالانہ ایک ہزار دکات بھیجتا تھا۔اس نے لاطینی اور یورپی عالمی شاہکاروں کا ترکی زبان میں ترجمہ بھی کروایا تھا۔سلطان اوّل کے زمانے سے ہی ترکی زبان میں تراجم کیے جانے لگے تھے۔ترک سلاطین ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔مراد دوم سے مراد چہارم تک تمام ۱۲ر سلاطین شاعری کرتے تھے۔(۳)

> " It may be therefore , justly be said that

the Ottoman Sultans have been the most
poetical Royal family in the World."

ہم کہہ سکتے ہیں کہ عثمانی سلاطین دنیا کے شاہی خاندانوں میں سب سے زیادہ شعروسخن کا ذوق رکھنے والے ہیں۔(۴)

عثمانی سلاطین نے نعتیہ شاعری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ان کی نعتیہ شاعری محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہار سے لبریز نظر آتی ہے۔

(نوٹ:-ترکی زبان عثمانی سلطنت کے خاتمے تک عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔بعد میں ترکی میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں،ان میں ایک بڑی تبدیلی ترکی کا رسم الخط ہے،جس نے عربی سے رومن رسم الخط اختیار کیا۔عثمانی سلاطین نے عربی رسم الخط ہی میں لکھا کیونکہ اس وقت یہ ہی مروّج تھا۔ لیکن ہمیں ان کی نعتیں رومن رسم الخط میں دستیاب ہوئی ہیں۔لہٰذا انہیں رومن رسم الخط میں ہی پیش کیا جارہا ہے۔ترکی میں رومن رسم الخط کے تلفظ میں تھوڑا سا فرق ہے جسے سمجھ لیتے ہیں۔''ش'' کے لیے S کا استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کے نیچے مختصر سی علامت ہوتی ہے۔ہم نے ایسے مقامات پر جہاں ''ش'' پڑھنا ہے S کے ساتھ قوسین میں H لکھ دیا ہے تا کہ قاری کو آسان ہو۔ترکی میں ''ج'' کے لیے C کا استعمال کیا جاتا ہے،یہاں بھی C کے ساتھ قوسین میں J لکھ دیا گیا ہے۔''خ'' کے لیے H کا استعمال ملتا ہے اور ''ح''،''ہ'' کے لیے بھی۔جہاں ''خ'' پڑھنا ہے وہاں H کے ساتھ قوسین میں K درج کردیا گیا ہے۔''چ'' کے لیے C کا استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے نیچے ایک مختصر سی علامت کھینچ دی جاتی ہے،ایسے مقامات پر CH تحریر کردیا گیا ہے۔سلطان عبدالحمید کی تحریر کردہ نعت عربی رسم الخط میں نیٹ کے ذریعے حاصل کی گئی اس لیے،صرف ایک نعت عربی رسم الخط میں ہے۔)

1-سلطان محمد الفاتح (۱۴۳۲ءتا۱۴۸۱ء)

سلطان محمد دوم الفاتح عثمانی سلطنت کے ساتویں سلطان تھے۔جو مراد دوم کے بیٹے تھے۔مراد دوم کے انتقال کے بعد ۲۲ رسال کی عمر میں سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی۔قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سے محمد الفاتح کے نام سے مشہور ہوئے۔انہیں الفاتح اور ابوالخیرات کے نام سے جانا جاتا ہے۔انھوں نے معاشی استحکام،فوجی نظم ونسق اور ریاستی انتظام کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے مسلسل جدوجہد کی۔ انہیں قرآن،سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شریعت سے گہرا شغف تھا۔جس کے نتیجے میں ان

میں عزم وشجاعت، ذہانت وفطانت، استقلال وحوصلہ، انصاف پسندی، منکسر المزاجی، سنجیدگی جیسی خوبیاں پیدا ہوگئیں تھی۔ وہ علوم دینی و دنیاوی سے کما حقہ واقف تھے۔ انہیں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں پر مکمل عبور رکھتے تھے۔(۵) وہ شاعر بھی تھے اور شاعری میں ان کا دیوان بھی شائع ہوا ہے۔ دیوان میں جابجا نعتیہ اشعار دیکھنے کو ملتے ہیں۔ دیوان کی پہلی غزل ہی نعت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

1. Yuzun meh-i 'id u ser-i zulfun s(h)eb-i Isra

Gamzen yed-i Musa leb-i la'lun dem-i Isa

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روئے انوار ہلال عید اور سرِ زلف شبِ اسریٰ ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابناک جھلک یدِ موسیٰ علیہ السلام اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لبِ لعل دمِ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

2. Bu husn-i (k)Hudayi ki (k)Huda safia virupdur

Mani-i c(j)ihan yazmadi tasvirune hem-ta

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف آپ کی ذات بابرکات کو خدا نے خدائی حسن سے نوازا ہے۔ جہانِ معنی ولفظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمک کی تصویر کشی کرنے سے قاصر ہیں۔

3. Alnun kamerine yuzun ayina mus(h)bih

Bunc(j)a goz ile gormedi bu charkh-i mualla

حالانکہ کائنات یا دنیائے آسمانی بے شمار آنکھوں سے عالم کا نظارہ کرتی ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھنویں مبارک کی طرح روشن چاند کی تابنا کی یا آپ کے چہرہ انور کی طرح مکمل چاند کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ چرخ معلیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کے دیدار سے قاصر ہے۔

4. S(h)ol c(j)am ki nus eylemis(h)em bezm-i gamunda

Bir sade hababidur anun kunbed-i (k)hidra

اس جہاں میں مجھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال میسر نہیں آیا۔ سو میں نے بزم غم میں ایک ایسا جام پیا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز ہے۔ یہ ایسی شراب ہے جس کے سامنے وسیع وعریض آسمان بھی ایک بلبلے کی مانند ہے۔

5. Avni seni medh eyledi chun tarz-i gazelde
Matla' dedi yuzune vu agzuna mu'amma

اونی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح طرز غزل میں کی ہے۔اس کا مطلع آپ کا روئے انور ہے اور دہن اقدس ' معمہ' یعنی غزل میں خیال ہے۔(۶)

2-سلطان دوم بایزید(۱۴۵۰ء تا ۱۵۱۲ء)

سلطان بایزید دوم ۱۴۵۰ء میں دیمیٹو کا پلیس میں پیدا ہوئے۔سلطان کی والدہ گلبہار خاتون تھیں۔وپ اماسہ میں سنجک گورنر بھی تھے،اسی دوران ان کے والد سلطان محمد فاتح کا انتقال ہو گیا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد وہ استنبول پہنچ کر تخت شاہی پر متمکن ہو جاتے ہیں۔انہیں شہزادہ سلطان جم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے،لیکن اس پر قابو پا لیتے ہیں۔۱۴۹۵ء تک انہیں جمشید اور مملوک سے نبرد آزما ہونا پڑا۔۱۴۹۵ء کے بعد باگ ڈور پوری طرح سے ان کے اختیار میں آ گئی۔بایزید علم پرور انسان تھے۔علماء وصوفیاء سے محبت کرتے تھے۔شعر وسخن کا شغف رکھتے تھے۔شاعری میں ''عدلی'' تخلص کرتے تھے۔انھوں نے نعتیہ شاعری میں بھی نام پیدا کیا تھا۔مثال کے لیے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

Naat-i S(h)erif

1. Muhammed-i Arabi kim Resul-i ekmeldir
Tekarrubiyle kamu enbiyadan efdaldir
2. kilan resullerin kaumineyd da'veti c(h)un
Nubuvetti ile bu ins u c(j)ana murseldir
3. Kim anl medh ede c(h)un medhidir onun Levlak
Defatir-i du c(j)ihan midhatinde muc(j)meldir
4. Adu-yi bi-basar ona mu(k)halif olsa ne tan
Sahihi edri gorurler s(h)lar ki ehveldir
5. Egerc(h)i (k)hatm idi Yusuf'ta husn-i i'c(j)azi
Bu husn-i hulku ile c(j)umlesinden ec(j)meldir
6. Eya mu'in-i bes(h)er rahm kl futadelere
S(h)efa'at ayeti s(h)aninda c(h)unku muzeldir

7 Kapun gedasi durur Adli ani reddetme
K'ona muhabbet-i alim delil-i a'deldir

۱- رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول کامل ہیں، افضل الانبیاء ہیں۔
۲- اقوام عالم کے لیے انبیائے کرام دعائے کرتے رہے اس لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعائے انبیاء ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم کی نبوت کے طفیل ہی انسانی زندگی کو ہدایت ملی۔
۳- ہرکوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توصیف بیان کرتا ہے۔ عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثناوستائش کامل ومکمل طور پر کی جاتی رہی ہے۔
۴- اگرکوربصران کی مخالفت کریں گےتو انہیں سیدھی بھی کج نظر آئے گی۔
۵- اگرچہ یوسف علیہ السلام حسن میں کمال رکھتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن خلق میں تمام سے بڑھ کر ہیں۔
۶- یاالٰہی آیت شفاعت کے صدقے تمام انسانوں پر رحم فرما، کیونکہ یہ محفوظ ہے۔
۷- ''عدلی'' کو دور نہ کیجیے۔ اس کے دل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پناہ گزین ہیں۔

3-شہزادہ جم:

سلطان محمد فاتح کے دو بیٹے تھے۔ ایک بایزید ثانی اور دوسرا شہزادہ جم۔ محمد فاتح کے انتقال کے بعد دونوں بھائیوں میں مقابلہ ہوا جس میں جم نے شکست کھائی۔ اس کے بعد جم روڈس پہنچ گیا جب کہ اس کی بیوی بچے مصر میں زندگی گزارتے رہے۔ جم روڈس سے فرانس پہنچا۔ یہاں پر یورپی اسے استعمال کر کے عثمانیہ سلطنت میں خانہ جنگی کی آتش سلگانا چاہتے تھے۔ جم اس پر راضی نہیں ہوا اور پاپ ایلیگزنڈر بورجیا نے اسے زہر دے کر ماردیا۔ شہزادہ جم کی کہانی بڑی دردناک ہے۔ شہزادہ شاعری بھی کیا کرتا تھا۔ جم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وستائش میں بھی اشعار کہے ہیں۔

Der- Natt-i Nebi Sallallahu Aleyhi ve Sellem

1. Nasb olall c(j)ihan livasi Muhammedin
Eflake erdi s(h)eri nidasi Muhammedin

جبکہ عالم کو صدائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف بخشا گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز (پیغام) غالب آ گیا۔

2. (K)Halk olmaz idi alem u adem felek melek
Ger olmasayidi anda nzasi Muhammedin

اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ عالم، فلک اور ملک یعنی کل کائنات کچھ بھی نہ ہوتا۔

3. Fa(k)hr-I kiram zubde-i kevn u mekan iken

F(k)hr-I abadan idi kabasi Muhammedin

فخر عالم، زبدکون ومکاں، فخر کائنات محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

4. Kalmis(h)dl c(j)umle kufri zalaminda dallin

Hadi eris(h)di nuri ziyasi Muhammedi

نورضیائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظلمت کفر کو مٹا دیا۔

5. Bir nokta gibi daireye aldi fil mesel

Betul - Harami sahn-I safasi Muhammedin

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان صفا سے بیت الحرم مرکز بن گیا۔

6. Jeng olmus(h) idi ayine-i hak-numa veli

Saykl yetis(h)di lutfi c(j)ilasi Muhammedin

رخ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئینہ حق نما ہے۔ جو لطف جلا فراہم کر رہا ہے۔

7. S(h)ekl-i ginayi ayn-I ana anlayip mudam

Fak(h)r olmus(h) idi fa(k)h u ginasi Muhammedin

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فخر غنا ''فقر'' ہیں۔

4- یاوز سلطان سلیم (۱۴۷۰ء تا ۱۵۲۰ء)

یاوز سلطان سلیم کی پیدائش ۱۴۷۰ء میں ہوئی۔ ان کے والد بایزید ثانی ہیں۔ اپریل ۱۵۱۲ء میں وہ تخت شاہی پر اجمان ہوئے۔ ان کی حکومت آٹھ سال نو مہینے تک رہی۔ انھوں نے اناطولیہ کو صفوی خطرات سے محفوظ رکھا۔ ۱۵۱۴ء میں سلطان اسماعیل شاہ کے مقابلے میں 'چالدران' کی فتح حاصل کی۔ بعدہ مملوک سے مقابلہ کی پیش قدمی کی۔ اور مصر فتح کرلیا۔ ۲۱ ستمبر ۱۵۲۰ء کو ان انتقال ہوا۔ سلطان یاوز بھی علم پرور تھے۔ انھوں نے شاعری کی اور سلیم تخلص اختیار کیا۔ ان کے شعری فن پاروں میں نعتیہ اشعار کثرت سے ملتے ہیں:

اے جمال نور چشمہ اولیاء المدد اے معدن نورلہدیٰ

حق پائے طوطئی اصفیاء المدد اے معدن نورالہدیٰ

Kimse sensiz bulamaz Hakka vusul
Feyz-i lutfunla merd-i kabul
Rahemeten li'l-alemsin ya Rasul

المدد اے معدن نور الہدیٰ

۲۔حق تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیض ولطف ہی سے وہاں تک پہنچ سکتے ہیں:

رحمت اللعالمین یا رسول اللہ المدد اے معدن نورالہدیٰ

Eyledinbi-had c(j)urum ile c(j)erim
Oldum es(h)has-i heva ile nedim
Eyle isyanim s(h)efa'at ya Kerim

المدد اے معدن نور الہدیٰ

۳۔ میرے جرم و خطا بے حد و بے شمار ہیں۔میں اپنی لایعنی خواہشات پر نادم و شرمندہ ہوں۔اے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری شفاعت فرمائیں:

المدد اے معدن نورلہدیٰ

Ey kerem kan-i Resul-i Kibriya
Kemterindir bu Sekimi pur-(k)hata
Dergehindin iltic(j)a eler ata

المدد اے معدن نورالہدیٰ

۴۔اے کانِ کرم، رسول کبریاء۔ یہ سلیم کمترین پرخطا ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں التجا کرتا ہے اور عطا کا طالب ہے۔

المدد اے معدن نورلہدیٰ

5-سلطان سلیمان قانونی۔محبی (۱۴۹۴ء تا ۱۵۶۶ء)

محبی سلطان سلیمان ۱۴۹۴ء میں طرابزون میں پیدا ہوئے۔محبی کے والد یاوز سلیم اور والدہ حفصہ سلطان تھیں۔وہ ۱۵۲۰ء میں تخت نشین ہوئے۔اس وقت ان کی عمر ۲۶ رسال تھی۔وہ بارہویں عثمانی سلطان تھے ان کی حکومت ۴۶ رسال تک رہی اور ۱۵۶۶ء میں ختم ہوئی۔ان کے دور حکومت میں

حدود سلطنت میں مسلسل توسیع ہوتی رہی۔علوم وفنون، سائنس، تہذیب وتمدن، قانون اور مالیات عروج پر پہنچ گئے۔سلطان سلیمان ماہر جنگجو، منتظم اور ناظم تھا۔وہ خود شاعری کرتا تھا، 'محبیؔ' تخلص کرتا تھا۔اس نے غزلیں خوب کہیں۔نعتیہ شاعری میں بھی فن کا اظہار کیا:

Nur-i Alemsin Bugun Hem Dahi Mahbub - i Huda
Eyleme as(h)klarin bir lahza kapindan c(j)uda
Gitmesin nam-i s(h)erifin bu dilimden dem-be-dem
Dertli gonlume devadur c(j)an bulur ondan safa
Umaram her bir adin bas(h)ka s(h)efa'at eyleye
Ahmed u Mahmud Ebul- Kasim Muhammed Mustafa
Chunki denilidi ona ves(h)-S(h)ems dahi benzetsem nola
Bu libas u hay u tantana nedir dila
Egnine hil'at yeterken bir pelas u bir aba
C(j)urm u isyanim birundur gerchi hadden servera
Sen s(h)efa;at kanisin geldim sana s(h)efkat uma
Bu Muhibbi tovbe eyler tovbesin eyle kabul
Fitne-i s(h)etandan sakla ani ya Rabbena

۱- نور عالم آپ ہیں، محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔تمام عشّاق ایک لمحے میں در رسول تک پہنچ جائیں گے۔

۲- میری زبان صبح وشام آپ صلی اللہ تعالیٰ نعلیہ وسلم کے ذکر سے تر رہے۔یہی میرے دکھی دل کا مداوا ہے۔آپ کے ذکر سے زندگی اور صفا کا حصول ہوتا ہے۔

۳- مجھے امید ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر اسم شفاعت کرے گا۔احمد، محمود، ابوالقاسم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۴- چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو والشّمس اور والضحیٰ کہا گیا ہے تو پھر میں مہر وماہ سے تشبیہ کیوں نہ دوں۔

۵- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس حی نادار دلوں کے لیے زندگی کا سامان فراہم کرتا ہے۔بلکہ نادار دلوں کی زندگی ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبا مبارک سخاوت کے لیے کافی ہے۔

۶- میرے جرم وخطا حد سے سوا ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت فرمانے والے ہیں۔میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔شفاعت کی بھیک عطا فرمائیں۔

۷- آپ کا مجی توبہ کرتا ہے اس کی توبہ قبول فرمائیں۔اسے شیطان کے فتنوں سے محفوظ رکھ "یا ربنا۔"

6-سلطان احمد اوّل۔بختی (۱۵۹۰ءتا۱۶۱۶ء)

سلطان احمد اوّل ۱۵۹۰ء میں منیسا میں پیدا ہوئے۔ان کے والد سلطان محمد ثالث اور والدہ ہندان سلطان تھیں۔والد کے انتقال کے بعد ۱۶۰۳ء میں تخت نشین ہوئے اس وقت ان کی عمر صرف ۱۴ر سال تھی۔۱۳ر سال حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور ۱۶۱۶ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔انھیں سلطان احمد مسجد کے صحن میں دفن کیا گیا۔شاعری کا ذوق وشوق رکھتے تھے۔اپنے آباء کی طرح انہوں نے بھی نعتیہ شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔نعتیہ شاعری کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

Naat-i Resul

Ya Resulallah kamer alnun yuzundur afitab
Kim gore s(h)ekl-i c(j)emalun ola ali c(j)enab
Lutf edup dedi Huda chun rahmetenli'l-alemin
Na't-i pakunle dolu nazil olupdur dort kitab
Ol Resulun medhi ic(h)re tut-i guya olup
Sukker-i vasfiyla ya Rab kalbume ver feth-i bab
Ummet uzre saye saladan beru ol s(h)ah-i din
Sayesinde geldi rahmet gitdi a(k)hir istirab
Chun (k)hayal-i vaslun ile eglenur bu Ahmedi
Oldi bi-hus(h) fikr-i vasluna ana sachun gul-ab

۱- یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی پیشانی مبارک آفتاب ہے۔جس کسی نے بھی آپ کے روئے انور کا نظارہ کیا وہ عالی جناب ہے۔(کیونکہ آفتاب کا نظارہ کرنا یا اسے براہ راست دیکھنا ممکن نہیں ہے۔جس نے دیکھ لیا وہ یقیناً عالی جناب ہے۔)

۲- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین کہہ کر خدا نے لطف فرمایا ہے۔اور چاروں آسمانی کتابوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وستائش، باعث رحمت و برکت ہے۔تیرا شکر خدایا کہ میں وصف نبی بیان کر رہا ہوں۔میرے دل کے دروازے تو نے وا کر دیے۔

۴- شہنشاہ دیں کا شکر ہے کہ انھوں نے امت کو تمام برائیوں سے پاک کر دیا۔ رحمت آئی اور چلی گئی، یوں مصائب کا خاتمہ ہوا۔

۵- احمد کے تخیل میں خیال وصال یار ضوفگن ہے۔ یہ فکر وصال کامیابی کی ضامن ہے۔

7- سلطان احمد ثالث۔ نجیب (۱۶۷۳ء تا ۱۷۳۶ء)

سلطان احمد ثالث، سلطان محمد چہارم کا دوسرا بیٹا تھا۔ جو ۱۶۷۳ء میں پیدا ہوا۔ اس کی والدہ گل نوش سلطان تھیں۔ یہ بھی ایک مہذب سلطان تھا، جسے خطاطی، موسیقی اور شاعری سے گہرا شغف تھا۔ ۱۷۰۳ء میں اسے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس نے داخلی امن قائم کرنے کی کوشش کی۔ ۱۷۳۶ء تک اس کی حکومت قائم رہی۔ ۶۲ر برس کی عمر میں جولائی ۱۷۳۶ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

Naat-i S(h)erif

Zat-i pak-i Mustafaya as(h)igim
C(j)an ile Fa(k)hru'l- veraya as(h)ikim
Muksim-i feyz-i nevadur ol s(h)erif
Menba'- c(j)ud u ataya as(h)kim

Enbiyanin umdesi ser-defteri
Asfiynin kidvesi hem rehberi
Ka;inatin zubdesi vu mefhari
As(h)k ile bedrud-duc(j)aya as(h)kim

Es(h)iginde abd-i memluk ol mudam
Andann ozge yokdur a'la-yi meram
Saltanat budur Nec(j)iba bil tamam
S(h)imdi Zat-i Muc(j)tebaya as(h)kim

۱- میں ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عاشق ہوں۔ میں جان فخر الوریٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عاشق ہوں۔ مقسم فیض نوادر و شرف، منبع جود و عطا کا عاشق ہوں۔

۲- افضل الانبیاء فی دفتر الانبیاء، رہبر اصفیاء، روح کائنات، عظمت کائنات، شان کائنات۔ میں ان کے عشق میں مبتلا ہوں۔

۳- ہمیشہ ان کے غلام بنا رہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی شئے نہیں۔ آپ کی سلطنت سرتا سر عظمت و شان والی ہے۔ سلطنت نجابت کے شہنشاہ۔ میں ذات مجتبیٰ کا عاشق ہوں۔

8-سلطان سلیم ثالث۔ سلیمی (۱۷۶۱ءتا۱۸۰۸ء)

۲۸/ویں عثمانی سلطان سلیم ثالث ۱۷۶۱ء میں استنبول میں پیدا ہوئے۔ ۱۷۸۹ء تخت نشین ہوئے جبکہ سلطنت مشکلات دوچار تھی۔ سلطان کو اندرونی و بیرونی مسائل کا سامنا تھا۔ ایسے ماحول میں انھوں نے اپنے آپ کو فنکارانہ ماحول میں مشغول کر کے فرار اختیار کرنے کی کوشش کی۔ وہ ماہر شاعر اور موسیقی کار کے طور پر ابھرے۔ یہی نہیں بلکہ خطاطی بھی کرنے لگے۔ سلطان عبدالحمید کے خلاف سازش کرنے کے الزام میں انہیں جوانی میں قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ قید خانے میں انھوں نے ''پنجرہ'' نام سے غزلیں لکھیں جو زندانی ادب میں شاہکار کا درجہ رکھتیں ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے اسے ''حزب حال'' کا نام دیا ہے۔ شاعری کے ساتھ طنبورہ اور نے] جو مولوی موسیقی کے ذیلی ساز ہیں میں نام پیدا کیا۔ سوز دلآرہ، ایجارہ اور شوق فزا آج بھی مشہور ہے۔ سلیم نے نعتیں بھی لکھی ہیں:

Naat-i S(h)erif

Bi-nazir mahbub-i Haktir gormemis(h) mislin felek
Nurdan bir serve benzetmis(h) gorenler kametin
Hilkat-i dunyaya bais zat-i pakindir senin
ars(h)dan a'la ya resulullah kadr u rif'atin
Hamd ola Hakka bizi chun ummetinden eyledi
S(h)ukrun etmek nic(j)e mumkundur bu uzma nimetin
Da'vi-yi kufr u c(j)ehalet etseler bed-mes(h)reban
Geldiler imana gordukde zuhur-i s(h)evketin
C(j)evher-i hak-i kudumu tutiyadir ches(h)mime
Belki mahs(h)erde olur tahlise elde hucc(jj)etin
Iki alem afitabi senin ey fa(k)hr-i rusul

Pertev-i mihr-i nubuvvet iledir hatmiyyetin
Eylemezsen ben kulundan lutf u ihsanin dirig
Ey s(h)hins(h)ah-i du-alem var kemali re'fetin
Ey kerem kani zulam-i gamdan azad et beni
Mazhar-i feyz-i s(h)efaat kil bu nachar ummetin
S(h)m'i s(h)evkin pertevi her dem derunumda niyaz
Bais-i zevk u ferahtir sinede germiyyetin
Nuh feleklerde melekler ins u c(j)in hep bendedir
On sekiz bin alemi doldurdu s(h)an u s(h)ohretin
Daima zikr-i salatim ola evradim benim
Olur ise ey s(h)eh-i ta(k)ht-i risalet himmetin
Mulhem oldun yazmaga bu nus(k)ha-i vassafi chun
Ta s(h)efa'at eyleye bu na't-i pake (k)hidmetin
Bin salat ile selam eyler revan-i pakine
Eyler Ilhami ric(j)a nakd-i s(h)efa'at ru(k)hsatin
Koyma ya Rabbi dili tab-i tebi isyanda
Ebr-i lutfundan bana nes(h)r eyle ab-i rahmetin

۱- آپ بے نظیر محبوب حق ہیں، جن کو روشنی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

۲- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کامل کی بدولت دنیا کو راہنمائی حاصل ہوئی۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی شان عرش سے بھی اعلیٰ وارفع ہے۔

۳- حمد ہے اس ذات ہمتا کے لیے جس نے ہمیں امت محمدیہ میں پیدا فرمایا، اس نعمت عظمیٰ کا شکر ہم کس طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔

۴- آپ کی تشریف آوری سے قبل دعویٰ کفر اور جہالت کا دور دورہ تھا جو بدمشرب تھے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد ہوئی اور انہوں نے جلوہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا اور دیکھتے ہی جھوم اٹھے۔

۵- چشمہ نور سے جو ہر حق کا ظہور ہوا۔ بلکہ محشر میں یہ ہمارے دلیل ہیں۔
۷- اے فخر رسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اقلیم عالم کے آفتاب، پرتو مہر نبوت کے خاتم۔
۷- مجھ پر لطف واحسان فرمائیں۔ اے شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کمال رفعت کے مالک آپ ہیں۔
۸- اے کریم، کان سخا، مجھے غموں سے نجات عطا فرمائیں۔ آپ امت کے حق میں مظہر فیض شفاعت ہیں۔
۹- پرتو شمع شوق آپ کی ذات سے ظاہر ہے۔ آپ کا وجود باعث تسکین ہے۔
۱۰- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق کی بدولت جنت میں فرشتے، جنّ اور انسان ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہرت وتکریم اٹھارہ ہزار عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔
۱۱- اے شاہ تخت رسالت ہماری سلطنت کو دوام بخش دیں۔
۱۲- آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق نے نشہ وصف خوانی ونعت خوانی عطا کی ہے۔ اس نعت کے صدقے خدا مجھے بخش دے۔
۱۳- اے روح پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، مجھے شفاعت کی بھیک عطا کیجیے۔
۱۴- یارب العالمین مجھے زبان کے شر سے محفوظ رکھ۔ میں جس کے ذریعے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رحمت نچھاور کروں۔

9- سلطان عبدالحمید:

سلطان عبدالحمید نے بھی نعتیہ شاعری کے ذریعے عشق رسول کا اظہار کیا ہے۔ ان کا مشہور قصیدہ ''قصیدۃ الہجرۃ النبویہ الشریفہ'' ہے جو روضۂ رسول کی سبز جالیوں پر لکھا ہوا ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔ اس قصیدے میں سلطان کے عشق ومحبت رسول اور آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق عقیدت کا عمدہ بیان ملتا ہے۔ اس قصیدے کے کچھ اشعار حکومت کے ذریعے مٹا دیے گئے ہیں۔ قصیدہ ملاحظہ فرمائیں:

یا سیدی یا رسول اللّٰہ خذ بیدی　　مالی سواک ولا الوی علی احد

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اے میرے آقا! دستگیری فرمائیں۔ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں دیکھتا۔ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے:

فانت نورلھدیٰ فی کل کائنہ　　و انت سرالندی یا خیر معتمد

تما کائنات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہی نور ہدایت ہے۔ آپ کی بارگاہ بہترین

بارگاہ ہے جہاں پناہ لی جاسکتی ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رازِ سخاوت ہیں:

و انت حقا غياث الخلق اجمعهم و انت هادی الوری لله دی المدد

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلق اجمعین کے لیے مددگار ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی خدائے بزرگ برتر تک رسائی کا ذریعہ ہیں۔آپ کے وسیلہ سے خدا سے مدد طلب کی جاسکتی ہے:

یا من یقوم مقام الحمد منفردا للواحد الفرد لم یولد و لم یلد

آپ ہی مقام الحمد یعنی لواالحمد کے حقدار ہیں۔اس رب کے سامنے جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے:

یا من تفجرت الانهار نابغة من اصبیعه فروی الجیش ذا لعدد

اے وہ ذات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس نے دو انگلیوں کے درمیان سے چشمے بہا دیے اور کثیر تعداد لشکر سیراب ہوگیا:

انی اذا سامنی ضیم یروعنی اقول یا سید السادات یا سیدی

جب کبھی میں کسی ظلمت میں پھنس جاتا ہوں تو میں پکارتا ہوں ''یا سید السادات یا سیدی'':

کن لی شفیعا الی الرحمٰن من زللی وامنن علی بما لا کان فی خلدی

اے میرے آقا! رحمٰن کی بارگاہ میں میری شفاعت فرمائیں اور مجھے ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جو میرو ہم وخیال میں بھی نہیں:

وانظر بعین الرضا لی دائما ابدا واستر بفضلك تقصیری مدی الامد

مجھ سے راضی رہیے اور اپنے فضل سے میری تقصیر پر پردہ ڈال دیجیے:

واعطف علی بعفو منك یشملنی فاننی عنك یا مولای لم احد

اپنے عفو وکرم سے مجھے ڈھانپ لیجیے۔اے میرے آقا میں نے آپ سے سرتابی نہیں کی ہے:

انی توسلت بالمختار اشرف من رقی السموات سر الواحد الاحد

میں نے رسول مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بنالیا ہے جو اشرف ترین ہستی ہیں جو آسمان کی طرف گئے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکتا و یگانہ رب کائنات کے راز ہیں:

رب الجمال تعالیٰ الله خالقه فمثله فی جمیع الخلق لم اجد

آپ کے جمال کو پیدا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر جمیع الخلق میں نہیں ہے:

خیر الخلائق علی المرسلین ذری　　ذخر الانام و ھادیھم الی لارشد

تمام مخلوق میں بہترین، افضل المرسلین۔ راہ ہدایت کے ہادی:

بہ التجاب لعل اللہ یغفرلی　　ھذا الذی ھو فی ظنی و معتقدی

میں انہی کی پناہ میں ہوں، ظنّ غالب ہے خدا مجھے معاف فرمادے گا:

فمحد حہ لم یزل دابی مدی عمری　　و حبہ عند رب العرش مستندی

سوانہی کی مدح و وصف بیانی میرا شیوہ زندگی ہے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہی بارگاہ پروردگار میں میرا سہارا ہے:

علیہ ازکی صلاۃ لم تزل ابدا　　مع السلام بلا حصر و لا عدد

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ابد تک بے شمار و بے حد درود وسلام جاری رہے:

والال و الصحب اھل المجد قاطبۃ　　بحر السماح و اھل الجود و المدد

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آل واصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بھی درود وسلام ہو جو دریا دلی کے سمندر اور صاحب جود وسخا ہیں۔

اختتام

عثمانی سلاطین نے اپنی نعتیہ شاعری میں وہ تمام موضوعات برتے ہیں جو فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری میں ملتے ہیں۔ حسن جمال رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرقع کشی نہایت ہی عمدگی کے ساتھ کی گئی ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان، معجزات رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جھلکیاں، ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منبع ہدایت ہونا، افضل الانبیاء وخیر البشر کی صفات کا والہانہ بیان سے ان کی شعری کائنات منور و مجلّا نظر آتی ہے جو قاری کی آنکھوں کو خیرہ بھی کرتی ہے۔ سلطنت وشہرت وحکمرانی کے نشہ آور ماحول میں اظہار عشق رسول کا یہ بیان دیدنی ہے۔ یہ فیض رسول کی ضیائے باریاں ہیں جس سے وہ فیضیاب ہوئے ہیں۔ وہ اپنے عشق رسول کا اظہار بھی خوش رنگ الفاظ واسلوب میں کرتے ہیں۔ شفاعت کی بھیک مانگتے ہیں۔ گناہوں سے نادم ہوتے ہیں اور پھر اپنے مخصوص انداز میں درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کرتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں جمالیات کی تمام شاخوں کا اظہار کمال فن و ہنر سے کیا گیا ہے۔ عالمی نعتیہ شاعری میں ان کا اپنا ایک خاص مقام ہے جو نور بصیرت میں ترقی، دل کو جلا اور کیف وسرمستی فراہم کرتا ہے۔

حواشی:

۱- Charles Wells , Preface , The Literature of Turks

۲- ایضاً۔

۳- ایضاً۔

۴- ایضاً۔

۵- علی صلابی، سلطان محمد الفاتح، الفردوس لمٹیڈ، لندن

۶- فاتحی دیوان وشرحی۔ مرتب۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد نوردوغان اور مائیکل۔ دی۔ شیریدان، استنبول، ترکی۔

نوٹ :- سلطان بایزید دوم تا سلطان سوم سلیم سے متعلق مواد Ahmet Ozer کی مرتب کردہ کتاب TURK EDEBIYATINDA NAATLER سے اخذ کیا گیا ہے۔

سلطان عبدالحمید کی نعت نیٹ سے حاصل کی گئی ہے۔ نعت کا عکس گوگل پر سرچ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ "https://www. poemhunter. com/ sultan- abdul- hamid-i/" پر موجود ہے۔ اردو ترجمہ کے لیے اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر
گورنمنٹ ودربھ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ہیومنٹیز
امراوتی (مہاراشٹرا)
موبائل : 9403282420

☆☆☆

محمد قمر انجم قادری فیضی

سفیرِ نعت علامہ عبدالرحمٰن جامی حیات و شاعری

فارسی زبان و ادب میں نعت و حمد کے انمٹ نقوش چھوڑ جانے والوں میں ایک شیریں اور پاکیزہ نام، معتبر شخصیت صاحب طرز ادیب ملک الشعراء عاشق رسول فنا فی الرسول سفیرِ نعت رسول حضرت علامہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات ہے۔

[ولادت باسعادت]

مولانا جامی کی ولادت بروز بدھ 23 شعبان المعظم 817ھ مطابق 7 نومبر، 1414ء کو بوقت عشاء جام کے موضع خرجرد میں ہوئی جواب افغانستان کے صوبہ غور میں واقع ہے۔ جام ایک گاؤں ہے جو افغانستان کے صوبہ غور میں چشت کے شمال میں ہری رُود کے بائیں کنارے کے معاون تگاؤ گنبد کے کنارے آباد ہے۔ یہاں سے اصل دریا اور اُس کے معاون کے مقامِ اِتصال سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ایک اسطوانی شکل کا متناسب منزلوں والا مینار واقع ہے جو مینار جام کہلاتا ہے۔ مولانا جامی اپنے سال ولادت 817ھ/ کے متعلق خود لکھتے ہیں کہ:

بہ سال ہشت صد و ہفدہ زِ ہجرتِ نبوی
کہ زدز مکہ بہ یثرب سُر ادقات جلال

[نام وکنیت]

آپ کا نام عبدالرحمٰن ہے اور لقب عمادالدین ہے، نیز تاریخی نام نورالدین ہے اور تخلص جامؔی ہے عموماً مولانا عبدالرحمٰن جامی اور عبدالرحمٰن نورالدین محمد دشتی کے نام سے مشہور و معروف صوفی شاعر اور مؤرخ ہیں۔ آپ کا عرصہ حیات 1414ء/ سے 1492ء/ تک محیط ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں علمائے اسلام اور صوفیائے اسلام کی صف اول میں شمار کیے جاتے تھے۔ اسلامی صوفی ازم میں آپ کا رتبہ مقام عالیت کو پہنچا ہوا ہے۔ آپ نے صنف شاعری میں کئی اہم کتب تصنیف فرمائیں جن میں تصوف

اور روحانیت کا درس دیتے ہوئے مولانا جامی کی شخصیت مزید اُبھرتی ہوئی ہمارے سامنے آتی ہے۔

آپ کے والد گرامی کا نام ''احمد'' ہے

والدہ ماجدہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نواسی تھیں، آپ سراج الائمہ استاذ الفقہاء حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد خاص اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل پاک سے تعلق رکھتے ہیں۔

[جامی کی وجہ تسمیہ]

جامی کی وجہ تسمیہ کے دو اسباب بتائے جاتے ہیں، اول یہ کہ آپ نے قصبۂ جام کو اپنا مولد و مسکن بتایا ہے دوم یہ کہ آپ کے پیرو مرشد حضرت علامہ شیخ الاسلام احمد جامی سے آپ کا نسبتی تعلق تھا، جس کا اظہار آپ نے اپنے اشعار میں جامی کی وجہ تسمیہ پیش کیا ہے:

مولد جام و رشحۂ قلم جرعہ جام شیخ الاسلام است
لاجرم در، جریدۂ اشعار بدو معنیٰ تخلصم جامی است

[حصول تعلیم]

مولانا جامی کی ابتدائی تعلیم کے متعلق صفی الدین علی نے اپنی تصنیف رشحات عین الحیات میں بہت معلومات تحریر کی ہے، اُن کے مدرسین، اُساتذہ، کسبِ علم کے لیے کیے گئے سفر اور مولانا جامی کے نبوغ و اِستعداد پر تفصیل سے جائزہ لکھا ہے۔صفی الدین علی کتاب رشحات عین الحیات میں یوں لکھتے ہیں کہ:

جب وہ چھوٹی عمر میں اپنے والد محترم کے ساتھ ہرات آئے تو مدرسہ نظامیہ میں ٹھہرے۔ وہاں علوم عربِی کے ماہر جنید اُصولی کے درس میں داخل ہو گئے، جن کی اِس فن میں شہرت بڑی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ مولانا جامی کو مختصر تلخیص پڑھنے کا شوق ہوا۔ جن جامی اِس درس میں داخل ہوئے تو بعض طلبہ شرح مفتاح اور مطول پڑھ رہے تھے۔ جامی اگرچہ ابھی شرعی حدِ بلوغت کو نہیں پہنچے تھے لیکن خود میں وہ کتب سمجھنے کی اِستعداد پاتے تھے، لہٰذا وہ بھی مطول اور حاشیہ مطول پڑھنے لگے۔ پھر مولانا خواجہ علی سمرقندی کے حلقہ درس میں داخل ہو گئے جو مدقِق روزگار اور حضرت سید شریف جرجانی کے نامود شاگرد تھے اور طریقہ مطالعہ (تدریس) میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جامی 40 دن میں ہی اُن سے مستغنی ہو گئے اور مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی کے حلقہ درس میں چلے گئے جو اپنے وقت کے بہترین باحث (مناظر) تھے اور اُن کا سلسلہ تلمذ حضرت مولانا سعد الدین تفتازانی تک ملتا تھا۔ جامی

فرمایا کرتے تھے:

ہم جو چند روز اُن کے درس میں گئے تو اُن سے دو کار آمد باتیں سنیں، ایک یہ کہ کتاب تلویح پڑھاتے وقت وہ مولانا زادہ خطائی کے اعتراضات کا رَد کرتے۔ پہلے دن جب اُنہوں نے اُن (یعنی مولانا زادہ خطائی) کا اعتراض دور کرنے کے لیے دو تین مقدمات بیان کیے تو ہم نے اُنہیں جھٹلا دیا۔ دوسری نشست میں اُنہوں نے بڑے غور و خوض کے بعد جواب دیا، جو قدرے منطقی تھا۔ دوسری بات فن بیان میں اُنہیں تلخیص مطول سے قدرے اِختلاف تھا، گو وہ بنیادی طور پر اِس کی کوئی زیادہ تردید نہیں کرتے تھے اور صرف کتاب کی عبارت اور الفاظ پر اَڑے ہوئے تھے، تاہم اُن کی توجیہ میں کچھ وزن تھا۔

مولانا جامی اِس کے بعد سمرقند میں محققہ روزگار قاضی زادہ روم کے مدرسہ میں چلے گئے، پہلی ہی ملاقات میں جامی کی اُن سے بحث چل نکلی، جو طول پکڑ گئی۔ آخر کار قاضی زادہ روم کو جامی کی بات سے اِتفاق کرنا پڑا۔ مرزا الغ بیگ کے ہاں عہدہ صدارت پر فائز ایک متبحر عالم دین مولانا فتح اللہ تبریزی بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی اِس مجلس مباحثہ میں موجود تھے، قاضی زادہ روم نے سمرقند میں اپنے مدرسہ میں مجلس کا اہتمام کیا۔ دنیا کے سبھی اکابر و افاضل وہاں موجود تھے۔ قاضی زادہ روم اِس مجلس میں زیادہ تر صاحبِ اِستعداد اور خوش طبع لوگوں کا ذکر کرتے رہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے بارے میں یوں فرمایا: جب سے سمرقند آباد ہوا ہے، جدتِ طبع اور قوتِ تصرف میں جام کے اِس نوجوان کے پائے کا کوئی شخص دریائے آمو یہ عبور کر کے اِدھر نہیں آیا۔ (دریائے آمو یہ موجودہ آمو دریا کا پرانا نام ہے، یہ وسط ایشیا کا سب سے بڑا دریا ہے اور دریائے جیحوں بھی کہلاتا ہے)۔

قاضی روم کے شاگرد مولانا ابو یوسف سمرقندی کا بیان ہے کہ جب حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی سمرقند آئے تو اِتفاق سے فنِ ہیئت میں ایک کتاب کی شرح پڑھنے لگے۔ قاضی روم نے اُس کتاب کے حواشی پر سالہا سال سے کچھ تعلیقات لکھ رکھی تھیں، جامی روزانہ ہر نشست میں اُن میں سے ایک دو کی اِصلاح کر دیا کرتے۔ قاضی روم اِس کام پر جامی کے بے حد شکر گزار ہوئے۔ چنانچہ وہ اپنی شرح ملخص چغمینی بھی اُٹھا لائے اور مولانا جامی کو دکھائی۔ جامی نے اُس کتاب میں وہ تصرفات بھی کیے جو قاضی روم کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا۔

[علامہ جامی کے روحانی پیشوا]

مولانا جامی نے اپنے عہد کی نامور روحانی شخصیات سے اکتسابِ فیض حاصل کیا جن میں قابل ذکر یہ شخصیات ہیں:

(1) حضرت مخدوم سعدالدین کاشغری

اِن سے مولانا جامی نے سمرقند میں ملاقات کی۔ 860ھ/ 1456ء میں سمرقند میں فوت ہوئے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار آپ کے سلسلہ طریقت میں خلیفہ تھے۔[23] مولانا جامی نے اِن کی تاریخ وفات بروز بدھ 7 جمادی الثانی 860ھ/ 12 مئی 1456ء بوقتِ ظہر لکھی ہے۔

(2) خواجہ محمد پارسا

اِن کو بچپن میں مولانا جامی نے دیکھا۔ اِن کی ولادت 756ھ/ 1355ء میں ہوئی اور وفات 66 سال قمری کی عمر میں 822ھ/ 1419ء میں ہوئی۔

(3) مولانا فخرالدین لورستانی

اِن کو بچپن میں مولانا جامی نے دیکھا۔

(4) خواجہ محمد برہان الدین ابونصر پارسا

مولانا جامی اکثر اِن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ 865ھ/ 1460ء/ 1461ء میں فوت ہوئے تھے۔

(5) حضرت شیخ بہاءُالدین عمر قدس چغارگی

اِن سے بھی بکثرت ملاقات رہی۔ چغارہ ہرات کے قریب ہری رود دریا کے کنارے واقع ہے۔ وہیں پیدا ہوئے اور اِسی نسبت سے چغارگی کہلائے۔ 857ھ/ 1453ء میں فوت ہوئے۔ اِن کا سلسلہ طریقت حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی سے ملتا ہے۔ حکومتی حلقوں میں اِن کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار جب تک ہرات میں مقیم رہے، ہفتے میں دو تین بار شیخ سے ملنے جایا کرتے تھے۔ ہرات میں مدفون ہوئے۔

(6) خواجہ شمس الدین محمد کوسوئی

یہ حضرت خواجہ سعدالدین کاشغری کے بھی استاد تھے اور مولانا جامی خود اِن کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ بروز منگل 22 جمادی الاول 863ھ/ 27 مارچ 1459ء کو فوت ہوئے۔ ہرات کے ایک قریہ کوسو میں پیدا ہوئے تھے اور کوسوئی کہلائے۔ اِس قریہ کا موجودہ نام کہسان ہے۔

(7) مولانا جلال الدین ابویزید پورانی

مولانا جامی اِن کے قریہ پوران میں جا کر اِن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، نفحات الانس

میں مولانا جامی نے اِن کی خشیتِ الٰہی بیان کی ہے۔ بروز منگل 10 ذوالقعدہ 862ھ/ 19 ستمبر 1458ء کو فوت ہوئے۔ ہرات کے مشرقی سمت میں واقع ایک گاؤں پوران میں پیدا ہوئے تھے، اِسی نسبت سے پورانی کہلائے۔

(8) مولانا شمس الدین محمد اسد: اِن کے ہاں بھی مولانا جامی کی بہت آمدورفت رہا کرتی تھی۔ مقامِ تصور وتخیلات میں اوجِ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ مولانا جامی کا بیان ہے کہ اُن کی مقامِ جمع تک رسائی ممکن ہوتی تھی۔ ماہِ رمضان 864ھ/ جون/ جولائی 1460ء میں فوت ہوئے۔ ہرات کے ایک علاقہ گازرگاہ میں مدفون ہوئے۔

(9) حضرت خواجہ عبیداللہ اَحرار

ملا علی بن حسین کاشفی نے رشحات عین الحیات میں مولانا جامی کے مرشد حضرت خواجہ عبیداللہ احرار یعنی حضرت ناصرالدین عبیداللہ المعروف بہ خواجہ احرار کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ مولانا جامی اور اِن کے مابین قلبی وروحانی تعلق قائم تھا اور یہ تعلق مولانا جامی کی نثری اور منظومی تصانیف میں نظر بھی آتا ہے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار سے مولانا جامی کی خط کتابت ملاقات سے قبل بہت تھی لیکن ملاقات غالباً 872ھ/ 1467ء میں بمقام ہرات میں ہوئی جب حضرت خواجہ عبیداللہ احرار ہرات کے تیموری حکمران ابوسعید مرزا کی درخواست پر چوتھی مرتبہ ہرات آئے تھے۔ تب مولانا جامی کی عمر 55 سال ہوچکی تھی اور حضرت خواجہ عبیداللہ احرار تقریباً 66 / 67 سال کے تھے۔ اِس ملاقات کے بعد حضرت خواجہ عبیداللہ احرار 23 سال تک بقیدِ حیات رہے۔ اِن کا سلسلہ نقشبندیہ سے 19 واسطوں سے ہوتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی ولادت ماہِ رمضان 806ھ/ مارچ/ اپریل 1404ء میں ہوئی اور آپ کی وفات بروز ہفتہ 29 ربیع الاول 895ھ/ 20 فروری 1490ء کو سمرقند، موجودہ ازبکستان میں 89 سال کی عمر میں ہوئی۔ حالانکہ مولانا جامی اِن کے سالِ وفات تک عہدِ ضعیفی کو پہنچ چکے تھے اور کسی تاریخی مستند حوالے سے معلوم نہیں ہوتا کہ مولانا جامی اِن کے جنازہ پر سمرقند حاضر ہوئے ہوں۔

[سفیرِ عشق رسول پاک]

علامہ جامی حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے ایسے عاشق صادق تھے تازیست یہ دریا سینے میں موجزن رہا، عشق رسول آپ کے رگ وپے میں سمایا ہوا تھا جس کا اظہار آپ کی زبان وقلم سے اکثر وبیشتر ہوتا رہتا تھا آپ کا دیوان شاہد عدل ہے۔

عربی وفارسی کا مِلا جُلا شعر ہے:

(۱) احسن شوقا الی دیارلقیت فیہا جمالی سلمی
کہ می رسانندازاں نواحی پیام وصلت بجانب ما
(۲) زہے جمال تو قبلہ جاں حریم کوئی تو کعبۂ دل
فـان سجدنا ایاك نسجدوان سعینالك نسعی

ان اشعار میں ایک ادبی حسن یہ ہے کہ پہلا مصرع عربی میں تو دوسرا فارسی میں ہے اور پہلا مصرع فارسی میں ہے تو دوسرا عربی میں ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو دونوں زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی جس کا مظہر آپ کے بے شمار اشعار ہیں۔

آپ کی تصانیف دونوں زبانوں میں موجود ہیں آپ فارسی شعراء کے مابین ایک ممتاز و منفرد مقام رکھتے ہیں فارسی کے بلند پایہ شعراء حضرت شیخ سعدی حافظ شیرازی اور مولانا روم وغیرہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے بلکہ عشق رسول نے آپ کی شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

[سفرِ حج مبارکہ]

آپ کی دیار نبی میں حاضری روحانی زندگی کی خصوصی واقعات میں سے ہے۔

877 ہجری میں زیارت حرمین شریفین کو روانہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال کی سال کی تھی دو ماہ کی مدت کے بعد بغداد شریف پہنچے وہاں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کے روزے مبارک کی زیارت فرماتے ہیں پھر وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے آپ جس جذب و مستی کیعالم میں بارگاہ رسول اللہ میں حاضری کے لیے جاتے ہیں تو اس میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی ،حضرت بایزید بسطامی علیہم الرحمہ کا ادب بھی ہے اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالی عنہ کی رقت و ولوہیت بھی ہے کچھ اشعار تالیف کر کے سید عالم صلی اللہ وسلم کے مواجہ شریف میں پڑھنے کا ارادہ دل میں لیے جا رہے تھے، وہ اشعار یہ ہیں:

(۱) زمہجوری برآمدم جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم
(۲) نہ آخر رحمتہ للعلمین زمحروماں چرا غافل نشینی
(۳) ز خاک لالہ سیراب برخیز چوں نرگس خواب چنداز خواب برخیز
(۴) بروں آور سر از بود یمانی کہ رو نیست صبح زندگانی

(۵) بحسن اہتمامت کار جامی طفیل دیگراں یا بد تمامی

ترجمہ:

(۱) آپ کے فراق کائنات عالم ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرم فرمایئے۔اے رحمت اللعالمین رحم فرمایئے۔

(۲) آپ یقیناً رحمتہ اللعالمین ہیں ہم حرماں نصیبوں پر اور نا کامان قسمت سے آپ کیسے تغافل کر سکتے ہیں۔

(۳) اے لالہِ خوش رنگ اپنی شادابی و سیرابی سے عالم کو مستفید فرمایئے اور خواب نرگس سے بیدار ہو کر ہم محتاجان ہدایت کے قلوب کو منور فرمایئے۔

(۴) اپنے سر مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے نکالئے کیونکہ آپ کا روئے انور صبح زندگانی ہے۔

(۵) آپ کے حسن اہتمام اور سعیٔ جمیل سے دوسرے مقبول بندگان خدا کے صدقے میں غریب جامی کا بھی کام بن جائے۔

مندرجہ ذیل اشعار بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں پہنچ کر مواجہ اقدس میں کھڑے ہو کر پڑھیں گے لیکن جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خواب میں حکم فرمایا کی جامی آ رہا ہے اس سے کہہ دینا کہ یہ اشعار مواجہ شریف میں نہ پڑھے۔

''خواہم از شوق دست بوس تو بر دست بیروں کن از یمانی برد''

یعنی اس کی خاطر دست مبارکہ قبر شریف سے باہر نکالنا پڑے گا جس سے فتنۂ عظیم برپا ہونے کا خطرہ ہے چنانچہ آپ کو ان اشعار کو پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

[اکتسابِ علم میں شغف اور حوادثِ زمانہ سے درکناری]

مولانا جامی کی علم میں جستجو کے ملکہ، اِنہماک اور تحصیل علم میں شغف کو جو کمال حاصل ہوا، شاید وہ نویں صدی ہجری کے کسی عالم دین یا فقیہ کو حاصل ہوا ہو۔ مولانا جامی کے شاگردِ عزیز ملا عبدالغفور لاری لکھتے ہیں کہ:

''فقیر (عبدالغفور لاری) کو آنحضرت علیہ الرحمہ والرضوان (مولانا جامی) کے آستانِ رفیع الشان پر پہنچنے سے پہلے تردد تھا کہ جو مرتبہ شعر (گوئی) کی بدولت اُنہیں حاصل ہے، وہ گہرے تفکر اور دقیق تامل کے بغیر میسر نہیں آ سکتا اور یہ امر مرتبہ کمال کے منافی اور جمعیتِ خاطر کے خلاف ہے۔ لیکن جب میں اُن کی خدمت میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ کوئی شغل بلکہ حوادثِ زمانہ میں سے کوئی واقعہ یا حادثہ بھی اُن کے ظاہری و باطنی اَشغال کی

راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اور وہ اپنی کیفیت میں کسی تبدیلی کے بغیر اپنے کاموں
میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ اپنا بہترین وقت بلا تکلف وزحمتِ درس (روحانی)
دینے میں صرف کرتے۔''

ملا عبدالغفور لاری کے اِس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامی کا اوائل زمانہ حیات جو سیاسی خانہ جنگی کے عروج کا زمانہ تھا، اُن کی علمی وروحانی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوسکا۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہرات میں قیام کے زمانہ میں وہ کئی شاندار علمی کتب تصنیف فرماتے رہے اور سیاسی ماحول سے در کنار رہے۔ حوادثِ زمانہ کے سبب متاثر ہونے کا کوئی بھی شائبہ اُن کی تصانیف میں نہیں ملتا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیاسی خانہ جنگی کے دور میں پر امن زندگی گزار رہے تھے۔

[تصنیف وتالیف]

آپ نے عربی و فارسی زبان میں منظوم ومنثور تصانیف کا ایک واقع و قابل تحسین و آفرین ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے چنانچہ آپ کی کل تصانیف کی تعداد 54 / بتائی گئی ہے آپ نے جس فن پر قلم اٹھا یا اور جس صنف سخن کو اپنایا اس کو کمال تک پہنچایا ہے خواہ قصیدہ ہو یا غزل مثنوی ہو یا رباعی۔

آپ کی وہ کتاب جس کا نام (1) 'لوامح جامی' ہے جو ما بین العلماء والطلباء محتاج تعارف نہیں ہے جو آپ کی قابل قدر عقلمندی و دانشمندی فہم وفراست کا منہ بولتا ثبوت ہے جو چند رباعیات پر مشتمل ہے آپ کی مشہور زمانہ اور تالیف جلیلہ (2) ''الفوائد الضیائیہ فی الشرح الکافیہ'' اپنے موضوع پر فقید المثال اور آفاقی شہرت کی حامل تصنیف ہے آپ نے عربی وفارسی زبان میں کثیر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جو مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہیں۔ ان تمام کتب کے درمیان (3) شرح کافیہ المعروف شرح جامی کو جو مقبولیت عامہ حاصل ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔

نحویں مباحث کو اس کتاب میں ایسا عقلی رنگ دیا ہے جو خوب استعداد اور اعلی صلاحیت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے سینکڑوں سال کیا؟ جب سے درس نظامی کا آغاز ہوا ہے تب سے لے کر تادم تحریر ہر مدارس وجامعات میں داخل نصاب ہے، جس کو پڑھ کر علم نحو میں کامل تحقیق ہوجاتی ہے۔

ادب (بحر نثر) میں مولانا جامی کی مستقل تصانیف جو شائع ہوچکی ہیں:

(4) بہارستان یا روضۃ الاخیار: یہ تصنیف فارسی زبان میں نثر اور نظم یکجائی بحر میں ہے جو گلستان سعدی کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ اولاً محمد رضا ایر نیاز بیگ اوغلی آگہی (پیدائش: 1809ء- وفات: 1874ء) نے ازبک زبان میں اِس کا ترجمہ کیا۔ موجودہ نئی طرز میں یہ بہارستان ورسائل جامی کے

عنوان سے تہران سے 2000ء/ میں شائع ہوئی۔

(5) شرح دیباچہ مرقع: فارسی زبان میں بحرنثر میں ہے۔نظام الدین میر علی شیر نوائی (پیدائش: 844ھ- وفات: 906ھ) کے دیباچہ مرقع کی شرح ہے۔اِس کا ایک قلمی مخطوطہ 1079ھ/ کا کتب خانہ سوویت یونین موجودہ رشین اکیڈمی آف سائنسز لینن گراڈ، روس میں موجود ہے۔

(6) منشآت جامی: فارسی زبان میں بحرنثر میں ہے۔ برصغیر میں یہ مجموعہ مکاتیب انشائے جامی اور رقعات جامی کے نام سے کئی بار شائع ہوا ہے۔کلکتہ سے پہلی بار 1226ھ میں فارسی زبان میں شائع ہوا۔بمبئی کے طبع خانہ فضل الدین کھمکر نے 1261ھ میں اِسے شائع کیا۔کانپور سے مطبع احمدی نے 1308ھ/ میں شائع کیا۔(7) نقد الفصوص فی شرح نقش الفصوص (8) شرح فصوص الحکم (9) نفحات الانس۔(10) چہل حدیث۔(11) مناسک حج (12)۔رسالہ تہلیلیہ (13)۔رسالہ در علم قوافی (14)۔رسالہ موسیقی (15)۔تجنیس الخط (16)۔

علامہ جامی جنھوں نے ایک ہی وقت میں مختلف شعبہ جات میں اپنی خدمات سرانجام دیں۔ آپ ایک بہترین سوانح نگار، مورخ، محقق، نثر نگار، سیرت نگار اور بہترین عظیم شاعر اور صوفی بزرگ ہیں۔مولانا جامی تصوف میں بھی کمال درجہ کی حامل شخصیت ہیں۔

آپ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوب کر اور مگن ہو کر نعت لکھتے تھے اور وہ اس فن میں منفرد ہی نہ تھے بلکہ امام بھی تھے۔دیدار روضہ اطہر کے لیے جو جذب وجنون کا حصہ انہیں ملا تھا وہ دیگر شعرا کے ہاں کم پایا جاتا ہے، وہ کوئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سر کے بل چلتے ہیں، دیدہ ودل فرشِ راہ کرتے ہیں، پلکوں سے جاروب کشی کرتے ہیں اور پھر فریاد، التجا، الحاح وگریہ وفغاں کی جو رقت ان کے ہاں پائی جاتی ہے اس سے رحمت دوعالم کی گھٹائیں جھوم جھوم جاتی ہیں وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے دامن میں لپٹ کر اپنی بات کہتے ہیں۔آپ کی زندگی میں عشق و محبت کے ساتھ ادب اور عقیدت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کمال درجے پر تھا آپ کی عشاقانہ کیفیات میں سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی محبت اور عقیدت اور ادب میں جنید بغدادی اور حضرت بایزید رحمہما اللہ کی مثل تھے۔حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نعتیہ کلام میں اگرچہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ بولتا ثبوت ہیں لیکن باوجودیکہ انھوں نے نثر میں بھی اپنے عشق ومحبت کا اظہار فرمایا ہے۔سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کی جامع کتاب 'شوہد النبوۃ' ہے جس کا ہر لفظ، ہر حرف، ہر جملہ اور ہر فقرہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عکاسی کرتا ہے۔عشق رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت جس چیز سے ہو اس سے محبت کی جائے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کا ذکر خیر بھی دل نشین انداز میں کیا گیا ہے اہل بیت سے بطور خاص محبت کا اظہار آپ کی کتاب ''بارہ امام'' سے ہوتا ہے جو کہ بہت ہی احسن انداز میں محبت کا اظہار ہے۔

علامہ جامی تصوف اور عشق رسول اللہ میں بہت اعلی مقام رکھتے ہیں ان کی شاعری میں ان کا یہ عشق صاف دکھائی دیتا ہے:

نسیما جانب بطحا گزر کن ز احوالم محمد را خبر کن

ترجمہ:

(اے نسیم بہاری تو بطحا کی جانب گزر کر اور میرے محبوب محمد کو میرے احوال سے آگاہ کر)

انہوں نے اپنی زندگی دین کی خدمت اور خلقِ خدا کی منفعت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ۸۶۷ھ میں ان کو خیال پیدا ہوا کہ جامی تم نے پچاس سال کی زندگی محبوب کے کوچہ سے دور رہ کر گزار دی اس خیال کا آنا تھا کہ عشق رسول اللہ کا غلبہ اور تیز ہو گیا ذوق وشوق انتہا کو پہنچا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کوئے دوست کی طرف روانہ ہو لئے۔

اس زمانے میں سفر حج بڑے خطروں سے بھرا ہوتا تھا یہ بغیر کچھ پرواہ کئے چند رفیقوں کے ساتھ خراسان سے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے سبزوار، بسطام، سمنان، قزوین، ہمدان ہوتے ہوئے بغداد پہنچے۔ چند دن بغداد میں قیام کرنا پڑا۔ لیکن ایک ایک لمحہ رسول اللہ کے شوق واشتیاق میں بے چینی سے کٹا ایک دن دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے اس ذوق وشوق کا اظہار اس طرح کرنے لگے:

بر کنار دجلہ ام افتادہ دور از خانماں دزد ودیدہ دجلہ خوں در کنارِ من رواں
پابروں کے کردمے برخاک بغداد از رکاب گرنہ پیچیدے ہوائے یثرب ایں سوعناں

ترجمہ:

(میں گھر سے دور دریائے دجلہ کے کنارے آپڑا ہوں اور میری دونوں آنکھوں سے خون کا دجلہ بہہ رہا ہے۔ میں بغداد کی زمین پر اپنی رکاب سے پاؤں کیوں نکالتا اگر یثرب (مدینہ سے آنے والی ہوا نے میری سواری کی لگام اس سمت نہ موڑ دی ہوتی)

اس کے بعد ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور کوچۂ محبوب کی طرف روانہ ہو گئے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کرنے میں ان کے ذوق وشوق کا اظہار ان اشعار سے ہوتا ہے جو انہوں نے بغداد سے روانگی

کے وقت تحریر فرمائے:

محملِ رحلت بہ بنداے ساربان کز شوقِ یار | میکشد ہر دم بر دیم قطر ہائے خوں قطار
زود تر آہنگ رہ کن کار زوئے او مرا | بردہ است از سینہ صبر دیدہ خواب از دل قرار

ترجمہ: (اے ساربان! تو محبوب کے کوچہ کے لئے محمل کس لے، کیونکہ میری آنکھوں سے (محبوب کی فرقت میں) میرے چہرے پر خون کی قطاریں بہہ رہی ہیں، جلدی سفر تیز کرنے کا گیت (ہدیٰ) شروع کر کیونکہ (رسول اللہ کے دیدار کی) اس قدر شدت ہے کہ میرا سینہ صبر سے میری آنکھیں نیند سے اور میرا دل قرار سے محروم ہے)

دو مہینے کی دشوار گزار مسافت طے کر کے یہ اس مقام پر پہنچ گئے جس کے نظارے کا اشتیاق برسوں سے دل میں لئے پھرتے تھے، جس کے دیکھنے کے لئے آنکھیں منتظر اور دل بیتاب تھا، مدینۃ الرسول اب نظروں کے سامنے تھا۔ روضۂ اطہر کی زیارت سے جو سوز و گداز کی کیفیت ان کے دل پر طاری ہوئی اس کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے:

یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ام | بر درت ایں بارہا پشتِ دوتاہ آوردہ ام
چشم رحمت برکشا موئے سفید من نگر | گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام
عجز و بے خویشی و دورویشی و درد | ایں ہمہ بر دعوی عشقت گواہ آوردہ ام

ترجمہ:

(اے گنہگاروں کے شفاعت فرمانے والے! میں گناہوں کا بوجھ لے کر آیا ہوں۔ آپ کے در پر حاضر ہوا ہوں (گناہوں کے) اس بوجھ سے میری کمر دوہری ہوگئی ہے۔ اپنی رحمت کی آنکھ کھولئے اور میرے ان سفید بالوں کو دیکھئے اگرچہ میں شرمندگی سے کالا منہ لے کر آیا ہوں میر آپ کے لئے جو عشق کا دعویٰ ہے اس کے گواہ کے طور پر عشق، درویشی اور درد و درود کو لے کر حاضر ہوا ہوں۔

پھر فرمایا:

یارسول اللہ! نمی گویم کہ مہمانِ تو ام | یا فقیر طعمہ جواز ریزۂ خوانِ تو ام
بہ لب افتادہ زباں گرگیں سگے ام تشنہ جاں | آرزومند نمے از بحر احسانِ تو ام
گرنہ دارم افسر شاہی بسر ایں بسکہ ہست | گردن تسلیم زیرِ طوقِ فرمانِ تو ام

ترجمہ:

(یارسول اللہ! میں یہ نہیں کہتا کہ میں آپ کا مہمان ہوں یا آپ کے دستر خوان سے گرے

ہوئے لقمہ کا خواستگار ہوں۔ میں تو اس کتے کی طرح ہوں جو پیاس سے زبان نکالے ہانپ رہا ہے، میں آپ کے احسان کے سمندر سے ذراسی نمی کا آرزومند ہوں، میرے سر پر شاہی تاج نہ سہی میری گردنِ تسلیم میں آپ کی غلامی کا طوق میرے لئے کافی ہے)

یہ سچا عاشقِ رسول جب مدینہ کی گلیوں کا نظارہ کرتا ہے تو چپہ چپہ پر جمال رسول اللہ کا نظارہ کرتا ہے، مدینہ کا ایک ایک سنگریزہ اس کو لعل و جواہر سے زیادہ قیمتی لگتا ہے۔ یہاں کے ہر درودیوار کو چومتا ہے، گلی کوچوں کی خاک آنکھوں میں لگاتا ہے اور کہتا ہے:

ایں زمینے ست کہ سرمنزل جاناں بودہ است مطرح نورِ رخِ آں مہ تاباں بودہ است

ایں زمینے ست کہ ہر شیب وفرازے دروست جائے آمد شدِ آں سروخراماں بودہ است

دامنِ نازکشاں رفتہ بہر جانب ازو آنکہ صدوستِ تمناش بداماں بودہ است

جان جامی بہ حقیقت زہمیں آب وہواست گو بہ صورتِ گلشن از خاک خراساں بودہ است

ترجمہ:

(یہ وہ زمین ہے جو میرے محبوب کی منزل، یہ اس چاند کے چہرے کے نور سے منور ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں کا ہر نشیب وفراز اس محبوبِ سروقد کے آنے جانے کی جگہ رہا ہے۔ آپ کے سب جانب سے لوگ آپ کے دامن کو پکڑتے ہیں۔ کہ آپ وہ سخی ہیں کہ سیکڑوں آرزومندوں کے ہاتھ آپ کے دامن سے بندھے ہیں۔ جامی کی جان اسی (سرزمین مدینہ کی) آب وہوا میں لگی ہے حالانکہ وہ پیدا خراسان کی سرزمین میں ہوا ہے)

انتقال پرملال

مولانا جامی کی وفات بروز جمعہ 18 محرم الحرام 898ھ/ مطابق 14 نومبر 1492ء کو ہرات میں میں بوقت اذانِ جمعہ ہوئی۔ ہرات اب افغانستان کے صوبہ ہرات کا دارالحکومت ہے۔ مدت حیات قمری سال کے اعتبار سے 80 سال 4 ماہ 25 یوم اور شمسی سال کے اعتبار سے 78 سال 3 یوم تھی۔ آپ کی مدت حیات کا مادہ لفظ کاس سے نکلتا ہے جس کا معنی عربی میں جام ہی ہوتا ہے، کاس کے ابجد میں اعداد 81 ہیں۔

وفات آیت کریمہ [ومن دخلہ کان آمناً] ہے

بعض شعراء کرام نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

جامی کی بود بلبل جنت بشوق رفت کلک قضا نوشت بدروازۂ بہشت

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

علامہ جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مرد جاہل گیتی را لقب دولت نہد هم چناں آماس بیند طفیل گوید فر بہشت

شکل ایشاں شکل انساں فعل سباع هم زئاب فی ثیاب او ثیاب فی ذیاب

مرد جاہل کو گیتیِ جاہ کا لقب دے کر اس کے لئے دولت ثابت کی جائے تو وہ مانند چھوٹا بچہ سوجن کو دیکھ کر کہے یہ موٹاپن ہے۔

ان کی شکل وصورت تو انسانوں جیسی ہے لیکن کردار درندوں جیسا ہے وہ تو بھیڑیوں کا کپڑا پہنے ہوئے ہیں یا کپڑے بھیڑیوں کو لپیٹے ہوئے ہیں۔

عصر حاضر میں یہ اشعار تبلیغی جماعت والوں پر صادق آتا ہے جب کہ ان کی شکل وصورت دیکھو تو خضرِ راہ معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے برعکس کردار اتنا بدتر ہے کہ یہود وہنود تو درکنار شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ (روح البیان جلد 14 /ص 197)

چوں مہ را بر ست تیرا اشارت ذد از سبائبہ معجز بشارت

دونوں شد میم در حلقۂ ماہ چہل را ساخت او شصت از دو پنجاہ

بلے چوں داشت وستش بر قلم پشت رقم ذد خط مشق بر مہ بر انگشت

تو درمیانۂ ہیچ ہر چہ ہست اوست هم خود الست گوید وہم خود بلیٰ کند

☆

سیراب کن ز بحر یقین جاں تشنہ را ازیں پشت خشک لب مینش بر سراب ریب

☆

مریض عشق تو چوں مائل شفا گردد اسیر قید تو کے طالب نجات شود

ترجمہ: جب قمر کو تیرا اشارہ ملا، انگشت مبارک جو معجزہ کی بشارت والی ہے:

دونوں ہوئے میم حلقۂ چاند میں چالیس کو آپ کے ساٹھ نے بنایا دو پنجاہ سے

لیکن چونکہ آپ نے قلم سے ہاتھ کو پشت دی تو انگشت پر انگلی ماری تو وہ چیر گیا،

توضیح:

علامہ جامی نے ان اشعار میں شق القمر واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تو درمیان میں کچھ نہیں ہے تو وہی ہے وہی الست بھی خود کہتا ہے اور بلیٰ بھی خود کہتا ہے۔

توضیح شعر:

حضرت قتادہ رضی المولی عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ضائع نہیں کرتا ہر ایک کو قرآن پاک کی برکت سے اسے یقین سے واقفیت بخشیگا ہاں ضرور اتنا تفریق ہے کہ مومن کو دنیا میں اس کا یقین نصیب ہوگا اس کا منافع آخرت میں پائے گا اور کافر کو قیامت میں یقین آیئگا لیکن اسے کوئی نفع نہیں ہوگا۔

پیاسی جانوں کو اس بحر یقین سے سیراب کر، اسی سے قبل تو خشک لب نہ بیٹھ شک کے سراب پر وہ

توضیح شعر:

وہ غلام جو اپنے آقا کا حق ادا کرے اور اس کی خیر خواہی کرے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے، اسی لئے بعض غلام آزادی کے وقت رو پڑے پوچھنے پر جواب ملا کہ میرا وہ اجر بھی ضائع ہوگیا جو اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا تھا اب فی الحال صرف ایک اجر یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی ہے۔

(ایضاً۔ص/490)

تیرے عشق کا مریض شفاء کی طرف کیسے مائل ہوگا تیرا قیدی نجات کا طالب کیسے ہوسکتا ہے۔ جس وقت عمل صحیح وقت سے نکل گیا تو وہ قضا سے کمال کو نہیں پہنچ سکتا بلکہ بلکہ مرتبۂ کمال اول کھ ساٹھ درجات سے گر جائے گا، اس معنی پر ساٹھ مسکین کو طعام کھلانے یا ساٹھ روزے رکھنے کا حکم ہے علامہ جامی نے مذکورہ شعر میں کفارہ ظہار کے روزے کے بارے میں توضیح کی ہے۔ (ایضاً جلد 14 /ص 594)

علامہ جامی اور خدمت خلق

علامہ جامی تمام عمر غریبوں یتیموں اور بے سہاروں کی ہر طرح سے نصرت و اعانت فرماتے تھے فروغ علم کے لئے متعدد مدرسے قائم کئے ،طریقت و معرفت کے سلسلے جو فروغ بخشنے کے لئے اور درویشوں کے لئے بہت سی خانقاہیں اور مدارس تعمیر کروائے ، نیز ان کی مصارف کو اپنے جیب خاص سے ادا فرماتے تھے، قصبہ جام میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی اسکے ساتھ ہی ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔

علامہ جامی ایک عاشق رسول کی حیثیت سے اولیاء نقشبندیہ میں مشہور و معروف ہوئے ہیں، علامہ جامی نے جس والہانہ عاشقانہ انداز میں بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیہ نعت پیش کیا ہے اس کا سارے فارسی ادب میں جواب نہیں۔

علامہ جامی عشق رسول کے ایسے منزل رفیع پر فائز ہیں کہ اس منزل رفیع کا نظارہ کرنے میں صاحبان رفعت و عظمت کے سروں سے ٹوپیاں گر پڑتی ہیں علامہ جامی وادی مدینہ میں پہنچ کر خاک مدینہ تو خاک مدینہ حتی کہ خار مدینہ کو بھی اپنے دل کے قریب پاتے ہیں۔

سرزمین نبی کو جانے والے قافلے کو عقیدت و محبت سے سلام کرتے ہیں۔

علامہ جامی عشق رسول میں ڈوب کر نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لکھتے تھے، اور اس فن شاعری میں منفرد ہی نہ تھے بلکہ امام تھے۔

[نعتیہ تلمیحات]

شاعری کی اصطلاح میں تلمیح سے مراد ہے کہ ایک لفظ یا مجموعہ الفاظ کے ذریعے کسی تاریخی، سیاسی، اخلاقی یا مذہبی واقعے کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تلمیح کے استعمال سے شعر کے معنوں میں وسعت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ مطالعہ شعر کے بعد پورا واقعہ پڑھنے والے کے ذہن میں واضح ہو جاتا ہے۔

علامہ جامی نے بھی انہیں موضوعات سخن میں تلمیحات کا استعمال کیا ہے لیلۃ القدر اوف واقعہ معراج کے شعروں میں تلمیحاتی کنایات ملاحظہ فرمائیں۔

(1)	ر قد او مثالے لیلۃ القدر	ز نور او برائے لیلۃ القدر
(2)	نسیمش جعد سنبل شانہ کردہ	ہوائش اشک شبنم دانہ کردہ
(3)	سو او طرہ اش حجلت و حور	بیاض غرہ اش نور علی نور
(4)	بس مار ثابت چرخ سیار	بہ بستہ در جہاں دریائے اد بار
(5)	طرب راچوں سخن خنداں از دلب	گریزاں روز محنت زو شباب

ترجمہ:

(1) اس کی قدر و منزلت یہ ہے کہ لیلۃ القدر اس کی ایک تمثیل اور لیلۃ القدر کو اسکے نور سے قلیل مقدار میں حصہ ملا۔

(2) نسیم نے سنبل زلفوں کو کنگھا کیا اسکی ہوا نے شبنم کے دانے بنائے۔

(3) اس کی سیاہی حور کو شرمندہ کن ہے اس کی سفیدی نور علی نور ہے

(4) آسمان کے ثواقب کے میخوں سے بدبختی کے باب جہاں سے بند کر دئے۔

(5) خوشی کے اس سے لب خنداں اسی سے رات و دن کے محنت و مشقت کے ایام فرار ہو گئے۔

(روح البیان ج/8/ص8/مطبوعہ ادبی دنیا مٹیا محل دہلی)

تشریحِ اشعار:

27 رجب المرجب شب سوموار کو حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بی بی حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر استراحت فرما رہے تھے مشہور قول ہے کہ بی بی ام ہانی کا نام فاختہ تھا، مکہ کے

دن مسلمان ہوئیں آپ کے شوہر جبیرہ فتح مکہ کے دن فرار ہو کر نجران چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مر گیا، حضور عشاء کی دو رکعتیں سنت واضح بعد فرض والی پڑھ کر وہیں سو گئے، بی بی ام ہانی کے گھر کی چھت پاش کر کے گھر کے اندر حضرت جبریل میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام داخل ہوئے اور ہر ایک کی معیت میں 70 / ہزار علاحدہ علاحدہ طور پر فرشتے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور کو اپنے پروں سے جگائے۔

مذکورہ اشعار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ جامی کی فطرت میں قدرت کی جانب سے ملکۂ شعری ودیعت تھا آپ کے اشعار کا بہار یہ آہنگ اس بات کا روشن و تابناک ثبوت ہے کہ آپ فطری شاعر تھے اس لئے اپنے فن کو قدرت نہ سہی لیکن مہارت تامہ کے ساتھ ضرور برتا۔

دوسری جگہ علامہ جامی فرماتے ہیں!

(6)	دریں شب آں چراغ چشم بینش	سزائے افرین از افرینش
(7)	چوں دولت شد زبد خواہاں نہانے	سوائے دولت سرائے ام ہانی
(8)	بہ پہلو تکیہ بر مہد زمین کر د	زمیں فا مہر مہر جان نازنین کرد
(9)	دلش بیدار چشمہ در شکر خواب	ندیدہ چشم بخت خواب درخواب
(10)	برو مالید پر کہ اے خواجہ بر خیز	کی امشب خواہت دولت انگیز
(11)	در آمد ناگہاں ناموس اکبر	سبک روتر ازیں طاؤس اخضر
(12)	بروں بریک ایک زماں زیں خوابکم رخت	تو بخت عالمے بے خواب بد بخت

(ترجمہ)

(6) اسی رات وہ دانائی کے چشم و چراغ جو آفرین والے سے آفرین و تحسین کئے ہوئے ہیں۔
(7) جب یہ دولت دشمنوں سے پوشیدہ ام ہانی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے
(8) پہلو مبارک زمین پر رکھا اور زمین کو آپ کے پہلو مبارک سے زینت نصیب ہوئی۔
(9) آپ کا دل بیدار اور آنکھ خواب میں تھی، نہیں دیکھا کسی تخت والی انکھ نے ایسا خواب
(10) آپ کے قدموں پر کافور لگا کر عرض کی، آج رات آپ کی نیند بخت آور ہے
(11) اچانک جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے جو اسی سے اسمان سبز رنگ سے زائد تیز رفتار ہیں۔
(12) تھوڑی دیر کے لئے اس خواب گاہ سے تشریف لے چلئے، آپ جملہ عالم کے لئے بخت ہیں۔

جب ہم ان اشعار کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ان اشعار میں حضرت علامہ جامی علیہ الرحمہ نے

کتنی چابکدستی اور بحسن وخوبی شب معراج کے واقعے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نعتیہ تلمیحات کا خوب خوب استعمال کیا ہے اور واقعہ شب معراج کے شعروں میں تلمیحاتی کنایات کثرت سے پائے گئے ہیں۔

علامہ جامی مزید رقم طراز ہیں:

(13) پس پنچ راہ عرش است گردم اینک، براق برق سیر اوردم اینک

(14) جہندہ برزمیں خوش باد ہائے پرندہ درہوا فرخ ہائے

(15) چو عقل کل سوئے افلاک گردے چو فکر ہندسہ گیتی نور دے

(16) نہ دست کس عنان او بسودہ نہ از پائے رکابش گشتہ سودہ

ترجمہ:

(13) میں آپ کو آسمان کی طرف لے جانے کی نیت سے حاضر ہوا ہوں لیجئے یہ براق برق رفتار حاضر ہے۔

(14) زمین پر خوب دوڑتا ہے اور آسمان پر بھی بہت اڑتا ہے۔

(15) عقل کی طرح آسمان پر وارد ہوتا ہے ہندسے کے مانند زمانے کو لپیٹتا ہے

(16) کسی ہاتھ نے اس کی باگ نہیں پکڑا اور نہ ہی رکاب میں کسی کے پاؤں لگے۔

(روح البیان ج8 /ص19)

تعبیر کا حسن:

لفظوں پر دسترس اور تعبیر کے فن میں قدرت شاعری کی بنیادی لوازمات سے ہے دلکش اور بمعنی لفظوں کا انتخاب اور پیشکش کی ندرت شعری زمین کو حسین مرغ زار میں تبدیل کر دیتی ہے۔لفظوں کی دھن سے جو ساز برآمد ہوتا ہے وہ ایک نشے والے پر ہماری طاری کر دیتا ہے علامہ جامی کو جیسا ادبی ماحول ملا جیسے اساتذہ سخن کی صحبت ملی اور قدرت کی جانب سے جیسی ذہنی صلاحیتیں نصیب ہوئی اس کے علاوہ اختراع وتخلیقی عمل اور جزیہ نگاری حقیقت کی تازگی و چاشنی ملتی ہے۔

حضرت علامہ جامی حضور کے حُسن مقدس کے بارے میں لکھتے ہیں:

(17) دبیر ثنا نوشت کرد عارضی تو بمشک تاب کی الحسن والملاحۃ لک

(17) کاریگر حقیقی کے قلم نے تمہارے چہرے اقدس پر مشک خالصہ سے لکھا کہ حسن والملاحۃ آپ کے لیے اور صرف ملاحت حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے۔

تشریح: حسن وملاحت عالم صفات سے ہیں اور یہ کمال صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی اس لیے کہ

آپ کے تجلیات اصفات اعلی الکمال جامع ہیں صورۃً ومعنًا بھی، اس لئے کہ آپ افضل من الکل ہیں، اس لیے کہ آپ کی ہر تجلی اکمل تھی، اس میں کسی کو شبہ وشک کی گنجائش نہیں رکھنی چاہئے چنانچہ حضور خود ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے ملتے ہی خوش آمدید کہا اور دعائے خیر فرمائی۔ (ایضاص/42)

(18) یاد کنی کی درشب اسراء یا حبیب خدا خلیل خدا

(19) گفتگو از من اے رسول اکرم امت خویش راز بعد سلام

(20) کہ بود پاک وخویش زمین بہشت لیک آنجا کے درخت نہ کشت

(21) خاک او پاک و طیب افتادہ لیک ہست از درخت ہا سادہ

(22) غرض اشجار آں بسعی جمیل بسم اللہ حمد است یاسین تہلیل۔

ترجمہ:

(18) اے حبیب خدا یاد کیجئے کہ شب اسرا میرے اور آپ کے درمیان گفتگو ہوئی۔

(19) اور بہشت کی زمین خوش اور پاک ہے لیکن اس میں درخت نہیں ہے۔

(20) اس کے درخت یہی صالح ہیں یعنی بسم اللہ اور حمد لہ وتحلیل ہے۔

(روح البیان ج/8/ص49)

(23) خدا بر سروراں سرداریش دار زخیل انبیاء سالارش دار

(24) پے دیوار ایمان بود کارش شد او را چارکنی از چار پارش

ترجمہ:

(23) اور اللہ تعالی نے آپ کو تمام کائنات کا سردار بنایا تمام انبیاء پر بھی سرداربخشی۔

(24) آپ کا فعل ایمان کی چہار دیواری کو مستحکم کرتا ہے اور ایمان کی چہار دیواری کے رکن آپ کے چار یار ہیں۔

منظر نگاری:

منظر نگاری کہتے ہیں کسی بھی جگہ، چیز یا واقعہ کا ایسا نقشہ کھینچنا گویا پڑھنے والا یہ سمجھے کہ پورا منظر ہو بہو میری آنکھوں کے سامنے ہے اور شروع سے لیکر اخیر تک مکمل حالات کا میں مشاہدہ کرر ہا ہوں۔ گویا یہ سارے حالات، مناظر جو بیان کئے گئے ہیں، جو واقعہ پیش کیا گیا ہیوہ سب میرے ساتھ ہی پیش آرہا ہے۔

دوسرے لفظوں میں کسی بھی چیز کی منظر کشی یعنی نقشہ کھینچ کر بیان کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے

کہ: خالی الذہن ہو کر پورے نقشے کو اپنے ذہن و دماغ میں لائیں، اب ایک ایک چیز کو یادداشت کے لیے رف کاپی میں لکھتے جائیں، آپ یہی سوچ کر تمام چیزیں، ہر طرح کی معلومات اکٹھی کریں کہ یہ تمام چیزیں مجھے ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا ہے جس نے اس عمارت، چیز، یا جگہ کو نہیں دیکھا ہے لیکن آپ کی منظر نگاری کو پڑھنے والا ہر شخص یہی محسوس کرے گا کہ پورا نقشہ اسکے سامنے ہے گویا دیکھنے والا اور پڑھنے والا دونوں ہی برابر کا نقشہ کھینچ سکے اب تمام چیزوں کے محفوظ ہو جانے کے بعد منظر نگاری کو طبعی (فطری) ترتیب پر مرتب کر کے پیش کریں۔

ندرت افکار:

علامہ جامی نے رب منعم کی طرف سے اعلیٰ ذہنی صلاحیتیں پائی تھیں آپ کے روز و شب، علمی افادیت، فقہی تحقیقات آپ کی طبع رسائی کے بہترین ائینہ دار ہیں، آپ کے شعریات میں یہ جوہر خوب نکھر کے سامنے اتا ہے اپ کے متخیلہ قوت نے ایسے مضامین تراشے ہیں شہ پُر خیال نے وہاں اڑانیں بھری ہیں جہاں علمی فکروں کی رسائی قلیل ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ ذہنی ادراک کا عمل تین مرحلوں میں ہوتا ہے خیال، تخیل، استغراق، پہلے ذہن میں جھما کا مثل ہوتا ہے پس اس میں روشنی پیدا ہوتی ہے اس کی چمک گہرا اثر کرتی ہے پہلے اس مرحلے کو خیال کہتے ہیں، ثانوی کو تخیل کہتے ہیں، اور تیسرے کو استغراق، کہتے ہیں۔

(25) در لباس دوستی سازگار دشمنی
حسب الامکان واجب است از کسید ایشاں اجتناب
(26) مشکل ایشاں شکل انسانی فعل ایشاں فعل سباع،،
ہم و نائب فی شیاب او شیاب فی ذیاب

(27) ہر دم از عمر گرامی ہشت گنج بے بدل — میرود گنج چنیں ہر لحاظ بر باد آخ آخ

(28) سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند — سالہا گرچہ دریں راہ تگ و ہوئے کنند

علامہ جامی فرماتے ہیں کہ:

(25) دوستی کے رنگ میں عداوت کرتے ہیں حتی امکان ایسے لوگوں سے دور رہنا ضروری ہے۔

(26) کہ ان کی ظاہری شکل انسانوں کی ہوتی ہے ہوتی ہے لیکن وہ درحقیقت بھیڑیے ہوتے ہیں سچ یہ ہے کہ ایسے لوگ بھیڑیے کے کپڑوں میں چھپے ہوتے ہیں، یا کپڑے ہیں بھیڑیوں کے۔

(27) زندگی کا ہر لمحہ بے بدل خزینہ ہے افسوس کہ ہر لحظہ ایسا خزانہ ضائع جارہا ہے جس کا ملنا بہت دشوار ہے۔

(28) دوست کی کشش کے بغیر کوئی سالک منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اگرچہ ہزاروں سال اسی میں جدوجہد کریں۔

پندو نصائح:

جب علم پڑھ لیا ہے تو آپ عمل کرنے کی کوشش کیجئے اس لئے کہ علم بے عمل زہر ہے۔

اس کیمیا دانی کا کیا فائدہ جو اپنے تانبے کو سونا نہ بنا سکے۔

حسن تعلیل:

صنعت حسن تعلیل اردو شاعری کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد ہے کسی چیز کی علت بیان کرنا جو درحقیقت علت نہ ہو کبھی ایک چیز کی دو علتیں بیان کی جاتی ہیں۔

حسن تعلیل درحقیقت وہ صفت جس میں شاعر یا مصنف ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے جو درحقیقت اس کی علت نہیں ہوتی ،مثلاً پھول کے کھلنے کی وجہ یہ بیان کرنا کہ وہ بلبل کی نغمہ سنجی پر خوش ہو رہا ہے یا خوشی میں ہنس رہا ہے۔

آپ نے نہ صرف زبان وادب کے بیش بہا کارہائے نمایاں انجام دیے بلکہ اپنے اشعار میں ادب العالیہ کی جھلک پیش کی ہے اور اپنے کلام کو عشق ومحبت کا ایک حسین سرچشمہ بنا کر دکھایا جس نے یہ واضح کر دیا کہ آپ شاعرانہ مزاج ہی نہیں رکھتے بلکہ آداب نبوت اور مقام رسالت کے دانائے راز اور رمز شناس بھی ہیں، بلاشبہہ یہ علامہ جامی کی خصوصیت ہے، ان کا امتیاز ہے۔

آپ نے صنعات کا بھی برمحل استعمال کیا، پیکر تراشی میں تو بہت آگے نکل گئے، آپ نے کئی زبان میں اشعار قلم بند کیے لیکن آپ کے فارسی کلام سے بھی صحیح معنوں میں وہی لطف اندوز ہو سکتا ہے جسے عربی، فارسی پر عبور ہو اور اس کی اچھی سوجھ بوجھ رکھتا ہو، ایک دو فن ہی نہیں بلکہ بے شمار دقیق سے دقیق فنون وعلوم کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور ان کے ذریعہ نعت نگاری کو برتا، سیرت نگاری کی، مدح سرائی کی، نثری ادب میں ''شواہد النبوۃ'' کتاب کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، جس نے آپ کا مرتبہ ومقام ہر نعت گو شاعر سے بلند تر کر دیا۔

ایک ادیب کی شخصیت چوں کہ بہت سے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور مذہبی مسائل سے اثر قبول کرتی ہے اور اس کا ماحول اس کے ایک خاص اندازِ فکر کو پروان چڑھاتا ہے اس لیے اسلوب کا تعلق براہِ راست مصنف کی ذات اور اندازِ تفکر سے ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی ادیب قلم اٹھاتا ہے تو اس کی تحریر بہت سے ثقافتی اور تہذیبی عوامل کے گرد گھومتی ہے۔

ادب میں کوڈز اینڈ کنوینشنز کا تعلق اشارات، تلمیحات، استعارات، مصطلحات، تشبیہات، روز مرہ اور صنائع بدائع اور زبان کے دیگر ادبی مہارتوں سے ہوتا ہے، ایک ادیب جس قدر مہارت سے تحریر میں ان کو استعمال کرتا ہے، اس قدر وہ پختہ اسلوب کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کا دائرہ اثر بھی بڑھتا ہے۔ ہر ادیب کا اپنا ایک خاص اسلوب ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی ذات اور علمیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

یعنی اسلوب میں زبان کی تمام تر خاصیتیں بشمول اس کے خدوخال، صنائع بدائع، ساخت اور صوتی آہنگ تک سب کچھ شامل ہوتا ہے۔ نور اللغات کے مطابق اسلوب کے معانی ''راہ، طرز، روش، طریقہ، بندھنا لازم، صورت پیدا کرنا، راہ نکالنا'' کے ہیں فیروز اللغات میں اسے ''راہ، طریقہ، ڈھنگ'' کے معانی میں لیا گیا ہے جبکہ طرز، چلن راستہ بھی اسی زمرے میں دیے گئے ہیں۔ اسلوب کے حوالے سے کشاف تنقیدی اصطلاحات کی یہ تعریف بھی اہمیت رکھتی ہے:

اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت سے وجود میں آتا ہے اور چوں کہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتادِ طبع، فلسفہ حیات اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل جل کر حصہ لیتے ہیں اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے۔

علامہ جامی کی فارسی شاعری کی بابت بات کی جائے تو ان کے اسلوب میں جن عناصر کی نمائندگی زیادہ ہے ان میں منظر نگاری، جذئیات نگاری، صنائع شعری، معنویت، سلاست، روانگی، مشکل پسندی، اشارات، تلمیحات، استعارات، مصطلحات اور تشبیہات کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول کی فراوانی شامل ہیں۔ وہ اپنے کلام کی انفرادیت کے حوالے سے صاحبِ اسلوب ہیں۔ انھوں نے اپنے دور کے دیگر بیشتر شعرا کی نسبت محض نعت ہی کو اپنے جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کے اسلوب میں عشق رسول کا جو نمایاں عنصر ملتا ہے وہ ان کی نبی کریم سے والہانہ عقیدت کا پتہ دیتا ہے۔ ان کے ہاں الفاظ جذبات کے تابع نظر آتے ہیں لیکن محسوسات کا بیان مجہول دکھائی نہیں دیتا۔ اکثر جگہوں پر جب وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں، قصیدہ خواں ہوتے ہیں یا مناجات و استغاثہ پیش کرتے ہیں تو سراپا عجز و انکسار بن جاتے ہیں جس کا مقصود بھی شانِ نبوت ہی کا بیان ہوتا ہے۔ آپ کا مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے زیارت کی تمنا کرنا اور یہ تمنا بر نہ آنے پر بے

قراری واز خود رفتگی: کے عالم میں غزل خواں ہونا انھیں متقدمین سے انوکھا اسلوب عطا کرتا ہے۔

علامہ جامی حیات اور شاعری:

علامہ جامی یقیناً وہ بزرگ شخصیت ہیں جن کا نام بلا مبالغہ ہر روز ہندوستان کے بیشتر مسلمان مسجدوں، خانقاہوں، مدرسوں، کالجوں، اسکولوں میں لیا کرتے ہیں۔

آپ کی نعتیں اس قدر مقبول ہیں سینکڑوں سال سے سینہ بسینہ ان کی تکرار عشق رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے معمور دلوں اور اشک فشاں آنکھوں سے برابر ہوتی چلی آرہی ہے اور تعلیم یافتہ وغیر تعلیم یافتہ حضرات کے دلوں میں علامہ جامی کی کہی ہوئی نعتیں نقش پذیر ہوچکی ہیں۔

علامہ جامی کی یہ بھی بڑی کرامت ہے کہ جس عشق ومحبت سے انھوں نے محبوب خدا حضور کو اپنا اولین وآخرین معشوق بنا کر ان کی مدح وستائش میں غیر فانی نعتیہ ابیات اور مدحیہ غزلیں لکھی ہیں اسی عشق ومحبت کے ساتھ ہم نے عشق رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے طفیل ان کو اپنے دلوں میں جگہ دی اور اس کا اظہار صدیوں سے بغیر کسی تعطیل کے ہندوستانی مسلمان کے زبان سے دل کی گہرائیوں سے نکلتا ہے۔

علامہ جامی کے مرتبہ ومقام سے شناسائی حاصل کرنا ہر عاشق رسول کے لئے خاص ولازم ہے چونکہ آپ کے بارے میں عوام وخواص میں یہ تاثر ہے کہ آپ محض ایک زبردست نعت گو شاعر تھے اور بس، اس لئے علامہ جامی کے بارے میں انکی زندگی، تعلیم وتربیت اور تصوف ومسلک وشعر گوئی سے متعلق معلومات پردہ خفا ہی میں رہیں۔

ایران کی ادبی تاریخ میں علامہ جامی کو نویں صدی ہجری کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔

علامہ جامی شاعری میں مثنوی نگار تھے غزل گو تھے گو کہ انہوں نے قصائد بھی لکھے، ترکیب و ترجیع بند بھی لکھے اور رباعیاں بھی لکھیں، لیکن ان کی مثنویاں اور ان کے غزل ہی ان کے فن شعر گوئی کی روشن دلیل ہیں۔

اس کے علاوہ وہ ایک صوفی باصفا، سلسلہ نقشبندیہ کے مرشد وقت اور حضور کے اپنے وقت کے حسانِ بھی تھے۔

لیکن بڑے ہی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ آج تک جس توجہ اور دقت نظر اور قابل ملاحظہ تحقیق وتنقید کے ساتھ اساتذہ سخن، صوفیاء اولیاء کرام پر ایرانی محققین، مصنّفین نے کام کر کے ان کے ادبی لسانی تہذیبی، دینی اور متصوفانہ خدمات کو سراہا ہے اور ان کی روشن ضمیری، پاکیزہ سیرت اور عالم

اسلام میں ان کے وجود کی منفعت کو اجاگر کر کے ان کو تاریخ ادب وتصوف میں جاوداں کر دیا ہے اس توجہ کے ساتھ علامہ جامی پر تحقیقاتی وتصنیفاتی کام نہیں ہوا۔ (علامہ جامی حیات اور شاعری ص 13)

الحاصل: بہرحال اب ہم اپنے موضوع پر واپس آتے ہیں۔

علامہ جامی کی شعر گوئی پر جب ہم طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو علامہ جامی کے شعر گوئی میں ایک بے نظیر انفرادیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے جب ہم ان کے فارسی غزلیات کا دقیق مطالعہ کرتے ہیں، ایران میں کم وبیش سارے فارسی کے شعراء نے غزلیں لکھی ہیں، ان شعراء میں تفریحی شاعر بھی ہیں، غیر سنجیدہ شاعر بھی ہیں، دینی شاعر بھی ہیں اور سماجی بھی، صوفی شاعر بھی ہیں اور قلندرانہ شاعر بھی، مگر ان سبھوں نے ڈالنے ایک خاص مطمح نظر کو سامنے رکھ کر شعر کہے، البتہ صوفی شعراء نے ہمہ اوست یا ہمہ از اوست، کے مالک کل خدائے وحدہ لاشریک کو اپنا واحد محبوب مان کر عرفان سے معمور لافانی شعر ہمارے لئے باقی چھوڑے ہیں جو آج بھی ہمارے دلوں کو روشن رکھنے کے موثر وسیلے ہیں۔

گویا عشق حقیقی سے سرشار صوفی شاعروں کے تمام تر غزلیات، فقط وفقط اسی ذات خداوندی کی معرفت ومحبت کا اظہار ہیں جس کا نور آسمانوں اور زمین میں ہر طرف اور ہر جگہ موجود ہے۔

لیکن مجاز کی راہ سے بعض سعادت مندوں نے حقیقت کی راہ پالی، اور وہ بھی راہ عرفان میں جاوداں ہوگئے۔

لیکن علامہ جامی نے جس طرح سے فقط حضور کو اپنا مجازی اور حقیقی محبوب بنا کر عشق رسول سے سرشار غزلیں لکھیں اس طرح کی مثال فارسی شاعری میں کہیں نظر نہیں آتی، ان کی اکثر وبیشتر غزلیں، اسی محبوب لم یزل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا آئینہ ہیں جسے علامہ جامی نے عشق مقدس سے مدہوش ہوکر ہمارے لئے محبوب تر بنا دیا اور یہی علامہ جامی کی انفرادیت ہے کہ مقدس ترین ہستی اور خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش میں انہوں نے غزل کے آداب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ پاکیزہ اور مترنم مدحیہ غزلیہ لکھیں جو روایتی غزل گوئی سے الگ نہ ہوکر بھی اپنی ہیت ومراد اور تقدس و ملاحت کلام میں آسمان کی بلندی وصفائی کی طرح منفرد ہیں۔

مجھے فارسی ادب میں صنف غزل میں ایسا کوئی شاعر نظر نہیں آتا جس نے اپنی بیشتر فارسی غزلوں میں فقط محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زمینی وآسمانی محبوب بنا کر حضور کے چاہنے والوں کے لئے مدحیہ وستائشی غزلوں کا ایک بے مثال ذخیرہ باقی چھوڑ دیا ہو جو اپنی خصوصیات میں منفرد تاثیر وتاثر میں شتاب آمیز اور ادب وتقدس میں لاثانی ہو۔ (علامہ جامی: حیات اور شاعری/ص 15)

علامہ جامی اور آثار ادبی و مذہبی:

علامہ جامی نے عربی اور فارسی زبانوں میں ایک وقیع اور قابل یادگار ذخیرہ چھوڑا ہے چونکہ تمام تصنیفات شائع نہیں ہو پائی تھیں اس لئے تذکرہ نویسوں اور تاریخ ادبیات فارسی و عربی کے مصنفوں میں باہم قدرے اختلاف موجود ہے۔

علامہ جامی کی تصنیفات و تالیفات کے بارے میں سب سے زیادہ قریب العہد مرتبہ ''تذکرۃ الشعراء'' نامی کتاب ہے علامہ جامی کا وصال 898ھ/ ہے اور شہزادہ سام مرزا ابن اسماعیل صفوی سلطنت صفویہ کا بانی ہے اس نے اپنے تذکرۃ الشعراء موسوم بہ تحفہ سامی بقول پروفیسر براؤن 985ھ/ میں مکمل کیا یعنی علامہ جامی کے وصال کے 59 / سال کے بعد شاہزداہ سام مرزا جو کہ صفوی سلاطین میں بحثیت ادیب بہت ممتاز ہے اپنے برادر بزرگ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانے میں بجرم بغاوت 983ھ/ میں قتل کر دیا گیا تھا، علامہ جامی کے وصال کے بعد اس قدر قریب العہد اور کوئی تذکرہ نویس نہیں ہے اس لئے سام مرزا کی شہادت یعنی گواہی بہت ہی مسلم الثبوت اور قابل قبول ہے۔

شاہزادہ سام مرزا کا یہ ایک احسان عظیم ہے اور اس کی ادب دوستی کا واحد گراں قدر ثبوت ہے کہ اس نے علامہ جامی کے تذکرے میں مذہبی تعصب کو دخل نہیں ہونے دیا اور ایک ادب شناس کی طرح حقائق کو مسخ نہیں کیا ہے چنانچہ علامہ جامی کی تصانیف و تالیف کے سلسلے میں اس تمہید کو بیان کرنا میرا مقصد یہ تھا کہ تحفہ سامی کے ذریعے علامہ جامی کے تصانیف کے جو نام ہم بغیر کسی صراحت کے پہنچے ہیں ان پر یقین کرنے پر قارئین کسی تذبذب کا شکار نہ ہوں۔

اِس وقت علامہ جامی کی بعض تصانیف نایاب تصانیف میں شمار کی جاتی ہیں اور یہ نایابی آج کی بات نہیں بلکہ مدت مدیدہ سے یہ اہمیت وافادیت مسلم ہے صاحب تحفی سامی آپ کی تصانیف کے سلسلے میں رقم طراز ہیں۔

علامہ جامی کے کلام کا رنگ:

علامہ جامی کی فکری خدمات کا یہ گوشہ خاصہ وقیع ہے جن میں شعر وسخن کے تابندہ نقوش آپ کی فکر نے ابھارے ہیں وہ خاصے دلچسپ اور ترنم ریز اور سحر انگیز ہیں، نعت اور غزل دونوں اصناف میں رواں دواں اشعار تصانیف میں موجود ہیں۔

ہر شاعر اور ادیب کی فکری نشو ونما میں اس کے گرد وپیش بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور اس کی

فکری یادگاروں کی آب وتاب کا فہم بھی اس کے ماحولیاتی پس منظر کا محتاج ہوتا ہے، ادب کی تخلیق کا نقطۂ آغاز یا تخلیقی عمل کی ابتدا ہی سے ادیب کا ذہن شعوری، عدم شعوری طور پر کسی خیال فکر یا کائناتی تصور میں داخل ہوتا ہے، اگر چہ یہ دنیا بھی مصنف کے ساتھ خود بھی تخلیقی عمل سے گزرتی ہے کیونکہ اس جہاں کے نقش ونگار رنگ وروپ کو خود مصنف کا قلم اور ذہن سنوارتا وسجاتا ہے، لیکن اس تصوراتی فکری اور تخیلی عمل کے دنیا کی تمام تر اساسیں اسی معاشرے میں پیوست ہوتی ہیں جس کائنات اور معاشرے میں وہ مصنف رہ رہا ہوتا ہے۔ ادب کی نوعیت اور ماہیت کے لحاظ سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جیسا معاشرہ اور ماحولیاتی پس منظر ہوگا اسی کے مانند ادب تخلیق میں آتا ہے، معاشرے اور ماحولیاتی پس منظر میں جس قدر پیچیدگیاں ہوں گی اس قدر ادب میں بھی پیچیدگیاں نظر آئیں گی۔

علامہ جامی کی منظوم تصانیف میں سب سے پہلے قابل ذکر آپ کا 'دیوان جامی ہے' جو قصائد وغزلیات، نعتیہ اور عرفانی عاشقانہ ترجیعات، مرکبات، مراثی، مثنویات، اور رباعیات پر مشتمل ہے۔

☆ ایڈیٹر: ماہنامہ جام میر، بلگرام شریف (یوپی)

موبائل : 6393021704

☆☆☆

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قادری (ویلور، تمل ناڈو)

دکن کا زندۂ جاوید منظوم صحیفہ سیرت طیبہ

جنوبی ہند کے صوبۂ تمل ناڈو کے تاریخی شہر ویلور دارالسرور میں خانوادۂ اقطاب ویلور کے بانی حضرت سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۵۰ھ) کی اولاد امجاد کی چوتھی پشت میں واقع بزرگ حضرت شاہ محی الدین سید عبداللطیف قادری المعروف حضرت قطب ویلور (متوفی ۱۲۸۹ھ) کی ذات گرامی سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتزکیہ، تجدید واصلاح، تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور زبان وادب کا کام وسیع پیمانہ پر ظہور پذیر ہوا۔ آپ کے دست حق پرست پر سات لاکھ اہل ایمان نے بیعت کی، اور سلوک کی منزلیں طے کیں اور چار سو سے زائد علماء وصوفیہ نے خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا (جواہر العرفان: مولانا شاہ ولی اللہ قادری دھاڑواڑ) آپ کے خلفاء میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی کی مختصر فہرست مولانا عبدالرحیم ضیاء حیدرآبادی خلیفۂ حضرت قطب ویلور کی تالیف ''مقالات طریقت'' میں درج ہے۔ یہاں غیر معمولی معروف ومشہور صرف دو خلیفہ کے ناموں کی صراحت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ ان میں ایک خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالوھاب قادری نقش بندی ویلوری (متوفی ۱۹۱۹ء) ہیں۔ جن کی ذات گرامی سے انیسویں صدی کے نصف ثانی میں تاریخ ساز اور دائمی فیض رساں باقیات صالحات نامی مدرسہ کا قیام عمل میں آیا اور آج اس کے فارغین و فاضلین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ اور مدرسۂ باقیات صالحات ویلور بالواسطہ حضرت قطب ویلور کا علمی وروحانی فیض ہے۔

اور دوسرے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالحی قادری المتخلص احقرؔ اور المشہور واعظ بنگلوری ہیں جن کی نوک قلم سے صادر شدہ صحیفۂ سیر شریف جنان السیر فی احوال سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اس مقالے کا موضوع ہے۔

جنوبی ہند میں سیرت نگاری وسوانح نویسی کی روایت خانوادۂ اقطاب ویلور کے فرد فرید حضرت علامہ غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی ویلوری (متوفی ۱۱۹۴ھ) کی وقیع تصنیف معجز

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور غوث نامہ سے قائم ہوئی۔ پھر آپ کے رفیق ہم درس و ہم مشرب اور مرشد برادر علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) کی مایہ ناز تخلیق ہشت بہشت اور محبوب القلب سے یہ روایت پروان چڑھی اس کے بعد اسی خانقاہ اقطاب ویلور اور اس سے ملحق خانقاہی درسگاہ (لطیفیہ) کے فیض کیش و تربیت یافتہ علامہ عبدالحئی احقر بنگلوری کی عظیم و ضخیم کی مثنوی ''جنان السیر فی احوال سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نے اس روایت کو زمین سے آسمان کر دیا۔ اور علامہ احقر نے سیر شریف اور سوانح بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے ایسا وسیع ذخیرہ چھوڑا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، بقول ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی مرحوم:

> ''علامہ احقر نے ہیروز آف اسلام کا ایک طویل سلسلہ جنوبی ہند میں شروع کر دیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ سید البشر نبی خاتم ﷺ سے متعلق جنان السیر اور ریاض ازہر۔ خلفائے راشدین سے متعلق حدیقۃ الاحباب۔ اہل بیت سے متعلق روضۃ الابرار۔ امام حسن اور امام حسین سے متعلق قرۃ العینین و گلشن غم۔ حامئی شریعت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے متعلق تحفۂ مرغوب۔ خلفائے اسلام سے متعلق تاریخ الخلفاء۔ ائمہ فقہ سے متعلق تذکرۃ المجتہدین۔ احادیث کی تدوین میں جن ائمہ کبار نے حصہ لیا، ان سے متعلق تذکرۃ المحدثین۔ اور اولیاء اللہ سے متعلق تذکرۂ اولیاء کی دو ضخیم جلدیں نظماً کر شریعت اسلامی کے عمائدین پر اردو میں ایک گنجینۂ بے بہا کا اضافہ کر دیا، اور دکن کو اس سلسلہ میں بھی اولیت کا شرف بخش دیا۔'' (علامہ احقر ص 144)

مولانا عبدالحئی اپنے وقت کے مشہور و معروف عالم باعمل، فاضل بے بدل، متشرع و متورع صوفی، معتبر و محتاط مفسر قرآن، مستند و معتمد محدث، وسیع النظر و زمانہ شناس فقیہہ، نبض شناس مصلح، ذی حکمت داعی، قادر الکلام و بدیہہ گو شاعر، صاحب طرز انشا پرداز، مایہ ناز ادیب، ممتاز سیرت نگار اور منفرد سوانح نویس تھے۔ جن کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریریں اور تقریریں آج بھی حضرت قطب ویلور کے فکری مزاج و منہاج اور مسلک و مشرب کی شارح و ترجمان ہیں جو دراصل حضرت قطب ویلور کا فیض روحانی ہے۔

جنان السیر کے مطالعہ اور جائزہ سے پہلے موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحئی کا سوانحی نامہ تحریر کیا جائے۔

مولانا عبدالحیٔ کا خاندان سلطنت خداداد سے وابستہ تھا۔آپ کے فرجد حیدر بیگ تل، منگل اور سنٹی کپہ کے جا گیردار تھے آپ کے دادا کریم بیگ کے برادرِ حقیقی قادر علی بیگ اعظم پور ضلع چکمنگلور کے علمدار تھے اور آپ کے والد ماجد ابراہیم بیگ ترویکرہ کے عمل دار تھے۔

(علامہ احقر بنگلوری:ص:۵۲: ڈاکٹر سید قدرت اللہ میسور)

اس طرح سے یہ خاندان کئی پشتوں سے فوج دار اور دیوانی کے اعلیٰ منصب پر متمکن رہا۔آپ کی والدۂ ماجدہ کا سلسلہ نسب سات گڈھ، پیاری بیگم پیٹھ (موجودہ پیارم پیٹ شمالی آرکاٹ) کے ایک معروف صاحب علم وعرفان بزرگ حضرت شاہ آدم تک پہنچتا ہے۔آپ کے والد ماجد ابراہیم بیگ سلطنتِ خداداد کے سقوط کے بعد اپنے فوجی منصب سے معزول ہوکر بنگلور پہنچ گئے جہاں آپ کا سسرال اقامت گزیں تھا۔آپ کے دادا یہال میں باپ، دادا سیاست وقیادت اور حرب وضرب کی دنیا سے جڑے ہوے تھے۔تو آپ کا نانیہال علم وفن اور سلوک وتصوف کی شمع فروزاں کئے ہوے تھا۔ جس کی وجہ سے مولانا عبدالحیٔ کی ذات میں حرب وضرب، علم وادب اور رزم وبزم کی صفات وخصوصیات جمع ہوگئیں۔لیکن قوت سے فعل کے دائرہ میں علم وادب کی صفات کا ظہور ہوا۔

مولانا عبدالحیٔ کی تاریخ پیدائش میں بہت اختلاف ہے۔۱۲۳۴ھ کی اس تاریخ پر اکثر اہل قلم کا اتفاق ہے۔حضرت عبدالحیٔ شہر بنگلور میں اپنے نانیہال کے گھر میں ماہ جمادی الاول ۱۲۳۴ھ روز دوشنبہ کو پیدا ہوئے۔

اسماء کی تصغیر اور والدین کی سادہ لوحی کے باعث آپ بڈھن کے نام سے موسوم ہوگئے، جسے بعد میں آپ کے اساتذۂ کرام نے آپ کا نام بدل دیا۔بقول ڈاکٹر سید قدرت اللہ:

> ''لفظِ بڈھن غالبًا برہان کا ترمیم شدہ لفظ ہے۔جن اساتذہ کے روبروآ
> پ نے زانوئے ادب تہہ کیا، انھوں نے آپ کو بڈھن کے بجائے عبدالحیٔ نام
> رکھا۔(علامہ احقر بنگلوری:ص:۶۰)

آپ کی بسم اللہ خوانی بنگلور کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد قادری سے ہوئی۔ ناظرہ قرآن حضرت قاری سید باقر اور مولانا محمد غوث سے پڑھا اور عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم مولانا قاضی محمد جعفر سے حاصل کی۔شہ سواری، تیراندازی، پہلوانی اور سپہ گری کی تعلیم وتربیت کرناٹک کے مشہور ماہر فنون سپہ گری جناب استاذ خان سے حاصل کی اس طرح آپ نے بزم کے ساتھ رزم میں بھی آبائی نسبت پیدا کرلی۔

مولانا عبدالحئیؒ جب پندرہ سال کے ہوئے تو والد ماجد نے آپ کو حضرت مولانا سید شاہ سجاد بخاری کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے بھیج دیا اور آپ نے ان سے عربی و فارسی کی کتب متداولہ کا درس لیا اور ان کے اندر عبور پیدا کرلیا۔ جیسا کہ دیپاچہ ''حدیقۃ الاحباب'' ص۶ مطبع محمدی بنگلور ۱۲۸۹ھ میں مرقوم ہے۔

بخاری صاحب کی خدمت میں آپ تین سال تک زیرِ تعلیم رہے اور آپ بخاری صاحب کی زبان سے اکثر اوقات حضرت قطب ویلور کے علم و فضل اور تزکیہ سے متعلق تعریف سنا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کے قلب میں حضرت قطب ویلور کی عظمت و عقیدت پیدا ہوگئی اور غائبانہ طور پر ایک قلبی لگاؤ ہوگیا۔ ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں حضرت بخاری دارِ فانی سے کوچ کر گئے تو آپ کو بڑا گہرا صدمہ پہنچا۔ اس واقعہ پر پانچ سال بیت گئے۔ ایک رات خواب میں حضرت قطب ویلور کو دیکھا کہ ان سے استفادہ کررہے ہیں۔ اس کے چند دن بعد یہی خواب پھر دیکھا تو آپ نے اس کو لطیفۂ غیبی سمجھا اور حضرت قطب ویلور سے اکتسابِ فیض کا عزم صمیم کرلیا اور ۱۲۵۸ھ میں ویلور پہنچے اور حضرت قطب ویلور کے آبائی و خانقاہی مدرسہ لطیفیہ میں داخل ہوے۔ مولانا عبدالحئیؒ نے حضرت قطب ویلور اور مولوی سید محی الدین قادری ہم شیر زادہ و داماد اور خلیفہ قطب ویلور اور دیگر اساتذۂ روزگار سے مختلف و متعدد علوم و فنون کی تکمیل کی اور سلوک کی تعلیم حضرت قطب ویلور سے حاصل کی۔ ۱۲۵۸ھ میں بیعت سے مشرف ہوئے ۱۲۶۰ھ میں سندِ خلافت و اجازتِ وعظ سے سرفراز ہوئے اور تیس سال تک حضرت قطب ویلور کے زیرِ تربیت رہے اور اکتساب علم و فیض فرماتے رہے۔ چنانچہ دیپاچہ ''حدیقۃ الاحباب ص۷ میں مذکور ہے۔

مولانا عبدالحئیؒ نے اپنی تعلیم، سفر ویلور اور تواریخ وغیرہ کی وضاحت درج ذیل اشعار میں کی ہے:

شاہ سجاد اس کا نام ہمام — لوگ پڑھتے تھے اس سے علم مدام
میرے والد نے پس مجھے بھی لے جا — اس کی خدمت سے بہرہ یاب کیا
تا کروں اس سے طالب علمی — پا نزدہ سال کی تھی عمر میری
الغرض تین سال تک مسرور — استفادہ کیا میں اس کے حضور
اور سنتا تھا اس سے میں ہر حال — شیخ ویلور کا بھی فضل و کمال
دیکھا یک رات بعد ازاں در خواب — شیخ ویلور کا رفیع جناب
مستفیذ اس سے در منام ہوا — ہم جلیس وہم کلام ہوا

بعد ازاں عنقریب باردوم　پہنچا رویا میں اس سے فیض بہم
پس سفر میں کیا سوئے ویلور　اور پہنچا وہ رہنما کے حضور
سن تھا بارہ سے اور اٹھاون　پیر کی رات تھی وہ قطب زمن
قادریہ طریق نیچ بہ ھم　مجھ سے بیعت لی بلطف اعم
مدت تیس سال مجھ کو خدا　زیرِ ظلِّ ظلیل مجھ کو رکھا

(مطلع النور مصنف حضرت عبدالحیؒ: ص: ۶۲)

مولانا عبدالحی تعلیم وتربیت کی تکمیل اور بیعت وخلافت اوراجازت سے شرف یاب ہونے کے بعد ویلور سے رخصت ہوگئے۔ لیکن شیخ محترم سے اپنا ربط وضبط برابر قائم رکھا اور شیخ کی خدمت میں برابر حاضری دیتے رہے اور جب بھی کوئی علمی اشکال اور کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو مراسلت کے ذریعہ حضرت قطب ویلور کی جانب رجوع فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت قطب ویلور کے مکتوبات میں بہت سارے خطوط مولانا عبدالحیؒ کے نام پائے جاتے ہیں۔ جن میں مولانا عبدالحیؒ نے کئی ایک غامض اور دقیق مسائل کی وضاحت طلب کی ہے۔

حضرت قطب ویلور، مولانا عبدالحی کو حد درجہ محبوب رکھتے تھے اور بہت سارے معاملات میں آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ شہر بنگلور میں ایک موقعہ پر بڑا فتنہ کھڑا ہوگیا تھا اور وہاں کے لوگ اختلاف اور انتشار کا شکار ہو چکے تھے تو حضرت قطب ویلور نے اس کے انسداد کے لئے وہاں کے چند بااثر حضرات کے نام ایک مفصل تحریر روانہ کی اور لکھا کہ اس مکتوب کو مولانا عبدالحیؒ یا مولانا شاہ عبدالوہاب (بانی باقیات الصالحات، ویلور) یا مولانا محمد حنیف سے سنوائیں۔ یہ حضرات صاحب علم ہیں اور ان حضرات کو بھی روانگی سے قبل تاکید فرمائی کہ وہاں کے مسلمانوں میں صلح صفائی اور امن پیدا کریں:

''این نامہ از زبانِ مولوی عبدالحی صاحب یا مولوی محمد حنیف صاحب
یا مولوی عبدالوہاب شنوند کہ صاحب علم اند۔'' (مکتوبات لطیفی: قلمی مخطوطہ)

مولانا عبدالحیؒ کے قلب میں اپنے شیخ مربی ومرشد روحانی حضرت قطب ویلور کے ساتھ والہانہ وعاشقانہ اور فدا کارانہ وجان نثارانہ محبت والفت تھی۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی شاعری میں جابجا کیا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی بعض منظوم تصانیف کے اندر حمد ونعت کے بعد حضرت قطب ویلور کی منقبت میں چند اشعار کا التزام کیا ہے۔

'جنان السیر' کے چمن اول میں بایں الفاظ حضرت قطب ویلور کی مدح وتوصیف کی ہے:

اوج حقائق کا ہے بدر منیر ملک کے معارف کا امیر و کبیر
ملتِ اسلام کا رکن رکین صاحبِ دل حامئی دین محی الدین
عالم و فاضل ہے شریعت میں وہ عارف کامل ہے طریقت میں وہ
پس ہے مرا شیخ مقدم وہی رہبر اول ہے، منظّم وہی

(جنان السیر فی احوال سید البشرؐ:ص: ۲۷)

حضرت قطب ویلور کے وصال کے بعد مولانا عبدالحئیؒ نے مزید اکتساب فیض جسمانی کے خیال سے حضرت سید احمد شہید کے خلیفۂ رشید حضرت مولانا سید محمد علی واعظ رامپوری کے ہاتھوں پر بیعت کی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں خلافت حاصل کی اور اس طرح سے مولانا عبدالحئیؒ کی ذات گرامی سلسلۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور سلسلۂ اقطاب ویلور کے روحانی فیوض و برکات کی مجمع البحرین بن گئی۔

مولانا عبدالحئیؒ نے اپنی ساری زندگی دعوت و تبلیغ، رشد و ہدایت، اصلاح و تذکیر اور تصنیف و تالیف میں گزاری اور جنوب کی تین ریاستوں آندھرا، تمل ناڈو، اور کرناٹک کے اکثر و بیشتر شہروں، دیہاتوں اور قصبوں میں تبلیغی اور دعوتی سفر کرتے رہے اور ہر مقام پر آپ کے مواعظِ حسنہ ہوتے رہے۔ جن کی برکت اور اثر سے مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی اکثر بدعات و خرافات ختم ہوگئیں۔ اور لوگوں میں سنتِ نبویؐ سے انس و شغف اور اس پر عمل کا جذبہ بیدار ہوگیا۔ مولانا ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی کا بیان ہے:

''چن رائے پٹن ضلع ہاسن کے باہر ایک چلہ گاہ تھی۔ ہر جمعرات مرد اور عورتوں کا ہجوم رہتا۔ عورتیں ڈھول بجاتی اور گایا کرتی تھیں۔ منتیں اور مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ چلہ پرستی کا یہ سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ کسی کو روکنے کی جرأت نہ تھی۔ علامہ احقؔر کو ۱۲۶۴ھ کے اواخر میں دعوت دی گئی۔ آپ کے وجد آفریں خطبات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس سے سامعین میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی۔ لوگ اپنے اپنے گھر گئے اور بیلچے اور کدالی لے دوڑے اور چلّہ گاہ کو بیخ و بن سے اکھیڑ پھینک دیا۔

''سراء کرناٹک کا ایک اہم شہر ہے۔ اس جگہ ایک عرب شاہ کا مقبرہ تھا۔ جس میں ایک تصویر تھی۔ اس تصویر پر عقیدت سے پھول چڑھائے جاتے تھے۔ عوام کی غیر شرعی حرکات سے متاثر ہو کر علامہ احقؔر ایسے دل سوز خطبہ

دئے کہ محفل میں آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ تیسری جمعہ خطبہ کے دوران سامعین بے قابو ہو گئے اور بعدِ نماز مجاور اٹھا اور اس مقبرہ میں لٹکی ہوئی تصویر کو پارہ پارہ کر دیا۔'' (علامہ احقر بنگلوری: ص:۹۳، ۹۵)

مولانا عبدالحئیؒ کے قلم سے سو سے زائد کتابیں وجود پذیر ہوئیں۔ دعوت و تبلیغ کے باب میں آپ کا تاریخ ساز انوکھا کارنامہ جمعہ خطبات کی تدوین و ترتیب اور اشاعت ہے۔ آپ سے پہلے ایسی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے خطبۂ جمعہ کے تذکیری پہلو کے فائدے کو عام کرنے کے لئے جمعہ کے خطبہ کو اردو زبان میں دینے کا طریقہ رائج کیا اور ''خطبات حرمین شریفین'' کے نام سے ایک مجموعہ تیار کیا۔ آپ کی یہ اولین اور عدیم النظیر کوشش اس قدر بارآور مقبول خاص و عام ہوئی کہ جنوب کی تین ریاستوں آندھرا، کرناٹکا اور ٹمل نادو کی اکثر و بیشتر مساجد میں ائمہ مساجد یہی خطبات پڑھتے رہے اور یہ سلسلہ چودہویں صدی کے اواخر تک جاری تھا۔

اردو زبان میں آپ کا اوّلین اور عظیم الشان تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کو نظم کے سانچہ میں ڈھالا اور ''جنان السیر'' کے نام سے بائیس 22 ہزار ابیات کا مشتمل رواں دواں اور مسلسل و مربوط مثنوی تصنیف کی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ربیع الاول میں گھر گھر، مسجد مسجد پڑھی اور سنی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے اس ماہ میں ہر طرف دینی و روحانی ماحول دیکھنے میں آتا تھا۔

جنان السیر (بارہ مجالس) کی طرح ''فوائد قدسیہ'' (گیارہ مجلس) نامی کتاب جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی منظوم سوانح ہے، ربیع الثانی میں بڑے ذوق وشوق اور اہتمام کے ساتھ بہت سارے گھروں میں پڑھی اور سنی جاتی تھی۔

اسی طرح ''شہادت نامہ'' (ترجمۂ سرّ الشہادتین'') بھی محرم الحرام میں پڑھی اور سنی جاتی تھی۔ جو حضرت حسینؓ کی شہادت اور اہل بیت کے فضائل و مناقب اور احوال پر مشتمل ہے۔

شہادت نامہ ٗ جنان السیر ٗ فوائد قدسیہ کے پڑھنے اور سننے سے تذکرۂ صالحین کے فوائد سے امت بہرور ہو رہی تھی۔ ماضیٔ قریب میں ان مجالس پر بدعت کا حکم صادر کرتے ہوئے برخاست کر دی گئیں۔

مولانا عبدالحئیؒ نے پریس اور صحافت سے بھی اپنا رشتہ قائم رکھا۔ قومی و ملی اور ملکی مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے اور مختلف رسائل و جرائد میں اظہارِ خیال فرماتے تھے۔ آپ کی نگارشات متعدد رسالوں مثلاً منشورِ محمدیؐ، بزم غم، شمع سخن، کی زینت بنا کرتی تھیں اور آپ کی کتابوں پر تعارف و تبصرہ

اور نقد ونظر اور تاریخی قطعات وغیرہ بھی وقتاً فو قتاً شائع ہوا کرتے تھے۔ شہر بنگلور کی ایک معروف تنظیم، انجمنِ اسلام، جو ردِّ عیسائیت کے لئے کام کرتی تھی، آپ اس کے صدر تھے اور آپ اپنی صدارتی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔

مولانا عبدالحیٔ کو فنِ حدیث اور صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بے نظیر کے ساتھ بے انتہا عشق تھا۔ آپ حافظ الحدیث تھے۔ ہزاروں حدیثیں از بر تھیں اور اپنے خطبات میں موضوع کی مناسبت سے بے شمار احادیث پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے تقریر اور تحریر کے ذریعہ حدیث کی جو خدمت انجام دی ہے اس کی نظیر سارے جنوب میں ملنی مشکل ہے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے اردو دان طبقہ کو بخاری شریف سے روشناس کروایا اور سب سے پہلے بخاری کی شرح لکھی۔ اس کے بعد ہی شمال اور جنوب میں بخاری کی شروحات کا سلسلہ چل پڑا اور اردو میں بخاری کے شارحِ اول ہونے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ اپنے محلّہ کی مسجد میں روزانہ بعد نماز عشاء حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ اس قدر مقبول ومشہور ہوگیا کہ مختلف مساجد سے آپ کو درسِ حدیث دینے کے لئے مدعو کیا جاتا تھا اور آپ تشریف لے جاتے تھے اور ماہِ رمضان میں اس کام میں اور تیزی آجاتی تھی۔ نماز فجر، ظہر اور تراویح کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔

علم الحدیث پر آپ کا شاہکار تاریخی اور افادی کارنامہ ''شرح بخاری فیض الباری'' ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے یہ خدمت بڑے خلوص واہتمام اور آداب کے ساتھ انجام دی، جس نے امام بخاری کی تدوین حدیث کی یاد تازہ کردی۔ بقول مولانا اطہر:

> ''امام بخاری کو اجتماعِ حدیث میں جو انداز کہ ملحوظ تھا۔ دم تشریح واعظؔ کو بھی وہی لحاظ مرعی تھا۔ بخاری نے جب تک زمزم سے غسل نہ کیا حدیث تحریر نہ کیا۔ واعظ نے بھی اس کی شروح میں ہر روز شروحِ حدیث میں جب تک غسل نہ کیا، تسطیر نہ کی۔ بخاری نے حرمِ شریف میں تبییض فی الحدیث ایک دوگانہ ادا کیا۔ واعظؔ نے بھی اس کی تفسیر میں بہ نیت اعتکاف خانۂ خدا میں وہی اہتمام پہنچایا۔'' (دیپاچۂ فیض الباری: ص:۲)

مولانا عبدالحیٔ عامل بالسنہ اور فنا فی الرسول بزرگ تھے۔ آپ کے دل میں مدینہ منورہ میں دفن ہونے کی بڑی خواہش تھی اور یہ خواہش انہیں اپنے شیخ محترم قطبِ ویلور سے حاصل ہوی جنھوں نے آپ کے قلب میں یہ حقیقت

بٹھا دی کہ معراجِ جسمانی تو یہ ہے کہ سالک کے جسم کی خاک مدینۂ طیبہ کی خاک میں آمیختہ ہو جائے۔ (تذکرۂ مولانا عبدالوہاب: ص:۲۴)

مولانا عبدالحئی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پچاس ہزار سے زائد اشعار کہا ہے۔ اور آپ کی زندگی کے آخری ایام میں جو اشعار صدور پذیر ہوئے ان کے اندر صرف ایک ہی ذوق و شوق اور جذبہ و آرزو دکھائی دیتی ہے کہ خدایا مجھے حرم نبوی میں دفن ہونے کی سعادت عطا فرما:

یا الٰہی تری عنایت سے　　دولتِ حج و زیارت سے
دے مجھ کو بہر عافیت کے ساتھ　　اور مدینہ میں دیجئے مجھ کو ممات
مجھ کو حرمین تک لے جا، یاں سے　　کہیں ہرگز لے جانہ پھر واں سے
مرا ملجا و مسکن کر مدینہ　　مرام بعث و مدفن کر مدینہ

(دلائل متقیہ: ص:۳۱) (زاد الآخرت: ص:۲۱۸)

مولانا عبدالحئی ۲/رجب ۱۳۰۰ھ کو حجازِ مقدس تشریف لے گئے۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد دیارِ رسول پہنچ گئے۔ جہاں ۲۳، محرم الحرام ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء کو انتقال فرمایا اور اسی سرزمین میں دفن ہوئے۔

مولانا عبدالحئی کو پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تولد ہوئی۔ (۱) مولوی محمد عبدالقادر علی صوفی (۲) محمد عبدالقیوم (۳) منشی شمس الدین احمد (۴) مولوی محمد علی واعظ (۵) محمد ابراہیم (۶) امۃ اللہ۔

(علامہ احقر بنگلوری: ص؛۱۲۹)

مولانا عبدالحئی کی اولاد میں فرزندِ اول حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر علی صوفی پسر نمونہ پدر است کے مصداق صاحب علم، صاحب قلم، اور صاحب سخن تھے آپ کی بسم اللہ خوانی حضرت قطب ویلور سے ہوئی اور ان ہی کی دعا کی برکت تھی کہ حضرت صوفی نے علم و ادب میں ایک خاص مقام حاصل کیا۔ حضرت صوفی نے حضرت قطب ویلور سے اکتسابِ علم کا اعتراف بایں الفاظ کیا ہے:

تھا اس زمانہ کا وہ شیخ کبیر　　وہی میرا اور میرے والد کا پیر
ملا اس کا دامن لڑکپن میں ہی　　کہ بسم اللہ خوانی اسی سے ہوی
لڑکپن سے تا بحدِ شباب　　اسی کی توجہ سے تھا فیض یاب

(علامہ احقر بنگلوری: ص:۱۲۸)

مولانا عبدالحئی کو مختلف علوم وفنون کے اندر کمال اور اختصاص حاصل تھا۔ آپ کے قلم سے ایک

سو سے زائد کتابیں صدور پذیر ہوئیں۔اس مقام پر آپ کی تمام کتابوں کا مکمل و مفصل تعارف وتبصرہ، نقد ونظر اور علمی احتساب ایک مشکل مرحلہ ہے۔مولانا عبدالحیٔ کی تصنیفات پر ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی نے اپنی گراں مایہ علمی و تحقیقی تصنیف ''علامہ احقر بنگلوری'' میں سیر حاصل جائزہ پیش کیا ہے۔

(۱) تفسیر الجواہر: اردو زبان میں کلام پاک کی یہ پہلی مکمل منظوم تفسیر ہے۔آپ سے پہلے کسی عالم وفاضل نے تفسیر کو نظم کے قالب میں پیش نہیں کیا۔تفسیر الجواھر ۱۲۸۲ھ میں لکھی گئی ہے اور نایاب ہے۔ صرف بعض تذکروں میں اس کے متعلق تہنیتی نظمیں اور قصیدے ملتے ہیں۔ یہ تفسیر منشی سید قادر پاشا قادری معسکر بنگلور سے شائع ہوی تھی۔اور اس کا مادۂ تاریخ ''یاقوت تفسیر'' ہے:

مژدہ اے دل ہوی تفسیر جواہر تیار جس پہ ہوتے ہیں تصدق مہ وخورشید لیل ونہار

(۲) شرح ثلاثیات:

اس رسالہ میں ایسی بائیس 22 حدیثوں کی شرح کی گئی ہے جن میں امام بخاری اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین راوی ہیں۔ یہ رسالہ ۱۲۸۹ھ میں مطبع محمد بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

(۳) اربعینات:

اس رسالہ میں ایسی چالیس احادیث کی شرح بیان کی گئی ہے جو عقائد، اعمال اخلاق اور آداب کو گھیری ہوی ہیں۔

(۴) احادیث مؤجزہ:

یہ رسالہ نثر میں ہے جس میں قلیل لفظ اور کثیر معانی کی حامل حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے۔

(۵) شرح حدیث الدین النصیحۃ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔

(٦) سعادت ابدیہ فی وظائف محمدیہ:

یہ کتاب نثر میں ہے۔جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے اعمال و وظائف اور ماثور دعاؤں کو نقل کیا گیا ہے۔مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب میں علامہ ابن شیبہ، امام بیہقی، امام سمعانی، امام نووی اور ملا علی قاری کی اتباع میں مسنون دعاؤں کو جمع کیا ہے۔ یہ کتاب مطبع مسلمانی ویلور سے شائع ہوی ہے۔

(۷) خطباتِ حرمین شریفین:

جمعہ کے خطبات کا ایک مجموعہ ہے اور یہ منظوم ہے۔ مولانا عبدالحئی کے عہد میں عوام کے اندر نظم سے دلچسپی زیادہ تھی۔ اسی ذوق کو سامنے رکھتے ہوئے انھوں نے خطبات کو نظم کیا ہے۔ اردو زبان میں یہ اپنی طرز کی پہلی تصنیف ہے۔

(۸) تحقیق المحققین فی میلا دسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم:

اردو نثر میں ایک مختصر رسالہ ہے جس میں میلا دالنبیؐ کے مسئلہ کا شرعی جائزہ لیا گیا ہے۔ کتب خانۂ دارالعلوم لطیفیہ میں موجود ہے۔

(۹) تحقیق الشفاعت:

مولانا عبدالحئی کے زمانہ میں اہل سنت و جماعت کے متفقہ مسئلہ شفاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق گمراہ کن اشخاص نے اشکالات اور اعتراضات کی مسموم فضا پیدا کردی تھی آپ نے کتاب و سنت کی روشنی میں شفاعت کا سیر حاصل جائزہ پیش کیا۔ یہ مفید رسالہ نثر میں ہے اور اس کی زبان بڑی سلیس اور عام فہم ہے۔ ۱۲۷۹ھ میں مطبع فردوس بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

(۱۰) چہار گلشن:

اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ائمہ اربعہ کی حیات و خدمات کو نظم کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں اصحاب ستہ (امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ) کی حیات وخدمات کو نظم کیا گیا ہے۔ اور تیسرا حصہ نثر میں ہے جس میں مذاہبِ اربعہ کی صداقت وحقانیت اور ائمہ اربعہ کی تقلید کی ضرورت واہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب ۱۲۷۶ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس کے دو سال بعد قومی پریس، معسکر بنگلور سے شائع ہوی ہے۔ اس کے ابیات تقریباً ساڑھے چار ہزار ہیں۔

(۱۱) خلاصۃ السیر:

سیرت کے موضوع پر نثر میں ایک بہترین رسالہ ہے۔ جو تقریباً دو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

(۱۲) تنویر العقول فی اثبات اسلام آباء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اس منظوم رسالہ میں مولانا عبدالحئی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد اور امہات کا مسلمان ہونا ثابت کیا ہے۔ چنانچہ اس رسالہ سے متعلق مقدمہ فیض الباری میں فرماتے ہیں:

''حضرت آدم علیہ السلام تا زمان نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم آپ تمام آبائے کرام کے اسلام کا ثبوت آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے استدلال سے اس رسالہ میں مذکور ہے اور چند اعتراضات کے جوابات بھی مسطور ہیں۔ جس کو مطلب ہو اس میں دیکھ لیں۔''

(مقدمہ فیض الباری شرح بخاری؛ ص۲۹)

(۱۳) تحفۃ البنات: (۱۴) رسالۂ ردِ بدعات

مذکورہ دونوں رسالوں کے ذریعہ خواتین کے اندر پھیلی ہوئی خلاف شرع رسومات اور بدعات کو ختم کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہ دونوں مثنویاں تقریباً چار سو ابیات پر مشتمل ہیں۔ مطبع محمد، معسکر، بنگلور سے شائع ہو چکی ہے۔

(۱۵) روضۃ الابرار:

خلفائے راشدین کے احوال و کوائف، فضائل و مناقب، اوصاف و کمالات اور مذہبی و سیاسی خدمات پر پھیلی ہوئی ایک طویل مثنوی ہے۔ جس میں پانچ ہزار اشعار ہیں۔ اس میں بعض مقامات پر حضرات شیخین سے متعلق پھیلی ہوی بعض غلط اور بے بنیاد روایتوں کی تردید کی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق پھیلی ہوئی یہ روایت کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحب زادے پر حد جاری کی اور وہ دورانِ سزا ہی انتقال کر گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قبر پر باقی کوڑے مار کر حد کی تکمیل کی، اس کے متعلق مولانا عبدالحیٔ فرماتے ہیں:

عمر مارا ہے اس کی قبر کے اوپر بھی جو باقی رہے درّے مقرر
کہ ماریں حد کسی کی قبر پر نہیں یہ بات مشروع اے برادر
یہ اثناء عشریہ اسی نمط ہے غلط ہے یہ غلط ہے یہ غلط ہے

(روضۃ الابرار: ماخوذ علامہ احقر بنگلوری: ص:۱۶۳)

(۱۶) تبشیر النبیؐ فی اثبات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ نثر میں ہے۔ اور ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۷) دیوانِ احقر:

مولانا عبدالحیٔ کا یہ دیوان مطبع محمدی، معسکر بنگلور سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا ہے۔ نعت، غزل،

قصیدہ، قطعہ، مسدس وغیرہ جیسی اصناف پر حاوی اور محیط ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ ایک کثیر الجہات، کثیر الصفات اور کثیر التصانیف شخصیت کے مالک تھے۔ اور اس شخصیت کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کا احاطہ اس سوانحی خاکہ میں مشکل ہے۔ لہٰذا آپ کا یہ مختصر تعارف نامہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن علی ندوی حسنی مرحوم کی اس جامع تحریر پر ختم کیا جارہا ہے:

''علامہ عبدالحی احقؔر جو مولانا واعظ بنگلوری کے نام سے زیادہ جانے اور پہچانے جاتے ہیں علامہ موصوف اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم بھی تھے۔ قادرالکلام شاعر و ادیب بھی اور کثیر التصانیف بزرگ بھی۔ سیرت کو نظم میں پیش کرنے میں انھوں نے جنوب میں اولیت کا شرف حاصل کیا۔ جو بہت مقبول ہوئی۔ اردو میں خطبات جمعہ کا پہلا مجموعہ غالباً سب سے پہلے انھوں نے مرتب کیا جو بہت مقبول ہوا اور مساجد میں اس کا رواج عام ہوا۔ ان کی نمایاں خدمات میں عقائد کی اصلاح، مسائل کی نقاب کشائی، تصوف کی بے اعتدالیوں کی وضاحت اور صحیح نکات کی نشان دہی۔ انگریزوں کے خلاف تحریکوں کی تائید، حضرت سید احمد شہید کے مسلک وتحریک کا دفاع اور اس کی تائید (جو اس عہد میں خاص طور پر جنوبی ہند میں ایک جرأت مندانہ اور حق پسندانہ اقدام تھا) اس کے ساتھ انگریزوں کے جبر وستم پر جرأت کے ساتھ تنقید اور وہابیت کے بارے میں خواص کی تہمتوں اور بدعنوانیوں اور عوام کی غلط فہمیوں اور زبان درازیوں کی تردید۔ جو ایک دلیرانہ اور قلندرانہ عمل تھا۔

اسی طرح ان کا ایک اہم کارنامہ اردو کے ذریعہ اپنی قوم میں عملی روح پیدا کرنا اور اسلامی معاشرہ کو کتاب وسنت اور شریعت کے مطابق بنانے کی کوشش ہے۔'' (پیش لفظ: کتاب علامہ احقؔر بنگلوری: ص:٦)

جنوبی ہند کے کثیر التصانیف اصحاب قلم میں علامہ حضرت شاہ عبدالحیٔ قادری بنگلوری کی ذات گرامی کو ایک ممتاز ومنفرد مقام حاصل ہے۔ جنھوں نے اسلامیات وادبیات کے حوالہ سے ایک ایسا ہمہ گیر اور وسیع ذخیرہ چھوڑا ہے کہ ان کے بعد کسی عالم وفاضل اور ادیب شاعت نے ایسی نظیر پیش نہیں کی۔ آپ کی شہرۂ آفاق زندۂ جاوید منظوم تصنیف ''جنان السیر فی احوال سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم'' کی شہرت ومقبولیت

اور افادیت کا یہ عالم رہا ہے کہ یہ کتاب کرناٹک آندھرا اور ٹمل ناڈو میں مسلمانوں کے گھر گھر پہنچی، اور قرآن خوانی کے ساتھ ساتھ جنان السیر کی خواندگی بھی لازم قرار پائی، بقول پروفیسر میر محمود حسین:

"کرناٹک اور جنوبی ہند میں یہ کتاب گھر گھر پہنچی، مسلمانوں میں قرآن مجید کے بعد اس کی تلاوت سب سے زیادہ رائج ہے۔ ہمارے یہاں لڑکی کو جہیز میں قرآن شریف کے ساتھ جنان السیر، کا نسخہ بھی دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر حبیب النساء بیگم رقم طراز ہیں، شاید ہی ریاست میسور کا کوئی ایسا گھر ہوگا جس میں قرآن شریف کے بعد اس کتاب کا پڑھنا اور رکھنا باعث خیر و برکت نہ سمجھا جاتا ہو۔"

(دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ، ڈاکٹر راہی فدائی، ص-231)

تیرہویں صدی ہجری کے نصف ثانی کے دور، اور چودہویں صدی ہجری کے مکمل دور کو سیر شریف کا دور قرار دیا جائے تو مبالغہ آمیز بات نہیں ہوگی، اس ڈیڑھ سو سالہ مسلم کلچر کا تاریخی و علمی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سیر شریف کی خواندگی کی جانب مردوں اور عورتوں کے اندر جو غیر معمولی ذوق وشوق اور التفات وانہماک دیکھنے کو ملتا ہے یہ اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سراپا رحمت کا مہینہ آپہنچتا ہے تو شب ھلال سے لے کر یوم ولادت شریف بارہ ربیع الاول تک راتوں میں مسجدوں، میلاد خانوں، مدرسوں، خانقاہوں، گھروں اور عوامی جگہوں میں مجلسیں آراستہ رہتی ہیں، جن میں مردوں، عورتوں اور بچوں کی بڑی تعداد شریک رہتی ہے۔ حضرات واعظین ومقررین ان مجلسوں میں جنان السیر کی تفصیل وتشریح کے ساتھ ضروری شرعی وفقہی مسائل کی وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں، اور معاشرہ میں پھیلی ہوی غیر شرعی رسموں، عادتوں اور طریقوں کی تردید اور اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔

چودہویں صدی ہجری میں سیر شریف کی خواندگی کی مثالیں ارض حرم سے بھی ملتی ہیں چنانچہ مسلمانانِ ہند کی ایک بڑی تعداد ہندوستان پر استعماریت و برطانویت کے غلبہ وتسلط کی وجہ سے سرزمین ہند سے حجاز مقدس کی جانب ہجرت کر گئی اور وہ اپنے ساتھ 'جنان السیر' بھی لے گئی۔ اور یہ مہاجرین وہاں ربیع الاول کے مہینے میں میلاد کی مجالس آراستہ کرتے اور جنان السیر پڑھتے رہے۔ حضرت عبدالحیؒ کے فرزند ارجمند علامہ حضرت عبدالقادر علی صوفیؔ نے مسجد الحرام حرم مکی اور مسجد نبوی حرم مدنی اور حجاز مقدس کے دیگر شہروں میں سکونت پذیر ہندوستانی مہاجرین کے گھروں میں سیر شریف

پڑھی جانے کی صراحت کی ہے۔اور کتاب جنان السیر اور اس کے مصنف عوام وخواص میں مقبول و مشہور ہونے کی بھی وضاحت کی ہے ان تمام پہلوؤں کی ترجمانی ذیل کے اشعار سے بخوبی ہوتی ہے:

کیا ان کو مشہور رب انام — بھی مقبول طبع خواص و عوام
مصنف کی نیت بھی جب نیک تھی — ہدایت تھی منظور حق خلق کی
سو تصنیف کو اُن پہ آسان کیا — بھی تشہیر کا ان کے سامان کیا
نہیں کوئی شہر اور قریہ کہیں — کہ تصنیف اس کی وہاں پر نہیں
خصوصاً جنان السیر کے تئیں — دیا ایسی شہرت خدائے متین
کہ دکن سے لے تا بہ ہندوستان — ہے ہر شہر و قریہ میں اس کا نشان
حرم بیچ مکّے مدینے کے بھی — پڑھا کرتے ہیں ہندیاں اس کو بھی
بھی اس ملک کے شہر و دیہات میں — وہی مسجدوں محفلوں میں پڑھیں

(معجزات محمدی جنان السیر 440)

جنان السیر اور اس کے مصنف کی مقبولیت اور شہرت دوام کے پیچھے حضرت احقر کے اخلاص و للّٰہیت اور ان کی دعاؤں کی تاثیر رہی ہے۔کتاب کے پہلے دفتر کے چار چمن کی تسوید اور تبیض سے فارغ ہوئے تو یہ دعا کی ہے:

فضل سے اب اپنے اے ربّ انام — حاجتیں میری روا کردے تمام
جب تلک (تک) باقی رہیں ارض وفلک — یہ میرے چاروں چمن شاداب رکھ

حضرت مصنف نے جنان السیر کی ترتیب وتزئین میں دفتر، چمن اور گلزار اور لفظوں کا استعمال کیا ہے۔یہ کتاب دو دفتر اور چار چمن و چار گلزار پر محیط ہے۔دفتر حصہ کے معنی میں اور چمن وگلزار باب کے معنی میں مستعمل ہے۔گویا یہ کتاب دو حصوں اور آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔حصۂ اول کے چار ابواب میں تیرہ ہزار سات سو پینتالیس 13745 سے زائد شعر ہیں۔اور حصۂ دوم کے چار ابواب میں سات ہزار 7000 اشعار ہیں، اشعار کی مجموعی تعداد بیس ہزار 20000 ہے:

میں لکھا ہوں بذکر پیغمبر — یک کتابِ سیر، جنان سیر
آٹھ نسخے ہیں اس کے اے دل شاد — بیتش بیش الف سے ہیں اس کے زیاد

جنان السیر کی طباعت واشاعت متعدد مرتبہ ہزاروں کی تعداد میں ہوی ہے۔صاحب کتاب کے صاحب زادۂ والانژاد حضرت صوفی نے کتاب کی چوتھی اشاعت کا ذکر ایک شعر میں کیا ہے:

یہی اس وضع پر ہے چھپی چوتھی بار مکرر سہ کر ر چھپی ہے ہزار

(جنان السیر ص440)

حضرت صوفی کی وفات 1314ھ میں ہوی ہے۔ جنان السیر کے چوتھے اڈیشن کی تاریخ اشاعت چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوی ہے۔

راقم الحروف کے پیش نظر جنان السیر کا جو مطبوعہ نسخہ ہے، وہ فیروز بک ڈپو، نیو مارکٹ بنگلور۔2 سے شائع ہوا ہے اور اسکے سرورق پر 1380ھ رقم ہے۔ اس اڈیشن میں دو جلیل القدر صاحب علم وقلم حضرت فصاحت گستر قلندر حسین اطؔہر بنگلوری اور صاحب خامۂ سحر نگار حضرت منشی محمد شہاب الدین سلیم ویلوری کی فصیح و بلیغ علمی و تاریخی تقریظ ہے۔ اوران دو حضرات کرام کے حوالہ سے ایک خوش آئین اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ علامہ عبدالحئی نے جس چشمۂ علم وعرفان سے سیرابی حاصل کی ہے، اسی سے یہ حضرات اطہر وسلیم نے بھی اپنی علمی تشنگی بجھائی ہے، یہ تینوں بزرگان کرام حضرت قطب ویلور کے خلفاء میں شامل ہیں۔

حضرت قلندر اطہر کے اشعار سے جہاں جنان السیر کی تعریف وتوصیف اور شعری حسن وکمال کی ایک جھلک سامنے آتی ہے تو وہاں قصۂ معتبر جنان السیر کے مصرعہ سے تاریخ طباعت بھی نمایاں ہوجاتی ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے:

ذکر خیر البشر جنانِ سیر دافعِ اثم و شر جنانِ سیر

دُرکانِ سیر جنان سیر کان لعل و گہر جنان سیر

اس میں ایمان کے ہیں ترغیبات ہادی جادۂ جنان ہے یہ

مرأت و معجزات و ارہاصات عقل حیران ہو، وہ بیان ہے یہ

اس میں ذکر پاکِ نورِ نبی شمع بزم جنان و جان ہے یہ

اس میں ہے حال صاحب معراج سُلّم اوج آسمان ہے یہ

سال طبعش چہ گفت ملہم غیب قصۂ معتبر جنان سیر

داستاں ہے یہ مگر اپنے رسول اللہ کی تم بھی اطہر پڑھو یا اس کو سنو یا دیکھو

1281ھ (ص20)

حضرت شہاب الدین سلیم ویلوری کی تقریظ بھی اپنی نوعیت کی ایک ادبی وعلمی وتاریخی شاہکار ہے جس کی خفیف جھلک سے بھی قارئین کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوجاتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

حمد باری تعالیٰ، بہار گلشن خیال ہے　اور نعت نبی کریم، زینت بوستان کمال ہے
مگر باغبان خردوہوش، اپنے چمن کو　اس بہار زینت سے خنداں و مزّین کر سکے
کیا مجال ہے کہ وہ ایک ہُمائے بلند پرواز ہے　اور وسعت فکر بلند آسمان، پیوند
تنگ یہ ایک عُرصہ دراز ہے　اور گلگون باد، پائے طبع عرش پیمالنگ
بیان ہو مجھ سے کچھ حمد خدا کا　بھلا کیا میں، مری طبع رسا کیا
محمد کا خدا خود مدح خوان ہے　زبان کیا ہے، قلم کیا مرتبہ ہے
خدا اک عارفِ ذات نبی بس　نبی سے اور مداح خدا کیا
اگر ہو معرفت ہر ایک کو اُن کی　خدا و مصطفیٰ پر پھر رہا کیا
مّلک جس بحر میں بے دست و پا ہیں　یہ سلیم اس میں تمہارے دست و پا کیا
گل گل میں رنگ و بوئے رسالت مآب　ہر باب اس کا، گلشن جنت مآب ہے
ہیں اس چمن پہ شمس و قمر رات دن نثار　رنگ رُخ بہار پہ وہ آب و تاب ہے

(ص:21)

متاخرین اہل قلم میں بعض حضرات کی تصنیفی روش یہ رہی ہے کہ وہ اپنے منتخب موضوع کی وضاحت سے پہلے اپنی محبوب شخصیات کی تعریف وتوصیف اوران کے علم وفضل اورکمال کے اظہار و بیان کواپنے لئے ایک عظیم سعادت اورزادآخرت خیال کرتے ہیں چنانچہ مولانا عبدالحیٔ نے بھی اپنی پسندیدہ ہستیوں کو جنان السیر میں جگہ دی ہے،ان کے ذکر خیر سے پہلے فضائل بسم اللہ پر اپنے ایک سو شعر نقل کئے ہیں چند شعر یہ ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　مطلع انوار کتاب کریم
بسم اللہ کے مابین جو اسرار ہیں　اس سے جو عارف ہیں
اس لئے فرمائے علیؓ ولی　گر لکھوں تفسیر، میں بسم اللہ کی
اور جو ہے بسم اللہ کا اجروثواب　اور برکات اس کے تو ہیں بے حساب

شاعر بزرگ نے بسم اللہ کے فضائل کے بعد حمد باری ونعت ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کہی ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں:

ہم عدم محض تھے سب اے ودود　پس ہمیں رحمت سے دیا تو وجود
شکر ہمیں صورت انسان دیا　عقل دیا جسم دیا جان دیا

اور ہمیں یک نعمت عظمیٰ دیا سب سے بڑی دولت کبریٰ دیا
یعنی ہمیں ایسے کے تابع کیا جس کے ہیں تابع رسل و انبیاء

☆

رحمت عالم ہے یقین جس کی ذات جس کی ہے رحمت ہمہ کائنات
فضل سے قرآن میں رب کریم نام لیا اس کا رؤف و رحیم
جب کہ ملیں ہم کو یہ دو رحمتیں ہم کو ہے امید، نہ ہوں زحمتیں
ہم سے تحیات و صلوۃ و سلام بھیج لکھو اس شہ دین پر مدام
آپ کی سب عترت و اصحاب پر واکمل و اتباع و احباب پر

مولانا عبدالحئی نے اہل بیت رسولؐ، خلفائے راشدین، شہنشاہ ولایت شیخ عبدالقادر جیلانی، شان قطبیت حضرت قطب ویلور کی منقبت میں ہزاروں شعر کہے ہیں، اس جہت سے بھی جنان السیر کے دو چار شعر پڑھ لیجئے:

فضل سے حق اپنے ہے ظاہر کیا جن کو ہدایت کا مظاہر کیا
آل اسرائیل کے نبیوں کے سات جن کو یہ تشبیہ زروئے صفات
رشک ملائک ہے یقین جن کی ذات اور دم عیسیٰ ہے یقین جن کی بات
سید شہدا کا خلفِ با صفا نام علی حضرت زین العبا
اور ابوالقاسم والا نسب نام محمد ہے وہ مہدی لقب
سارے یہ اقطاب ہیں اوتاد ہیں سید شہدا کے سب اولاد ہیں
اور بہ اولاد حسن ایسے ہی افراد ہوے پاک تن

☆

خاص جو ہیں ان سے خلیفے چہار ملت اسلام کے عنصر ہیں چار
حضرت بوبکر و عمر بافتوح مورد تشبیہ ابراہیم و نوح
حضرت عثمان و علی جلیل لوط کے ہاروں کے ہردو تمثیل
بنت نبی خیرالنسائے امم لختِ دل سید عرب و عجم
نور بَصر جس کے حسین و حسن ہر دو شہادت کے ضیائے چمن

☆

خاص وہ محبوب خدائے کریم جس کو ولایت میں ہے شان عظیم
غوث جہاں فخر زمین و زمان سید اقطاب سرِ سروران
مطلع انوار رموز خدا مجمع اسرار کنوز خدا
جس کا ہے ہر نائب ذی عزوشان فخر جہاں شیخ شیوخ زمان

مولانا عبدالحئی نے اپنے مرشد روحانی حضرت قطب ویلور کی منقبت میں ان کے علمی و روحانی مقام ومرتبہ اوران سے حصول فیضان نیز بزبان انگریزی ان کی عدیم المثال اصلاحی ودعوتی کاوش وسعی کا ذکر بھی کیا ہے۔ جواٹھارویں صدی کے ہندوستان میں کلّی طور پر مفقود تھی:

خاص میرا شیخ ہے شیخ الشیوخ قدوۂ ارباب و ثوق و رسوخ
اوج حقائق کا ہے بدر منیر ملک معارف کا امیر کبیر
عالم و فاضل ہے شریعت میں وہ عارف کامل ہے طریقت میں وہ
ظاہری باطنی فیوضی کے جان ہوئیں نہریں روان بسّر و عیان
پدری حسینی و حسنی مادری مذہب و مشرب حنفی قادری
سلسلۂ قادریہ عالیہ مجھ کو دیا وہ یم اجلالیہ
پس ہے مرا شیخ مقدم وہی رہبر اول ہے معظم وہی
اس کی وساطت سے ہی مجھ کو خدا غوث کے خدام میں داخل کیا

(ص27)

عیسوی دین کے کتب اے ذکی جو کہ ہیں در زبان انگریزی
کرکے ان کا مطالعہ اکثر جرح کرنے لگا بہت جا پر
تا حدیکہ وہ نکو منوال تین سو تک تنافس اس سے نکال
تین سو اعتراض بھی لکھا دیکھ حیران ہوگئے علماء

(ص21)

جنان السیر کے سرورق کے بعد پہلے صفحہ پر جلی حروف میں۔ ''دو دفتر و دہ چمن'' رقم ہے اور خوبصورت خوشنما دس دائروں میں دس عنوانات مرقوم ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

(۱) انوارِ نبوت۔ (۲) گلزارِ نبوت۔ (۳) بہارِ نبوت۔ (۴) اخبارِ نبوت۔ (۵) بشارات محمدی۔ (۶) شمائل محمدی۔ (۷) عبادات محمدی۔ (۸) معجزات محمدی۔ (۹) آثارِ نبوت۔ (۱۰) اطوارِ نبوت

یہ سارے عناوین ایسے وسیع و ہمہ گیر اور متنوع ہیں کہ ان میں سے ایک ایک عنوان بھی اپنی جگہ ایک مستقل مبسوط کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت مصنف نے ہر موضوع کا حق کما حقہ ادا کیا ہے۔ جس کے مطالعہ اور جائزہ کے بعد ہر ذی علم وفہم آدمی صاحب کتاب کے اعزاز واکرام میں ان کی اس تحریری کاوش پر سند توصیف و تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مولانا عبدالحئی نے حمد و نعت اور متعدد و مختلف منقبتوں کے بعد موضوع کتاب کی جانب اپنا روئے سخن موڑ دیا اور ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و سیر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مطالعۂ سیرت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت و فرضیت اور افادیت سے گفتگو کا آغاز کیا ہے:

ہے سیر احوال شریف کا — جو کہ صحیح نقل سے ثابت ہوا
یعنی از قرآن و حدیث و اثر — اور سماویہ کتب سے دگر
معرفتِ حضرت خیر البشر — جان ہے موقوف ہر علم سیر
اور محبت کی قوی منزلت — جان تو موقوف ہے ہر معرفت
جانئے پس آپ کے حالات کچھ — اور فضائل و کمالات کچھ
نور سے اس شاہ امم کے غفور — جو کہ کیا سارے جہاں کا ظہور
مکہ میں دین آپ کا تھا چو ہلال — بدر، مدینہ میں ہوا ذوالجلال
عرصۂ دس سال میں جو اس کا نور — شرق سے تا غرب کیا ہے ظہور
نور کے پس ذکر سے لے تا وفات — جاننا احوالِ شہِ کائنات
لابد ولازم ہے مسلمان تمام — شاہ و گدا مرد و زن و خاص و عام
ذکر میں اس شاہ کے رہنا سدا — ہے وہ یقین باعثِ قرب خدا
فرض ہے امت پہ وہ سرور کا ذکر — سید کونین پیمبر کا ذکر
ہووے جہاں تذکرۂ صالحیں — اترے وہاں رحمتِ حق بالیقین
ذکر شہنشاہِ رسل ہو جہاں — رحمتیں حق کیسے نہ اترے وہاں
افضلِ کل نفل و عبادات ہے — اعظم قربات و ثوابات ہے

دفتر اول کے چار چمن ہیں، چمن اول ''انوار نبوت'' میں حضرت آدم صفی اللہ سے خاتم النّبیین سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی حالات اور کیفیات بیان کئے گئے ہیں۔

اور چمن دوم ''گلزار نبوت'' میں ولادت محمدی صلی اللہ علیہ وسلمسے لے بعثتِ نبوی کے پہلے دہے

کے واقعات سال بہ سال ترتیب وار بیان کئے گئے ہیں۔

اور چمن سوم ''بہار نبوت'' میں معراج شریف میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم عروج اور تعظیم نزول اور قرب خداوندی وعطیات زبانی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اور چمن چہارم ''اخبار نبوت'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ منورہ سے لے کر آپ کی وفات شریف تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

دفتر دوم کے چار گلزار ہیں، دفتر اول کے نہج پر حمد ونعت، خلفائے راشدین حضرات صحابہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی منقبت، اور اپنے شیخ حضرت قطب ویلور، اور شیخ ثانی حضرت سید محمد علی رام پوری اور حضرت رام پوری کے مرشد حضرت سید احمد شہید کی مدح میں کئی شعر نقل کئے ہیں۔

دفتر دوم کے تعلق سے حضرت مصنف رقم طراز ہیں:

دفتر ثانی میں اگر چاہے خدا   کچھ اور فضائل مصطفیٰ کے لاوں گا
ذکر فضائل میں نبیؐ کے اے یار   عزم ہے گلزار لکھوں اب چار

دفتر دوم کے گلزار اول فضائل نبوت میں شاعر بزرگ نے نبی کریمؐ کے فضائل وکمالات اور خصائص کو حضرات انبیاء کے معجزات کی روشنی اور تناظر میں کیا ہے۔گلزار اول کے اختتام پر رقمطراز ہیں:

شکر ہے یہ نسخۂ عجیب و بے مثال   جو کہ آغاز بہ مثل ھلال
حرمت نبوی سے خدائے قدیر   کردیا اب اس کو ہے بدر منیر
بدر کے ایام بھی تھے قریب   یہ ہوئی تقریب عجیب و غریب
یعنی شب جمعہ تھی وہ اے نول   گیارہویں شب تھی ز ربیع الاول

اور گلزار دوم آداب نبوت: میں نبی کریمؐ کی تعظیم وتوقیر میں وارد آیات واحادیث کو نظم کیا ہے اور ذات رسالت مآب کے ساتھ حضرات صحابہ کے عشق ومحبت کے حالات اور واقعات بیان کیا ہے۔اور یہ گلزار دس محرم الحرام 1276ھ عاشورہ کے دن مکمل کیا ہے۔خاتمہ پر فرماتے ہیں:

الحمد للہ! یہ نسخہ باانتظام   لیا آج رنگ بہار تمام
غم اندوہ وہ جمعہ کا روز تھا   محرم کا عاشور پُرسوز تھا

گلزار سوم اطوار نبوت: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی وخانگی زندگی کے واقعات وحالات، انفرادی واجتماعی زندگی کے قوانین وضوابط اور سماجی و معاشرتی برائیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاحی صورتیں احادیث کی روشنی میں بیان کی ہے۔

گلزارِ چہارم آثار نبوت میں نبی کریمؐ کی ولادت سے وفات تک وقوع پذیر معجزات بیان کیا ہے اورآپ خاتم النبین ہونے کی توثیق وتاکید کی دلیلیں پیش کی ہے۔

مولانا عبدالحیٔ نے سات چمنوں کی تکمیل فرمائی ہے چمن ہفتم عبادات محمدی کے آخر میں انہوں نے ایک خاتمہ تحریر کیا ہے جس میں رقم طراز ہیں:

للہ یہ رسالہ پاک گنج طاعات صاحب لولاک
کہ روایت کا اور درایت کا جو ہے جامع یہ ہر دو نعمت کا
جامع مذہب و حدیث رسول چاروں مذہب کا فقہ ہے مقبول
لیا رنگِ ختام حسنِ تمام کرے مقبول اس کو ربِ انام
جو پڑھے اور سنا کریں یہ کتاب ان کو توفیق دے عمل کی شتاب

صاحب زادۂ والا شان حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صوفی بنگلوری نے اپنے والد ماجد حضرت احقر بنگلوری کے حکم وہدایت پر چمن ہشتم کی آبیاری کی ہے۔ بقول حضرت صوفی:

کئے حکم مجھ کو کہ لیجئے قلم صحیح معجزے چند کیجئے رقم
تھا لازم مجھے امتثال امر کا سبب تھا بھی وہ خیر و برکات کا

بزرگ پدرو پسر دونوں فطری شاعر تھے، دونوں کی شاعری اورفکری مزاج ومنہاج اورشعری و نثری اسالیب میں بڑی حدتک موزونیت اورمماثلت اور مشابہت نظر آتی ہے۔ اگر آٹھویں چمن میں حضرت صوفی کی بعض داخلی وضاحتیں اورشہادتیں نہ ہوتیں تو اس چمن کو بھی مولانا عبدالحی کی تصنیف تصور کرلیا جاتا۔ حضرت صوفی نے چمن ہشتم کو من وعن سابقہ سات چمنوں کے رنگ و آھنگ میں زینت بخشی ہے۔ اس چمن میں موضوع کی مناسبت سے پہلے معجزہ کی تعریف اوراسکی مختلف تعبیرات ہر مفید اور جامع گفتگوکی ہے کُل اسّی معجزات کونظم کیا ہے، حمدونعت کا آغاز عربی زبان میں کیا ہے:

لك الحمد يا خالق الكائنات ويا واهب الا نبيا معجزات
ولّی الحمايد و وصف جميل حریّ المحامد و شكر جزيل
حميدٌ مجيدٌ سمِیّ السماتْ جليل عزيز عظيم الصفات
جزيل العطايا جميل الثنا له العزو المجدوالكبريا
بتمجيدك كُلّ كُلّ اللسانْ لتقديمك ليس يكفى البيان
ازكى التحيات اَنمىَ السلام على سيد الرُسُل خير الانام

بشیرٌ نذیرٌ نبیٌ کریمٌ
سراجٌ منیرٌ رووٌفٌ رحیمٌ
اَتی بالبراھین والبینات
وفاق النبین بالمعجزات
باعجازہٖ ساراعلیٰ العُلیٰ
الی قاب قوسین ثُمّ دنیٰ
علی اٰلہ بمع اصحابہ
ومتادابین بالمعجزات
ہے حمد و ثنا اس خدا کے لئے
جو پیغمبروں کو دیئے معجزے
ہے نعت اس شہ مرسلین پر نثار
کہ ہیں معجزے ان کے چوسٹھ ہزار
تھی ذات وصفت ان کی خود معجزہ
تھا اعجاز بود و نمود آپ کا
ہیں اقوال و افعال بھی معجزے
ہیں اخلاق و اعمال بھی معجزے
ہیں حرکات و سکنات بھی معجزے
بشارات اشارات بھی معجزے
ہے اک معجزہ ان کا روح لطیف
سراپا ہے اعجاز جسم شریف
ہیں آدم سے تا دور عیسیٰ نبی
رُسل جتنے اعجاز ان کے سبھی
ہیں یک حبیب میں یاں وے بے کم وکاست
چوصد آمدہ ہم نود پیش ماست
اسی بحر کے چند قطرے ہیں وہ
اسی باغ کے چند میوے ہیں وہ
تصرف تھا اعجاز میں بے قصور
چہ پیش ظہور وچہ بعد ظہور
ہے ہر ایک عالم میں فیض ان کا عام
انہیں کے ہیں اعجاز کی دھوم دھام
جو ملکوت ہے عالم ارواح کا
جو ناسوت ہے عالم اشباع کا
چہ علوی چہ سفلی مرکب بسیط
عناصر وغیرہ مُحاط و محیط
چہ غیب و شہادت چہ قلب و مثال
کہیں جس کے تیں انفعالی خیال
چہ قبل ولادت چہ حین حیات
چہ برزخ کہ روداده بعد ممات
خدا کی خدائی میں ہر ایک شئی
نہیں پائی جاتی کوئی ایسی ہے

حضرت صوفی مدح وثنا اور نعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے شیخ مربی حضرت قطب ویلور کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں۔ اس منقبت کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں انہوں نے یہ صراحت کی ہے کہ مجھے حضرت قطب ویلور کی دنیاوی زندگی میں فیض جسمانی کی سعادت حاصل رہی، اور مجھے ان کی برزخی زندگی سے بھی فیض روحانی بحال ہے اور مجھے اس بات کا علم ہے کہ دیگر طالبان بھی ان کے فیض روحانی سے شرف یاب ہیں۔ اور اپنے حق میں حضرت قطب ویلور کی ذات و

شخصیت سے ظاہری و باطنی اور جسمانی و روحانی فیوض و برکات پہنچنے کا اظہار و بیان ذیل کے شعروں میں کیا ہے:

اسی سے کیا راہ حق کا سلوک
سلوگا الی باب مُلکِ السلوک

زبان سے سرایر کا افشا کیا
بھی سینے سے سینے میں القا کیا

ابھی فیض بخشی ہے اس کی بحال
بہ اذنِ الٰہی بہ روح و مثال

ابھی طالباں اس سے ہیں فیض یاب
وہ ہے عالمِ خواب میں فتح یاب

کہ روحی توجہ ہے یہ معنوی
کہا ہے اسی باب میں گنجوی

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں، گر تو آئی بہ تن

فیض روحانی کے حوالہ سے حضرت قطب ویلور کے ایک فارسی مکتوب کا مختصراً اقتباس اس جگہ بے محل اور بے موزوں نہ ہوگا۔ جو مولانا احمد حسین مہاجر مدراسی کے نام ارسال کردہ مکتوب میں ہے۔

التفات نامہ مرقوم جمادی الاخریٰ ۱۲۷۱ھ رسید، از فیض روحانی استفسار رفتہ بود سعادت آثار! این امر محقق و مقرر است متفق علیہ صوفیہ وفقہاء، واتفاق این ہر دو فرقہ در فیض روحانی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات۔

امّا فقہاء در فیض روحانی غیر انبیاء اختلاف دارند، و این امر محقق و مقّرر است نزد اہل کشف و کمال از ایشان تا آں کہ بسیارے را فیوض و فتوح از ارواح رسیدہ۔

و در ترجمۂ مشکوٰۃ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی است، امام شافعی علیہ الرحمہ گفتہ است قبر امام موسیٰ کاظم تریاق مجرّب است مرا جاتب دعا را۔

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ گفتہ اند ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات، استمداد کردہ می شود بوے بعد از وفات، (مکتوب صد وسی ونہم ۳۹ ص ۲۷۴ مکتوبات لطیفی مخطوطہ)

یہ مسئلہ تو تحقیق شدہ اور مسلم ہے۔ صوفیائے کرام وفقہائے عظام دونوں بھی حضرات انبیائے کرام سے فیض روحانی کے بارے میں متفق ہیں، البتہ غیر انبیاء سے فیض روحانی پہنچنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

ترجمۂ مشکوٰۃ، میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں، اصحاب قبور سے توسل و استمداد کے مسئلہ میں اکثر فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء سے جائز ہے ان کے علاوہ دیگر حضرات کرام سے جائز نہیں ہے، فقہائے اہل کشف و کمال کے نزدیک یہ امر

مسلم اور متحقق ہے غیر انبیاء یعنی اولیائے کرام سے بھی جائز ہے، چنانچہ بہت سارے فیوض و برکات اور فتوحات، ارواح کو پہونچی ہوی ہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دعائیں قبول ہونے کے لئے امام موسیٰ کاظم کی قبر، تریاق مجرب ہے، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں، جس بزرگ شخصیت و ذات سے حالتِ حیات میں استمداد کیا جاتا تھا، بعد وفات بھی استمداد درست ہے۔ (ترجمۂ مکتوبات لطیفی، ص-۱۲۳)

جنان السیر میں صرف آٹھواں چمن معجزات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صوفی کے قلم سے وجود پذیر ہے، انہیں اپنی یہ نگارشات مختصر نظر آ رہی تھیں تاہم انہوں نے سیر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک محدود و مختص مضمون نگاری کو اپنے لئے ایک بڑی نیکی خیال کیا ہے چنانچہ سبب تنظیم این رسالہ: میں فرماتے ہیں:

زبان و قلم سے ہو ذکر نبی اگر چہ ہو کم، پر ہے لیکن نیکی بڑی
غنیمت میں سمجھا ہوں بہ اتفاق بھی مکنون خاطر تھا یہ اشتیاق
کیا جمع پس معجزے چند میں خصائص بھی حضرت کے جو کچھ کہ ہیں

(ص457)

حضرت صوفی نے معجزات کے بیان میں خصائص محمدیؐ کو بھی شامل کیا ہے۔ خصائص وہ معجزات ہیں جن میں کوئی نبی شریک و سہیم نہیں ہے۔ اسی باب میں انہوں نے ان فضیلتوں، نعمتوں اور عنایتوں کا ذکر کیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فردائے قیامت میں اللہ کی جانب سے ملیں گی:

بطور نمونہ مگر میں یہاں یہ تھوڑے خصائص کیا ہوں بیان
کہ خالی بنا شد جنان السیر زحالاتِ اعجازِ خیر البشر

آخر میں خاتمہ در تضرع بہ درگاہ ایزد کے عنوان سے دعا مانگی ہے اور التجا کی ہے کہ اے اللہ تو اپنے فضل و کرم سے اس تحریر کو قبول فرما اور اسے بارگاہِ رسالت میں بھی مقبول بنا دے:

بہ اعجازِ آن خاتم الانبیاء ہوا ثبت ختم اس پہ اب ختم کا
الٰہی اسے فضل سے کر قبول بھی مقبول درگاہ حضرت رسول
یہی توشہ یک بس ہے عاصی کے ساتھ عمل جب نہ ہو خیر جز سیئات
میں جب ابتغاء وسیلہ کیا کہ لاوں ترے پاس روز جزا
نہ پایا جز اس کے وسیلہ کوئی جو ہو وہ وسیلہ ذریعہ قوی

مگر دل میں رکھتا ہے یک تیرا نام — بھی تیرے معظم پیمبر کا نام
نہیں پاس میرے مگر تیری آس — تو ہی دیوے ہر اک نراسی کی آس

بارگاہ ایزدتعالیٰ میں تضرع وابتہال کے بعد بارگاہ رسالت میں قصیدۂ التجا ہے ملاحظہ کیجئے:

یا رسول خدا کرم کرنا — رحم کو بھی کرم سے ضم کرنا
عین رحمت ہے خاص ذات تری — رحم و لطف و کرم اعم کرنا
اپنی تریاق سے شفاعت کے — اسم صوفی کا دفع سم کرنا
حشر میں ہو مجھے الم سے نجات — داخل جنت ارم کرنا

حضرت صوفی نے ایک طویل قصیدہ نعتیہ پر چمن ہشتم کی تکمیل فرمائی ہے چند شعر ملاحظہ کیجئے:

تجھ سا حبیب خالقِ داور نہیں کہیں — تیری صفات و ذات میں ہم سر نہیں کہیں
تیرا نظیر ارض و سما پر نہیں کہیں — تجھ سا محیط نور کا گوھر نہیں کہیں
مظہر وجود حق کا ہے، مظہر ہے خلق کا — مانند تیرے، مُظہر و مَظہر، نہیں کہیں
محبوب کبریا کا کرے وصف جو تمام — ایسا بشر جہاں میں سخنور نہیں کہیں
کیجئے کرم سے بندۂ صوفیؔ کے دل کو صاف — اے شاہ مانند اس کے مکدر نہیں کہیں

(ص485)

مولانا عبدالحئ نے اپنے صاحب زادہ والا سعادت کو آٹھواں چمن تحریر کرنے کا جو حکم دیا تھا، اسکی وجہ کی صراحت کہیں نہیں ہے۔نواں اور دسواں چمن صاحب کتاب کے قلم سے مکمل ہوا ہے۔نواں چمن آثار نبوت میں نبی کریم کے فضائل وشمائل کو ایک دائمی اور آفاقی شعری جامہ پہنانے سے پہلے خصوصیت کے ساتھ اپنے دور کے اسلامیان ہند کے نام ایک فکرانگیز پیغام ہے، جو ہر آنے والے دور میں دنیا جہاں کے مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے،فرماتے ہیں:

مسلمانوں جو اپنے دین وایمان کی حفاظت وصیانت کے لئے نبی کریمؐ کی سیر شریف، علامات نبوت فضائل وشمائل، کمالات ومعجزات کا جاننا نہایت ضروری ہے اور جو مسلمان بھی اپنے نبی کی سیرت سے نا آشنا اور نابلد رہے گا تو اس کے لئے بڑے خطرات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے ،اس پہلو کی وضاحت کے لئے چند شعر پڑھیے:

سیر حضرت کا جانیں اور شمائل — علامات نبوت اور فضائل
خصوص اس عصر میں اے نیک عنوان — محض از بہر حفظ دین و ایمان

فضائل سے رہیں حضرت کے آگاہ ... سیر حضرت کی دیکھیں گاہ و بے گاہ
زیادہ اس سے ہوتا ہے نور ایمان ... کریں رد دشمنِ دین کا بد اعلان
جو حضرت کی سیر سے بے خبر ہے ... تو اس کے حق میں جو یہ خطر ہے
کہ در دام فریب و مکر کفار ... کہیں بہ جاوے دھوکا کھاکے یکبار
معاذ اللہ معاذ اللہ مَنہا ... پنہ دے اس سے ہر مومن کو مولا
ز آثار نبوت تم سنو سب ... دلائل تھوڑے کرتا ہو بیاں اب
خدا ہر ایک کو دیوے نیک توفیق ... بھی بتلائے کرم سے راہِ تحقیق

مولانا عبدالحیٔ نے اپنے دور کے مسلمانوں پر سیر خوانی اور سیرت دانی کو واجب قرار دینے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کے دور میں ہمارے ملک پر انگریزوں کی حکومت قائم تھی اور یہ سرکار نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام ہندوستانیوں کو مسیحیت کی جانب راغب اور مائل کرنے کی تحریک چلا رہی تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوے آپ کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوگیا کہ کہیں اسلامیانِ ہند اپنے نبیؐ کی سیرت سے لاعلم اور ناآشنا ہوجائیں۔ اسی فکر کے پیش نظر آپ نے مسلمانوں کو سیرت رسول سے علمی اور عملی طور پر مربوط اور منسلک رکھنے کے لئے اپنے قلم کو جنبش دی:

مصطفیٰ برساں خویش را دین ہمہ اوست ... اگر باو نر سیدی ابو لہبی یست

راقم الحروف کے زیر نظر جنان السیر کا جو نسخہ ہے اس میں چمن نہم آثار نبوت پچہتر 75 اشعار پر مشتمل ہے۔ بعض ریسرچ اسکالر نے لکھا ہے کہ چمن نہم آثار نبوت ایک ہزار تین سو سینتیس 1337 شعروں پر مشتمل ہے۔ (علامہ عبدالحیٔ احقر بنگلوری، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مقالہ پی ایچ ڈی مطبوعہ، ص 217 سن اشاعت 1995ء)

اشعار کی تعداد میں فرق اور تفاوت کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ناشرین نے جنان السیر کے متعدد اڈیشن شائع کیے ہیں اور بعض چمنوں کو ایک مستقل عنوان سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ ''ریاض ازہر'' میں آثار نبوت 1337 شعروں پر مشتمل ہے۔ اور بعض دیگر چمنوں کا بھی یہی حال ہے۔ ان اختلافی پہلوؤں اور راجح و مرجوح بحثوں سے صرف نظر کرتے ہوے جنان السیر کے آخری چمن دہم کی جانب سمتِ قلم درست ہے۔ آمدم بر سر مطلب علامہ عبدالحیٔ نے دسویں چمن اطوار نبوت میں اس سند الٰہی کی جامع تصویر کشی کی ہے جو اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں پیش کی ہے اور وہ قرآنی سند ہے انک لعلی خلق عظیم۔

چمن دہم کا کلیدی موضوع یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقیات کے اعلیٰ و فائق ترین اور عدیم المثل درجہ پر فائز ہیں۔ اسی مناسبت سے شاعر بزرگ نے خلق محمدیؐ کی جہت سے حمد و نعت کہی ہے۔ چند شعر پر توجہ مبذول فرمائیے:

حمد کے لائق ہے خلاق کریم — کہ دیا احمد کو اخلاق عظیم
تھا تخلق اس کا با اخلاقِ حق — ماسوا پر اس میں تھا اس کو سبق
یہ سبق کا بس معلم ہے وہی — خلق اعظم کا متمم ہے وہی
ہے ادیب و استاد اس کا خدا — اس کے ہیں شاگرد ویکسر انبیاء
ہے وہ سب عالم میں فردِ بیدیل — خلق میں اس کا نہیں ہے کوئی مثیل
چونکہ حمدِ حق کو غایت ہی نہیں — نعتِ احمدی کو نہایت ہی نہیں
طاعت و اخلاق اور افعال میں — عادت و اقوال و احوال میں
نور اخلاق نبی سے اے خدا — رکھ منور دل ہمارے تو سدا

(ص491)

چمن دہم کے اشعار کی تعداد 1611 خود حضرت مصنف نے شعر میں کہی ہے:

اس کے سب ابیات اے عالی مقام — ہیں ہزار و شش صد و گیارہ تمام

علامہ احقر نے جنان السیر کی تکمیل پر بارگاہ خداوندی میں شکر بجالایا ہے اور اللہ سے دعا کی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار کے طفیل احقر کے گناہوں کو معاف فرما اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی صفات، صدق، عدل حلم اور علم سے آراستہ فرما:

صد ہزاراں شکر خلاق انام — یہ رسالہ پایا حسن اختتام
یا الٰہی از طفیل آل رسول — التجا احقر کی یہ کیجئے قبول
دے اسے اپنے عذابوں سے پناہ — اس کے کر مغفور سب جرم و گناہ
اور اس کو اے کریم کار ساز — کیجئے ان چاروں صفت سے سرفراز
صدق و عدل و حلم و علم منجلی — بہر صدیق و عمر عثمان علی

خاتمہ کے بعد اپنی ایک نعت پاک نقل کی ہے۔ جسکے چند شعر ملاحظہ کیجئے:

اے مطلع بریدۂ دیوان انبیاء — اے مقطع قصیدۂ برہان انبیاء
تیری ہی ذات سے ہے نبوت کا فتح باب — تجھ ذات پر ہی ختم ہے ازمان انبیاء

اک قطرہ تیرے علم کے دریا سے ہے یقین
انہار بحر علم دبستان انبیاء

فردائے حشر تیری گواہی اے شاہ دین
ہے حق کے پاس حجت و برہان انبیاء

بس رتبۂ معیتِ حق دیکھ کر ترا
حیراں ہیں آئینہ سے سب اذہان انبیاء

احقر کو نعت پاک کا تیرے ہو کیا مجال
قاصر جہاں ہے خامۂ امکان انبیاء

حاصل کلام!

سیاق کی گفتگو جنان السیر کے تعارف پر مبنی ہے یہ کتاب تفصیلی طور پر تحقیقی مطالعہ و جائزہ کی حق دار ہے موجودہ وقت میں اسکی افادیت صرف علمی طبقہ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ شعری لبادہ میں جلوہ نما ہے اگر اس کو جدید اردو نثر کا جامہ پہنا دیا جائے تو آج کا اردو داں طبقہ اس کے مضامین و مقالات سیرت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اس کے علاوہ دیگر دینی و اصلاحی اور فقہی موضوعات سے بھی بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

جنان السیر میں اہل سنت جماعت کے عقائد و مسائل کی تشریح اور توضیح مختلف جہتوں سے کی گئی ہے ان میں سے بعض عقائد و مسائل ایسے ہیں جن سے نئی نسل پوری طرح سے ناآشنا اور نابلد ہے اور بعض مسائل ایسے ہیں جن کے تعلق سے اکثر افراد جو سنت و جماعت سے وابستہ ہیں لیکن وہ بھی منفی اور تردیدی ذھن رکھتے ہیں۔ مولانا عبدالحیٔ واعظ بنگلوری اور ان کے فرزندار جمند مولانا محمد عبدالقادر علی صوفی نے اپنے جن خیالات وافکار اور عقائد کا اظہار مختلف چمنوں کے آغاز واختتام میں کیا ہے وہ ناقابل انکار ہیں اور ان پر تسلسل وتواتر کے ساتھ صوفیہ اور فقہاء کا عمل رہا ہے جس شخص نے بھی اپنے اندر فقہ اور تصوف دونوں کو جمع کیا ہے وہ محقق ہے، امید قوی ہے کہ اس مختصر مضمون کے مطالعہ سے اہل سنت و جماعت کے عقائد و مسائل کو سمجھنے اور واقف ہونے میں مدد ملے گی۔

وما علینا الاالبلاغ واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

☆ استاذ تفسیر دارالعلوم لطیفیہ، ویلور، ٹمل ناڈو
موبائل : 9443623259

☆☆☆

علامہ عتیق آثر (ندوی)

کوکبۂ کاروانِ ہجرت
اور
خیمۂ اُمِّ معبد

نوعِ انسانی کے فوز وفلاح کے لئے ہجرتِ مہاجرینِ مکہ اورنصرتِ انصارِ مدینہ ایک ایسی برگزیدہ اور پاکیزہ پُرکشش تاریخی حقیقت پر مبنی جذبۂ صالح کومہمیز کرنے والی مثال ہے جس کے لئے کسی چیلنج یا کسی دِعایہ کی حاجت نہیں ہے وہ خودمنجانب اللہ ایک ایسا انسانی کارنامہ ہے جس سے اُس کی صفات کوعروج وکمال حاصل ہونے کے لئے ہدایت کے پَر لگتے ہیں جس واقعہ پرنظر ڈالنے سے تدبیر دعوت کی کٹھنائیوں سے عہدہ برآ ہونے اورکامیابیوں کے بند دَر کھولنے کا ہنر حاصل ہوتا ہے۔

الفاظ کبھی کبھی اپنی ظاہری شکل میں باقی تو رہتے ہیں مگر معانی کھودیتے ہیں' اور جب معانی لفظ پر بھاری اور چھائے ہوئے ہوں تو البتہ ایسا نہیں ہوتا جب درونِ دل سے جذبوں کی بُنت ہوتی ہے اور زبان تابعِ فرمان ہوکر اظہار کا قالب لیتی ہے تب وہاں سے اعجاز نما عبارتیں جنم لیتی ہیں۔ فکر و خیال جذبات میں ڈھل کر جب لفظی تراکیب میں صورت پذیری اختیار کرتے ہیں تو اس تعبیر کوشاہکار کا درجہ حاصل ہوتا ہے' جہاں کچھ ایسا تحلیلی اور تخلیقی مظہر ہو جہاں دل ودماغ اور زبان ایک ہوکر بولنے لگیں تو ایسے بول دلوں سے نکل کردلوں میں اُتر جاتے ہیں۔

کچھ ایسا ہی ہوا ام معبد کے یہاں بھی زبانِ عربی ایک قدیم اور عالمی ادبی زبان کی درجہ بندی میں شامل ہے اورعرب اپنی زبان دانی اس کی لطافت فہمی نیز اس کی ادائیگی وبیانِ مافی الضمیر کی صلاحیت پر اپنے سوا دوسروں کوکوئی وقعت نہیں دیتے۔

یہی وجہ ہے کہ آیئے دیکھتے ہیں! ایک صحرانورد، خزاعی قبیلے کی خاتونِ جفاپیشہ، فراخ طبع، کشادہ ذہن، نبیِ اقدس کواپنے یہاں پاکرکس ولولہ انگیز اندازِ بیان میں ان کی نثری نعت خوانی کرتی ہے جو ادبِ عالی کا ایک نمونہ ہے۔ بیان ایسا لگتا ہے کہ ایک آبشار ہے جو فطری طور پر نچھاور ہورہا ہے،

لفظوں کی دروبست کسی ترتیب کی محتاج نہیں ہے، خزانۂ الفت وعقیدت جو بے محابا لٹایا جا رہا ہے اُس کا بیان بلاغت کے اصول پر نہیں، بلکہ بلاغت اُس کے دَر پہ اصول طے کرتی ہے، کسی زبان کے شاہکار کا ترجمہ یا ترجمانی کسی دوسری زبان میں سخت مشکل ہے، معانی کی ادائیگی اُس لطافت کا انداز نہیں لے سکے گی جو اُس موسم و ماحول کی تخلیق میں کارفرما رہے ہیں، اُس زبان کے آہنگ اور زیر و بم کا ترجمہ ہرگز ہو ہی نہیں سکتا جو اس تخلیق کا تقاضا ہے، تاہم کوشش شاملِ تحریر ہے۔

اصل عبارت علامہ ابن القیم الجوزیہ کی مایۂ ناز کتاب ''زاد المعاد'' جلد:۳/۵۶ سے ماخوذ ہے: ''اُم معبد اپنے شوہر ابو معبد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کچھ اس طرح کرتی ہیں: "**ظاهر الوضاء، أبلج الوجه، حسن الخلق ٗ لم تعبه ثجلة، ولم تزر به صعلة، وسيم قسيم، فى عينيه دعج، وفى أشفاره وطف، وفى صوته صحل، وفى عنقه سطعة، أحور، أكحل، أزجّ، أقرن، شديد سواد الشعر، اِذا صمت علاه الوقار، وأن تكلم علاه البهاء، أجمل الناس وأبهاهم من بعيد، وأحسنه وأحلاه من قريب، حلو المنطق، فصلٌ لا نزر ولا هذر، كأن منطقه خرزات نظمٍ يتحدرنَ، ربعة، لا تقحمه عين من قصر، ولا تشنوه من طول، غصن بين غصنين، فهو أنظر الثلاثة منظراً، وأحسنهم قدراً، له رُفقاء يحفون به، اِذا قال استمعوا لقوله ، واِذا أمر تبادروا اِلى أمره، محفودٌ محشودٌ، لا عابس ولا مفندٌ۔**"

(زاد المعاد، جلد:۳/۵۶، تحقیق و تعلیق: شعیب اُرنؤوط، عبدالقادر اُرنؤوط۔ جمعیۃ اِحیاء التراث الاسلامی)

چونکہ یہ عبارت جو اس کتاب مذکور میں منقول ہے نہایت درجہ صاف، شستہ ورفتہ اور بالضبط ہے، اس لئے وہیں سے اخذ کی گئی ہے ورنہ مقارنہ سے دوسری جگہ عبارت مخدوش لگتی ہے کیوں کہ رحمت للعالمین کے اندر نقلِ عبارت میں خلل واقع ہوا ہے، اور اسی طرح ترجمہ میں بھی خلل دَر آیا ہے۔ اس کے مقابل علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف کے اردو ایڈیشن میں اس کا ترجمہ نہایت قرینِ عبارت بھی ہے اور صاف و شستہ بھی جو یہاں نقل کیا جا رہا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ توندلے پن کا عیب، نہ گنجے پن کی خامی، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرمگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرمگیں

پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پُرکشش، دور سے (دیکھنے میں) سب سے تابناک وپُر جمال، قریب سے سب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں، درمیانہ قد، نہ ناٹا کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے، دوشاخوں کے درمیان ایک شاخ جو تینوں میں سب سے زیادہ تازہ وخوش منظر وپُر رونق، رفقاء آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں، مطاع ومکرم نہ تُرش رُو، نہ لغوگو۔‘‘

اگرچہ بعض محدثین نے اس روایت کی تضعیف کی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کے درجۂ حسن تک پہونچنے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

اور میں نے ام معبد کی اس شاہکار وپُر کار عبارت کی منظوم ترجمانی بشکلِ نظم معریٰ (خالی از قافیہ وردیف) کی ہے۔

اسی طرح اس واقعہ کی نقل بھی منظوم کرنے کی سعی کی ہے جو نظمِ مذکور کے ساتھ آ رہی ہے:

نظم معریٰ

ایک چمکتا ہوا چہرہ تھا دَمکتا سا وجود
ایک پیکر تھا تراشا ہوا قدرت کی نمود

جسم کچھ ایسا، نہ فربہ تھا کہ ظاہر ہو شکم
اور نہ سر پہ تھا بالوں کی کمی کا کوئی عیب

سرمگیں آنکھیں تھیں اور اس پہ وہ لمبی پلکیں
ایک مردانہ سا آہنگ، صراحی گردن

اور باریک سی پیوستہ وہ اَبرو کی قطار
کالے بالوں کی چمک دار پھبن، زلف دوتا

اُس کی خاموشی سے ظاہر تھا بلندیٔ وقار
گفتگو ایسی، کشش کھینچے قلوبِ اغیار

دور سے دیکھنے پر اُس کی چمک افزوں تر
اور اگر قُرب ہو حاصل تو وہ شیریں گفتار

گفتگو میں نہ کوئی تعمیہ، اُلجھاؤ نہ کچھ
صاف گوئی کی ہر اک بات تھی دوٹوک خطاب

مختصر ایسی کہ اُس میں نہ وضاحت کی کمی
نہ مطول کہ دَر آئے کہیں مفضول انداز

لفظ اس طرح کہ موتی جو لڑی سے نکلے
قد میانہ کہ کمی اس کی نہ معیوب لگے

نہ درازی ہی کچھ ایسی کہ گوارا ہی نہ ہو
سبز دوشاخوں کے مابین کوئی شاخِ نہال

جگمگاتا ہوا تازہ سا شگوفہ جیسے
دل رُبا منظرِ خوش رنگ انوکھا انداز

دوستاں آپ کو حلقے میں لئے محوِ کلام حکم ہو جائے تو پھر جان کی پروا کیا ہے؟
اُس کی انجام دہی، حسنِ مقدر سمجھیں تُرش روئی تو کبھی دَر پہ پھٹکنے بھی نہ پائے
لغو گوئی سے کہیں دور کا رشتہ بھی نہیں وہ مکرم ہے، نہیں اُس میں کمی یا بیشی
اُس پہ قربان ہوئی جاتی ہے طاعت کیشی

نظم واقعہ

اک ستاروں کا جھرمٹ تھا محوِ سفر چاند تھا درمیاں شاہِ پیغامبر
سخت دشوار تھی راہِ کوہ و دَمن راہ میں آ گیا ام معبد کا گھر
رک گئے کہ وہ اک منزلِ خاص تھی دور ہو جائے تا گرد وتعب ِ سفر
اک توانا معمر سی خاتون تھی کام تھا راہگیروں کی خیر و خبر
ایک شہکار آ کر فروکش ہوا جس سے روشن ہوئے گھر کے دیوار و دَر
کیوں کہ خاوند ریوڑ چرانے گیا اس لئے صرف اکیلی تھی وہ اپنے گھر
میہمانِ مکرم کی تکریم ہو ایسا سامان کوئی نہ تھا مختصر
شاہِ دیں نے کہا کچھ ضیافت کو ہے؟ معذرت کی، کہا آج خالی ہے گھر
بس نحیف و نزار ایک بکری وہیں ایک گوشے میں حضرت کو آئی نظر
ام معبد سے پوچھا اُسے دوہ لیں؟ عرض کی، وہ تو حاضر ہے پیشِ نظر
دستِ اعجاز جب تھن سے اُس کے لگا دودھ کی نہر جاری ہوئی سر بسر
خود بھی یاروں کو بھی خوب سیری ہوئی رکھ دیا اہلِ خانہ کو بھی ماحضر
اَدھ شکم سخت ماحول کی بکریاں لے کے خیمے پہ حاضر ہوئے اُن کے بَر
گھر پہ دیکھا کہ اک کاسۂ شِیر تھا ایسا سوچا نہ سمجھا تھا پھر بھی مگر
ام معبد سے پوچھا بفرطِ خوشی دودھ کا یہ پیالہ ہے کیسا اِدھر؟
عرض کی قافلہ ایک وارد ہوا اُس میں شخصِ مقدس تھا اک ہمسفر
دستِ اعجاز نے اُس کے بخشا ہمیں شِیر و شِیرینیٔ گفتگوئے ہنر
اُس نے فوراً کہا، ہے وہ صاحب وہی ڈھونڈھتی ہے جسے، قرشیوں کی نظر
ملتجی ہوں کہ ہو باریابی مری کاش مل جاتی اُس کی مجھے بھی ڈگر

اُم معبد ذرا اُس کے اوصاف تم مجھ پہ ظاہر کرو کیسے ہیں معتبر
ام معبد کی سیّال سی گفتگو چل پڑی جیسے نہرِ رواں کا سفر

☆

واقعہ یہ ہے کہ مکہ سے حبشہ و مدینہ کی جانب صحابۂ کرام کی اکثریت نے جب ہجرت فرمائی تو ۲۷صفر۱۳نبوت بروز پنجشنبہ مطابق: ۶۳۱عیسوی میں اللہ کی جانب سے حکم آنے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ہمراہ ان دو کے علاوہ دلیلِ راہ کے طور پر عبداللہ بن اریقط اور غلامِ صدیقِ اکبر عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ راستے کی صبر آزما مقدس تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے ہم اس قافلۂ نورِ ہدایت کے وہاں پہنچنے کا ذکر کرتے ہیں جہاں راستے میں خیمۂ ام معبد واقع تھا۔ ام معبد نے اپنی فیاضانہ باہمت طبیعت کے باعث اپنے ذمہ یہ خدمت اختیار کر لی تھی کہ وہ مسافروں کو ٹھہرنے، کچھ دیر آرام کرنے اور بقدرِ توفیق خورد ونوش کا انتظام بھی کرتی تھیں، چنانچہ یہ کاروانِ مبارک وہاں تشریف فرما ہوا، اگر چہ اس وقت ضیافت کے لئے ان کے پاس کچھ بھی سامان نہ تھا سوائے ایک کمزور بکری کے جو ریوڑ کے ساتھ اپنی کمزوری کے باعث چراگاہ جانے سے رہ گئی تھی، جس ریوڑ کو ابومعبد اس مخصوص ایام میں چرانے کی خاطر لے گئے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد سے پوچھا کیا تمہارے پاس خورد ونوش کی کوئی چیز موجود ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بکری کو دوہنے کی اجازت مانگی جو نہایت درجہ کمزور تھی اور ایک گوشہ میں پڑی تھی، چنانچہ ام معبد نے بلا تأمل اجازت دے دی۔ چنانچہ اللہ کے رسول نے اس کے تھن کو ہاتھ لگایا جو دفعتاً دودھ سے بھر گیا تھا، آپ نے اس سے دودھ نکالا، آپ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس سے سیراب ہوئے اور ام معبد کو بھی سیری حاصل ہوئی۔ اس کے بعد بھی ایک برتن مزید دودھ سے بھر کر رکھ دیا گیا۔ پھر قافلۂ ہجرت مدینہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

ام معبد کے شوہر ابومعبد بکریوں کا غیر آسودہ ریوڑ لے کر خیمے پر واپس آئے، دودھ سے بھرا ہوا برتن دیکھا تو پوچھا: ام معبد یہ کیسے؟ کہا: ایک بابرکت شخص اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آیا تھا اُس نے اس نحیف ونزار بکری کو دوہا اور برکتوں کا چشمہ جاری ہو گیا، میں بھی سیراب ہوئی اور وہ لوگ بھی، اور اتنا سا دودھ آپ کے لئے چھوڑ رکھا گیا ہے۔ ابومعبد نے کہا: یہ وہی صاحبِ قریش معلوم ہوتا ہے جس کا خوب چرچا ہے، اور اہل قریش اس کی جستجو کر رہے ہیں، میں بھی انہیں پا کر راہ یاب ہونے کی کوشش

میں لگ جانا چاہتا ہوں۔ ام معبد مجھ سے ذرا ان کے اوصاف بیان کرو۔ چنانچہ ام معبد نے والہانہ انداز میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے منعکس صفاتِ طیبہ کا بیان فرمایا۔ ابن حجر نے ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' میں ان اصحاب کو صحابۂ رسول کے ذیل میں رکھ کر توصیف فرمائی ہے۔

١-الطبرانی فی المعجم الکبیر (٣٦٠٥)

- الحاکم فی المستدرک ٣/٥٤٣-٥٤٥، وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ووافقہ الذھبی۔

حسّن ھذہ القصۃ أیضا ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ :٣/١٩٠، والعلائی فی اِثارۃ الفوائد٣/١٥٧، ومھدی رزق اللہ فی السیرۃ النبویۃ (٣٨١) والھیثمی فی مجمع الزوائد ٦/٣٧، والترمذی فی الشمائل مختصراً، (٥٩٤٣) والعلامۃ الالبانی فی حاشیۃ فقہ السیرۃ للغزالی (١٦٨)

رحمت للعالمین ١/٨٠، علامہ قاضی سلیمان سلمان منصور پوری۔

☆ ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ، دریا آباد، سنت کبیر نگر (یوپی)

موبائل : 9451859733

☆☆☆

مرزا ساجد حسین (امروہہ، یوپی)

نعت رسول کی جامعیت و بلند مائیگی

"وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ" (سورۂ الانشراح:۴، پارہ:۳۰)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ (مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

ترجمہ: اور تمہارا ذکر بھی بلند کر دیا۔ (مولانا حافظ سید فرمان عالی اللہ مقامہ)

(3)And raised high the esteem (in which) thou (are held) Abdullah Yusuf Ali

مندرجہ بالا آیت قول رب متعال ہے، سورۂ انشراح کی سب آیتوں کا تخاطب اللہ نے اپنے محبوب لامثال، باکمال، لازوال، واقفِ قاضی و مستقبل وحال، دافعِ ہر وبال، مکمل پیکر جمال، صاحب خُلق عظیم، رؤف الرحیم، قسیم کوثر و تسنیم، شہنشاہِ ہفت اقلیم روزِ محشر خاطیوں کے زعیم، مالکِ جنت نعیم، لائقِ صد تعظیم، مبادر لطف عمیم، ہمارے آقا، ہمارے مولا، جناب عزت مآب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے۔ مالکِ حقیقی قادر مطلق رفیع الدرجات، خالق کائنات کا اپنے محبوب کے ذکر کو رفیع کرنا محبت درافت، شفقت و رحمت کی بے مثال نشانی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب سب سے اعلیٰ و ارفع ذات نے آقا حضور کے ذکر کو رفیع کیا ہے تو ہم پر لازم ہے کہ مرسل اعظم کے ذکر کو اعلیٰ سے اعلیٰ، بہتر سے بہتر، خوب سے خوب تر انداز سے پیش کریں۔

احقر کی نظر میں سب سے عمدہ طریقہ ''نعت گوئی'' ہے۔ میرے اس خیال کی تائید اس بات سے ہوسکتی ہے کہ دنیا کی تقریباً ساری زبانوں میں نعت گوئی کی گئی ہے اور یہ عمل صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ غیر مسلم شعراء نے بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

لغت میں لفظِ نعت کے لغوی معنی تعریف، توصیف، خاص کر رسول مکرم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے مندرج ہیں۔

نعت گوئی کی ابتداء کے بارے میں تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلی نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت ابو طالب کے خامۂ محبت آثار کا عطیہ ہے۔ بطورِ تبرک ان کی نعت کا ایک شعر مندرجۂ ذیل ہے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهٖ ثمال الیتامی عصمة للارامل

ترجمہ: وہ بے پناہ حسین ہیں، ان کے چہرہ کے صدقہ سیرابی حاصل کی جاتی ہے، یتیموں کا ٹھکانہ اور بے واؤں کے محافظ ہیں۔

بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل شاعری عربی زبان کے ادب میں سب سے اعلیٰ مقام رکھتی تھی، شاعر، معاشرہ میں سب سے بلند مقام پر فائز تھا۔ سال بھر میں ایک بار مکہ میں ایک بہت بڑے میلے کا انعقاد ہوتا تھا جس کا نام ''عکاظ'' تھا۔ اس میلے میں عرب کے نامور شعراء آتے تھے اور اپنی شعری تخلیقات اپنے معبودوں (بتوں) کے قصائد لوگوں کو جمع کر کے بڑے فخریہ انداز میں سناتے تھے۔ یہ جاہلان عرب خود زبان داں اور غیر عرب شعراء اور ادباء کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔ کعبۂ مکرمہ میں مختلف قبیلوں کے معبودان باطل کے صنم آویزاں تھے۔ (لاحول ولاقوۃ)

بعثتِ رسول کے بعد جب طلوعِ اسلام ہوا اور لوگ دین حق کی جانب راغب ہونا شروع ہوئے تو وہ مشرک و ملحد شعراء حضور مکرم کی ہجو کہتے تھے جس سے ہمارے آقا اور جملہ مومنین کو سخت کوفت ہوتی تھی چنانچہ صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزاری کہ مشرکین کی اس یاوہ گوئی کا جواب بشکل اشعار ہی دیا جانا چاہیے۔ خاتم الانبیاء نے اس تجویز سے اتفاق فرمایا۔ حضور کے دربار میں بڑے بڑے نامور شعراء حاضر تھے، ان سب کے سرخیل حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ چنانچہ انھوں نے جلد ہی حضور کی مدح میں قصائد اور نعوت کو اپنے خامۂ حقیقت و عقیدت سے صفحۂ قرطاس پر اپنے عشق رسول میں غرق فہم و فراست سے رقم کرنا شروع کر دیا۔ ان کے علاوہ دربار رسالت میں بہت سے صحابہ اعلیٰ شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے، مزید برآں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کے بیشتر اراکین کے نعتیہ اشعار محفوظ ہیں۔ اصحاب میں حضرت علی، حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت عامر بن اکوعؓ، حضرت عمرو بن سعید، حضرت مالک بن عوف، حضرت جہیش بن اویس نخعی، حضرت زہیر بن جشمی، حضرت سواد بن قارب، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت کعب بن زہیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین وغیرہ کی نعوت پائی جاتی ہیں۔

عظیم قصیدہ ''بانت سعاد'' حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ رسالت میں سنایا تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر مرحمت فرمائی تھی، تاریخ اسلام کا یہ پہلا قصیدۂ بردہ ہے جو امام بوصیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ سے کئی سو سال پہلے کہا گیا۔ ان شعراء میں سے کئی شاعروں کے اشعار پیش ہیں:

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

فضمہ لاالٰہ اسم النبی مع اسمہٗ اذا قالَ فی الخمس الموذن اشھد

ترجمہ: اور ملا دیا اللہ نے اپنے نام کے ساتھ، اپنے نبی کا نام جس وقت کہا مؤذن نے پانچ وقت کی اذان میں ''اشھد انا محمد رسول اللہ''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

لولم یکن فیہٖ آیات مبینة کانت بدیھیة تغنی عن الخبر

ترجمہ: اگر اس کی صداقت پر مہر ثبت کرنے والی واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو خود اس کی ذات اس کے پیغام کی صداقت کے لیے کافی ہوتی۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اِنَّ الرسول لنور یستضاء بہٖ مھندمن سیوفِ اللہ مسلول

ترجمہ: بیشک اللہ کے رسول البتہ نور ہیں روشنی حاصل کی جاتی ہے ان کی ذات سے اور سیف قاطع ہیں اللہ کی سونتی ہوئی تلواروں سے۔

مندرجہ ذیل اشعار اہل بیت اطہار سے منسوب ہیں:

حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حسبیَ اللہ عصمہ الاموری وحبیبی محمدؐ لی خلیلا

ترجمہ: کافی ہے میرا اللہ میرے کاموں کی حفاظت کے لیے اور میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے سچے دوست ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ھٰذا علیٰ من شمہ تربت احمدا ان لا یشم مدالزیان غوالیا

ترجمہ: کیا چاہیے اس کو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت کو سونگھے اس کو چاہیے کہ عمر بھر کوئی خوش بو نہ سونگھے۔

فارسی شاعری میں تقریباً سبھی شعراء نے نعتیں کہی ہیں۔ شیخ سعدیؒ، حافظؒ شیرازی، خاقانیؒ،

عبدالرحمٰن جامیؔ، سید عبدالقادر جیلانیؒ، عرفیؔ شیرازیؒ، قدسیؔ ایرانیؒ، خواجہ نظیریؔ، نظام الدین اولیا، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، امیرؔ خسرو دہلوی، غالبؔ دہلوی، سر سید احمد خاں کی نعتیں گوش مدحت نیوش کو سرشار کرتی رہتی ہیں۔

قدیم اردو اور ہندی میں ہمیں نعت کا جستہ جستہ کلام ملتا ہے۔ مثلاً کبیر داس کا یہ دوہا بہت مقبول و مشہور ہے:

عدد نکالو ہر چیز کے چوگن کر لو دائے دو ملا کر پچگن کر لو بیس کا بھاگ لگائے

باقی بچے کے نوگن کر لو دواس میں دو اور ملائے کہت کبیر سنو بھئی سادھو نام محمد آئے

قطب شاہی دور میں اردو کافی منجھ گئی تھی، اردو نعت گوئی کا رواج اسی دور میں ہوا۔ زیادہ تر نعتیہ مثنویاں کہی گئیں اس دور کے شعراء میں محمد قلی قطب شاہ، محمد قطبؔ شاہ، عبداللہ قطب شاہ، شاہ بلاقی، کے نام ملتے ہیں۔ عہد مغلیہ تک نعتیہ مثنویاں ہی پائی جاتی ہیں۔ سوداؔ اور میرؔ غالبؔ و مومنؔ کے علاوہ متعدد نعتیہ قصائد لکھے گئے، اسی دور کے شاعر مولوی غلام امام شہیدؔ (ان کا نعتیہ دیوان موجود ہے) پہلے شاعر ہیں جنھوں نے صنف غزل میں نعت کہی۔ کرامت علی شہیدیؔ بھی اسی دور کے شاعر ہیں، انھوں نے بھی تادمِ آخر نعت ہی کہی۔ وہ جب حج کے دوران مکۂ مکرمہ سے مدینہ منورہ جا رہے تھے تو راستے میں بیمار پڑ گئے اور گنبدِ خضرا پر نگاہ پڑتے ہی دار فانی سے کوچ کر گئے اور ان کی یہ آرزو پوری ہو گئی:

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کی جا بیٹھے قفس جس وقت ٹوٹے طائر روحِ مقید کا

اس کے بعد اردو کے سبھی شاعروں نے نعتیں کہیں مگر بہت کم شعراء کے نعت کے مکمل دیوان ملتے ان میں تقریباً سب سے پہلے امیرؔ مینائی کا نعتیہ دیوان ''محامد خاتم النبیین'' ملتا ہے، اس کے بعد محسنؔ کاکوروی نعت کے اعلیٰ شاعر تسلیم کئے گئے ہیں یہاں صرف ان شعراء کے نام جنھوں نے نعت کے دیوان مرتب کئے درج کروں گا۔ کرامت علی شہیدیؔ، غلام امام شہیدؔ، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، حسنؔ رضا خاں بریلوی، سر محمد اقبال (حالانکہ ان کا کوئی نعتیہ دیوان تو نہیں ہے مگر ان کی ساری تخلیقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے اِردگرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہیں) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، اکبرؔ وارثی، ابوالمجاہد زاہد بہزادؔ لکھنوی، حفیظؔ جالندھری (شاہ نامہ اسلام)، زائر حرم حمیدؔ لکھنوی، ضیاءؔ القادری، کیفؔ ٹونکی، رؤفؔ امروہوی، مولانا محمد خلیل خاکیؔ امروہوی، صادقؔ دہلوی، سیفیؔ امروہوی، حامدؔ امروہوی، ساجدؔ امروہوی، عثمانؔ مونڈھوی، افسرؔ امروہوی، ڈاکٹر عظیمؔ امروہوی، شاہ فہد امنؔ امروہوی، حفیظ تائبؔ، مظفرؔ وارثی، اظہرؔ عنایتی رامپوری، منورؔ بدایونی۔

ان شعراء کے علاوہ بہت سے شعراء جو صاحب دیوان نہیں ہیں مگر ان کی نعتیں زبان زد خاص و

عام ہیں، ان میں بیدمؔ شاہ وارثی، مولانا ظفر علی خاں، خواجہ الطاف حسین حالیؔ، جلیلؔ مانکپوری، سیمابؔ اکبر آبادی، اقبالؔ سہیل اعظمی، ادیبؔ سہارنپوری، بیکلؔ اتساہی، شکیلؔ بدایونی، صباؔ جے پوری، فناؔ نظامی کانپوری، ہمسرؔ قادری، مفتیؔ نسیم احمد فریدی، ادیبؔ مکن پوری، رئیسؔ رامپوری، خیالؔ رامپوری وغیرہ۔

جن دواوین کا میں نے تذکرہ کیا وہ زیادہ تر میرے دیکھے ہوئے ہیں، بہت سے دیگر شاعروں کے دیوان چھپے ہوں گے جن کا مجھے علم نہیں، بعد میں جن شعراء کا میں نے تذکرہ کیا ان میں سے سبھی کی نعتیں میری پڑھی ہوئی ہیں، ویسے تقریباً سبھی شعراء نے بطور حصول ثواب نعت ضرور رقم کی ہے۔

مقام تہنیت یہ ہے کہ مسلمان شعراء کے علاوہ متعدد ہندو شعراء نے بھی نعتیں کہی ہیں، کچھ ہندو نعت گو شعراء مندرجہ ذیل ہیں:

دِلوّ رام کوثریؔ، شیو پرشاد وہبیؔ لکھنوی، سر کشن پرشادؔ حیدر آبادی، برجموہن کیفیؔ دتا تریہ، بالمکند عرشؔ ملسیانی، جگن ناتھ آزادؔ، دھرم پال گپتا وفاؔ، رانا بھگوان داس بھگوانؔ، راجندر بہادر موجؔ، سکھدیو پرشاد بسملؔ الہ آبادی، سوم ناتھ سومؔ، کرشن بہاری نورؔ لکھنوی، وشنو کمار شوقؔ، ہری چند اخترؔ، کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، رام ناتھ شرما منؔ، بھونیش کمار شرما بھونؔ، ساہو جگدیش سرن پتتؔ امروہوی وغیرہ۔ نمونتاً چند شعراء کے اشعار درج کرتا ہوں:

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسول دو سرا کا مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

اور

لے کے دِلو رام کو حضرت گئے جنت میں جب غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

دِتو رامؔ کوثری

کان میں کچھ جو ادھر عذر نزاکت نے کہا مرحبا پڑھ کے اِدھر شاہد وحدت نے کہا
آبلائیں تری لوں جوشِ محبت نے کہا پہونچا محبوب تو مشاطۂ قدرت نے کہا
خلوت راز میں اے ناز کے پالے آجا

پنڈت برج موہن کیفیؔ دتا تریہ

بہر حال اب تو یہ ممکن نہیں ہے پُنر جنم ہو تو مدینہ میں گھر ہو

رام ناتھ شرما منؔ

پتت کو بھی دیدار کی بھیک دے دو ہے پھیلائے نینوں کے پیالے سنوریا

ساہو جگدیش سرن پتتؔ (کٹرہ غلام علی)

ان کی ہر ایک بات ہے قدرت کی ترجماں اس بات کا گواہ خدا کا کلام ہے

بھُون امروہوی

یہ دلِ نعت نبی کو سہل جانا دِوانہ ہے دِیوانہ ہے دیوانہ

ساجد امروہوی

اردو شاعری میں نعت مشکل ترین فن ہے کیونکہ ہر لمحہ ایمان داؤ پر لگا ہوتا ہے، ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوتا ہے:

عرفؔی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

عرفؔی شیرازی

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی ست

عرفی شیرازی

ارے اچانک فضا میں نورانیت سی آ گئی، روحانیت کی خوشبو سے اطراف مہکنے لگیں، میری فکر فلک رس زمین سے اوپر پرواز کرنے لگی، ہلکی ہلکی ہوا جس میں ایک مسحور کرنے والی خوشبو مہکی ہوئی تھی، میرے چاروں طرف پھیل گئی، میری زبان پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کا یہ شعر غیر اختیاری طور پر مچلنے لگا:

صبا بسوئے مدینہ روکن ازیں دعا گو سلام برخواں بہ گردِ شاہِ رسل بہ گرد د بصد تضرع پیام برخواں

میں تر آنکھوں کے ساتھ صبا کے حضور محوالتجا کافی دیر رہا، میں نے محسوس کیا کہ میری سپاس گزاری قبولیت کے نزدیک پہنچ گئی ہے، اسی فرطِ افتخار وابتجاج میں غنودگی کے عالم میں ایک ایسے ماحول میں میں واردِ ہو گیا جہاں ہر شئے غیر مرئی تھی محسوس ہوا کہ ایک بہت عالی شان جلسہ گاہ ہے جس میں مختلف زرق برق نشست گاہوں پر نہایت پاک وصاف افراد جلوہ افروز ہیں، سامنے سریرِ معرفت سجا ہوا ہے جس پر خدیو کارخانہ، مستی کے وجود کا احساس ہو رہا ہے اور یہ سب غیر برائی ہے کہ اچانک ایک حیطۂ ادراک وفہم سے باہر منتخب روزگارِ ہستی بقعۂ نور بنی ہوئی نمودار ہوئی اس غیر مرئی منظر کو دیکھ کر ہی شاید امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

خدا خود میر مجلس بود اندر لا مکاں خسرو محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

وہ محبوب رب کائنات باعث خلق ہیں، انھیں کے لیے یہ محفلیں یہ رونقیں برپا کی گئی ہیں، یہ زمین، یہ آسمان، یہ جن وانس، یہ وحش وطیور، یہ باغ وبستان، یہ آفتاب ومہتاب، انھیں کے صدقے میں تخلیق کئے گئے ہیں۔ محسوس کریں:

خورشید کو لاتی ہے صبا منتیں کر کے چھپ جاتا ہے ہر شب پس دیوار مدینہ

ساجد امروہوی

وہ ایسے غریب پرور ایسے ہمدرد، ایسے مونس و ہمدم، پیکر رحمت و رافت کہ اللہ نے ارشاد فرمایا "**وما ارسلناك الا رحمت اللعالمين**" فرمایا ان کی اس رحمت اللعالمینی کے بھروسے:

میں سر اٹھائے جو یہ جا رہا ہوں جانب خلد مرے لیے میرے آقا نے بات کی ہوئی ہے

افتخار عارف

اکثر شعراء نے نعت کے دوران ایک یا دو شعر مناقب اہل بیت، صحابہ،، اولیا کی مدح میں کہے ہیں، ساتھ ہی پند و نصائح سے بھی مستفیض کیا ہے:

فاطمہ جس کی کلی حسنین جس کے پھول ہیں کیسا نکہت بیز ہے یہ بوستانِ مصطفیٰ

ساجد امروہوی

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

احمد رضا خاں بریلوی

تھے سبھی پیشِ نظر معرکۂ کرب و بلا صبر میں ثانیِ ایوب ہوا، خوب ہوا

داغ دہلوی

ز غیر آلِ نبی حاجتم اگر طلبم روا مدار یکے از ہزار حاجاتم

غوثِ اعظم سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

ہوا ہے کیا کچھ اہل بیت پر سودا نہ دم مارا خدا بن کون ہے آگاہ آداب محمد کا

مرزا محمد رفیع سودا

ساجد کم نگاہ دیکھ بے عملی نے کیا کیا عزمِ حسین لے گئی سوزِ بلال لے گئی

ساجد امروہوی

ایک اِدھر محی دیں ایک اُدھر معین دیں یہ بھی ادائے مصطفیٰ وہ بھی ادائے مصطفیٰ

ساجد امروہوی

تقدیر کے ہاتھوں تم پر بھی پڑ جائے نہ ایسا وقت کوئی
تم اپنے مسلماں بھائی کی غربت کا تماشا مت دیکھو

ساجد امروہوی

اب میں کچھ اشعار نعت جن کو بھلایا نہیں جاسکتا، نذر قارئین کرتا ہوں:

وجودِ مرکزِ پرکار عالم کے شدے ثابت — احد خود قاب قوسین از نبودے میم احمد را
خواجہ نظیریؔ

مرحبا سید مکی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
قدسیؔ ایرانی

خدا دارم دل بریاں ز عشق مصطفیٰ دارم — نہ دارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم
سر سید احمد خاں

ہر کس قسم بہ اُنچہ عزیزست می خورد — سوگندِ کردگار بہ جانِ محمد است
اسداللہ خاں غالبؔ

تنم فرسودہ جاں پارہ ز ہجراں یا رسول اللہ — دلم پژمردہ آوارہ ز عصیاں یا رسول اللہ
مولانا جامیؔ

ساری تعریفیں اگر سو ہیں خدا کے واسطے — ایک کم سو ہیں محمد مصطفیٰ کے واسطے
نثارؔ امروہوی

ان کی محفل میں اور ذکرِ رؤفؔ — یہ تو بادِ صبا کی باتیں ہیں
رؤفؔ امروہوی

ہزار شکر غلامانِ شاہِ بطحاء میں — شروع دن سے مری حاضری لگی ہوئی ہے
افتخار عارف

صد رامِ سلطانِ مدینہ وہ جس کے کفِ پا کا پسینہ — گل کدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم
اقبال سہیلؔ

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد — تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
وہ خط وہ چہرہ وہ زلف سیاہ تو دیکھو — کہ شام صبح کے بعد آئی صبح شام کے بعد
آسیؔ غازی پوری

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم — مجھ کو گرنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا
احمد ندیمؔ قاسمی

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور　　تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

حسنؔ رضا خاں بریلوی

تمہارے مرنے والے مرتے ہیں طیبہ کے مرنے پر
کریں کیا لے کے جنت جو نہیں مرنے کے قابل بھی

حافظؔ پیلی بھیتی

ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں　　کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

بیانؔ ویز دانی میرٹھی

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں　　بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

مولانا محمد علی جوہرؔ

ترے ثنا گو عروس رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر　　کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دِکھا دِکھا کر

علامہ اقبال

دل ہے میرا بستۂ زلفِ دوتائے مصطفیٰ　　جان ہے پروانۂ شمع لقائے مصطفیٰ

شیو پرشاد راہیؔ لکھنوی

آئیں گے آپ دل میں یہ وعدہ تو کیجئے　　میں کعبہ مانگ لوں گا خدائے غفور سے

بیخودؔ دہلوی

دوئی اک داغِ تہمت غیریت الزام بے معنی　　وہ اپنا ہے جسے اپنائے یارانہ محمد کا

آرزوؔ لکھنوی

محشر میں جب کسی نے پکارا تو آئے یوں　　جیسے کھڑے ہوئے تھے اسی بے نوا کے پاس

کیفؔ ٹونکی

یہ دور اندازیاں اچھی ہیں برق حسن جانانہ　　قرن میں کوئی سودائی جبش میں کوئی دیوانہ

سیمابؔ اکبرآبادی

چشمہ ترے بیان کا غارِ حرا کی خامشی　　نغمہ ترے سکوت کا نعرۂ فتح خیبری

جوشؔ ملیح آبادی

علی الاعلان سِرِّ کُنتُ کنزاً مخفیاً کہئے　　مگر اس کی شریعت کا ادب مانع ہے کیا کہئے

حفیظ جالندھری

لباب اے ساقیٔ عرب دے مئے طرب دے مئے طرب دے
مزہ تو جب ہے کہ بے طلب دے سخی کے در پر سوال کیسا
رئیسؔ امروہوی

ان پہ درود بے شمار ان پہ سلام بار بار
کم ہے یہ بے شمار بھی کم ہے یہ بار بار بھی
خیالؔ رامپوری

ان کی قسمت کے تصدق لیجئے وہ بھی چلے
جو یہ کہتے تھے کہ ہم کیوں ان کو یاد آنے لگے
زائرحرم حمیدؔ لکھنوی

خدا سنتا ہے اور بندوں میں اپنے مل کے سنتا ہے
جہاں بھی ذکر ہوتا ہے تمہارا یا رسول اللہؐ
صباؔ جے پوری

ترے در کے سوا آسودگیِ دل کہاں ملتی
ترے در پر زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
ضمیرؔ جعفری

انوار بے شمار معدود نہیں
رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمد کا مقام
وہ امتِ اسلام میں محدود نہیں
فراقؔ گورکھپوری

بے تاب ہو رہے ہیں سجدے قدم قدم پر
اے بے خودی بتا نا یہ کس کی رہ گزر ہے
قمرؔ مرادآبادی

وہ نورِ خدا کا ٹکڑا تھا کس طرح بھلا سایہ ہوتا
مٹی سے بنایا جاتا ہے جس جسم میں سایہ ہوتا ہے
کرشن بہاری نورؔ لکھنوی

روکے گی طیبہ جانے سے گر گھر کی انسیت
ایسا ہوا تو آگ لگا دوں گا گھر کو میں
علامہ حقؔ بنارسی

فخر یہ ہے کہ تری ذات سے نسبت ہے ہمیں
شرم آتی ہے یہ کہتے ہوئے ہم تیرے ہیں
حکیم کلب علی شاہد

یکتائیِ رسول میں شک ہو تجھے اگر
اپنی نظر کو میری نظر سے بدل کے دیکھ
کوثرؔ جائسی

الٰہی اپنی اس بے مائیگی پر شرم آتی ہے
کہ جانِ زار بھی ہے کوئی نذرانہ محمد کا
محوؔی صدیقی لکھنوی

تجھے اے اول مخلوق حادث کس طرح کہہ دوں
قدم تیرا شہ کونین سرحدِ قِدم پر ہے
مانیؔ جائسی

آ دکھا مصحف رخسار کی آیاتِ بہار
تا بکے گنبدِ خضریٰ میں حجاب اے ساقی
نیّرؔ واسطی

سجدہ ریز ان کے قدموں پہ ساحل
ان سے طوفان کنارے کنارے
ان کی کملی ہو یا ان کے گیسو
میری بخشش کے دونوں سہارے
نذیرؔ بنارسی

میرا یہ حال ہے ہجر نبی میں
نفس کی آمد و شد بھی گراں ہے
ندرتؔ کانپوری

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں ان کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
ہری چند اخترؔ

صبا سے کہہ تو رہا ہوں میرا سلام پہنچا دے ان کو لیکن
خدا کرے ان کی بارگہِ میں میں خود ہی پہنچوں صبا سے پہلے
مولانا ڈاکٹر محمد سیادت نقوی

متصل آپ کے ہاتھوں سے جو کنکر ہو جائے
تو ملائک کی زباں پا کے سخنور ہو جائے
مولانا محمد عبادت کلیمؔ

الٰہی مجھے تندرستی عطا کر دیارِ محمد میں جانے سے پہلے
وہاں جا کے بیمار ہو جاؤں ایسا کہ اٹھنا بھی مشکل ہو آنے سے پہلے
زبیر ابن سیفی

میں ہوں افسرؔ اک عریضہ لے کے آیا ہوں بلال
ہاں مری اک نعت پڑھ دو روبروئے مصطفیٰ
افسرؔ امروہوی

آپ اپنے آستانۂ عالی کو دیکھئے
کیا دیکھنا رؤفؔ سیہ کار کی طرف
رؤفؔ امروہوی

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

مظفّر وارثی

گئے تھے عرش پر وہ ان کا گھر تھا
عنایت ہے زمیں پر لوٹ آیا

اگر حسرت ہے تم کو حاضری کی
تو میرا مشورہ ہے مخلصانہ

ذرا صورت تو دیکھو آئینے میں
یہ صورت ہے تو مت صورت دکھانا

ساجدؔ امروہوی

میں تو کیا مری تو نسلیں بھی رہیں گی ممنون
سر چھپانے کو جو قدموں میں ٹھکانہ دے دے

سیفیؔ امروہوی

مدینے سے بہاریں نام جانے کا نہیں لیتیں
یہاں جو پھول کھلتے ہیں وہ مرجھایا نہیں کرتے

حامدؔ امروہوی

نعتیں پڑھتے پڑھتے قدم قدم پر ایسے شعر آتے ہیں کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں:

عشاقِ حبیبِ خالق کی اک خاص یہ عادت ہوتی ہے
ہر بات پہ آنسو بہتے ہیں بے وجہ بھی رقت ہوتی ہے

ساجدؔ امروہوی

جو میرے دل کو چھو لینے والے شعر ہیں میں نے انھیں نذر قارئین کیا ہے۔ اگر کسی محبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی شعر رلا دے تو وہ میرے لیے اپنی صمیمِ قلب سے بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہو۔ مضمون بہت طویل ہو گیا ہے، اس لیے میں داغؔ دہلوی کے مندرجہ ذیل شعر پر اپنی بات مختتم کرتا ہوں:

مجھ گنہگار کو جو بخش دیا
پھر جہنم کو کیا دیا تو نے

☆☆☆

عظیم انصاری (جگتدل، بنگال)

نعتیہ شاعری کے امام: مولانا احمد رضا خاں بریلوی

نعت گوئی کا سلسلہ ظہورِ اسلام سے ہی ہے۔اس فن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ وشمائل کا تذکرہ اور آپ کے معجزات وکمالات کے ساتھ ان کے اوصافِ حمیدہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔نعت گوئی کی ابتدا سب سے پہلے عربی زبان میں ہوئی اس کے بعد دنیا کی مختلف زبان وادب میں اس کا ظہور ہوا۔نعت گوئی کو عربی زبان کے بعد فارسی میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔صوفیائے کرام اور علمائے کرام نے نعت گوئی کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔فارسی زبان سے ہوتے ہوئے جب نعت گوئی اردو زبان میں داخل ہوئی تو اس کا والہانہ استقبال کیا گیا اور یہاں بھی اس کو فروغ دینے میں صوفیائے کرام اور علمائے دین کا اہم کردار رہا۔نعت گوئی کا چلن اردو ادب میں تقریباً ابتدا سے ہی ہے لیکن انیسویں صدی سے اس کی مقبولیت میں تیزی دکھائی دینے لگی اور اب تو نعتیہ مجموعوں کی آمد کا سلسلہ چل نکلا ہے۔

اردو ادب میں بھی فارسی کی طرح نعت گوئی کو فروغ دینے میں صوفیا اور علمائے کرام کا زبردست ہاتھ رہا ہے۔ 1857 کے بعد کے شاعروں میں مولانا حالی کا ''مدوجزر اسلام'' اس لیے بہت اہم ہے کہ اس کے ڈھیر سارے بند نعت کے انداز میں لکھے گئے ہیں۔حالی کی طرح شبلی نعمانی' مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال نے مذہبی وقومی شاعری کو نعتیہ رنگ دیا۔علماء نعت گو شعراء میں جہاں فارسی زبان و ادب میں مولانا رومی' شیخ سعدی کا نام آتا ہے ٹھیک اسی طرح اردو زبان وادب میں علامہ ریاض الدین سہروردی' مولانا ضیا القادری بدایونی' مولانا محسن کاکوروی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا نام آتا ہے۔آپ کی ولادت باسعادت شہر بریلی کے محلّہ سوداگران میں 16 جون 1856 عیسوی (10 شوال المکرّم) کو ہوئی۔ پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار رکھا گیا۔آپ کے دادا رضا علی خان پیار سے احمد رضا کے نام سے پکارتے تھے۔یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ چودھویں صدی ہجری میں یوں تو بہت سے نامور شعراء گزرے ہیں لیکن نعتیہ شاعری میں جو مقام ومرتبہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی

کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ بقول نیاز فتح پوری:

''اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے زیادہ گہرے اثرات مرتب کیے ہیں وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا کی ذات ہے۔''

نعت گوئی کوئی آسان کام نہیں یہ ایک نازک اور مشکل فن ہے کیونکہ اس میں ذرا سی لغزش شاعر کو تحت الثریٰ تک پہنچاسکتی ہے۔ اس میں غلو یا تنقیص کی گنجائش نہیں۔ بقول شیخ سعدی:

باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اس پہلو سے کماحقہ واقف تھے، اسی لیے وہ کہتے ہیں:

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے' جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصل حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔''

مولانا احمد رضا خان بریلوی کو نعت گوئی میں اس لیے اہم مقام حاصل ہے کہ وہ اس کے تقاضوں' نزاکتوں' لطافتوں اور باریکیوں سے نہ صرف بہرہ ور تھے بلکہ حد بندی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انھوں نے جو نعتیہ کلام کہے ہیں ان میں اعتدال اور توازن کے ہمراہ روح پرور اور ایمان کو تازہ کرنے والی کیفیات بھی شامل ہیں۔ آپ اپنے وقت کے جید عالم جلیل القدر محدث اور بلند پایہ فقیہ تھے۔ تاریخ اور سیرتِ مصطفوی کے روشن ادوار پر آپ کی گہری نظر تھی۔ وہ نہ صرف علم وادب سے مالامال تھے بلکہ ثنائے مصطفیٰ کے علمبردار بھی تھے۔ مجموعی طور پر ان کا ذہن وفکر مدحتِ رسول کا آماجگاہ تھا۔ مضمون آفرینی شاعری کی جان ہوا کرتی ہے۔ کسی بھی شاعر کی عظمت کا پتہ اس کی مضمون آفرینی سے چلتا ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی چونکہ شریعت سے مکمل آگاہ تھے اس لیے اپنی نعتوں میں مضمون آفرینی کے چکر میں شرعی حدود سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں حدود وقیود کا زبردست خیال رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارہ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کی شاعری کا رنگ ان معنوں میں ماہرانہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری میں حسن شعر اور حسن شرع کا حسین امتزاج بھی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس طرح کی خوبی

اسی شخص کے اندر ہو سکتی ہے جس نے دین کا اچھا مطالعہ کیا ہو اور سیرت مصطفیٰ کا بھی مکمل معلومات رکھتا ہو۔ نعتیہ شاعری میں حسن شعر اور اس کو برتنے کا عمل بہت مشکل کام ہے لیکن اعلیٰ حضرت کی شاعری میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد

☆

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا　　گروں کا سہارا عطائے محمد

ان کے دل میں عشق محمد کس قدر موجزن تھا اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے جب وہ حضور پرنور کی ولادت باسعادت کا نقشہ کچھ یوں کھینچتے ہیں:

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا　　تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کے رہ گیا

تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا　　تیرے صدقے میں نجی اللہ کا بجرا اتر گیا

نعت کا شعر کہنا کوئی آسان کام نہیں ہے اس بات سے وہ اچھی طرح واقف تھے تبھی تو کہتے ہیں:

اے رضا خود صاحبِ قرآں ہے مداح حضور　　تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

اس لیے جب حضورِ پرنور کو مخاطب کرتے ہیں تو ان کی تعظیم دیکھنے لائق ہوتی ہے:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے　　باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری　　حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا　　خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

شاعری کا حسن مبالغہ آرائی ہے لیکن نعتیہ شاعری میں ایسا ممکن نہیں ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری اس سے مبرا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں:

قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

اردو زبان وادب میں رباعی گو شعراء کی تعداد بہت کم ہے۔ اس میں زیادہ تر شعراء ایسے ملیں گے جو رباعی کے چوبیس اوزان میں سے صرف چار اوزان میں رباعی کہے ہیں یا کہتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت نے چوبیس اوزان پر نعت کہی ہے اور خوب کہی ہے جو اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ عروضِ شاعری پر ان کی گرفت کتنی سخت تھی۔ ایک رباعی ملاحظہ کریں:

کس منہ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں　　شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں

حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو　　ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

عربی زبان وادب میں بحرِ وافر کا چلن بہت زیادہ ہے جبکہ اردو شاعری میں اس کا استعمال برائے نام ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے بحرِ وافر میں بھی نعتیں کہی ہیں اور خوب کہی ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ ایک منفرد بحر ہے جس میں ایک رکن کی تکرار بار بار ہوتی ہے اسے ردیفِ مسلسل بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس بحر میں اعلیٰ حضرت نے زبردست نعتیہ کلام کہا ہے۔ ملاحظہ کریں:

زمیں و زماں تمہارے لیے، مکیں و مکاں تمہارے لیے
چنیں و چناں تمہارے لیے، بنے دو جہاں تمہارے لیے

☆

دہن میں زباں تمہارے لیے، بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

☆

فرشتے خدم رسولِ حشم تمامِ امم، غلامِ کرم
وجود و عدم حدوث وقدم جہاں میں عیاں تمہارے لیے
کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسول و نبی
عتیق و وصی، غنی وعلی، ثنا کی زباں تمہارے لیے

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا نعتیہ مجموعہ ''حدائق بخشش'' کی اوّلین اشاعت 1325 ہجری میں ہوئی۔ ان کے نعتیہ کلام کا ایک خوبصورت حصہ نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے قصیدہ نور، قصیدہ معراجیہ اور آپ کا طویل سلام خاص ہے۔ قصیدہ نور کو تو عشاقِ مصطفیٰ وظیفہ عقیدت جان کر پڑھتے ہیں:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا　　صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا　　سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانہ نور کا

عالموں اور دانشوروں کی یہ رائے ہے کہ اعلیٰ حضرت کا ''قصیدہ معراجیہ'' نعتیہ کلام کے اعتبار سے نہ صرف ایک عظیم شہکار ہے بلکہ یہ اپنے روانی وتسلسل اور زبان کی لطافت وتقدیس کے اعتبار سے ان کے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند و بالا ہے۔ اس قصیدے میں معراج کی جو منظر کشی ہے، اس میں ایک سچے عاشق رسول کا بھی پتہ چلتا ہے اور ان کے شاعرانہ حسن کی جلوہ گری کا بھی۔ اس کو پڑھ کر زبان وادب کے ماہرین انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ بھی بتا تا چلوں کہ

سڑسٹھ (67) اشعار پر مشتمل ''قصیدہ معراجیہ'' مختصر وقت میں لکھا جانے والا قصیدہ ہے۔ اس کے اوّلین مداحوں میں مولانا محسن کاکوروی بھی ہیں، جو بذاتِ خود ایک معروف نعت گو گزرے ہیں بلکہ انھوں نے ساری زندگی صرف نعتیں ہی لکھیں۔

اعلیٰ حضرت نے ''سلام رضا'' میں عشق کا دریا بہا دیا ہے۔ ایک سو اکہتر (171) اشعار پر مشتمل یہ سلام مقبولِ خاص و عام ہے۔ میرا خیال ہے کہ دنیا کا کوئی بھی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں اس سلام کے شناسا نہ ہوں۔ چند اشعار ملاحظہ کریں:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

☆

شہریارِ ارم تاج دارِ حرم نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

☆

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود ہم فقیروں کے ثروت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے دسمبر 1877 عیسوی (ذالحجہ 1294ھ) اور پھر 1906 عیسوی (ربیع الاول 1324 ہجری) میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ انھوں نے اس وقت حاجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے جو نعتیہ کلام کہا تھا وہ آج بھی مقبولِ خاص و عام ہے۔ ملاحظہ کریں:

حاجیو آؤ، شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

☆

غور سے سن تو رضا، کعبہ سے آتی ہے صدا میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

علامہ عبدالستار ہمدانی مصروف نے اعلیٰ حضرت پر لکھی ہوئی کتاب فنِ شاعری حسان الہند میں ''حدائق بخشش'' کی دوسری بہت سی خوبیوں کے ساتھ اس میں استعمال کی ہوئی تقریباً 31 صنعاتِ شعر کا ذکر کیا ان میں بہت سی صنعتیں ایسی بھی ہیں جن کی مثال اردو کے استاد شعراء حتی کہ مرزا غالب کی شاعری میں بھی نہیں ملتی۔ (امام احمد رضا بریلوی کی شاعری میں صنعات کا استعمال)

ملاحظہ کریں:

صنعتِ تشبیہ:

دل کرو ٹھنڈا مرا وہ کفِ پا چاند سا سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

صنعتِ اقتباس:

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر بول بالا ہے ترا' ذکر ہے اونچا تیرا

صنعتِ تضاد:

وہاں فلک پر یہاں پر رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے، ادھر سے نغمات اٹھ رہے تھے

صنعت تلمیح:

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کوتاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

صنعت تجنیس تام:

نور بنت نور و زوجِ نور وام نور و نور نورِ مطلق کی کنیز' اللہ دے لینا نور کا

صنعتِ تجنیسِ ناقص:

سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

کس سے کہئے کیا کیا ہوگیا خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے

اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے پورے نعتیہ ادب میں کوئی شاعر ایسا نظر نہیں آتا جو اپنی نعتوں سے ایک زمانے کو سیراب کیا ہو۔ یہ اعزاز تو صرف اعلیٰ حضرت کو ہی حاصل ہے۔ ان کی نعت گوئی کا بیگانوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔ مولانا کوثر نیازی کہتے ہیں:

''بریلی شریف میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور احمد رضا خاں جس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو' عقیدوں میں اختلاف ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشقِ رسول ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔''

معروف شاعر و ناقد ایم۔ نصر اللہ نصر (ہوڑہ) نے اپنے مضمون ''دبستانِ نعت۔ (4)'' میں ایک تاثراتی جائزہ پیش کیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اب تک ملک یا بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے متعلق 35 مقالے لکھے جاچکے ہیں۔ خود ہندوستان کی چار یونیورسٹیوں میں چار پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے لکھے جاچکے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

1- حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت
محقق و مقالہ نگار: ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی، بہار یونیورسٹی، بہار

2- اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور ان کی نعت گوئی: ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل۔ ہری سنگھ یونیورسٹی (مدھیہ پردیش)

3- اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، رہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی (یو۔پی)

4- مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری: ڈاکٹر سراج احمد قادری، کانپور یونیورسٹی (یو۔پی)

(دبستانِ نعت شمارہ نمبر 5 صفحہ نمبر 618-617)

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی نعتیہ شاعری کے باکمال شاعر تھے اور ایسا لگتا ہے کہ قدرت کی طرف سے مدحتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں ودیعت کردی گئی تھی۔

انہوں نے نعتیہ شاعری کی جس طرح سے پرورش و پرداخت کی ہے اس کی نظیر اردو شاعری میں کہیں نہیں ملتی۔ انھوں نے قرآن و حدیث کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا یہی سبب ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری حضورِ اکرم کی عظمت و جلالت کا زبردست اظہار ہے۔

☆☆☆

پروفیسر ستار ساحر (کڈپہ،اے۔پی)

''ڈاکٹر محمد علی آثر کی نعتیہ رباعی گوئی''

(''قلم کی سجدہ ریزیاں'' کے حوالہ سے)

ڈاکٹر محمد علی آثر برِ صغیر کے مشہور ومعروف اور ممتاز ماہرِ دکنیات ہیں۔ایک پہلو دار شخصیت کے مالک،دکنی شعر وادب کے سرکردہ محقق اور نقاد کی حیثیت سے موصوف کافی مقبول ہیں۔آثر ایک اچھے استاذ،شاعر اور اوّل درجے کے مخطوطہ شناس بھی ہیں۔موصوف نے تحقیق اور شاعری دونوں کا حق بخوبی ادا کیا ہے۔ان کی شاعری سے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ موصوف جدید ترین دنیا کے باشندے ہیں اور انھوں نے پچاس سے زائد کتابیں تصنیف وتالیف کی ہیں جب تک حیات رہے(مئی 2024ء میں انتقال کرگئے)ان کی بیماری اور لاچاری بھی ادبی مصروفیات میں مانع نہ ہوسکی۔کسی شخص میں تصنیف و تالیف کا ایسا جنون کم ہی دیکھنے کو آیا ہے۔

''قلم کی سجدہ ریزیاں'' پروفیسر آثر کی حمدیہ،مناجاتی اور نعتیہ رباعیوں کا مجموعہ ہے۔جس میں 56 نعتیہ رباعیات ہیں بقول پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی:

> ''محمد علی اثر نے حمد اور نعت ومناجات پر مشتمل ایک پورا مجموعۂ رباعی تیار کیا ہے اکثر رباعیوں کو میں نے دیکھا اور انھیں تاثیر اور محبت کی خوشبو سے بھرا پایا۔محمد علی آثر کے یہاں تعلق مع اللہ اور تعلق مع الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جگہ جگہ دل کو کھینچتا ہے۔میرا خیال ہے کہ محمد علی آثر کی رباعیاں،رباعی کہنے اور پسند کرنے والے حلقوں میں بہت مقبول ہوں گی۔''

(''قلم کی سجدہ ریزیاں''۔ص:15)

محمد علی آثر نے رباعیات انتہائی توجہ اور فنکارانہ انداز میں کہی ہیں جیسے موصوف کو صنف رباعی سے سچا عشق ہو! غالباً اسی سبب ان کی رباعیوں میں تازگی،شگفتگی،نکھار،نیاپن اور طرح داری محسوس

ہوتی ہے۔ رباعیوں کی دلآویزی انھیں بار بار پڑھنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ڈاکٹر آثر کے جذبات دیدنی ہیں۔ ان کی نعتیہ رباعیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کا دل عشقِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کس قدر سرشار ہے اور کتنی عقیدت کے ساتھ انھوں نے اپنے جذبات کے پھول حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ مثلاً:

یہ دیکھ کے ہے عقل و خرد کا سرخم ۔۔۔ انوارِ نبی سے ہوے انساں خرم
دین آپ کا اسلام' نظامِ حق ہے ۔۔۔ رہبر ہیں فقط آپ ہی کے نقشِ قدم

☆

سرکار کے نقشِ کف پا دیکھ کے چل ۔۔۔ چلنا ہے آثر تجھ کو تو چل سر کے بل
اللہ نے پہنچایا درِ آقا پر ۔۔۔ یہ خاکِ مدینہ ہے سنبھل اور سنبھل

☆

سرکارِ دو عالم کا مدینہ ہے پسند ۔۔۔ شیدا ہوں میں' رہنا بھی وہیں کا ہے پسند
خواہش ہے کہ مل جائے زمیں تھوڑی سی ۔۔۔ ہاں خاکِ مدینہ کا بچھونا ہے پسند

ڈاکٹر راہی فدائی کے الفاظ میں:

''ڈاکٹر محمد علی آثر کی حمدیہ اور نعتیہ رباعیات' فنی لوازمات سے مملو اور اثر آفرینی سے مزین ہیں۔'' (''قلم کی سجدہ ریزیاں''۔ص:15)

مثالیں:

نورانی فضا اور معطر وہ ہوا ۔۔۔ مٹی میں بھی اللہ نے رکھی ہے شفا
پہنچا دے مجھے پھر سے مدینہ اللہ ۔۔۔ جیتے جی وہاں پایا ہے جنت کا مزہ

☆

ہر سانس میں آقا کا بیاں اچھا ہے ۔۔۔ مہکا رہے سانسوں کا جہاں اچھا ہے
اللہ بھی خوش ذکر نبی سے ہے آثر ۔۔۔ ہر دم ہو یہی وردِ زباں اچھا ہے

نعت کا موضوع ایک بحرِ بیکراں ہے جس میں رواں سفینہ مضامین کے نئے جزیروں اور معانی کے نئے جہانوں کو دریافت کرتا جائے گا۔ تاہم مسافر تھک جائے گا اور سفینہ بھی ٹوٹ جائے گا لیکن اس کے مضامین اور معانی کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ محمد علی آثر کی نعتیہ رباعیات کی ایک خاص بات یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو اسمائے مبارکہ محمد اور احمد کے علاوہ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے متعدد نام کا جن سے آپ کے مختلف اوصاف کا اظہار ہوتا ہے بڑی خوبی سے ذکر کیا ہے مثال کے طور پر یہ اشعار ہیں:

حماد بھی، ساجد بھی رسولِ عربی — مشہود بھی، شاہد بھی رسول عربی
ناچیز آثر نعتِ نبی کہتا ہے — احمد بھی ہیں حامد بھی رسول عربی

☆

طٰسٓ بھی، طاہر بھی وہ آقا ہیں آثر — طٰہٰ بھی، مذکر بھی وہ آقا ہیں آثر
جھولی مری بھر جائے خدا ان کے طفیل — ہاں قاسم و ناصر بھی وہ آقا ہیں آثر

رب لم یزال کے فضل و کرم سے اربوں لوگوں کو حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ ولم میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ روضۂ اقدس کی زیارت سے عشاق رسول کے قلب پر جو گزرتی ہے ان کیفیات کو بیان کرنے سے الفاظ قاصر ہوتے ہیں۔ تاہم ایک شاعر اس کے اظہار کا حق کما حقہ ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ڈاکٹر آثر نے روضۂ اقدس پر حاضری اور اس کی دید کا شرف پایا تو مدینۂ منورہ میں قیام کے دوران اور وہاں سے واپسی کے بعد اپنی دلی کیفیات کو کچھ اس طرح رباعیوں میں پیش کیا:

اللہ کا احسان ہے کہ بطحا دیکھا — ان آنکھوں سے آقا کا مدینہ دیکھا
وہ روضۂ جنت، وہ سنہری جالی — دربار میں آقا کے نہ کیا کیا دیکھا

☆

ہے گنبدِ خضرا مری آنکھوں میں ابھی — ہے روضہ نبی کا مری آنکھوں میں ابھی
میں موند کے رکھتا ہوں آثر آنکھوں کو — ہے نور کا دریا مری آنکھوں میں ابھی

☆

نورانی فضا اور معطر وہ ہوا — مٹی میں بھی اللہ نے رکھی ہے شفا
پہنچا دے مجھے پھر سے مدینہ اللہ — جیتے جی وہاں پایا ہے جنت کا مزہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی نہ صرف مخلوق کو بلکہ خالقِ دو جہاں کو بھی بہت پیاری ہے۔ ارض و سما کے تمام خوش رنگ نظارے آپ کی ذاتِ اقدس کا صدقہ ہیں۔ اس تناظر میں نبی کی اعلیٰ و ارفع ذات کی بارگاہ میں اپنے قلم کو جنبش دیتے ہوئے شاعر کو انتہائی احترام و احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ آثر کی یہ رباعیاں ملاحظہ کیجیے:

تعظیم بہر حال نبی کی کیجیے — ہے حکم خدا نگاہ نیچی کیجیے

ہاں یاد رکھیں بات نبی سے ہوتو اپنی آواز ان سے نہ اونچی کیجیے

☆

کیا شان ہے، عظمت ہے، مرے آقا کی کیا حشمت و شوکت ہے مرے آقا کی
معراج کی شب رب نے بنایا مہماں کیا رفعت و عزت ہے مرے آقا کی

''صفہ'' وہ سایہ دار چبوترہ ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر حجرۂ مبارک سے قریب حدودِ مسجد نبوی میں بے گھر مہاجرین کے لیے بنوایا تھا۔ اس کی چھت کھجور کے پتوں سے بنائی گئی تھی۔ یہاں مہمان قیام کرتے تھے اور علم سیکھنے والے فقرا اور صحابہ مستقل طور پر رہتے تھے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا'' میں نے ستر (70) اصحابِ صفہ کو دیکھا۔ اس لحاظ سے صفہ کا ذات اقدس سے تعلق اٹوٹ ہے لیکن اس کا تذکرہ ہمارے شاعروں نے اپنی نعتوں میں بہت کم کیا ہے۔ صفہ پر رباعی سے ڈاکٹر آثر کی نعتیہ رباعی گوئی کی انفرادیت نمایاں ہے:

وہ مدرسہ اسلام کا پہلا صفہ وہ علم کے انوار کا دریا صفہ
تھے پہلے معلم مرے آقا جس کے تاریخ کا بے مثل نگینہ صفہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل، ظلم وستم اور جبر واستحصال کے اندھیروں کا دور دورہ تھا۔ شرافت اور نیکی کا تصور اجنبی سا لگتا تھا۔ بدی، تاحدِ نظر اپنے پاؤں پھیلاتے جا رہی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو اس کی آیات سنانے، لوگوں کی زندگی سنوارنے، حق اور حکمت کا درس دینے کے لیے مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ذمہ داری بہ حسن وخوبی انجام دی۔ یہ رباعی دیکھیے:

قول آپ کا باطل کو ہے خط تنسیخ فعل آپ کا ناحق کے لیے ہے توبیخ
آنکھیں ہیں میسر جنھیں وہ دیکھیں گے آقا کا ہے ہر نقش کف پا تاریخ

نعتیہ شاعری کے بعض عمومی موضوعات ہیں جیسے آقا کے فضائل وشمائل، معجزات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا تذکرہ اور ان کی پیروی، شفاعت طلبی، دوبارہ حاضری کی تمنا وغیرہم۔ ڈاکٹر آثر نے ان موضوعات کو بھی ذہن میں رکھتے ہوئے چند رباعیات کہی ہیں دیکھیے:

عادل بھی ہیں، رحیم بھی آقا آپ شارع بھی ہیں، حکیم بھی آقا آپ
عاصی ہوں مگر آپ کی امت میں ہوں شافع بھی ہیں کریم بھی آقا آپ

☆

کون آپ سا ہے، آپ مطہر اطہر
اے شاہِ امم ختم رسل خیر بشر
بے شک ہے یہ انعامِ خدا عقبیٰ میں
اللہ نے جو آپ کو بخشا کوثر

☆

مکہ بھی، مدینہ بھی، میں پہنچا معذور
جی چاہتا ہے پہنچوں پھر اک بار حضور
اے ارضِ دکن پاؤں نہ تو میرے پکڑ
سرکار کے دربار میں جاؤں گا ضرور

میں ڈاکٹر محمد علی آثر کے ''سپاس واعتراف'' پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

''راقم التحریر کا شعری سفر کم وبیش چالیس (40) سال پر محیط ہے۔ کم و بیش تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کرنے کے بعد عمر کے اس پڑاؤ میں اب اس صنفِ رباعی کی طرف متوجہ ہوا ہوں، اس مختصر لیکن معنوی اعتبار سے مکمل، پر لطف اور دلکش صنف کی طرف احقر کو مائل کرنے کا سہرا میرے بزرگ دوست، کرم فرما اور مشہور استادِ رباعی حضرت شاہ حسین نہری کے سر ہے موصوف ہی کے ایماء پر میں نے اپنی رباعیوں پر موجودہ دور کے معروف ومقبول اور بے نظیر رباعی گو حضرت ناوک حمزہ پوری کو بھی اصلاح کی زحمت دی ہے۔ جنھوں نے خرابئ صحت کے باوجود ہر رباعی کے ایک ایک لفظ کے مزاج کو جانچ پرکھ کر ان تخلیقات کو آب دار بنا دیا ہے۔'' (''قلم کی سجدہ ریزیاں'' ص:39)

☆ سابق صدر شعبۂ اردو
جامعہ وینکٹیشورا
تروپتی، آندھرا پردیش
موبائل : 8639107366

☆☆☆

ڈاکٹر شاہد احمد جمالی (جے پور، راجستھان)

''عرب کا چاند'' (سیرتِ رسول) اورسوامی لکشمن مہاراج

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ منکرین اسلام بھی آپ کی بابرکت ذات مبارک سے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یوں تو ہندوستان میں ہزاروں غیر مسلم حضرات نعت گو مل جائیں گے جنھوں نے اس صنف سخن میں نام پیدا کیا اور کچھ لوگ حلقہ اسلام میں بھی داخل ہوئے۔ لیکن سیرت نگاری میں بھی چند غیر مسلم حضرات نے خامہ فرسائی کی ہے اور اسی کی برکت سے کسی کسی کو ہدایت بھی نصیب ہوئی۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک نام سوامی لکشمن مہاراج کا بھی ہے۔ ان کا اصل نام پنڈت کنور کرشن دت شرما تھا۔ قصبہ ''ٹوہانہ'' ضلع حصار میں ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے اور عین عالم شباب میں صرف ۲۶ رسال کی عمر میں انتقال کیا۔ جب انھوں نے سیرت نبوی پر قلم اٹھانا شروع کیا تو مصنف کے طور پر سوامی لکشمن مہاراج لکھنا شروع کیا اور کتاب کے سرورق پر یہی نام لکھا جانے لگا۔ لیکن طب کی کتابوں اور ایک ماہنامہ ''آب حیات'' پر پنڈت کنور کرشن دت شرما ہی لکھا جاتا رہا۔

اسلام اور سیرت پر انھوں نے چند رسالے اور ایک کتاب ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) کفر شکن پیکرِ جمال (رسالہ، ۱۹۲۹)

(۲) ساون کی جھڑیاں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں (رسالہ، ۱۹۲۹)

(۳) رہبانیت اور اسلام (۱۹۲۹)

(۴) عرب کا چاند (سیرت، ۱۹۳۴ء)

ماہنامہ ''آب حیات'' ۱۹۳۵ء جاری کیا جو، ان کے انتقال ۱۹۳۹ء تک جاری رہا۔

''آب حیات'' کو چھوڑ کر سبھی کتابیں دارالکتب سلیمانی، قصبہ روڑی، ضلع حصار سے شائع ہوئیں۔

سوامی لکشمن شروع سے ہی حقیقت پسند تھے، وہ اپنے ماحول سے بیزار اور متنفر تھے، وہ صراط مستقیم کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ مطالعہ کا شوق شروع سے تھا۔ اسی دور میں قصبہ روڑی، ضلع حصار میں ایک طبیب حکیم محمد عبداللہ (گولڈ میڈلسٹ) تھے۔ جنھوں نے فن طب پر کافی کتابیں لکھی تھیں اور ان کی کتابیں کافی مشہور تھیں، سوامی لکشمن ان سے ملنے خواہش رکھتے تھے۔ چنانچہ انھیں ایک خط لکھا اور ملنے کی اجازت چاہی۔ خط میں لکھا تھا کہ 'میں جب بھی کسی مسجد کے آگے سے گزرتا ہوں تو میری رفتار خود بخود دست ہو جاتی ہے، گویا کوئی دامن پکڑ رہا ہو۔ میرے قدم رک جانا چاہتے ہیں جیسے وہاں میری روح کے لئے تسکین کا سامان موجود ہو'

یہ ۱۹۲۹ کا واقعہ ہے جب سوامی لکشمن، حکیم صاحب سے ملے، اور ان کے یہاں کئی مہینوں قیام کیا۔ فن طب بھی سیکھا اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا۔ دونوں میں نزدیکیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ سوامی کو یہ کہنا پڑا کہ اب میرا میرے گھر والوں سے کوئی واسطہ نہیں، میرے والد ہیں تو آپ ہیں بھائی ہیں تو آپ ہیں۔ یہ حالات حکیم صاحب نے ''عرب کا چاند'' پیش لفظ میں قلم بند کئے ہیں۔ لیکن اس سے قبل سوامی کے وہ رسالے شائع ہو چکے تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ اسلام کی جانب ان کی رغبت کا سبب ایک اہم خواب تھا، جس میں انھیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی۔ اس خواب کا ذکر انھوں نے تفصیل سے ''کفر شکن پیکرِ جمال'' میں کیا ہے۔ اس خواب کا لب لباب یہ ہے۔

''میری روح پر ایک عجیب قسم کا نشہ طاری ہے جس کی کیفیت نا قابل اظہار ہے۔ میری آنکھوں نے دیکھا کہ ایک نور منتشر یکجا ہونا شروع ہوا اور چند لمحوں میں وہ نور ایک پیکر حسن و جمال کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے رخسارِ روشن کی تابانی دیکھ کر چاند نے بادلوں میں منھ چھپا لیا، اس کے تبسم سے بجلی کانپ گئی اور غنچہ شرما کر پسینہ پسینہ ہو گئے۔ اس نے اک تسخیر کن نظر مجھ پر ڈالی جس کا اثر اب تک میری روح پر موجود ہے۔ وشنو بھگوان، یا منو جی مہاراج کا کوئی وظیفہ اسے زائل نہیں کر سکا۔ وہ اک آگ تھی جس نے میرے تمام جسم کو مشتعل کر کے میری روح اور قلب کو زیر زبر کر دیا۔ مجھے وہ گوہر مقصود مل گیا جس کے لئے میں اب تک سرگرداں رہا تھا، میں نے اس محبوب کو پا لیا جس کا بچپن سے ہی مجھے پوری مفتونیت سے انتظار تھا۔ اس کے روشن رخساروں نے ضلالت اور جہالت کی تاریکیاں ختم کر دیں، کفر و شرک اور عصیاں کی آندھیاں دبا دیں۔ کیا ایسا 'کفر شکن' حسن بھی کسی خوش قسمت کی نظر سے گزرا ہے جس کی اک نگاہ ایمان پرور نے کفر کا طلسم توڑ دیا ہو۔

(کفر شکن پیکر جمال۔ سوامی لکشمن جی مہاراج۔ دارالکتب سلیمانی۔ روڑی، ضلع حصار، پنجاب)

اسی رسالے میں کئی واقعات سیرت بھی انھوں نے قلم بند کئے ہیں۔ ان واقعات کو پڑھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ سوامی جی نے بڑی گہرائی سے اور دل سے اسلام کا مطالعہ کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک سے سوامی کتنا متاثر ہوئے تھے، مندرجہ ذیل تحریر سے پتہ چلتا ہے۔

''کیا کسی نے ایسا غیرت جمال دیکھا ہے جس کے سر پر تاج اور قدموں پر تخت نثار ہوتے ہوں، جو ایسا حکمراں ہوتے ہوئے بھی کہ جس کی سلطانی جسم کے علاوہ دل پر بھی تھی، ایک شکستہ بوریہ پر جلوہ افروز ہوکر احکام سلطنت صادر کرتا اور فریادیوں کی دادرسی فرماتا ہو۔ جو عالیشان محلوں میں رہنے والوں اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھان والوں کا شہنشاہ ہوکر ایک معمولی کاشانہ میں قیام فرماتا ہو، کھجور کی سخت چٹائی پر سوتا ہو۔ جس کی جھونپڑی میں آٹا چھاننے کے لئے چھلنی بھی نہ ہو۔ جو معمولی لباس زیب تن کرتا ہو۔ جو مہینہ مہینہ بھر کھجور اور پانی پر بسر اوقات کرتا ہو لیکن اس کے در سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہ جاتا ہو۔ جس کی سادگی کا یہ عالم ہو کہ غیر ممالک کے سفیر حاکم اور محکوم کی شناخت کرنے سے عاجز ہوں جس نے بکری چرانے والے خانہ بدوشوں کو قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا فرمانرواں بنادیا ہو۔

جس نے طائف کے انسانیت سوز مظالم کا تختہ مشق بنتے ہوئے بھی اپنی زبانِ گوہر فشاں سے یہ فرمایا ہو ''اے میرے خدا میرے عشاق مجھ محبوب کو کج فہمی سے رقیب سمجھ کر اذیت کوش ہو رہے ہیں۔ ان کے قصور پر قلم عفو کھینچ دے کیوں کہ انھوں نے اپنی کج نگاہی سے ابھی میری شان محبوبیت کو نہیں دیکھا'۔ فتح مکہ کے موقع پر سنگدل قاتلوں اور دشمنوں کو، جنھوں نے اس کا سر مبارک تن سے جدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، وہ اگر چاہتا تو اس کی ایک جنبش نگاہ سے ہزاروں جیتے جاگتے انسان خاک و خون میں تڑپ کر رہ جاتے لیکن اس نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا'' جاؤ تم سب آزاد ہو تم پر میرا کوئی الزام نہیں۔''

کیا کسی نے ایسے حسینوں کے سرتاج اور بلند پرواز فلسفی کو بھی دیکھا ہے جس نے ادب و فلسفہ کے کسی کالج میں قدم بھی نہ رکھا ہو، جس نے کسی پروفیسر کے سامنے زانوئے ادب تہ نہ کیا ہو، جو ابجد ناشناس ہوتے ہوئے بھی فلسفیان عالم کا ادب آموز بن گیا ہو۔

آخر میں اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہوئے سوامی لکھتے ہیں:

> ''آج میں بھی اسی شمع حسن کا پروانہ ہوں اور دنیائے انسانی کو اسی شمع حسن کا پروانہ بنادینا چاہتا ہوں۔ میرا سینہ جس شاہد ازلی سے لبریز ہے، میں دنیا کو بھی اسی محبوب الٰہی کے حسن جہاں آرا کا دیوانہ بنادینا چاہتا ہوں۔ میرا دل جس شاہد ازل کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہے میں دنیا کو بھی اسی شاہد حقیقی کی

زنجیروں میں جکڑ دینا چاہتا ہوں کیوں کہ میرا ضمیر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ سعادت دارین اسی قید و بن میں ہے۔''

اسی طرح حکیم محمد عبداللہ کے لکھے خط میں سوامی جی نے لکھا تھا کہ، مذہب کا تعلق جبہ و دستار اور ریش دراز سے نہیں بلکہ انسان کے دل سے ہے۔ پھر اگر میرا دل مسلمان ہے تو میرے جسم کے مسلمان نہ ہونے پر کسی اعتراض کیوں ہو۔ بہت ممکن ہے کہ ''سچے'' مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد میرے اس ''کفر'' پر ناک بھوں چڑھائے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میرے اس کفر میں ان کے کہلانے والے اسلام سے کہیں زیادہ حقانیت موجود ہے۔

''عرب کا چاند'' (۱۹۳۳ء) ایک ضخیم کتاب ہے، جو چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضورؐ کی بعثت سے قبل ان کے والدین اور دادا کے ذکر کے سے لے کر آپ کی وفات مبارک تک کے حالات، واقعات اور سیرت نگاری کے نمونے درج ہیں۔ یوں تو کئی غیر مسلم حضرات نے سیرت رسول پر کتابیں لکھی ہیں لیکن یہ کتاب قطعی طور پر ان سے منفرد اور ممتاز ہے۔ کیوں کہ اس کتاب کو تصنیف کرتے وقت مصنف کے دل میں ایمان کی روشنی کا چراغ جلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ مصنف کا ارادہ تھا کہ وہ چند مشہور اور عظیم شخصیات کی سوانح لکھے گا، لیکن اس کا قلم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر آ کر رک گیا، ان کے علاوہ وہ کسی اور کی سوانح نہیں لکھ سکا۔ وہ لکھتا ہے، ''دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں، رحمتہ اللعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النّبیین، باعث فخر موجودات، سرور کائنات، حضرت محمد مصطفٰے، احمد مجتبٰی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسی لئے میں نے سب سے پہلے اقابل تعظیم فخر روزگار ہستی کی حیات مطہّرہ کے حالات قلم بند کرنے کا شرف حاصل کیا۔''

اس کتاب سے چند نمونے سیرت کے پیش کرتا ہوں۔

پرورش کرنے والوں سے محبت:

حضور انور کو اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی۔ یہاں تک کہ منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد جب حلیمہ رضی اللہ عنہا ایک دفعہ آپ کو ملنے آئی تو آپ جوش مسرت میں بے خود ہو کر آپ کے استقبال کو دوڑے اور فوراً اپنی چادر آپ کے بیٹھنے کے لئے بچھا دی۔ اس کے بعد ایک دفعہ کسی جنگ میں قبیلہ بنی سعد کے بہت سے آدمی گرفتار ہو کر آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ کی سفارش پر ان سب کو رہا کر دیا۔

حضرت خدیجہؓ:

حضرت خدیجہ کی محبت حضور کے ساتھ محبوبانہ نہیں بلکہ عاشقانہ تھی۔انھوں نے اپنے دل کے علاوہ اپنا تمام مال و دولت اور زر و جواہر سرور کائنات کے قدموں میں نثار کر دیا تھا۔جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غربا اور دیگر اصلاحی کاموں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ایک دن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور نے فرمایا کہ جنت میں تمہارے سوا میری اور بیویاں بھی ہوں گی۔تو آپ نے مسکرا کر فرمایا ، یہ کون سی عجیب بات ہے، بادشاہوں کے کئی کئی بیگمیں ہوتی ہیں۔

آپؐ شرم وحیا کے پیکر تھے:

ایک دفعہ بارش کی کثرت سے کعبہ کی عمارت کو کچھ نقصان پہنچ گیا،اس لئے مرمت کا کام جاری تھا۔آپ اجتماع کے کاموں میں جن کی بنیاد نیکی اور راستی پر ہو، ہمیشہ دلچسپی لیا کرتے تھے۔آپ کی عمر مبارک اس وقت سات اور دس کے درمیان تھی۔دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر آپ بھی اینٹیں ڈھونے لگے۔آپ نے اس وقت صرف تہد باندھا ہوا تھا۔آپ کے چچا عباسؓ نے تہد کا ایک کونہ کھینچ کر اتار لیا اور تہہ کر کے آپ کے شانے پر رکھنے لگے،تا کہ اینٹوں کی رگڑ سے شانہ مبارک چھل نہ جائے۔اس عمر میں بچوں کی برہنگی عیب نہ سمجھی جاتی تھی لیکن آپؐ میں شرم وحیا کا مادّہ اس کثرت سے تھا کہ آپ تہد کھلتے ہی بیہوش ہو گئے۔جب یہ حقیقت عباسؓ پر منکشف ہوئی تو انھوں نے پھر آپ کے تہد باندھ دیا۔شرم وحیا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔صحابہ کرام کا بیان ہے کہ حضور انور آخری عمر تک ایک دوشیزہ کی طرح باحیا رہے۔اس چھوٹی سی عمر میں اجتماعی کام میں ایسی دلچسپی لینا کہ اپنے جسم کو تکلیف دینے سے دریغ نہ کرنا ،آپ کی بلند ہمتی اور علوطبعی پر دال ہے۔عوام الناس میں یہ زمانہ کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے، زندگی کی سنگین ذمہ داریوں میں پھنسنے کا نہیں۔

حیات مبارکہؐ کے سبھی غزوات کا بھی مفصل ذکر کیا گیا ہے، نیز چند متفرق واقعات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔

جنگ حنین کے سال میں حضور انور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کو اس موقع پر بے حد خوشی ہوئی۔جس شخص نے یہ مژدہ جانفزا سنایا اسے ایک قطعہ نخلستان انعام میں دیا۔مگر یہ زندہ امیدوں کا ہونہار مجسمہ ابھی ایام طفولیت کی ایک منزل بھی طے نہ کرنے پایا تھا کہ راہگزار عالم بقا ہوا۔اس نور چشم کی وفات کے بعد فرشتہ اجل ایک دفعہ اور حضور انور کے صبر وضبط کا امتحان کرنے آیا اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو بھی اپنے شفیق باپ کو ہمیشہ کے لئے داغ جدائی دینا پڑا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غزوہ خندق:

اس کا ذکر بھی بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے، حضرت علیؓ کی شجاعت اور حضرت صفیہؓ کی عالی ہمتی کے واقعات کو بھی پیش کیا ہے۔ پھر یہودیوں کا محاصرہ، جنگ اور صلح کی درخواست، حضور نبی کریم کی رحم دلی کا ذکر کیا گیا ہے۔

وفات آنحضرتؐ:

وفات مبارک سے چند روز پیشتر سے ہی دردسر اور بخار کی شکایت پیام رحلت بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی تھی۔ آخری وقت آپکا سر مقدس آپ کی سب سے دلنواز اور فاضل بیوی حضرت عائشہؓ کے زانو پر تھا کہ زبان اقدس پر ''**اللھم الرفیق الاعلیٰ**'' کے الفاظ جاری ہوئے۔ اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ شیدایان جمال مصطفوی کے دلوں سے ایک ہوک اٹھی۔ یہ سانحہ جانگسل دیکھنے کے لئے ان کی روح تڑپ کر آنکھوں میں آ گئی۔ ایسا معلوم ہوا ایک دفعہ دنیا میں اندھیرا چھا گیا اور مہر و ماہ کی درخشانیاں یکلخت بند ہوگئیں۔

''عرب کا چاند'' سیرت کی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ہے جو غیر مسلم کے ہاتھوں تصنیف کی گئی۔ اس کا ہر جملہ دلکش اور موثر ہے۔

صرف ۲۶ رسال کی عمر میں اسلام کا اتنا گہرا مطالعہ کرنا اور سیرت مبارکہ پر ایک بڑی اور مستند کتاب لکھنا، علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں رسالے شائع کرنا اور پھر دیدار نبوی سے مشرف ہونا، بڑی سعادت کی بات ہے۔ انتقال سے پہلے سوامی جی نے طب کی بھی چند کتابیں لکھی تھیں، طب کے تعلق سے ان کا ذاتی خیال تھا کہ طب سے بیماروں کا علاج ہوتا ہے اور تاریخ سے بیمار قوموں کا۔ طب پر لکھی ہوئی ان کی کتابوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) جڑی بوٹیاں اور ان کے عجیب و غریب فوائد۔ پانچ جلدوں میں۔ اسے حکیم محمد عبداللہ اور حکیم پنڈت کرشن کنور دت، دونوں نے مرتب کیا ہے۔ صفحات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ (۲) مضامین و مجربات کرشن ۔۱۹۳۳ء۔ (۳) نئی جوانی ۱۹۳۴ء (۴) مشرق و مغرب میں غیر فطری شہوانی زندگی، ۱۹۳۸ء۔ (۵) فن کشتہ جات، ۱۹۳۸ء۔

☆ مکان نمبر ۶۲۹ ر محلّہ بساطیان، رام گنج بازار، جے پور۔ راجستھان
موبائل: 9664310287

☆☆☆

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

اردو میں نعتیہ شاعری-تنقیدی مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری (۱۴ر جنوری 1918ء- ۲۰۱۷ء) کا تعلق ضلع امراؤتی کے قصبہ برار سے ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے کئی امتیازات ہیں جس میں عظیم ترین وجہ امتیاز پروفیسر عبدالعزیز میمن سے آپ کا شرف تلمذ ہے۔عبدالعزیز میمن کو عربی زبان وادب پر قدرت کے سبب عرب وعجم دونوں میں آپ کی قدردانی کی جاتی تھی۔علامہ میمنی نے آپ کو عربی زبان ادب کے نوادر سے آگاہ کیا۔چار ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے علامہ کو بڑے قریب سے دیکھا تھا۔ آپ کے شاگرد نبی بخش بلوچ [۱] کو اندازہ تھا کہ ڈاکٹر میمنی عربی زبان کے ایک ایسے استاد، مدون اور محقق تھے جن کے حضور عرب ادباء بھی مودب رہا کرتے تھے۔دوسرے پروفیسر مختار الدین احمد اپنے استادگرامی کے تحقیقی ذوق اور تبحر علمی سے بخوبی واقف تھے۔اپنی مجالس میں پروفیسر میمنی کے وسعت مطالعہ اور ادبی تفوق پر اکثر اظہار خیال کیا کرتے تھے۔آپ کے تحقیقی مقالے ''الحماسۃ البصریۃ'' (لصدر الدین علی بن ابی الفرج البصری) میں استاذ میمنی کی تدوینی تربیت کو دیکھا جاسکتا ہے۔آپ کی یہ تدوین وتخریج پہلے ۱۹۶۴ء میں حیدرآباد سے شائع ہوی اور ۱۹۸۴ء میں ''عالم الکتب'' بیروت سے شائع ہوئی۔ پروفیسر مختار الدین (۱۹۲۴ء-۲۰۱۰ء) ہندوستان کے چند ماہرین تدوین میں سے ایک ہیں۔جن کے تدوینی کاموں کی مالک رام نے ستائش کی ہے [۲]۔ ''مختار نامہ'' خود آپ کی تحقیقی وتخریجی کارناموں پر گواہ ہے [۳]۔راقم نے بھی آپ کی شخصیت پر خامہ فرسائی کی ہے [۴]۔ پروفیسر مختار الدین نے استادگرامی کی ہمہ جہتی اور عربی مفردات پر مضبوط گرفت کو عربی دنیا کے پیش کرنے کے لیے ''مجلۃ المجمع العلمی الہندی العربی'' کا عدد ممتاز (۱۰/۱، ۲، ۱۹۸۵ء) نکالا۔ [۵] جس میں عرب وعجم کے معروف اہل علم کی تحریریں شامل ہیں۔اس کے بغیر پروفیسر میمنی کی تصویر کشی ناممکن ہے، مذکورہ دونوں اسکالرز کے بعد پروفیسر رفیع الدین کی ذات عالیہ ہے جو پروفیسر میمنی کے متعلق یہ اظہار خیال کرسکتے تھے کہ عربی ادبیات میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ بہت پیشتر ایک مرتبہ پروفیسر رفیع الدین صاحب شعبۂ عربی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک پروگرام میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے موجود تھے۔آپ نے اپنی تقریر میں استاد میمنی کے شب و روز کے مطالعاتی تعمق، عربی معاجم کے خصائص و نقائص، ابوالعلاء المعری کی علمی جہتوں، شعری محاسن اوراس کے فلسفیانہ انداز پر آپ کی مضبوط پکڑ اورعرب شعرا پر علامہ میمنی کے اختصاصات پر اظہار خیال کیا افسوس کہ یہ تقریر فضا میں تحلیل ہوگئی۔اگر محفوظ ہوتی تو فہم میمنی میں کام آتی۔اگر یہاں یہ صراحت کردی جائے کہ پروفیسر میمنی کی شاگردوں میں ایک بڑا نام پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی کا بھی ہے[6] جنھوں نے پروفیسر میمنی کے ادبی ترفع پر راقم کے سامنے اکثر روشنی ڈالی ہے۔انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ جاہلی اور دیگر عہد کے شعراء کا ایک بڑا خزینہ آپ کی یادداشت میں موجود تھا۔مولانا میمنی آپ کے ہاسٹل میکڈانل جاکر آپ کے کمرے میں بیٹھتے اور خریداری کے لیے آپ کو لے کر شہر جاتے۔ پروفیسر شروانی کے دو مضمون: (۱) پروفیسر عبدالعزیز میمنی کا تنقیدی شعور[7]، (۲) پروفیسر عبدالعزیز میمن میری نظر میں''[8] سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ اپنے استاد عالی کے شخصی اورادبی جہات سے واقف تھے۔

پروفیسر رفیع الدین کا ایک دوسرا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہم وطن مرحوم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (پ:۱۹۱۲ء) کی زیرنگرانی اپنا مقالہ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' کے عنوان سے ۱۹۵۵ء میں مکمل کیا اور ۱۹۵۶ء میں آپ کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض ہوئی۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے علمی استناد اور تحقیقی استحکام سے دنیا واقف ہے۔آپ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ یہاں کے علمی ماحول نے آپ کو تعمیر کیا تھا۔اپنے اساتذہ کرام کی خوبیوں اور تدریسی حسنات کا ذکر انھوں نے کیا ہے۔علی گڑھ میں اپنے ہاسٹل فیلوز اور ہم درس احباب کی خوبصورت تصویر کشی کی ہے۔روایاتِ علی گڑھ کی عظمتوں پر بھی اپنے مشاہدات کو رقم کیا ہے۔منٹو سرکل کا جغرافیہ بھی خاص انداز سے بیان کیا ہے۔پاکستان جانے کے بعد اپنے علیگ دوستوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملاقاتیں کرتے۔سید حامد کے دو بھائیوں سے بھی انھیں خاصی عقیدت تھی، اپنے ان احساسات واعترافات کو ان کی تحریر ''میرا علی گڑھ''[9] میں دیکھا جاسکتا ہے۔ پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں یہاں سے منتقل ہوکر سندھ پاکستان چلے گئے۔سندھ یونیورسٹی میں آپ تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔آپ کے بے شمار تلامذہ آج مختلف ادبی میدانوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پروفیسر رفیع الدین صاحب عربی ادبیات کے اسرار ورموز سے یوں واقف تھے کہ انھوں نے معروف مدون ومحقق پروفیسر میمنی سے استفادہ کیا اور اردو زبان کی جہتوں پر انھیں اس لیے قدرت حاصل تھی کہ انھوں نے معروف عالم اور ناقد پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں سے کسب فیض کیا۔ان

دونوں علمی وادبی چشموں نے آپ کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

راقم کی آپ سے بے شمار ملاقاتیں رہیں۔علی گڑھ سے آپ کو حد درجہ عقیدت تھی۔ ہمیشہ شیروانی میں ملبوس رہتے۔ترکی ٹوپی آپ کی شناخت تھی۔علی گڑھ ایک تعلیمی ادارے کے ساتھ ایک تربیت گاہ بھی ہے۔ان دونوں چیزوں کا آپ نمونہ تھے۔علی گڑھ سے عقیدت کا حال یہ تھا کہ اپنے بیٹے سید حبیب کو علی گڑھ پڑھنے کے لیے روانہ کیا نیز اسی کے ساتھ اپنی بیٹیوں کو بھی علی گڑھ میں داخل کیا۔آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ کے گھر میں روایاتِ علی گڑھ کا چرچا ہو۔آپ کے بچے علی گڑھ کا نمونہ بنیں۔اس کی وجہ سے علی گڑھ مستقل آتے تھے۔اس کے علاوہ شعبہ عربی میں آپ کو عز و شرف کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ پروفیسر محمد راشد ندوی[10] آپ سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ آپ سلکشن بورڈ کے ممبر اور بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن تھے۔ یہاں بہت سے پی ایچ.ڈی.مقالات کے ممتحن بھی رہے۔ Viva کے لیے بکثرت آتے تھے۔ اسی طرح شعبہ اسلامیات اور شعبہ دینیات میں بھی آپ کو مختلف حوالوں سے مدعو کیا جاتا تھا۔ اکثر علی گڑھ میں آپ طلوع ہوتے رہے۔شعبہ عربی کے اساتذہ کرام ان سے استفادہ کرتے اور ان کے ساتھ ان کا بیٹھنا کسی اعزاز سے کم نہ تھا۔راقم کو آپ کی مجالس سے فیض یاب ہونے کے بہت سے مواقع ملے۔مولانا مشرقی تہذیب کے نمونہ تھے۔انکساری حرز جاں تھی۔ ہر لفظ مسکراتے ہوئے ادا کرتے اور ملنے کا انداز تو کیا ہی نرالا اور پُرکشش تھا۔ ملنے والوں کو محبتوں اور شفقتوں سے سرشار کردیتے۔راقم نے آپ کی زیارت سے لطف اندوز ہونے کے لیے آپ سے وقت لیتا،شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی اور علی گڑھ میں موجودہ آپ کے کرایہ خانے پر ملتا۔دو چیزیں ان کے ذہن میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ایک تو مسلم یونیورسٹی کی تہذیبی روایات کے نہ جانے کتنے قصے ان کے ذہن میں مستحضر تھے۔دوسرے شعبہ عربی کی ایک تاریخ اور اساتذہ کرام کی تصاویر ان کی یادداشت کا حصہ تھیں۔

ایک بار راقم کا ناگپور جانا ہوا تو ہوٹل میں قیام ہوا، جب مولانا کو اطلاع ملی تو اپنے بیٹے سید حبیب کو بھیجا کا جاؤ ہوٹل سے اصلاحی صاحب کو بیگ اور بیگیج کے ساتھ اٹھالاؤ۔مولانا کے ساتھ رہنے کے مواقع ملے نیز آپ کے دسترخوان پر تناول کرنے کا شرف بھی۔مخدومی اپنے دست مبارک سے مختلف چیزیں پلیٹ میں ڈالنے کی کوشش کرتے۔سیدی آدابِ ضیافت کے نشانِ پتھر تھے۔دوروز اس ضیافت مقدسہ سے محظوظ ہونے کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی عبادات اور تدین وتقوی کے دیکھنے کا بھی شرف حاصل رہا۔اوراد و وظائف میں آپ کا اشتغال غیر معمولی ہوتا۔فجر بعد یادِ الٰہی اور تسبیحات میں

کھو جاتے۔آپ کے بیٹوں میں بھی ضیافت اور عبادت کی فکر مندیاں موجود ہیں۔گھر میں کتابوں کا قیمتی ذخیرہ تھا۔ بلکہ مستند ادبی وعلمی مآخذ تھے۔مطالعے کا شوق بچوں میں سرایت کر گیا ہے۔مولانا کے اندر تحقیق وتنقید کے جراثیم موجود تھے۔زبان وبیان کے آداب ورموز پر دست گاہ تھی۔جن کے تنقیدی شعور اور تحقیقی علو پر ''اردو میں نعتیہ شاعری'' گواہ ہے۔شاید یہ اظہار یہ نامناسب نہ ہو کہ آپ کا یہ مقالہ اردو نعتیہ شاعری کی تعریف وتوصیف اور اس کے ارتقائی مراحل کے تعلق سے اساسی حیثیت کا حامل ہے۔اس میں ان سوتوں تک رسائی حاصل کی گئی ہے جہاں سے اردو نعتیہ شاعری کے چشمے پھوٹتے ہیں۔اس سے پہلے کوئی ایسی داغ بیل نظر نہیں آتی جس کے تناظر میں یہ کہا جائے کہ اردو نعتیہ شعراء کے تعارف اور خصائص کی تقدیم میں اس کا گراں قدر کردار رہا ہے۔گویا اس سے قبل کوئی ایسا مرجع اور نعتیہ سنگ میل نہیں ہے جس کی مدد سے سید رفیع الدین صاحب نے اپنے کام کو آگے بڑھانے میں مدد لی ہو۔تا حد نظر کوئی ایسی کرن نہیں تھی جس کی معاونت سے آپ نے اردو نعتیہ شاعری کے سفر کو طے کیا ہو، یہ حقیقت ہے کہ کنواں کھودتے ہوئے اور سنگ لاخ سے دریائے نعت جاری کرتے ہوئے نیز صحرا نوردی کرتے ہوئے ''اردو میں نعتیہ شاعری'' کا سنگ مبین قائم کر دیا۔اسلامی ادب کی آوازیں اٹھتی رہی ہیں۔تحریک اسلامی اور رابطہ ادب اسلامی کی خدمات اس تعلق سے ناقابل فراموش ہیں۔ سرسید، احمد رضا خاں بریلوی، شبلی، مولانا آزاد، حالی، عبدالحیؒ لکھنوی، مولانا دریابادی، محمد اقبال، سید سلیمان ندوی، عبدالسلام ندوی، ظفر علی خاں، مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا علی میاں اور ماہر القادری نے اسلامی ادبیات کی ترویج وتعمیر میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔اس کے علاوہ اردو صحافت کے بہت سے اخبارات ورسائل نے اسلامی ادب کی نشر واشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔تہذیب الاخلاق، انسٹی ٹیوٹ گزٹ، البیان، الندوہ، معارف، الہلال، چٹان، ترجمان القرآن، زمین دار، مدینہ بجنور اور فاران نے اسلامی ادبیات کے فروغ میں اہم کارنامے انجام دیئے۔ادب اسلامی کی مختلف جہتوں میں ''اردو میں نعتیہ شاعری'' کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔سید صاحب نے کتاب میں اسلامی ادب کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔اسلامی ادب کے تقاضوں سے روشناس تھے۔ہندوستان میں جن علم برداروں نے اسلامی ادب کو فروغ دیا ہے اس میں آپ کا نام جلی حروف میں لکھا جائے گا۔اس میں ڈاکٹر صاحب نے بہت سے ایسے مآخذ استعمال کیے ہیں جو ان کی ذاتی دریافت ہے۔اس میں دبستانِ حیدر آباد اور دبستانِ لکھنؤ کی خصوصی نمائندگی کی گئی ہے اور ان دبستانوں کے نعتیہ امتیازات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ابتداء میں معروف عربی نعت گوشعراء کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ضرورت تھی کہ سیرت پرتحریر کردہ مصادر کا قدرے جائزہ لیتے۔ سیرت نگاروں نے مختلف شعراء کے اشعار کونقل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کو متعین کیا ہے۔ سیرت ابن اسحاق اور سیرت ابن ہشام میں بے شمار نعتیہ اشعار ہیں لیکن اس کتاب میں سیرتی مآخذ سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ضرورت تھی کہ اسے دیکھا جاتا۔اسی طرح بہت سے عرب شعراء کے دواوین اور اشعار کے مجموعوں کو کھنگالنے کی ضرورت تھی نیز معاجم سے بھی بہت سے نعتیہ اشعار تک رسائی ممکن تھی لیکن ان بنیادی مآخذ کی ورق گردانی نہیں کی گئی ہے۔ بالخصوص یہاں شدت سے اس کی ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ جہاں نعتیہ اشعار کے تعلق سے عرب شعراء کا اس میں ذکر ہے کیا ہی مناسب ہوتا کہ ہندی عربی نعت گوشعراء پر اظہار خیال کیا جاتا۔اس تعلق سے مرحوم ڈاکٹر حامد علی خاں مرحوم کی تحقیقی کاوش ''ہندوستان میں عربی شاعری'' کوفراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔[۱۱] راقم نے اپنے مضمون ''میرے محسن عزیز ڈاکٹر حامد علی خاں'' میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔اسی طرح ڈاکٹر صدرالدین ندوی کا مقالہ ''ہندوستان میں عربی نعت گوئی'' جو دوضخیم جلدوں میں موجود ہے۔[۱۲] اس میں ڈاکٹر ندوی نے خاصی ریاضت اور تحقیقی مشقت کی ہے۔ اب تک اس قدر تفصیلی بحث ہندوستان کے عربی نعت گوشعراء پر کہیں نہیں ملتی۔ یہاں یہ ذکر بھی باعثِ افادیت ہوگا کہ ابومحفوظ الکریم معصومی نے معارف میں شائع شدہ اپنے مقالے[۱۳] ''ہندوستان کے عربی شعراء پرایک نظر'' ہندوستان کے عربی شعراء پر مدلل گفتگو کی ہے۔ یہاں صرف یہ وضاحت مقصود ہے کہ اس کتاب میں ہندوستان کے چند عربی نعت گوشعراء کے اسماء گرامی ان کے نعتیہ اشعار کے ساتھ ذکر کیا جانا چاہیے تھا۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عربی فارسی اشعار کے تراجم اور ان کے حوالوں کی ضرورت تھی کیوں کہ آج کے اردو قارئین کے لیے ان اشعار سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

یہاں یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ اردو کے چند بڑے نعت گوشعراء مثلاً فیض الحسن سہارنپوری ،اقبال سہیل اور حکیم فصیح الدین رنج میرٹھی[۱۴] وغیرہ کا اس کتاب میں ذکرنہیں ہے۔ انتہائی ضروری تھا کہ انھیں موضوع بحث بنایا جاتا، اقبال سہیل نے اردو نعتیہ شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ان کے ذکر نہ ہونے سے خلاء سا محسوس ہوتا ہے۔ راقم نے اقبال سہیل کی نعتیہ جہات کا ''موج کوثر کا قرآنی تجزیہ'' کے عنوان سے دبستانِ نعت میں ذکر کیا ہے[۱۵]۔ اقبال سہیل کی نعتیہ شاعری کا ایک اختصاص یہ ہے کہ اس میں لفظیات کی ایک ایسی خوبصورت قرآنی فرہنگ ہے جو دیگر اردو نعت گوشعراء کے یہاں مفقود ہے۔ اقبال سہیل کی نعتیہ شاعری شرکیہ عناصر سے پاک ہے۔ کیوں کہ انھوں نے

قرآن کریم کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اس لیے ان کے نعتیہ اشعار میں بے راہ روی نہیں ملتی۔ یہاں یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ فارسی زبان وادب کی باریکیاں آپ کی نظر میں تھیں۔ رشید احمد صدیقی کا یہ نقطہ نظر مبنی بر حقیقت ہے کہ ایسا فارسی داں میری نظروں نے نہیں دیکھا۔ رشید احمد صدیقی نے اپنے مضمون ''اقبال سہیل'' میں اقبال سہیل کی علمی ولسانی دست رس پر اچھی بحث کی ہے ۱۶۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری پر راقم نے ایک تفصیلی مقالہ ''مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی عربی نعتیہ شاعری'' کے عنوان سے نعت رنگ کراچی میں تحریر کیا ہے ۱۷۔ اس کے علاوہ اس میں اسماعیل میرٹھی کا ذکر نہیں ہے، اگر اس مقالے میں سیماب اکبرآبادی، مختار، امین گجراتی مرزا دبیر اور ناسخ کا ذکر آجاتا تو مقالے کے وزن میں مزید اضافہ ہوتا۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کی گراں قدر کتاب ''اردو میں معراج نامے'' ۱۸ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نعتیہ شاعری کے اہم مصادر اس میں آنے سے رہ گئے ہیں۔ علامہ شبلی کی شعرالعجم کو پیش نظر رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ بعض فارسی نعت گوشعراء کا سرسری ذکر بھی ناگزیر تھا۔

ڈاکٹر سید رفیع الدین نے اپنے مقالے میں بعض غیر مسلم شعراء کی نعتیہ شاعری کا ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں ان کی زبردست عقیدت تھی۔ یہ بات غیر معروف نہیں کہ غیر مسلم نعت گوشعراء کی ایک طویل قطار ہے جنھوں نے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ اس موضوع پر نور احمد میرٹھی نے اپنی کتاب ''غیر مسلم نعت گوشعراء'' میں تفصیلی گفتگو کی ہے ۱۹۔ رفیع الدین صاحب کے اس مقالے میں بہت سے قابل ذکر غیر مسلم شعراء کا ذکر نہیں ہے۔ اس موضوع پر مرحوم نور احمد میرٹھی کو اولیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کا خیال ہے کہ عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں نعت گوئی کا آغاز ہوگیا تھا۔ یہ خیال حقیقت پر مبنی ہے۔ لیکن سیرت کی قدیم کتابوں کو دیکھا جائے تو جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحم مادر میں تھے اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کا آغاز ہو چکا تھا ۲۰، نعتیہ اشعار سے قطع نظر آپ کے حقائق توریت وانجیل میں بھی آچکے تھے جس کی روداد احادیث کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ اور سرسید نے خطبات احمدیہ ۲۱ اور تبیین الکلام ۲۲ میں پہلو پر عالمانہ بحث کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے زکی مبارک کی کتاب ''المدائح النبویۃ فی الادب العربی'' ۲۳ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ اس میں عربی کے چند ممتاز نعت گوشعراء کے تذکروں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ راقم کی نظر میں اس کتاب کی اہمیت اس لیے ہے کہ اپنے موضوع پر یہ بارش کا پہلا قطرہ ہے۔ اس میں

بہت سے نعت گو شعراء کا تعارف کراتے ہوئے ان کے اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔اس میدان میں ان کے شعری امتیازات کو بھی قلم بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔زکی مبارک نے اس کتاب میں عربی نعتیہ شاعری کے آغاز پر بھی روشنی ڈالی ہے۔یہ کتاب تنقیدی رویئے کو بھی منظر عام پر لاتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کے تعلق سے انصاف پسندی کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اردو نعتیہ شاعری کے متعلق بعض اچھے نکات اٹھائے ہیں۔مثلاً آپ کا خیال ہے کہ نعتیہ شاعری تصوف سے متاثر رہی ہے جس کی وجہ سے بہت سے ایسے خیالات اردو نعتیہ شاعری میں سرایت کر گئے جو اسلامی نقطہ نظر سے بے بنیاد ہیں۔اسی طرح اردو نعتیہ شاعری ہندو تہذیب سے خاصا متاثر ہوئی۔ وہاں ہندو دیوی دیوتاؤں کے تحت آداب کے جو طریقے ہیں اسی طرز پر اردو نعتیہ اشعار منظوم کیے گئے۔وہی الفاظ اور تراکیب استعمال کی گئیں جو دیوی اور دیوتاؤں کے لیے مستعمل تھیں اس سے ایک طرف تو منصب رسالت متاثر ہوا اور دوسری جانب اس کا ڈانڈا شرک سے عبارت ہوا۔ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے اس ہندو تہذیب پر یوں مناسب تبصرہ کیا ہے:

> ''یہ مہا بھارت کی رزمیہ نظم ہے۔اس میں بھی فوق الفطرت ماحول پایا جاتا ہے۔بھوت، پلیت، دیوتا، ہوا کے رتھ، طلسمی مناظر،غرض کہ فوق العادت قوت کے مظاہرے شروع سے آخر تک پائے جاتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ قدیم ہندوستان کے ادب میں زیادہ تر دیوتاؤں اور اوتاروں کے قصے ہیں جن میں طلسمی ہتھیاروں سے دشمن کو مغلوب کیا جاتا ہے۔ساری منطق فوق العادت قصوں کی ایک طلسمی داستان ہے۔اس جگہ جو چیز قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس فضا میں شخصیت پرستی نے مذہبی رنگ اختیار کر کے منعوت کی قصیدہ خوانی کو جزو ایمان ہی نہیں بلکہ اصل ایمان قرار دیا اور اسے عبادت میں شامل کر لیا جو بھجنوں کی تشکیل میں نمودار ہوا اور اس مدح میں غلو نے سارے حدود توڑ دیئے۔ان میں مراتب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔یہاں تک کہ جب کسی ادنی درجہ کے دیوتا کی مدح میں زبان کھولی گئی تو اعلیٰ مراتب کی ترجمانی میں الفاظ تہی دامان پائے گئے۔اس کی مثال یہ ہے کہ جو صفات صرف اللہ کے لئے تھیں انہیں اگر کسی اللہ والے کی مدح میں صرف کر دیا گیا تو اللہ کے لئے کیا باقی رہ گیا۔پھر جب حمد کی باری آئی تو خیال آفرینی نے دونوں کے لئے واحد

مضمون پر ذات وصفات کے طلسمی پردے ڈالنے شروع کر دیئے جس کی
کافرانہ دلربائیوں نے دلوں کو لبھایا تو ضرور لیکن حقیقت سے بہت دور لے جا
کر پھینک دیا''۔۲۴

ڈاکٹر صاحب نے اس طرح کے متعدد نعتیہ اشعار نقل کرتے ہوئے ان پر سخت تنقید کی ہے۔ یہ وہ طرزِ فکر ہے جس کی وجہ سے عبد اور معبود کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ شرور وفتن نعتیہ شاعری کے لیے شئ مذموم ہیں۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عبدیت پر ناز تھا۔ اللہ کے حضور اپنی عبدیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مسائل کے باب میں دست بدعا ہوتے، استغفار کا ورد کرتے، جنگوں میں اسلام کی فتح کے لیے دعا کرتے، اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے غار حراء میں قیام کرتے، پر افسوس کہ اردو نعتیہ شاعری میں اس طرح کے شرکیہ اشعار موجود ہیں:

مرا دل ہے ، محو جمالِ محمدؐ وصال خدا ہے، وصال محمدؐ ۲۵
میم کا رخ سے اٹھا کے گھونگھٹ شکل دکھلا میرے پیارے احمدؐ ۲۶
بہ صورت اگرچہ عرب آمدہ بمعنی مگر عین رب آمدہ

محسن کاکوروی نے یہاں تک کہہ دیا:

کیا ہوگئے حد سے بڑھنے والے سجدے میں درود پڑھنے والے

ڈاکٹر صاحب نے اس طرح کے اور اشعار نقل کرتے ہوئے اردو نعتیہ شاعری کے اس پہلو کی مذمت بیان کی ہے۔ اس کی وجہ سے خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ معدوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس پر بھی ڈاکٹر صاحب کو اعتراض رہا ہے کہ اولیاء کرام کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبہ رو کھڑا کر دیا گیا ہے، جب کہ یہ چیز قرآن کریم کے برعکس ہے۔ قرآن کی قطعیت ہے کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام انسانوں سے برتر ہیں۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''خلق عظیم'' سے متصف ہیں کسی کو بھی آپ کے شابہ بہ شانہ نہیں لایا جا سکتا۔ یہاں یہ تصریح ضروری ہے کہ نبوت کی صراحت ووضاحت دراصل علامت ربانی ہے۔ جس پر ایمان لانا فرض ہے اس کے بغیر ایمان لائق اعتبار نہیں۔ ہندوستان میں اولیاء کرام کا لامتناہی سلسلہ ہے لیکن اس کے تعلق سے کوئی الہامی صراحت نہیں، اولیاء کرام اور اقطاب وابدال کا ہمارے ایمان وایقان سے تعلق نہیں۔ یہ اولیاء کرام انسانی استناد پر مبنی ہیں نہ کہ اسلامی استناد پر۔ انھیں ماننے اور نہ ماننے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کی غلط ترجمانی کی گئی تو ڈاکٹر صاحب نے اسے غیر مستحسن قرار دیا:

پیارے نبی سے ملتا ہے انداز غوث کا ہے راز احمدی میں نہاں راز غوث کا
ہمیں کیوں ہو بھلا ڈر گرمیٔ خورشید محشر میں مبارک ہو ہمارے سر پہ سایہ غوث اعظم کا[۲۷]

مذکورہ دونوں شعر میں اسلام سے مکمل انحراف ہے بلکہ نبوت محمدی سے جنگ ہے۔ غوثِ اعظم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مساوی قرار دینا سراسر کفر و شرک ہے۔ شفیع المذنبین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ شاعر نے وہی درجہ اور وہی حیثیت غوث اعظم کی دے دی ہے۔ ایسی جرأت براہ راست اسلام و ایمان سے تصادم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے انہی تصورات پر اپنے خیال کو یوں قلم بند کیا ہے:

''یہی حسن عقیدت کی صورت دیگر اولیائے کرام کے ساتھ بھی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت پیر کلیر وغیرہم کی شان میں اسی قسم کی مدح سرائی ہے۔ یہی ہندوستانی بھجنوں کی کیفیت ہے کہ جب ایک دیوتا کی ستائش کی جاتی ہے تو دوسرے دیوتاؤں کی شان اس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ عقیدے کے لحاظ سے بھی دیگر دیوتا بلند تر مقام رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ اجمیری کے نور کی تعریف ملاحظہ ہو:

اس کا جلوۂ انور ہوا ہے نور گھر گھر کا وہی اجمیر کا سورج وہی ہے چاند گھر گھر کا

منقبت کے چند اور اشعار درج کئے جاتے ہیں:

جب نظر آیا چہرۂ خواجہ نورِ حق ہم نے جلوہ گر دیکھا

☆

مثالِ ماہ ہر سو جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں جدھر اے طالبو دیکھو ادھر خواجہ ہی خواجہ ہیں
نہ کیوں حیرت سے دیکھوں آئینہ خانہ کو میں ہر دم ادھر خواجہ ہی خواجہ ہیں اُدھر خواجہ ہی خواجہ ہیں
انہیں کی دید کے مشتاق ہیں دیر و حرم والے یہاں بھی اور وہاں بھی جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں
نہ کیوں جلوہ چمن کا چشم نرگس دیکھے حیرت سے عیاں ہر رنگ میں اے بے خبر خواجہ ہی خواجہ ہیں
اٹھا مرد خدا پردہ دوئی کا اپنی آنکھوں سے تحمل دیکھ کر ہر سو جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں ہے[۲۸]

''اردو میں نعتیہ شاعری'' کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے نعتیہ شاعری کی جہتوں کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کے محاسن اور معائب دونوں پر آپ کی نظر رہی ہے۔ سیرت مبارکہ کے حقائق سے ڈاکٹر صاحب پوری طرح واقف ہیں۔ سیرتی تقدس و تطہر کو کوئی چیز متاثر کرتی

ہے تو وہ ان کے لیے باعث اضطراب بن جاتی ہے۔اس کتاب میں جس طرح اردو نعتیہ شاعری کے آغاز وارتقاء سے بحث کی گئی ہے اسی طرح بہت سی سیرتی ناہمواریوں کو بھی طشت ازبام کیا گیا ہے۔ اردو نعتیہ شاعری کا ایک سقم یہ ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ تر معجزات کے تناظر میں پیش کیا جاتا ہے۔اس میں اکثر معجزات ناقابل اعتبار ہیں۔اس طرح کی روایات بے بنیاد اور غیر ثقہ ہیں۔ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال لائق ستائش ہے کہ مقام نبوی کی اصل اساس اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جسے قرآن کریم نے آشکار کیا ہے۔معجزات میں وہ تاثیر نہیں جو اسوۂ رسول میں ہے یا حضرت عائشہ کی زبان میں ''کان خلقہ خلق القرآن''۲۹؎ ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے کلمات یوں ہیں:

> ''معجزوں کے بیان پر ضرورت سے زیادہ جو زور دیا گیا ہے اس سے ایک تو اصل سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے توجہ ہٹ گئی ، دوسرے یہ کہ عقائد کی کمزوری نے زندگی کو صحیح عمل سے اپاہج بنا دیا۔نعت گو شعرائے اُردو معجزوں سے متعلق اپنی خام خیالی ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے۔حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور ارشادات اور وعظ و پند میں ان سے زیادہ جاذبیت اور اثر ہے۔معجزے ناموں کے علاوہ معراج نامے بھی کثرت سے لکھے گئے کیونکہ آسمانوں کی سیر میں بھی وہی فوق العادت ماحول کا مشاہدہ عقل کو حیران کر دیتا ہے۔معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان اب بھی اس قدر مقبول ہے کہ شب معراج سارے ہندوستان میں منائی جاتی ہے۔اور اس ذکر کو ہر سال تازہ کیا جاتا ہے۔اس کی تفصیلات کے بیان میں بھی بعید از حقیقت روایات اکثر نظم کر دی گئی ہیں۔اس کے ساتھ شعراء نے تخیل کو آسمان پر پرواز کا حوصلہ بخش کر معراج کے بیان میں خوب خوب نکتہ سنجیاں کی ہیں۔ غرض یہ کہ معراج کی مقبولیت بھی دیوتاؤں کی آسمانی سیر کے قصوں سے انسیت کا بدل ہے''۔۳۰؎

ڈاکٹر صاحب کو ہر آن مقام نبوت کا خیال رہا۔یہی ایک صاحب ایمان ناقد اور محقق کی شناخت ہے۔ ہندوستانی تہذیب وتمدن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے مذموم قرار دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اردو شاعری کے محبوب کے مثل قرار دینا نبوت کی توہین ہے۔ یہ آداب والفاظ اور تراکیب وتعبیرات تقدیم رسول اکرمؐ کے لیے نامناسب ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے اردو نعت گو شعراء کی

اس خامی پر بجا گرفت کی ہے۔رقم طراز ہیں:

''لیکن اسلامی شاعری نے عورت کی زبانی عشق کے اظہار کو ہمیشہ معیوب خیال کیا۔اُردو نے اس خصوص میں بدعت اور ندرت کو اختیار کیا جو ہندی اثرات کی برکات سے اسے نصیب ہوئی۔یوں نعت گو شاعرات نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار عقیدت کیا بھی تو عشقیہ مضامین سے وہ عام طور پر پرہیز کرتی رہیں اس لئے کہ اسلامی تمدن کے مذاق پر یہ چیز گراں گزرتی تھی۔اس خدمت کو شاعروں نے انجام دیا اور بحسن وخوبی اس سے عہدہ برآ ہوئے۔چنانچہ ہم نعتیہ کلام میں کثرت سے اس رنگ کے مضامین پاتے ہیں خاص طور پر نعت گو شعراء نے جو ٹھمریاں لکھیں وہ ان ملکی اثرات کی بخوبی آئینہ داری کرتی ہیں۔عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فراق اور بے قراری کے مضمون کا نمونہ درج ذیل ہے[۳۱]:

طیبہ کے رنگیلے بانکے میاں موہے چاند سا مکھ دکھلا جانا
میں برھا دیوانی ترپت ہوں ذرا آجانا ذرا آجانا
اے باد صبا چوں مدینہ روی پہنچادے وہاں یہ عرض میری
تورے چرنوں سے کب تک دور رہوں اب دیر نہ کر بلوا جانا
دکھ درد کے مارے ترپت ہوں مانت نہیں دل فرقت میں ترے
اے کملی والے سائیں میرے روٹھے کو ذرا سمجھا جانا''[۳۲]

مزید مندرجہ اشعار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عظیم پر کاری ضرب لگتی ہے:

موار من ہی مچلتا جائے نبی پہ میں بلہاری
موہے چین نہ اک پل آئے نبی پہ میں بلہاری
موہے کچھ نہ اس بن بھائے نبی پہ میں بلہاری

اردو نعتیہ شاعری کا ایک مضمون بہت عام ہے کہ احد اور احمد میں کوئی فرق نہیں ہے۔قرآن کریم میں یہ چیز بالکل واضح ہے کہ دونوں میں بین فرق ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مسائل اور اپنی دشواریوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا۔''نعت گو شعرا نے احد اور احمد کو ایک دکھانے میں مختلف خیال آرائیاں کی ہیں۔یہ ایک عظیم روایتی بیان چلا آرہا ہے۔جس میں بے اعتدالیاں زیادہ

پائی جاتی ہیں''۔۳۳ یہ پہلو اس کتاب کا لائق ستائش ہے کہ نعتیہ شاعری کے ان نقائص کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو نعتیہ شاعری کے اساسی ماخذ قرآن کریم، صحیح روایات اور صحابہ کرام کے تاثرات و مشاہدات ہیں۔ انہی مواد سے معیاری سیرت کو منظوم کیا جا سکتا ہے۔ عجمی خیالات بالخصوص ہندوستانی تہذیب سے چہرۂ انور کی تنسیخ ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے انداز میں یہ بھی کہنے کی سعی کی ہے کہ تصوف کے غیر اسلامی افکار نے سیرتی استقامت کو موڑنے کی کاوش کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مختلف نعت گو شعراء کے احوال اور ان کے نعتیہ خصائص کا ذکر کیا ہے۔ اس میں مولانا محمد باقر آگاہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا تعلق دار السرور بیجاپور سے تھا۔ ۱۹۵۸ء میں ویلور میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں شعر و شاعری کا آغاز کیا۔ ویلور سے مدراس تشریف لے گئے۔ ۱۴ر ذی الحجہ ۱۲۲۰ھ کو انتقال ہوا اور میلا دپور میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ باقر آگاہ کی اصل حیثیت ''ہشت بہشت'' سے بنتی ہے۔ یہ ایک منظوم سیرت ہے جو آٹھ رسالوں پر مشتمل ہے۔ باقر آگاہ نے چاروں مذاہب کو برحق قرار دیا ہے۔ غوث الثقلین کو تمام خانوادوں سے افضل قرار دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں عقل کی تاویل کو غلط مانتے ہیں۔ ہشت بہشت کے متعلق ان کا خیال ہے کہ معتبر ماٰخذ کی مدد سے اسے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کے دیباچہ کے اختتام پر ایک نعت ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

گزرے ہیں جو اولیاء عالمان — متفق اس بات پر ہیں بے گمان
کہ نبی ﷺ کا ذکر ہر شام و سحر — افضل الاذکار ہے اے باخبر
قفل دل کا ذکر اس کا ہے کلید — گمرہان کو پل میں کرتا ہے رشید
گھر کو سینے کے ہے ذکر اس کا چراغ — جسم و جاں ہوتا ہے اس سے باغ باغ
ذکر سے اس کے ٹلے سب درد دُکھ — ذکر سے اس کی ملے نت عیش و سکھ
بیکساں کو ذکر اس کا ہے امان — عاصیان کو ذکر اس کا ہے ضمان
ذکر سے اس کے ملے باغِ نعیم — ذکر سے اس کی بجھے نارِ جحیم۳۴

باقر آگاہ کا خیال ہے کہ نعتیہ اشعار میں صحت روایات کا خیال رکھا جائے۔ وہ نعتیہ تصانیف جن میں مضامین بلا تحقیق نظم کر دیئے گئے ہیں۔ ان پر برہمی کا اظہار کرتے ہیں۔ فتاحی کی ''مفید الیقین'' پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے مضامین انتہائی لچر ہیں۔ معجزات کے سلسلے میں غیر معتبر روایات کا سہارا لیا ہے اس کا اظہار آپ نے یوں کیا ہے:

جیسا فتاحی لکھا ہے معجزات — اکثر اس میں ہے غلط اور جھوٹ بات

اور یوں نور و شمائل کا بیان اور یوں معراج نامہ اے میاں
اور وفات شاہ کا ذکر اس نمط اکثر ان نسخوں کا مضمون ہے غلط۳۵

اردو نعتیہ شاعری کو ایک رخ دینے میں مولانا باقر آگاہ کا بہت بڑا رول ہے۔ انھوں نے جن ماٰخذ کو بنیاد بناتے ہوئے ہشت بہشت کو ترتیب دیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہشت بہشت ایک معتبر اور مستند نعتیہ کلام ہے۔ ایک تو وہ نعتیہ شاعر ہے جسے عربی کی شد بد نہیں اور عربی مصادر سے استفادہ کرنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں۔ ایک وہ نعتیہ شاعر ہے جو عربی زبان اور اس میں موجودہ مواد سے واقف ہے۔ یہی صورتِ حال مولانا باقر آگاہ کی ہے۔ دوسری ایک چیز یہ ہے کہ انھوں نے غلط اور بے بنیاد مراجع سے اجتناب کیا ہے۔ لایعنی نعتیہ شاعری ان کے یہاں لائق ترجیح نہیں۔ مولانا نے بڑے پُر درد، پُر آسوز انداز سے اپنے مسائل و مصائب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بیان کیا ہے:

کدھر جائیں کہ یہ لشکر ہیں تیرے اگر ہیں نیک و بد چاکر ہیں تیرے
شفیع المذنبیں سن ان کی زاری کہ اپنے لطف سے اب ان کی یاری
تو اپنے دین کا ہے آپ حامی ہے میری عرض یہ از راہ خامی۳۶

نعت گو شعراء میں ایک ممتاز نام لطف علی خاں کا ہے۔ جن کے شعری اوصاف کا ذکر مولانا عبدالسلام ندوی نے کیا ہے۳۷۔ لطف علی خاں کو اللہ نے قدرت کلام سے نوازا تھا۔ اشعار میں نفخ روح کا کام اصل میں الفاظ کرتے ہیں۔ انتخاب الفاظ کی صلاحیت سے عاری شخص شاعر نہیں بن سکتا۔ لطف علی خاں کے یہاں لفظوں کے انتخاب کی قدرت تھی۔ اور ان کا دل حب رسول سے مملوء تھا۔ دونوں چیزوں نے مل کر انھیں ایک ممتاز نعت گو شاعر بنا دیا۔ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے آپ کے نعتیہ امتیازات سے اچھی بحث کی ہے اور ان کے نعتیہ مباحث کو منکشف کیا ہے۔ یہاں چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔ جس سے آپ کے نعتیہ مقام کا تعین کیا جا سکتا ہے اور نعت گو شعراء کے مابین ان کے عدیم النظیر جذبات کا مشاہدہ بھی:

جس روز عاصیوں کا حساب و کتاب ہو پائے نبی کی ہاتھ میں میرے رکاب ہو
سرمہ کیا نہ آنکھ کا یثرب کی خاک کو برباد یاخدا دل خانہ خراب ہو
ہم سر نہ آستانِ نبی سے اٹھائیں گے سو گردشیں ہوں چرخ کی لاکھ انقلاب ہو
اک دم گر آپ چشم عنایت سے دیکھ لیں کشت امید کو مری بجلی سحاب ہو
عاشق ہوا ہے بندہ بھی تیرے حبیبؐ کا چاہے عذاب ہو کہ الٰہی ثواب ہو

ہنگامۂ روز حشر کا آنکھوں کو خواب ہو عشق نبیؐ میں لطفؔ جو بیدار ہم رہیں[۳۸]

لطف علی خاں کے نعتیہ اشعار میں غضب کی سلاست ہے۔ پڑھتے ہوئے قاری وجد میں آجاتا ہے عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب انھیں ہچکولے دیتا ہے تو سرور درود اس پر طاری ہو جاتا ہے اپنے اشعار سے ایک روحانی فضا برپا کر دیتے ہیں۔ اس کی تلاوت سے قاری کے جسم و جان میں بھی حب رسول دوڑنے لگتی ہے۔ خاں صاحب کی زبان کو حب رسولؐ سریع الحرکت بنا دیتا ہے۔ شاعر اپنے نعتیہ اشعار سے قارئین کو ایسا مسحور کر دیتا ہے کہ قاری حب رسول میں دنیا و مافیہا کو فراموش کر دیتا ہے۔ اسے صرف ذات ممتاز و شخص مختار صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتی ہے۔ اس کا کردار، اس کی سطوت و شوکت، جلال و جمال، اخلاق و اوصاف کے پیکر کے سوا نظر میں کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ موجودہ نعت میں یہ سحر کاریاں اور جمال آرائیاں پورے شباب پر دکھائی دیتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کاروانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیز گامی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ درود و سلام اسے برانگیختہ کر رہا ہو، اسے ہر موجزن سے گزرنا آتا ہو۔ درود و صلوٰۃ کی خواندگی سے داخلی جذبات متموج ہو جاتے ہیں اور بحر ظلمات کا خوف اتر جاتا ہے۔ یہی کیفیت مندرجہ درود میں موجود ہے:

خاموش بیٹھے ہو کیا مومنو درود پڑھو شفیعِ روز جزا پر پڑھو درود پڑھو
تمام جسم میں خوشبو ملو درود پڑھو مشامِ جاں کو معطر کرو درود پڑھو
اگر خدا کے ہو طالب تو پہلے لازم ہے رسولِ پاک کو راضی کرو درود پڑھو
اگر حضور کی مدِنظر حضوری ہے حضورِ قلب سے اے دوستو درود پڑھو
جو اس حبیب کا مدنظر نظارہ ہے پڑھو درود پڑھو عاشقو درود پڑھو
یہ کون بزم ہے کس کا ہے ذکرِ لطف یہاں ادب سے بیٹھو ادب سے اٹھو درود پڑھو[۳۹]

اردو شاعری اور الطاف حسین حالی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مذہبی معاشرتی اور ملی جذبات کو جس طرح اپنی شاعری میں پرویا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے یہاں لفظوں سے زیادہ تاثیر و تحریک پر زور دیا گیا ہے۔ عام فہم انداز میں دل کے تار کو جھنجھوڑا ہے۔ داخلیت کو بیدار کرنے اور اس میں اترنے کی خوبصورت کوشش کی گئی ہے۔ مسدس حالی اردو شاعری کا سرنامہ اور ملت اسلامیہ کا آئینہ ہے جس میں اس کے عروج و زوال کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے کروفر اور شکست و ریخت کی داستان بھی ہے۔ اس میں سلام کی سچی تصویر کشی کی گئی ہے۔ قرآن کریم کو نسخۂ کیمیا بتایا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی عکاسی کی گئی ہے۔ شاید یہ حقیقت ہے کہ نعتیہ شاعری کو انھوں نے ایک

نیا آہنگ عطا کیا نیز یہ طریقہ کار ایجاد کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور انداز تخاطب کیا ہو، گریہ وزاری کا طریقہ کیا ہو، حضور انور کے حضور سوال کا انداز وادب کیا ہو، سلسلہ تضرع کیسا ہو؟ حالی کی سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ ملت کے لیے ان کا دل ہر وقت دھڑکتا رہا۔ ملت کا ورد کرتا رہا۔ سرسید نے انھیں دھڑکنے اور تڑپنے کا عادی بنا دیا تھا، ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے حالی اور حالی کی نعتیہ شاعری کا اچھا تعارف کرایا ہے اور ان کی نعتیہ شاعری کے خصائص پر اظہار خیال کیا گیا ہے:

> ''مسدس حالی کا نعتیہ بیان خلوص، محبت، درد، تڑپ اور جذب وشوق میں ڈوبا ہوا شاعر کی اس ایمانی کیفیت کی آواز ہے جس نے حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خود کو بھی فراموش کر دیا ہے۔ اس کی نظر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت غرض یہ کہ جو چیز بھی اس کے آقا سے نسبت رکھتی ہے محبوب ہے اور اس کا خیال اسے ہر گھڑی بے چین کئے ہوئے ہے۔ حقیقت میں حالی کی قومی شاعری کا اصل یہی جذبہ ہے۔ یہی انہیں نغمہ کے لئے ابھارتا ہے اور اسی کو وہ حاصل زندگی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کی زندگی کی عملی مساعی میں ہر جگہ اس کی کارفرمائی پاتے ہیں''۔[۴۰]

یہاں چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں جس سے حالی کے ملی درد اور حب رسول کو سمجھا جا سکتا ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دُعا ہے — امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر وکسریٰ — خود آج وہ مہماں سرائے فقراء ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں — اب اس کی مجالس میں نہ بتّی نہ دِیا ہے[۴۱]

ڈاکٹر صاحب نے علامہ شبلی کی نعتیہ حیثیت کو بھی اس کتاب میں موضوع بحث بنایا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ شبلی نے اپنے کلام میں ملت اسلامیہ کی زبوں حالی پر نالۂ فریاد کیا ہے۔ جس میں غضب کی تاثیر ہے۔ مسجد کانپور کا مسئلہ ہو یا خلافت عثمانیہ کا ہر ملی مسئلے پر ان کا دل تڑپنے لگتا۔ سیرت رسول پاک کی تقدیم میں ان کے کارناموں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سیرت شبلی کو لکھ کر انھوں نے ثابت کر دیا کہ سیرت لکھی کیسے جاتی ہے؟ سیرت کے کردار کو نمایاں کرنے کے اصول کیا ہیں؟ شبلی نے اپنے مقدمہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے مختلف مضامین، مصادر سیرت، اور اپنی تصانیف میں جا بجا علامہ کی سیرت نگاری پر اظہار خیال کیا ہے۔ پروفیسر ظفر صدیقی نے اپنا

تحقیقی مقالہ ''مولانا شبلی بحیثیت سیرت نگار'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۴۲۔ اسی طرح علامہ اور سید سلیمان ندوی کی سیرت کے درمیان تفاوت کیا ہے اسے بھی منظرِ عام پر لانے کی پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے قابلِ قدر کوشش کی ہے۴۳۔ اسی طرح پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی نے شبلی کے مختلف پہلوؤں کا اچھا تعارف کرایا ہے۴۴۔ شیخ اکرام کا شبلی نامہ اپنی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ منشی امین زبیری۴۵ اور مولوی عبدالحق نے شبلی کی تصویر بگاڑنے کے لیے پوری طاقت جھونک دی، لیکن ان کی آرزوئیں تشنہ رہیں۔ یہی حسرت لیے درگور ہوئے۔ راقم نے ''مطالعہ شبلی''۴۶ میں علامہ کی بلند و بالا شخصیت کو اہلِ علم وادب کے حضور لانے کی کوشش کی ہے۔ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' میں شبلی کے شاعرانہ عظمت اور نعتیہ شاعری میں ان کی انفرادیت کو بڑے مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے مختلف کارناموں کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ شبلی کی ہمہ گیریت، سیرتی عظمت اور شاعرانہ محاسن پر مناسب رائے زنی کی گئی ہے۔ نعتیہ شاعری میں آپ کا کیا وصف ہے اسے یوں بیان کیا ہے:

> ''شبلی کے کلام کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے اور سننے والے کے دل میں عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر کر جاتی ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق روایات کو نظم کرنے میں مبالغے کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی اور نتیجتاً شاعر کا تخیل خیالی بلند پروازیوں کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے۔ ان پابندیوں کے ساتھ کلام میں خوبی اور اثر پیدا کرنے کی لیے اعلیٰ درجہ کی شاعرانہ صلاحیت درکار ہے۔ شبلی نے اپنے زورِ بیان سے اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے''۔۴۷

علامہ شبلی محاکات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ واقعات کا تانا بانا اس طرح اختیار کرتے کہ واقعات نظروں میں ڈولنے لگتے۔ ایسی تاثیر پیدا کرتے کہ قاری اس میں محصور ہو کر رہ جاتا۔ جب حضرت فاطمہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر اپنے مسائل لے کر آپؐ کے حضور حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات کیا تھے اسے بڑے سلیقے سے علامہ نے منظوم کیا ہے۔ اسے برقی رو سے عبارت کر دیا ہے:

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں — چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کی جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح وشام تھا
آخر گئیں جناب رسول خدا کے پاس یہ بھی کچھ اتفاق سے واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منھ سے کہہ سکیں حیدر نے ان کے منھ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن جن کا صفۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندو بست سے فارغ ہنوز ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا[۴۸]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے علمی تبحر اور فکری تعمق کا اعتراف نہ کرنا سراسر ناانصافی ہے۔ ہندوستان کے اہل علم و دانش کی مختصر ترین فہرست سازی کی جائے تو اس میں آپ کا نام نامی ضرور آئے گا، عربی، فارسی اور اردو ادبیات کے رموز آپ کی نظروں میں تھے۔ علوم و معارف کا ایک گنجینہ آپ کے ذہن و فکر میں مجتمع تھا۔ جو آپ کے قلم و قرطاس سے برستا تھا۔ اللہ نے آپ کو قوت ادراک سے نوازا تھا اس لیے ہر جگہ ایک نئے نکتے کے ظہور کا باعث بنے۔ ابتکار و ابداع آپ کے دست قدرت میں تھے۔ مولانا ایک جہاں دیدہ شخص تھے۔ روضۂ افکار کا دوسرا نام احمد رضا خاں تھا۔ مفردات کی گہرائیوں اور ان کے معانی و پہنائیوں سے واقف تھے۔ شعری شعور آپ کی ذات سے چھلکتا تھا۔ اشعار آپ کی زبان سے بہتے تھے اور ایک حسین و جمیل منظر نامے کا سبب بن جاتے تھے۔ قصیدہ بہاریہ ایسا خوبصورت اور جذاب ہے کہ اس کا جمال ہر شخص کو اپنا بنا لیتا ہے۔ سلاست ایسی کہ قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ شاعری کے تمام امکانات اس میں موجود ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خاں صاحب سر چشمہ شعور اور منبع شعر دونوں ہیں۔ جہاں سے شاعری ابلتی رہتی ہے، لطف و لذت کا سامان کرتی ہے۔ ایسا شعری وجدان اور شعری رجحان اردو شاعری میں مفقود ہے:

اودی اودی بدلیاں گھرنے لگیں ننھی ننھی بوندیاں برسا چلیں
ندیاں پھر آنکھیں دکھلانے لگیں چھوٹی چھوٹی جھیلیں پھر لہرا چلیں
جھومتی آئیں نسیمیں نرم نرم پتلی پتلی ڈالیاں لچکا چلیں
دل کھلے کانوں میں رس پڑنے لگے خوشنوا چڑیاں ترانے گا چلیں

تانوں کی بینوں میں پھر لہرا بجا
گیسوؤں کی ناگنیں لہرا چلیں
باغ دل میں وجد کے جھولے پڑے
آرزوئیں پھر ملاریں گا چلیں
سرخ سبز اودی سنہری بدلیاں
دن ڈھلے کیا چیزیاں رنگوا چلیں
پھر نظر میں گدگدی ہونے لگی
دھانی دھانی بوٹیاں پھڑکا چلیں۴۹

اردو نعتیہ شاعری کے قائدین میں ایک ممتاز قائد احمد رضا خاں بریلوی ہیں۔ راقم انھیں کسی مخصوص حلقے کا امام تصور نہیں کرتا بلکہ وہ ایک ملی امام ہیں لیکن احقر کے نزدیک وہ ایک انسان ہیں۔ بشریت سے ماوراء نہیں، خطا ونسیان کا امکان بھی بعید از قیاس نہیں۔ ان کے خیالات سے اختلاف ممکن ہے۔ انسان اختلاف بھی اسی سے کرتا ہے جو صاحب الرای اور حامل الفکر ہو۔ احمد رضا خاں صاحب الرای اور ثاقب النظر دونوں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انھیں موضوع بحث بنایا گیا۔ ہمارے عزیز دوست محمود حسین نے اپنے ایم فل کے مقالے کی لیے احمد رضا خاں کی بزبان عربی تحریروں ونعتیہ قصائد کو موضوع بحث بنایا۔ یہ مقالہ پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔ ہندوستان میں یہ پہلا مقالہ ہے جس میں آپ کی عربی زبان میں خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ نیز عربی زبان وادب پر ان کی گرفت کی تشریح وتفسیر کی گئی۔ مولانا احمد رضا خاں مختلف الجہات عالم تھے۔ جس کا اعتراف ہمارے بزرگ رفیع الدین صاحب نے سلیقے سے کیا ہے۔ جیسا کہ تحریر کرتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خان بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ-۱۹۲۱ء) بڑے زبردست عالم اور غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے۔ تقریباً نصب صدی تک جس قدر انہوں نے غیر مقلدین کے خلاف لکھا ہے یا لکھوایا ہے شاید دنیائے اسلام میں کسی ایک خاص دبستانِ خیال کے خلاف بھی اتنا نہیں لکھا گیا جناب اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اہانت آمیز فقرے کہیں کہیں نظر آتے ہیں ان کی توجیہہ بھی کر لی جائے تب بھی ان کی بڑائی سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے کے مکتب خیال کے خلاف مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متوسلین نے بڑی سختی سے لکھا۔ بہر حال جن لوگوں نے مولانا کو دیکھا ہے وہ اگر چہ ان کے عقائد سے مطابقت بھی نہیں رکھتے تھے، تب بھی ان کی قوت حافظہ، طریق استدلال اور اجتہاد کے قائل تھے اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان جیسے دل ودماغ کے علماء کم

پیدا ہوئے ہیں''۔۵۰

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے مولانا کی نعتیہ شاعری کی قدردانی کی ہے۔ راقم نے ''حدائق بخشش'' کا مطالعہ کیا ہے۔ اس میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جن سے اختلاف کی گنجائش ہے جو آلودۂ شرک ہیں۔ یہ بات اوپر آچکی ہے کہ انسان بڑوں اور مفکرین عظام سے اختلاف کرتا ہے، احمد رضا خاں کی عظمت مشکوک نہیں ہے۔ یہی ان کی عظمت اور صاحب فکر ہونے کی علامت ہے۔ فکری اختلاف سے علم بڑھتا ہے اور تحقیق کے دروازے وا ہوتے ہیں۔ عقیدت مندانِ احمد رضا خاں نے انھیں معصوم بنا کر پیش کیا ہے جو مناسب نہیں ہے۔ یہاں آپ کے نعتیہ اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔ تا کہ آپ کی نعتیہ شاعری کی وقعت کا اندازہ ہو سکے۔

مصطفیٰ خیر الوریٰ ہو — سرورِ ہر دوسرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق — ہم بدوں کو بھی نِبا ہو
کس کے پھر ہو کر رہیں ہم — گر تمھیں ہم کو نہ چاہو
بد ہنسیں تم ان کی خاطر — رات بھر روؤ کرا ہو
ہم وہی ناشستہ رو ہیں — تم وہی بحر عطا ہو
ہم وہی بے شرم بد ہیں — تم وہی کان حیا ہو
ہم وہی قابل سزا کے — تم وہی رحم خدا ہو
چرخ بدلے دہر بدلے — تم بدلنے سے ورا ہو
یہ بھی مولیٰ عرض کر دوں — بھول اگر جاؤ تو کیا ہو
وہ ہو جو تم پر گراں ہے — وہ ہو جو ہرگز نہ چاہو
وہ ہو جس کا نام لیتے — دشمنوں کا دل بُرا ہو۵۱

علامہ اقبال ایک عالمی اور مشرقی شاعر ہیں انھوں نے مغرب کو بڑے قریب سے دیکھا تھا، مغرب کی عیاریاں، اسلام کے تئیں عداوتیں اور مادہ پرستیاں ان کے پیش نظر تھیں۔ انھوں نے مغرب کی حقیقت پسندانہ تصویر کشی کی ہے۔ مشرق کی روحانیت، اسلام کی فلسفیانہ عظمت، خودی، تصور شاہین اور ملی جذبات کی اپنے اشعار میں مدلل ترجمانی کی ہے۔ ان کے مکاتیب، خطبات اور نظم و نثر فراست کی غمازی کرتے ہیں۔ اہل کتاب کے پنجۂ استبداد سے واقف تھے۔ نتن یا ہو کی تصویر ان کے اشعار میں بہت پہلے سے موجود ہے۔ فلسطین کی مظلومیت پر انھوں نے آنسو بہائے ہیں۔ لعین نتن یا ہو کو کیا

پتا کہ غزہ ہمارے امام شافعی کی جائے پیدائش ہے، مصری صدر کو غزہ اور امام شافعی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ غزہ اسلامی علوم و فنون کا سرچشمہ ہے، لیکن افسوس کہ یہودیوں نے اسے برادرانِ اسلام کا مدفن بنا دیا ہے۔ انشاء اللہ اس خاکستر سے ایک ایسی چنگاری اٹھے گی جو یہودیت کو نیست و نابود کر دے گی۔
ڈاکٹر صاحب نے علامہ اقبال کی فلسفیانہ بلندیوں پر اظہار خیال کیا ہے۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا سینہ جا گزیں تھا۔ جگہ جگہ آپ کے اشعار میں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ راقم نے تہذیب الاخلاق کا اقبال نمبر نکال کر ان کی فکری عظمتوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ۵۲۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ مرحوم رفیع الدین ہاشمی نے ''علامہ اقبال اور میر حجاز'' ۵۳ میں ان کے نعتیہ کردار پر عالمانہ گفتگو کی ہے۔ اس قدر مفصل اور مدلل گفتگو کسی نے ان کے نعتیہ اشعار پر نہیں کی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے بھی اس کتاب میں علامہ محمد اقبال کے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں:

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہ مصطفیٰ
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا

خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کی ملی
جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کی ملی

نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے وارث مسند جم کے ہوئے

ہے اگر قومیت اسلام پابند مقام
ہند کی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہی نہ شام

آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں ۵۴

مولانا ظفر علی خاں کی شناخت یہ ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں۔ صحافت کا اولین نام ظفر علی خاں ہے۔ ''زمیں دار'' کا نام آتے ہی ایک معتبر صحافت اور ملی نقطہ نظر کا تصور آتا ہے۔ مولانا کے اندر ادارہ سرسید نے ایک ایسی حمیت و حریت کی داغ بیل ڈالی تھی جس کا آوازہ تا حیات مولانا بلند کرتے رہے۔ مولانا ایک صاحب علم انسان تھے۔ انگریزی اور اردو دونوں پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ آپ نے لارڈ کرزن کی کتاب ''خیابانِ فارس'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے معرکۂ مذہب و سائنس، غلبۂ روم، جنگ روس و جاپان اور مولانا شبلی کی الفاروق کو انگریزی میں منتقل کیا۔ آپ کے دواوین بہارستان، چمنستان اور نگارستان کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں پر آپ کو عبور تھا۔ علی

گڑھ نے ان کے ذہن کو صیقل کر دیا تھا۔ ہندوستان کی آزادی کے باب میں ان کی خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ ۱۹۳۶ء تک وقفے وقفے سے آزادیٔ ہند کے حصول کے لیے قید بامشقت برداشت کرتے رہے۔ تقریباً بارہ سال قید فرنگ میں گزارے۔ فرنگی زمیندار، آپ کی بے لاگ شاعری اور اور خطبات سے خوف کھاتے تھے۔ ہندوستان کی ہر بڑی تحریک میں آپ کا کردار رہا، ملی مسائل میں خود کو جھونک دیا کرتے۔ پروفیسر رفیع الدین صاحب نے مولانا دریابادی کی ایک تحریر کو نقل کیا ہے۔ جس سے مولانا کی عظمت، سیاسی اہمیت اور خطابت کو سمجھا جا سکتا ہے:

''ایک لاہوری روزنامے سے:

''کل اس عظیم شخصیت کی ۸۳ ویں سال گرہ منائی گئی ہے جس نے اردو صحافت کی روایت میں نئے تجربہ کی بنیاد ڈالی اور صحافت کی نئی نئی راہیں تراشیں۔ لاہور کے جلیل القدر صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں نے کرم آباد میں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا۔ مہمانوں کی آمد کے تھوڑی دیر بعد مولانا اختر علی خاں اور دو ایک صاحب بابائے صحافت کو سہارا دے کر لائے۔ ظفر الملت شدت بیماری سے بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ چل کر آ سکیں۔ لیکن مشتاقانِ دید کے اضطراب کے پیش نظر وہ جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے۔ سب سے۔ پہلے آگے بڑھ کر مولانا سالک نے مصافحہ کیا اور خیریت پوچھی۔ ظفر الملت کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوگئی۔ لیکن لب صرف پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ قبلہ مولانا کی قوت گویائی بالکل ختم ہوگئی ہے تو حاضرین کے چہرے اداس ہوگئے اور پلکیں نیم گرم آنسوؤں سے بھیگ گئیں''۔۵۵؎

مولانا کی شاعری میں ملی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی آہنگ موجود ہے۔ ان تمام جہتوں کے ساتھ رسالت کی لے بھی، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے جسم وجاں میں حب رسول کی گردش بے پناہ تھی۔ یہی گردش اور طغیانیٔ جذبات جسے کبھی کسی نے روکنے کی ہمت نہ کی جو شخص اللہ کے رسول کا ہو جاتا ہے وہ طاغوتی قوتوں سے ڈرتا نہیں، فرعونیات کو کچھ سمجھتا نہیں۔ دنیاوی سیل رواں کے سامنے تھمتا نہیں اور ہر فرنگی کو زمین چٹانا اس کے لیے مسئلہ نہیں۔ یہی صورتِ حال سالار زمیندار کی

تھی۔ پروفیسر رفیع الدین صاحب نے صاحبِ چٹان شورش کاشمیری کے ان تاثرات کو نقل کیا ہے جو انھوں نے مولانا کی نعتیہ شاعری کے باب میں قلم بند کیا ہے:

''ان کے ممدوحین کی فہرست مختصر لیکن معتوبین کی فہرست طویل ہے۔ جن ہستیوں اور عقیدت مندوں کو انہوں نے خراج ادا کیا ان میں حمد باری تعالی اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو مستقل ہیں۔ اس باب میں انہوں نے سنگلاخ سے سنگلاخ زمینیں منتخب کیں اور شگفتہ سے شگفتہ مضامین نکالے۔ ان کے نعتیہ کلام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسرے شعراء کی طرح غلو سے کام نہیں لیتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نقشہ اور ان کے محاسن کی تصویر اس کمال سے کھینچتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی نے ایک دفعہ آپ کے قلمی چہرے میں لکھا تھا کہ قیامت کے روز اپنی نعتوں کے باعث بخشے جائیں گے۔ خود ظفر علی خاں اپنے اس کلام کو توشۂ آخرت سمجھتے ہیں''۔ ۵۶

یہاں ایک نعتیہ نظم کے چند اشعار پیش خدمت ہیں، جس میں غضب کی شاعرانہ لے ہے، حب رسول پر مکمل اعتماد کی ضمانت ہے۔ ملت اسلامیہ کا وجود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ آج ملت اسلامیہ زبوں حالی سے دوچار ہے، اس کا وجود خطرے میں ہے، اسلامی آثار واقدار کے خلاف چلنے والی بادِ صرصر توقف کا نام نہیں لے رہی ہے اور ہر روز ایک نیا فتنہ امت کے خلاف جنم لیتا ہے۔ مولانا کا یہ خیال کس قدر لائق التفات ہے کہ اللہ نے ہمیں ایک ایسا چارہ ساز اور حصنِ حصین عطا کیا ہے جو تمام دشواریوں کی ڈھال اور کڑے وقتوں میں شجرِ سایہ دار ہے اور ہماری ہر شبِ دیجور کا چراغ ہے:

اے کہ آرائش ہماری داستاں کی تجھ سے ہے
اے کہ افزائش ہماری عز وشان کی تجھ سے ہے

ملتِ بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار
تمکنت اس باتجمل کارواں کی تجھ سے ہے

تیرے آب ورنگ سے رنگیں ہے ایراں کا چمن
جلوہ ریزی گلشن ہندوستاں کی تجھ سے ہے

سایہ پرور تیری رحمت کا حرم بھی دیر بھی
سود اور بہبود ہماں وفلاں کی تجھ سے ہے

امت مرحوم کے درد و جگر کے چارہ ساز
ساری تاثیر اس کی فریاد وفغاں کی تجھ سے ہے

ساری دنیا بن گئی ہنگامہ زارِ کشت وخوں
کچھ اگر امید ہے امن واماں کی تجھ سے ہے ۵۷

لیکن مولانا کے اس مندرجہ خیال کی ہم مکمل تردید کریں گے:

چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامانِ رسول کا رشتہ مرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے اس میں امجد کی نعتیہ شاعری کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کے بعض اشعار اسلام اور وحدتِ ربانی سے متصادم ہیں۔ امجد صاحب کا دل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے سے مانتا نہیں ہے، جب کہ ہوائے نفس پر کنٹرول کا نام حکم قرآنی ہے۔ "وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىؕ" (النازعات: ۴۰/۷۹) [اور جسے اپنے رب کی جلالت کا خوف ہے اور خواہشاتِ نفس کو روکتا ہے تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔] اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ سلم نے خود منع کیا ہے کہ میری قبر کو صنم پرستی سے دور رکھا جائے۔ کیوں کہ دیگر انبیاء و رسل کے متبعین نے ان کی پرستش شروع کر دیں، جب کہ اللہ کے علاوہ کوئی مسجود نہیں ہے جناب امجد صاحب کی یہ خواہش شرک کو ہوا دیتی ہے:

سب کہتے ہیں کہ آپ کو سجدہ روا نہیں نور خدا رسول خدا ہے، خدا نہیں
اے واعظو! یہ بات میں کیا جانتا نہیں لیکن غضب تو یہ ہے کہ جی مانتا نہیں

مزید شرک آمیز اشعار امجد صاحب کے ملاحظہ ہوں:

مرے ساقی مے وحدت پلادے دو عالم سے دوئی بالکل مٹادے
احد کی شکل احمد میں دکھادے اٹھادے میم کا پردہ اٹھادے۵۸
جلوہ فرما شکل احمد میں ہوا نور خدا کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ حسنِ ابد۵۹

مذکورہ اشعار میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اسلامی رو سے قابل قبول نہیں۔ ان اشعار سے عبد و معبود کا فرق مٹ جاتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا ذکر کیا ہے لیکن یہاں انھوں نے امجد صاحب کے انحرافات پر تنقید نہیں کی ہے۔ اس کتاب میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں پر ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کو اسلامی نقطۂ نظر سے ان اشعار پر تنقید کرنی لازمی تھی۔ لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحب نے اسے بے خودی کہتے ہوئے ستائش کی ہے۔ یہ ستائش نامہ دائرۂ قرآنی سے باہر ہے۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

> "لیکن جس کیفیت کا اسے عنوان بنایا گیا اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے۔ کہیں کہیں شاعر عشق محمدی سے سرشار ہو کر بے خودی میں اللہ کو بھول بھی جاتا ہے یا یہ کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول جاتا ہے۔ اسے دونوں کی حقیقت ایک ہی نظر آتی ہے۔ شاعر حیران ہے کہ اسے اللہ کہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کہوں۔ نہ وہ اللہ کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول سکتا ہے۔ آخر حسنِ تصور دونوں حقیقتوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے''۔۶۰

امجد صاحب کے مندرجہ اشعار میں وحدانیت کے حدود کو پاش پاش کیا گیا ہے۔ ''یار آیا تھا نامہ بر بن کر'' پر غور کریں کیا اس کے بعد خالق اور مخلوق کے درمیان جو وجہ تفریق ہے کیا اس خیال کے بعد وہ برقرار رہ پاتی ہے۔ اللہ نے اپنی جس قہاریت، قیومیت اور غفاریت کا ذکر قرآن میں کیا ہے اسے امجد صاحب نے مسمار کر دیا ہے۔ انھیں توضیحاتِ قرآنی کا یکسر پاس ولحاظ نہیں۔ کاش ان کے حضور حضرت عائشہ کا فرمودہ ہوتا۔ مندرجہ اشعار پڑھیے کیا اس میں اراکین توحید برقرار ہیں:

عرش والا زمین پر آتا ہے فاتقوا اللہ یا اولی الابصار
قابل حمد ہی محمد تھا کارواں میں تھا کارواں سالار
شکل احمد میں خود احد آیا ہوا مطلق مقید اظہار
دائرہ مختفی تھا نقطہ میں ہوگئی ختم گردش پُرکار
وہی اژدر وہی عصائے کلیم وہی قطرہ وہی در شہوار
بیج بھی ہے وہی، شجر بھی وہی وہی قہار ہے، وہی غفار
آپ اپنا پیام پہنچایا آپ خود اپنا کرگیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار ۶۱

ڈاکٹر صاحب نے اپنا تاثر یوں پیش کیا ہے:

> ''امجد کے یہاں احتیاط کے باوجود مضمون کی بے احتیاطی میں بھی کلام نہیں۔ لیکن ہمیں تو امجد کی شاعری سے بحث ہے۔ تصوف کی باریکیوں میں الجھنے کا حل نہیں ہے۔ نعت گو شعراء کے مذہب عشق میں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سجدہ روا اور جائز قرار پا چکا ہے اور اس مضمون کے پر کیف اشعار سے نعتیہ شاعری پُر ہے۔ اگر حضرت امجد کے یہاں بھی اسی کا بیان ہوتا تو کوئی ندرت اور جدت نہ ہوتی۔ لیکن سخن آفرینی شاعر کسی مضمون میں نئی بات نہ پیدا کرے تو کیا بات ہوئی۔ امجد اس خصوص میں ایک منزل آگے بڑھ گئے ہیں اور وہ مضمون پیدا کیا ہے کہ پیرانِ شریعت کو بھی واہ ہی کہتے بنے گی''۔۶۲

اس کتاب میں محمد عبدالقدیر صدیقی مسرت کی شخصیت اور نعتیہ اشعار کے امتیازات بھی بیان

کیے گئے ہیں۔صدیقی صاحب دیوبند کے فارغ تھے، زبان و بیان پر آپ کو قدرت تھی۔عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں صدیقی صاحب نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔آپ کے بہت سے اشعار ایسے ہیں جس کی وجہ سے منزلتِ رسالت متاثر ہوتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے آپ کی مختلف حیثیتوں کا اعتراف کیا ہے۔یہاں آپ کی ایک نعت پیش کی جارہی ہے:

تم پہ میں جان سے قربان رسول عربی　　تم مری جان کی ہو جان رسولِ عربی
آپ کی شان میں ہے بے ادبی بے دینی　　آپ کا عشق ہے ایمان رسول عربی
جن وانس اور ملائک کی سمجھ سے باہر　　آپ کا مرتبہ وشان رسولِ عربی
تری تعظیم کریں اور تری توقیر کریں　　یہ ہے اللہ کا فرمان رسول عربی
مومن نہیں جو اس میں کرے فرق ذرا بھی　　اللہ کا فرمان ہے فرمان رسولِ عربی[۶۳]

نعتیہ شعراء میں ایک بڑا نام حافظ جلیل حسن جلیل کا ہے۔ مانک پور کے رہنے والے تھے۔امیر مینائی کے شاگرد اور جانشین تھے۔اپنے استاذ محترم کے ساتھ حیدر آباد آئے اور اسی کے ہوکر رہ گئے۔ گویا انھوں نے دبستانِ لکھنؤ اور دبستانِ حیدر آباد دونوں سے استفادہ کیا۔اس پر مستزاد یہ کہ امیر مینائی نے انھیں اس طرح صیقل کیا کہ ان کی شاعری میں نکھار آ گیا۔ڈاکٹر صاحب نے آپ کی نعتیہ شاعری کی خصوصیت یوں بیان کی ہے:

''ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ معراج سخن (۱۳۴۷ھ) ان کے اس رنگ کو اجاگر کرتا ہے۔اس مجموعہ میں ۳۱ نعتیہ غزلیں، ایک ترجیع بند) شب معراج) ۸ رباعیات شب معراج اور ۵ نعتیہ رباعیات ہیں۔باقی کلام منقبت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم منقبت حضرت امام حسن وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہا سلام اور مرثیوں کے علاوہ مدح غوث اعظم قدس سرہ اور مدرج حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ پر مشتمل ہے۔

جلیل کا نعتیہ کلام جو عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے ان کے ایمان کی نیاز مندانہ کیفیت کا پتا دیتا ہے۔شاعر حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کا حاصل اور مقصود گردانتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے مضمون کو جگہ جگہ باندھا ہے اور اس کو اصل ایمان قرار دیا ہے۔دنیوی اور اخروی دونوں کامیابیوں کا سبب اس کو گردانا ہے۔ان کے نزدیک حب

رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر زندگی کی کامرانی کا دارومدار ہے''۔[64]

کٹے عمر صلِ علیٰ کہتے کہتے — اٹھو حشر میں مصطفیٰؐ کہتے کہتے
محمدؐ کو پایا خدا کہتے کہتے — خدا مل گیا مصطفیٰؐ کہتے کہتے
بڑا کام نکلے اگر جان نکلے — زباں سے حبیب خدا کہتے کہتے
پیام تمنا نہ پوچھو ہمارا — کہ تھک تھک گئی ہے صبا کہتے کہتے
وہ لذت بھرا تھا مدینے کا قصہ — مجھے ہائے غش آگیا کہتے کہتے
سراپا زبان شمع ساں بن گیا ہوں — غمِ ہجر کا ماجرا کہتے کہتے
ہوئیں مشکلیں سب غریبوں کی آسان — محمدؐ کو مشکل کشا کہتے کہتے
کچھ ایسا ہوا رعب وقت حضوری — زباں رُک گئی مدعا کہتے کہتے
جلیل آگئے وجد میں سب فرشتے — ترے شعر پر مرحبا کہتے کہتے[65]

حافظ جلیل کی نعتیہ انفرادیت سے اغماض نہیں برتا جا سکتا۔ اپنی ایک نعت میں انھوں نے قرآنی مفردات کا سلیقے سے استعمال کیا ہے۔ اس نعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنی مفردات اوراس کے مفاہیم سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے انھیں بڑے سلیقے سے اپنے اشعار میں منظوم کیا ہے۔ شاید یہ اسلوب دیگر شعراء کے یہاں مفقود ہو۔ آپ کی اس خصوصیت کو یوں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

ہے جسمِ محمد سراجاً منیرا — کہ ہے شان میں جس کی ذکراً کثیرا
جو منظورِ خالق ہوئی رہ نمائی — محمد کو بھیجا بشیراً نذیرا
کہا اُس کے دشمن کے حق میں خدا نے — **فدعو ثبوراً و یصلی سعیرا**
خدا دانا بینا ہے ہر نیک وبد کا — کہ ہے ذات اس کی سمعاً بصیرا
منافق مخالف کے حق میں خدا نے — کہا ہے جہنم و سائت مصیرا
خدا نے محمد کی امت کو بخشی — وہ جنت صفت جس کا ملکاً کبیرا
مکاں موتیوں کے حسیں حور وغلماں — ہوا ٹھیک شمساً ولا زمہریرا
دعا ہے الٰہی طفیلِ محمد — ہو گلزار طیبہ میں میرا خطیرا
محمد کہ محبوبِ سبحاں ہے اکبر — فصلوا علیہ کثیرا کثیرا[66]

یہ بات یقینی ہے کہ برادرانِ وطن کا نعتیہ شاعری میں گراں قدر حصہ ہے۔ آج کے برادرانِ وطن ملت اسلامیہ کے عدو مبین ہیں۔ گستاخ رسول بننے میں انھیں کوئی خوف نہیں۔ اقتدار ہندی گستاخانِ

رسول کا محافظ ہے۔ آج برادرانِ وطن نعت گو ہوتے تو انھیں دار ورسن سے نوازا جاتا۔ سلاخیں انھیں مرحبا کہتیں اور ہجومی تشدد انھیں تہہ تیغ کر دیتا۔ چودھری دیورام کوثری نے عقیدت کے ساتھ سرور کائنات کو سنوارنے اور ان کے ذکر رفیع کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ چودھری صاحب نے اپنی شاعری کا تذکرہ یوں کیا ہے:

''اسلامی روایات پر بے شمار نظمیں لکھیں۔ خصوصاً اہل بیت اطہار کی مدح وثنا میں اب تک مصروف رہا اور ہوں۔ اگر چہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں بھی متعدد نظمیں لکھی ہیں بلکہ ہندو ل سکھ، مرہٹوں، آریاؤں وغیرہ کے متعلق بھی چند منظوم کتابیں لکھی ہیں اور سرکار انگریز کی مدح سرائی بھی کی ہے''۔ ۶۷

جناب دیورام کے جذبات دیکھیے کہ حضرت مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح نثار ہو رہے ہیں۔ حب رسول بڑھ بڑھ اور اٹھ اٹھ کر انھیں عاشق رسول کہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عشقِ رسول کفرِ دیورام پر مستولی ہو چکا ہے۔ اب دیکھیے روز حساب ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ دل بار بار کہتا ہے کہ عشق رسول کبھی ضائع نہیں جاتا وہ سایہ بن کر کتنے صاحبان عصیاں کی راہ ہموار کر دیتا ہے۔ کاش یہی عشق انھیں دائرہ اسلام میں لے آتا۔ دیورام کی لے اور عشق رسول سے کوثر وتسنیم کے دھارے بہہ رہے ہیں:

مدینہ میں مجھ کو بلا یا محمد ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمد
نہ کھولوں گا برق تجلی سے آنکھیں تصور ہے تیرا سدا یا محمد
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہیں ہے تو یکتا ہے بعد از خدا یا محمدؐ ۶۸

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے زاہدہ خاتون شروانیہ (۱۸۹۴ء-۱۹۲۲ء) کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن ان کے شخصی اور شعری اوصاف کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان کی بہت سی چیزوں سے ناواقف ہیں۔ آج بھی ان کی بہت سی نگارشات، خطوط اور نظمیں مخطوطے کی شکل میں ہیں۔ نواب رحمت اللہ صاحب کو حیات ملتی تو ان مخطوطات کو حیاتِ طباعت ملتی۔ اس بیش بہا خزینے سے اہلِ علم وادب محظوظ ہوتے، لیکن ابن نواب کو علم وادب سے کوئی غرض نہیں۔ ابن نواب اپنے ثقافتی ورثے کو ڈھیر میں تبدیل کر رہے ہیں۔ انھیں ایسا ہوس زر ہے کہ اپنے دادا مزمل اللہ خاں شروانی اور باپ نواب رحمت اللہ خاں شروانی کے قیمتی کتب خانے کو مقفل کر دیا ہے، کتابیں اور مخطوطات ہوا کے لیے ترس

رہے ہیں۔ زاہدہ خاتون شروانیہ نے کبھی گھر سے قدم باہر نہیں نکالا۔ صرف ایک بار ڈولی پر پردے در پردے میں بیٹھ کر بھیکم پور سے مزمل منزل علی گڑھ آئیں۔ اسکول کی چہار دیواری سے وہ تا حیات محروم رہیں، ایرانیہ اتالیق، باکمال شاعرہ فرخندہ بیگم طہرانیہ اور گھریلو کتب خانے نے انھیں شاعرہ، ادیبہ اور حساس بنادیا۔ ان کے دل میں ملت اسلامیہ کی محبت جاگزیں تھی، تاحیات ملت کے احوال پر تڑپتی رہیں۔ خلافت عثمانیہ کے انحطاط نے انھیں ہلا کر رکھ دیا۔ ہندوستان کے مختلف مجلّات میں ان کی نظمیں 'ز خ ش' کے نام سے چھپتی تھیں، کیوں کہ یہ ایسا دور تھا جہاں خواتین کا لکھنا ناگوار تصور کیا جاتا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے یہاں خواتین کے لیے خطوط نویسی معیوب تھی۔ ز خ ش کے اختصار یہ سے یہ مقصود تھا کہ والد محترم نواب مزمل اللہ خاں شروانی کو نہ بھنک لگے کہ ان کی بیٹی شاعرہ ہے، ادیبہ ہے اور ملت اسلامیہ کی ترجمان بھی۔ زاہدہ خاتون شروانیہ کو اقبال، شبلی اور اکبرالہ آبادی جیسے دانشور اور شعراء جانتے تھے اس وقت کے شعری مطلع پر ہر وقت آب نمودار رہتی تھیں۔ پنجاب کے بہت سے رسائل میں چھپتی تھیں۔ آپ کی ادبی فراست اور شعری رفعت کے پیش نظر ڈاکٹر فاطمہ حسن نے آپ کو موضوع بنایا اور ''ز خ ش: حیات وشاعری کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے ۳۹۸ صفحات پر مشتمل اپنا تحقیقی مقالہ ترتیب دیا۶۹۔ آپ کو ۲۷ سال دو ماہ کی عمر ملی۔ اس قلیل عرصے میں ہندوستان اعلیٰ ترین ادبی حلقوں تک آپ کی رسائی ہو چکی تھی۔ آپ کے بھائی جناب رحمت اللہ خاں شروانی نے احقر سے بتایا کہ انتہائی نرم دل تھیں۔ اپنے اہل خانہ کے مابین اپنے عادات اور شباہت کے اعتبار سے فرشتہ اور حسن وجمال میں ''حور عین'' تھیں۔ استراحت اور خوابیدگی سے بے زاری تھی، بیداری ان کی محبوب ترین چیز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیائے ادب میں ان کا ادبی سکہ رائج ہوا۔ پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی کے نزدیک نسائیات میں ان کا قد نکلا ہوا تھا، فاطمہ حسن صاحبہ نے اپنے پی ایچ .ڈی. مقالے میں ان کی شعری اپروچ پر قابل قدر گفتگو کی ہے۔ ان کے خطوط کے اہم پہلوؤں کو طشت از بام کیا ہے۔ فاطمہ حسن نے انھیں عبقری کہا ہے اور جمیل الدین عالی نے انھیں عدیم المثال عبقری (سینئر جینس) کہا ہے۷۰۔ اس کتاب میں ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے انھیں موضوع بحث بنا کر قابل ذکر کام انجام دیا ہے۔ محترمہ نے بی بی آمنہ کی الوداعی گھڑیوں کو منظوم کیا ہے۔ ان اوقات میں ایک ماں اپنے اکلوتے جگر کو دیکھتی کیسے ہے؟ اس کے جذبات میں تغیرات کیسے آتے ہیں، اور کیا کیا خواہشیں ماں کے اندر سر اٹھاتی ہیں۔ ز خ ش نے ایک عورت ہونے کے ناطے ان جذبات کو خاص کیفیت کے ساتھ منظوم کیا ہے:

مرا پیارا محمدؐ کہاں ہے لاؤ ذرا جمال مجھ کو میرے لال کا دکھاؤ ذرا
کنارِ شوق میں دل کے قریں بیٹھاؤ ذرا میرے لبوں سے وہ ننھے سے لب لگاؤ ذرا
میں اپنے پیارے کو جی بھر کے پیار تو کرلوں
دم و دماغ ذرا ہم کنار تو کرلوں
مرے ستارے! مرے چاند، میرے مہرِ جبیں مزار میں بھی نہ بھولے گی مادر غمگیں
تری ادائیں تیرا حسن اصبح و نمکیں یہ تیرے عارض گلگوں پہ تابناک جبیں
یہ چشم مست وسیہ، یہ نگاہ وزدیدہ
یہ حلقہ بندئ زلف ودراز وپیچیدہ
ترا یہ جھوٹ سے چڑنا دغا سے گھبرانا یہ ہم سنوں کو صداقت کا رمز بتلانا
دمِ غضب یہ ترا شان حلم دکھلانا ہنسی کے وقت فقط مسکرا کے رہ جانا
عجیب تیری ادائیں عجیب شانیں ہیں
عرب میں وِردِ زباں تیری داستانیں ہیں
چلی ہوں چھوڑ کے گدڑی میں گنجِ ہفتِ اقلیم چلی ہوں چھوڑ کے اک لعل ایک درِیتیم
نہیں کسی سے کچھ امید ہے تو بیم ہی بیم کرم کرم مرے معبود میرے رب کریم
ترے کرم سے یہ بچہ اگر جواں ہوگا
یقیں ہے قوت اجسام ناتواں ہوگا
سنی اگرچہ بغور اس نے شرح رنج وملال مگر ہوا متزلزل نہ پائے استقلال
یہ چھ برس کا سن اور ضبط نفس میں نہ کمال بچائیو نظر بد سے ایزد متعال
بسانے جاتی ہے ماں اس کی کنج تربت کو
تجھی کو سونپ رہی ہے تری امانت کو[2]

ابوالاثر حفیظ جالندھری کے ذہن ودماغ میں شاعری اگتی تھی۔ اور روضۂ حفیظ ہی میں اس کی نشو ونما ہوتی تھی۔ اردو کے شبلی، حالی، حفیظ جالندھری اور ماہر القادری نے اردو شاعری کو ایک ایسا رنگ اور ڈھنگ عطا کیا کہ جس کی مثال اردو شاعری پیش کرنے سے قاصر ہے۔ عام فہم انداز میں ایسی شعری سحر کاریاں کی ہیں کہ قاری مسحور ہو جاتا ہے۔ حفیظ صاحب واقعات کو اس طرح پروتے ہیں کہ اس کا جز جز مجسم ہو کر نظروں میں آجاتا ہے۔ حفیظ طبیعتاً شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری میں اللہ

نے انھیں مقام عالی سے سرفراز کیا۔ ان کے نعتیہ اشعار میں ان کی سوچ، ان کی فکر اور احساس شامل ہے۔ ان کی ہر سانس صل علی سے عبارت ہے۔ ان کے نعتیہ قصائد پڑھتے ہوئے ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ تسلسل کا ایسا بہاؤ بہت کم شعراء کے یہاں ملتا ہے، نظریں کہکشاؤں میں جا بستی ہیں۔ حفیظ کے الفاظ بڑے سبک اور سلیس ہوتے ہیں۔ قاری پڑھنے میں نہ تو اٹکتا ہے اور نہ ہی اسے گرانی کا احساس ہوتا ہے۔ حفیظ کے حب رسول کی توصیف ڈاکٹر صاحب نے اس انداز سے بیان کی ہے:

> ''نعت گوئی کی ابتدا ہی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہے اور ہر نعت گو شاعر اسی جذبہ کی کارفرمائی میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ چنانچہ شعراء نے تصوف کی لطیف آمیزش سے تغزل کے رنگ میں طرح طرح سے گلفشانیاں کی ہیں۔ لیکن اس میں حفیظ کی خصوصیت یہ ہے کہ تغزل سے ہٹ کر اسوۂ حسنہ کے بیان کو محبت آمیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ شاعر کے گرد و پیش حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہو کر اسے ایک جذب، تڑپ اور اضطرابی کیفیت سے دوچار کرتی ہے۔ ذکر حبیب میں وہ کھو جاتا ہے اور اس کے اندر زندگی کی شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر پروانہ وار نثار ہونے کے لئے بے چین ہوتی ہے۔ حفیظ کے کلام میں الفاظ کا زیر و بم اسی داخلی کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے ۲۷''

سما سکتی ہے کیوں کر حب دنیا کی ہوا دل میں
بسا ہو جب کہ حب نقشِ محبوب خدا دل میں
محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی
محمد کی محبت آن ملت شان ملت ہے
محمد کی محبت روح ملت جان ملت ہے
محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال، جان اولاد سے پیارا ۲۸

علامہ شبلی کی ظہور قدسی کی انفرادیت کو اب تک کوئی توڑ نہیں سکا ہے۔ در یتیم میں ماہر القادری نے ظہور قدسی کی تقدیم میں اَن ہونا اسلوب اختیار کیا ہے۔ مولانا عنایت اللہ سبحانی اصلاحی نے ''نبیٔ عربی'' میں ظہور قدسی کو ردائے جدید میں ملبوس کیا ہے۔ لیکن یہ بات نثر کی تھی، ہمارے حفیظ جالندھری نے ظہور قدسی کو پیرایۂ عدیم النظیر میں منظوم کیا ہے۔ پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ ظہور قدسی شگفتہ ہو رہی ہو۔ اوراق ظہور قدسی نظروں کے سامنے پلٹ رہے ہوں۔ جیسے کسی سنہرے موسم کی پو پھٹ رہی ہو، حفیظ نے ظہور قدسی کی کرنوں کو یوں سجایا ہے:

خلیل اللہ نے جس کیلئے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کیں
جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا
جسے یوسف نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا
کلیم اللہ کا دل روشن ہوا جس ضوفشانی سے
وہ جس کی آرزو بھڑکی جواب لن ترانی سے
وہ جس کے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہِ سلیماں نے گدائی کی
دل یحییٰ میں ارماں رہ گے جس کی زیارت کے
لب عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شان رحمت کے
مرادیں بھر کے دامن میں مناجاتِ زبور آئی
امیدوں کی سحر بڑھتی ہوئی آیاتِ نور آئی
تبسم ہی تبسم تھے نظارے لالہ زاروں کے
ترنم ہی ترنم تھے کنارے جوئے باروں کے[۴۲]

اردو دنیا اور اردو ناقدین ماہر القادری کی نثر اور نظم دونوں سے واقف ہیں نثر نگاروں اور شاعروں کا جو طبقۂ علیا ہے اسی میں ایک ممتاز اور البیلے شخص کا نام ماہر القادری ہے۔جن کے وجود میں نعت رسول بستی تھی، ماہر القادری حب رسول کے شگفتہ گلاب تھے جن کے کلام سے حب رسول کی خوشبو پھوٹتی تھی۔اپنے رسالے کو"فاران" سے اس لیے موسوم کیا کہ اسی چوٹی پر چڑھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو مخاطب کیا تھا۔ماہر القادری فاران کو تاحیات اپنا جھنڈا بنائے رہے۔فاران نے اردو کو سنوارا، اسلامی ادب کی تعریف میں قائدانہ کردار ادا کیا۔"دریتیم" اردو ادب کا فقید المثال کارنامہ ہے۔اس سے بہتر اسلوب اب تک اردو ادب میں نہیں دیکھا گیا۔ماہر القادری اور عنایت اللہ سبحانی نے سیرت نگاری میں نئے سنگ میل کو قائم کیا۔ماہر القادری کے قلم سے ہمیشہ دریتیم کی ستائش ہوتی رہی۔ثناء خوانی کرتے کرتے سرزمین ریاض میں اسٹیج ہی پر آپ کی روح دفعتاً پرواز کرگئی۔اس وقت کے ماہنامہ (ممبئ) "شاعر" میں اس کی روداد موجود ہے۔انھیں سرزمینِ رام پر مرنا پسند نہ تھا بلکہ دریتیم کی آغوش میں بیٹھ کر اپنے رب حقیقی سے ملنے کی تمنا تھی۔اپنے حب رسول کو یوں قلم بند کیا ہے:

"میرے ماں باپ مجھے کافر بنا دیتے تو جس طرح عبداللہ بن سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے۔"قسم ہے خدا کی یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔تو میری فطرت بھی نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک سے متاثر ہوکر چیخ اٹھتی کہ زمین وآسمان کے مالک کی قسم یہ زندگی بچے اور نیک ہی کی ہوسکتی ہے"۔

مزید اپنے حب رسول کا انکشاف یوں کیا ہے:

"یوں کہیئے کہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری گھٹی میں پڑی تھی۔ہوش

سنبھالا تو شعر گوئی کے لئے طبیعت کو موزوں بلکہ آمادہ پایا۔ میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرر ہا ہوں کہ میری شاعری کی ابتداء حمد و نعت سے ہوئی اور انشاء اللہ خاتمہ بھی اسی پر ہوگا۔ مجھے اپنی فاسقانہ شاعری کا بہر حال کفارہ دینا ہے'' ۔۵ے

ماہر القادری نے نعتیہ ادب کی اصلاح کی ہے۔ ان کے خیال میں نعتیہ ادب بہت سی خرابیوں کی آماج گاہ بن گیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل حیثیت کھو کر رہ گئی ہے۔ اردو نعت گو شعرا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کو فراموش کر دیا ہے۔ عبد اور معبود دونوں کو ایک تناظر میں پیش کیا ہے۔ ماہر القادری نے اسے نعتیہ ادب کے اصول سے خارج کر دیا ہے۔ اپنے اس خیال کی عکاسی ماہر القادری نے یوں کی ہے:

''قرآن پاک میں اکثر و بیشتر مقامات پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا ہے وہاں ''عبد'' کا لفظ ضرور استعمال فرمایا گیا ہے کہ عقیدت مند کہیں بندے کو خدا نہ سمجھ لیں۔ مسلمان کی شان انا الحق میں نہیں انا العبد کہنے میں ہے کہ صاحب معراج اور واقف اسرار کی مع اللہ نے بار بار اپنے کو بندہ کہا۔ مگر عجمی ذوق کا برا ہو کہ مسلمانوں میں بہت سی ایسی مشرکانہ بدعات رواج پا گئیں جن کا کتاب وسنت میں کہیں پتہ نہیں'' ۔٦ے

نعتیہ ادب میں جو بدعات در آئی ہیں اس پر ماہر القادری نے یوں اظہار نکیر کیا ہے:

''میں نے بڑی حد تک کوشش کی کہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی رنگ آمیزی سے دور رکھا جائے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''احمد ب میم'' نہیں کہا کہ یہ شاعرانہ نزاکت خیال توحید کے بنیادی تصور سے ٹکراتی ہے۔ دین حنیف کا کمال رنگینیوں اور نزاکت آفرینیوں میں نہیں۔ سادگی اور خلوص میں ہے'' ۔٧ے

ظہور قدسی سے دنیا کا نظام بدلا، انسانیت کو صراط مستقیم نصیب ہوئی۔ جبر و قہر کا سد باب ہوا۔ عدل وانصاف کی خوشگوار ہوائیں رواں ہوئیں۔ قتل و غارت گری کو منہ کی کھانی پڑی۔ کبر و نخوت کا چلن ختم ہوا اور فروتنی اور انکساری کا دور دورہ عام ہوا۔ جہاں نیزے اور تلواریں فیصلہ کرتی تھیں۔ اب اخوت ومحبت کی محفلیں سجنے لگیں۔ قبائل کی اپنی اپنی زندگی اور افتخار و استکبار کی مکمل نمائندگی ہوتی تھی، ظہور قدسی سے قبائل شیر و شکر ہو گئے۔ قرآن کریم کی زبان میں عربوں کو تالیف قلب کے بندھن میں

باندھ دیا۔ خانہ کعبہ میں صنم پرستی کے برعکس وحدانیت کا کاروبار چلنے لگا۔ یہ سارا کمال اور یہ سارا معجزہ ظہورِ قدسی کا تھا، ایسا ظہور کہ قیصر و کسریٰ کے ایوان لرزہ براندام ہوگئے۔ یونان و فارس کی تہذیب کند ہونے لگی۔ اسلامی تہذیب کا حلقہ دن بہ دن وسیع ہونے لگا۔ ابولہب اور ابوجہل کا غیظ و غضب ڈھنے لگا۔ صدیقیت اور فاروقیت کا اذن عام ہوا۔ اذان بلالی سے ایمان کی بہار آگئی۔ ظہورِ قدسی دراصل ایسی بادِ نسیم ربانی تھی کہ جس کی برودت اور روحانیت سے ہر شخص مسحور ہوا اور چہار جانب سے کلمۂ توحید کی آواز بازگشت آنے لگی۔ ظہورِ قدسی درحقیقت ترانۂ وحدت ہے۔ شعراء نے اپنے اپنے انداز سے ظہورِ قدسی کی تابانیوں کو منظوم کیا ہے۔ ہمارے ماہر القادری نے بھی ''ذکرِ جمیل'' میں اس آمدِ ربانی کو یوں آفریں کہا ہے:

سحر کا وقت ہے معصوم کلیاں مسکراتی ہیں
ہوائیں خیر مقدم کی ترانے گنگناتی ہیں
مئے عشرت جھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے
ابلتی ہے شراب خلد مٹی کے سکوروں سے
پسینہ شادمانی سے ہے پھولوں کی جبینوں پر
بطوں کا دیدنی ہے رقص تالابوں کے سینوں پر
چمن میں ہر طرف شبنم کے موتی جھلملاتے ہیں
نسیم صبح کی جھونکے دلوں کو گدگداتے ہیں
کبھی جاتی ہے آنکھوں میں گل و لالہ کی رعنائی
کہ جیسے درحقیقت خاک پر جنت اتر آئی ۸؎

انیسہ ہارون شروانیہ (۱۸۹۶ء-۱۹۶۴ء) دتاؤلی کے رئیس مولوی حاجی محمد یونس خاں شروانی کی بیٹی اور سر مزمل اللہ خاں شروانی کی حقیقی بھانجی ہیں۔ اور معروف شاعرہ زاہدہ خاتون شروانیہ کی پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ زاہدہ خاتون شروانیہ کی طرح آپ کی تمام تر تعلیم گھر کے اندر ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں آپ کی شادی پروفیسر ہارون خاں شروانی سے ہوئی۔ پروفیسر شروانی کے علمی کارناموں سے دنیا واقف ہے۔ شروانی خاندان میں یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تعلیم کے لیے جون ۱۹۱۴ء میں پندرہ سال کی عمر میں انگلستان کا سفر کیا، وہاں ساڑھے سات سال رہے۔ وہاں کی سندیں حاصل کیں اور انگریزوں میں ممتاز بن کر رہے۔ پروفیسر شروانی کو آکسفورڈ اور ادارہ سرسید نے مل کر بنایا۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر رہے۔ عثمانیہ کی تدریسی تاریخ میں ان کے مقام و مرتبہ کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ تحقیق و تصنیف سے آپ کی پوری زندگی عبارت رہی۔ اسلامک کلچر حیدرآباد اور معیاری اردو جرنلز میں آپ کی تحقیقات اور نگارشات شائع ہوتی رہیں۔ آپ کے اردو اور انگریزی میں بے شمار مقالات ہیں۔ اسی طرح اردو اور انگریزی میں آپ کی تصانیف علم و تحقیق کا سنگ میل ہیں۔ بہرکیف بتانا یہ ہے کہ انیسہ صاحبہ کی ازدواجی زندگی کا انتساب اتنے بڑے عالم اور دانشور سے ہے۔ اس چیز نے انیسہ ہارون

کی زندگی کو مزید تابناک بنایا اور شروانی خاندان کی ثقافت اور علمی سرگرمیوں نے انھیں ادب کا شیدائی بنا دیا۔ انیسہ صاحبہ کی مکتوب نگاری اور شاعری تو اردو ادب میں نکھار لانے کا ایک اساسی ذریعہ ہیں۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ احمدی بیگم اور زاہدہ خاتون شروانیہ نے جو خطوط انیسہ صاحبہ کو تحریر کیے تھے اسے احمدی بیگم کی بڑی صاحبزادی محترمہ ناجیہ خانم (مقیمہ کراچی) نے ترتیب دے کر شائع کر دیا ہے جو ایک گراں قدر علمی تحفہ ہے۔ کاش کہ انیسہ صاحبہ کے خطوط بھی منظرِ عام پر آجاتے ۷۹ ؎ انیسہ صاحبہ کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کی معلومات محدود تھیں۔ بہرکیف انیسہ شروانیہ ایک اچھی شاعرہ تھیں۔ نعتیہ شاعری میں بھی انھوں نے جذبات کو منظوم کر کے فن کاری کا ثبوت دیا ہے ڈاکٹر صاحب نے انیسہ صاحبہ کی نعتیہ شاعری کا یوں ذکر کیا ہے:

> ''شاعرہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا رشتہ جوڑ کر اپنے کلام میں والہانہ کیف، جذب اور شوق کی ساتھ تغزل کا رنگ پیدا کیا ہے۔ انیسہ کے کلام میں یہ بڑی خصوصیت ہے کہ جہاں وہ بارگاہ نبوت کے جلال سے سہمی سہمی باادب خطاب کے لیے زبان کھولتی ہیں وہاں بے باکانہ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ بھی کر جاتی ہیں۔ الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے ضرور کام لیا ہے۔ لیکن مضمون وہی ہے جسے خالص تغزل سے تعبیر کریں گے۔'' ۸۰ ؎

آپ کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

گلشن عالم میں وہ جان بہار آ ہی گیا — بوٹے بوٹے پتہ پتہ پر نکھار آ ہی گیا
حضرت عیسیٰ نے دی جس کی نبوت کی نوید — چشم موسیٰ کو تھا جس کا انتظار آ ہی گیا
جس کی خدمت میں سلاطین زمن دیں گے خراج — فقر کے ملبوس میں وہ تاجدار آ ہی گیا
میں نہ بھولوں گی کبھی احسان تیرا یا حبیب — تجھ سے دل کی بیقراری میں قرار آ ہی گیا ۸۱ ؎

''اردو ادب میں نعتیہ شاعری'' کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ نعتیہ شاعری میں ہندو بھائیوں کا کیا یوگدان ہے اس پہلو کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اسی سلسلے کا ایک قابل التفات نام پنڈت بال مکند عرش ملسیانی کا ہے جن کی آواز بازگشت اردو نعتیہ شاعری میں سنائی دے رہی ہے۔ عرش ملسیانی کے والد محترم جوش ملسیانی شاعر اور ادیب کی حیثیت سے ناقابل فراموش ہیں۔ باپ اور بیٹے دونوں نے مل کر اردو ادب کو سینچا ہے۔ عہد حاضر نے انہی کے آل و اولاد کو اردو کا دشمن بنا دیا ہے۔ اردو کا دشمن دراصل ملک و قوم اور انسانیت کا دشمن ہے۔ اردو انسانیت اور گنگ و جمن کے ثقافتی ورثے کو فروغ

دیتی ہے بلکہ گنگ و جمن کے تہذیبی تصور کو اردو نے جنم دیا ہے۔عداوت کا یہ حال ہے کہ اردو کالجز اور سرکاری مدارس سے بے دخل کی جارہی ہے۔دشمنانِ قوم کو پتا نہیں کہ اردو نے آزادیٔ ہند کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں، بہرکیف انگریزوں نے اردو اور ہندی کا اس لیے مسئلہ کھڑا کیا کہ یہ ملک فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنا رہے۔احقر کا پختہ یقین ہے کہ تمام تر فتنہ سامانیوں کے باوجود سرزمین ہند سے اذانِ بلالی کو رخصت نہیں کیا جاسکتا۔پیام اعظمی کا یہ مصرعہ اسی جرأت کا غماز ہے کہ ''وہ مسلماں ہیں کہ مندر میں اذاں دیتے ہیں'' کاش ملت اسلامیہ ہند سے مردم بے زاروں کا خاتمہ ہوتا اور یہ ملک جنت نشاں بنتا۔کاش ایسے باپ بیٹے مزید پیدا ہوتے اور ہندوستان کو انسانیت دوست بناتے۔عرش ملسیانی اردو ادب کے دوست تھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدا۔ڈاکٹر صاحب نے آپ کا اچھا تعارف کرایا ہے:

> ''عرش کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''آہنگ حجاز'' (مطبوعہ ۱۹۵۳ء) جملہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ کا پیش لفظ اور آخر میں قدسی کی نعتیہ غزل بھی شامل ہے۔
>
> عرش اپنی شاعری کی داد جوش ملیح آبادی، مولانا نیاز فتح پوری اور پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسے سخن فہموں سے حاصل کر چکے ہیں۔ان کے کلام کے دو مجموعے ''ہفت رنگ'' اور ''جنگ آہنگ'' ان کی کارآگہی پر شاہد ہیں۔ان کے علاوہ مزاحیہ مضامین کا ایک مجموعہ ''پوسٹ مارٹم'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔
>
> زیرنظر کتابچے میں عرش کے ان جذبات کا اظہار ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے شاعر کے خلوص کا نتیجہ ہیں۔اس میں ان کی جملہ دس نعتیہ غزلیں شامل ہیں۔یوں ضخامت کے لحاظ سے دس غزلیں کوئی خاص وزن نہیں رکھتیں لیکن اس کی معنوی حیثیت نہایت گرانقدر ہے اس لئے نہیں کہ یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے عقیدت مند کا ہے جس کی پیدائش مسلم گھرانے میں نہیں ہوئی بلکہ اس بناء پر کہ عرش کے بے پایاں خلوص کے علاوہ ان کے کلام کے شعری محاسن انہیں مستقل نعت گو شعراء کی صف میں جگہ دیتے ہیں''۔[۸۲]

عرش کے نعتیہ کلام سے مترشح ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں ان کے یہاں جذبات کا تلاطم اور احساسات کا تموج تھا۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بوئے ایماں نے ان کے ذہن ودماغ کو متاثر کیا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ معروضی انداز سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت

اور تعلیمات نبوی کا جو بھی مطالعہ کرے گا وہ اس حبیب اللہ کا عاشق نہ ہو یہ ناممکن ہے۔ نہ جانے کتنے ارباب کفر تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے لیکن ان کی جب سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑی تو ان کی کیفیت بالکل تبدیل ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایسی ماہیئت قلب کی قوت تھی جو انسان کے ذہن وفکر میں تغیر پیدا کردے۔ تغیر اور انقلاب کی باگ ڈور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک میں تھی۔ آج تک بصارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کرشمہ سازیاں اپنے اثرات دکھارہی ہیں۔ بصارتِ نبوی کی مداومت غیر منتہی ہے۔ یہی معروضیت عرش ملسیانی کے دل کو جذباتی بنادیتی ہے۔ جس کے نقوش قرطاس پر یوں ابھرے ہوئے ہیں:

معطر فضا مست ساری خدائی — صبا مشک افشاں مدینے سے آئی
غنیمت ہے قرب نبیؐ کی یہ صورت — وگرنہ کہاں ہم میں تاب جدائی
یہ اُمی پیمبر کا جوشِ فصاحت — بشر کی یہ شان حقیقت نمائی
وہی نور نور آفریں ہر جگہ ہے — عرب میں ہوئی جس کی جلوہ نمائی
امید شفاعت پہ جیتا رہا ہوں — مری عمر بھر کی یہی ہے کمائی
چل اے عرشؔ ہو تو مدینہ کا عازم — نہیں راس دنیا کی ہنگامہ آرائی ۸۳

پروفیسر رفیع الدین مرحوم کی ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ایک بڑا کام ہے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب نکتۂ آغاز ہے اس کے باوجود اسے تحقیق میں ایک مقام اولیں حاصل ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے اپنے لیے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جہاں کنکر پتھر کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ سنگ لاخوں، ریگ زاروں اور تیرہ وتاریک راستوں سے گزر کر نعتیہ شاعری کے یہ گل دستے ترتیب دیئے۔ دنیائے نعت میں ایک نادر تحفہ لے کر آئے۔ یہ تحقیق بتاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کتنی عرق ریزیوں اور پا بہ رکابیوں کے بعد یہ دستاویز اہل علم وادب کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ نگراں اور مقالہ نگار دونوں ادارہ سرسید کے فیض یافتہ تھے جس کی وجہ سے یہ ایک عظیم کام منظر عام پر آیا۔ نگراں جناب مرحوم غلام مصطفیٰ خاں ایک عظیم صاحب قلم اور ناقد تھے۔ ڈاکٹر صاحب علم وفضل کے پرستار، جس کی وجہ سے یہ تحقیقی مراحل طے پائے۔ ڈاکٹر صاحب نے مطبوعات کے ساتھ مخطوطات سے بھی استفادہ کیا۔ نہ جانے کتنے دواوین کی ورق گردانی کی۔ محققین اور ناقدین کی آراء کی روشنی میں استنتاج کیا۔ رسائل ومجلّات کی فائلوں کو کھنگالا۔ تب جا کر نعتیہ ادب کا یہ پیکر جمال مرتب ہوا۔ نعتیہ ادب میں بہت سے اسقام در آئے ہیں اس کی طرف بھی ڈاکٹر صاحب نے اشارے

کیے، عجمی ثقافت، تصوف اور ہندو تہذیب نے رسول عربی کی تصویر مستقیم کو داغدار کیا ہے۔ اس پہلو پر بھی ناقدانہ انداز اپنایا گیا نیز ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ اولیاء کرام کو اللہ کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سرقرار دیا گیا ہے جو توہین رسالت ہے۔ نعت گو شعراء نے معجزات کے حوالے سے غیر ثقہ روایات سے مدد لی ہے۔ جو شمائل النبی کے لیے سم قاتل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں مذکورہ اسوہ رسول کی نعتیہ شاعری کے لیے انتہائی مستند مواد ہے۔ یقیناً امام ترمذیؒ کے لیے یہ سوہانِ روح ہے۔ ان روایات کے وضع کرنے والوں نے حسنِ شمائل کو متاثر کیا ہے۔ یہ بات غیر مستحسن ہے کہ اردو نعتیہ شاعری میں ذکر معجزات کا سیل رواں ہے جس پر ڈاکٹر صاحب نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے بہت سے شعراء کے ایسے اشعار نقل کیے ہیں جس میں نہ صرف شرک بلکہ کفر بھی ہے۔ امجد صاحب کے یہاں اس طرح کے بے شمار اشعار ہیں شاعر کا یہ کہنا کہ عبد اور معبود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یا آسمان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کی صورت میں زمین پر اترنا یا یہ آرزو کرنا کہ اے اللہ کے رسولؐ! تم اپنی اصل حیثیت کا انکشاف کر دو، اپنے اوپر پڑے ہوئے پردے کو ہٹا کر یہ بتادو کہ حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ ہے یا یہ کہنا کہ خدا کی خدائی کے بہت سے تماشے دیکھے گئے۔ اسی طرح شاعر کا یہ خیال کہ ہم واعظانِ دین کی پرواہ کیے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کریں گے۔ یہ تمام تصوراتِ بے جا شریعت حقہ سے متصادم ہیں۔ اس کتاب میں اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب نے یہ کہتے ہوئے صرف نظر کیا کہ ہمیں صرف یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں غضب کی شعریت ہے۔ سخت ترین زمین میں شاعر نے اپنے کمالات دکھائے ہیں جو لائق ستائش ہیں۔

تحقیقی اعتبار سے یہ گراں قدر کام ہے، اردو زبان میں نعتیہ شاعری کا ایک معنوی دفتر ہے۔ اس کی وقعت میں مزید اضافہ ہوتا اگر ابتداء میں آئے ہوئے عربی اور فارسی اشعار کے تراجم کر دیئے جاتے چوں کہ بالعموم قارئین ان زبانوں سے ناواقف ہیں۔ یہاں یہ بھی ضرورت تھی کہ مولانا یہ اشارہ کرتے کہ مصادر سیرت قدیمہ میں نعتیہ اشعار کی بھرمار ہے۔ یہ بھی صراحت موجود نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اثناء رحم مادر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت سے اشعار منظوم کیے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی قدیم عربی شاعری تک رسائی نہیں ہے۔ ذکی مبارک کی ''المدائح النبویۃ'' پر آپ کا خیال انتہائی سطحی ہے۔ زکی مبارک نے مدلل انداز میں عربی نعتیہ شاعری کے آغاز پر گفتگو کی ہے۔ عربی نعت گو شعراء کے اشعار کی روشنی میں ان کے مقام کے تعین کی کوشش کی ہے۔ اس میں متعینہ ادوار کے بہت سے شعراء تک ڈاکٹر صاحب کی رسائی نہیں ہوئی ہے۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری جنھوں

نے عربی، فارسی اور اردو تینوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے لیکن یہاں آپ کا ذکر نہیں ہے۔مولانا سہارنپوری سرسید، فراہی اور علامہ اقبال کے شاگرد تھے۔اس میں اقبال سہیل کی نعتیہ شاعری کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا ہے جو ایک ایسے نعت گو شاعر ہیں جن کی مثال اردو نعتیہ شاعری میں مفقود ہے۔ڈاکٹر شباب الدین اعظمی نے نیشنل سمینار روداد ''دانش سہیل'' ۸۴؎ کے عنوان سے ترتیب دی ہے۔اس کے صفحات آپ کی عظمت پر گواہ ہیں۔راقم نے آپ کی نعتیہ شاعری پر ''دبستان نعت'' میں ایک مقالہ تحریر کیا ہے۔اردو میں نعتیہ شاعری میں بہت سے قابل ذکر ہندو شعراء کا ذکر نہیں ہے جب کہ ایسے سینکڑوں ہندو نعت گو شعراء ہیں جنھوں نے نعتیہ میدان اپنے جواہر دکھائے ہیں۔مرحوم نور احمد میرٹھی نے اپنی گراں قدر ضخیم کتاب ''غیر مسلم نعت گو شعراء'' میں ایسے بہت سے شعرا کا ذکر کیا ہے۔ یہاں یہ صراحت باعث افادیت ہوگی کہ حامد امروہی کے نعتیہ مجموعہ ''مدحت کے پھول'' پر نثار احمد فاروقی نے مقدمہ تحریر کرتے ہوئے ۸۵؎ بہت سے اردو نعت گو شعراء کا ذکر کیا ہے۔ان میں سے چند ایسے ہیں جو اس کتاب میں شامل نہیں ہے۔ پروفیسر رفیع الدین نے نعت گو شعراء کے تعارف میں ایجازاً بہت سی معلومات فراہم کردی ہیں، لیکن شعراء کے تعلق سے تنقیدی رویہ نہیں اپنایا ہے۔اس کتاب کی زبان مہذب وشگفتہ ہے۔ادبی انداز میں محقق نے اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔''اردو میں نعتیہ شاعری'' اپنی افادیت، علمی وتحقیقی اور مواد کے اعتبار سے ایک میزان ہے جس کے بغیر اردو نعتیہ شاعری کا تجزیہ ناممکن ہے۔اپنے موضوع پر یہ کتاب انفرادیت کی حامل ہے۔اگر اس میں مذکورہ اماکن واشخاص کی اشاریہ سازی کی جاتی تو اس کتاب کے وقار میں مزید اضافہ ہوتا۔عہد حاضر میں یہ چیز انتہائی ضروری ہے۔اس وقیع وجلیل کام کی اشاعت پر ادارہ دبستانِ نعت لائق تہنیت ہے یہ اہم ترین تحقیق پہلے کراچی سے شائع ہوئی اب عرصہ دراز کے بعد ہندوستان سے شائع ہوئی ہے۔اس ساعتِ سعید پر برادر مکرم فیروز احمد سیفی کی جلالت میں ہدیۂ تبریک نہ پیش کی جائے تو یہ بڑی ناسپاسی ہوگی۔احقر غائبانہ طور سے آپ کا قدرداں ہے۔آپ کی گلفشانیوں اور پاکیزہ تکلم ریزیوں سے مستفیض ہوتا رہا ہوں، خدا کرے یہ فیوض لامتناہی ہوں:

ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا گفتگو کسی سے ہو دھیان تیرا رہتا ہے

(جمال احسانی)

اپنے عزیز دوست مدیر دبستانِ نعت ڈاکٹر سراج احمد قادری کا شکرگزار ہوں کہ اس معیاری کام کو منظر عام پر لاکر ناقابل فراموش کردار ادا کیا، ہیچ مداں آپ کا سراپا سپاس ہے کہ اس نامۂ تحقیق سے

اس بے بضاعت کو بھی سرفراز کیا۔ بس یوں جانیے اس بصیرت افروز تحفے سے اس احقر کو صاحبِ بصیرت بننا نصیب ہوا، ورنہ کب اسے بصیرت و بصارت کا فرق معلوم تھا۔ اسے پانے کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے شب دیجور میں چراغ ہاتھ آ گیا ہو۔ ''سراج منیر'' کا ذکر تو سراج عظیم ہے ہی۔ اللہ سے دعا ہے کہ اپنے دونوں بھائیوں صاحب اعزاز سیفی صاحب اور صاحب اکرام قادری صاحب سے تا حیاتِ واپسیں محظوظ ہوتا رہوں اور رحابِ دبستانِ نعت کی جاروب کشی کرتا رہوں۔

حوالے و حواشی

۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: علامہ عبدالعزیز میمن: سوانح اور علمی خدمات، راشد شیخ، ادارہ احیاء علم و دعوت، لکھنؤ، پہلا ایڈیشن، جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ/مئی ۲۰۰۹ء، ص: ۲۷۰-۲۷۱

۲۔ نذر مختار، مرتب: مالک رام، مجلس نذر مختار، نئی دہلی، پہلی بار، ستمبر ۱۹۸۸ء، صفحات: ۵۰۴

۳۔ مختار نامہ، مرتبین: مہر الٰہی ندیم، عطا خورشید، علی گڑھ ہیریٹیج پبلی کیشنز، علی گڑھ، ۲۰۰۲ء، صفحات: ۱۹۱

۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: نایاب ہیں ہم، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، طبع اول، ۲۰۱۰ء، شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ص: ۲۹۲-۳۰۲

۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مجلۃ المجمع العلمی الہندی، اے ایم یو، علی گڑھ، ۱۰/ ۱، ۲، شوال: ۱۳۰۵ھ/ یونیو ۱۹۸۵ء، الصفحات: ۵۵۲

۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: دانشور پروفیسر شروانی (ریاض الرحمٰن شروانی)، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، پبلی کیشنز ڈویژن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۲۲ء، صفحات: ۳۶۳

۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مقالات ریاض شروانی، ریاض الرحمٰن شروانی، (مرتبہ: ڈاکٹر ابوذر متین)، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، پہلا ایڈیشن، ۲۰۱۶ء، صفحات: ۵۹۷

۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: انسان کیسے کیسے، ریاض الرحمٰن شروانی (مرتب: ڈاکٹر فخر عالم ندوی)، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، پہلا ایڈیشن، ۲۰۱۶ء، صفحات: ۲۷۵

۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: میرا علی گڑھ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ادارہ علمی حیدر آباد، دسمبر ۱۹۹۳ء، اے اے آر پریس حیدر آباد، صفحات: ۴۸

۱۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: استاذ محترم پروفیسر محمد راشد ندوی، (نیر تاباں، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، ارورا پرنٹرس، شاہدرہ، دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۲۵۵-۲۷۲

۱۱۔ محسن عزیز ڈاکٹر حامد علی خاں، نایاب ہیں ہم، ص: ۳۱۵-۳۲۶، اسی مضمون کیلئے مزید دیکھیے: میرے

محسن عزیز ڈاکٹر حامد علی خاں، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، کانفرنس گزٹ، جنوری ۲۰۰۷ء، ۶/۱، ص:۱۶-۲۱

۱۲۔ ہندوستان میں عربی نعت گوئی: تحلیل وتجزیہ، ابوسفیان اصلاحی، نعت رنگ کراچی، ش:۱۳، ص:۱۶۹-۲۰۵

۱۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ہندوستان کے عربی شعراء پر ایک نظر، ابومحفوظ الکریم معصومی، اعظم گڑھ، ۶۵/۳، مارچ ۱۹۵۰ء، ص:۱۸۰-۲۰۴

۱۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: حکیم سیف الدین احمد (پدم شری)، ترتیب وتعلیق: فاروق ارگلی)، اکتوبر ۲۰۱۴ء، شیعہ پبلی کیشنز، دہلی، صفحات: ۲۶۷

۱۵۔ موج کوثر کا قرآنی تجزیہ، ابوسفیان اصلاحی، دبستانِ نعت، ش: ۴، جنوری-دسمبر ۲۰۱۹ء، ص:۱۱۹-۱۵۵

۱۶۔ مضامینِ رشید، رشید احمد صدیقی، انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۲۰۱۷ء، ص:۳۳-۴۵

۱۷۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی عربی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (نعت رنگ، کراچی، پاکستان، ش:۱۶، فروری ۲۰۰۴ء، ص:۱۹۴-۲۱۹

۱۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: اردو میں معراج نامے، تاریخ وتجزیہ، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، انشاء پبلی کیشنز، کلکتہ، ۲۰۲۱ء، صفحات: ۲۸۸

۱۹۔ نور احمد میرٹھی، ابوسفیان اصلاحی، کانفرنس گزٹ، علی گڑھ

۲۰۔

۲۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: خطباتِ احمدیہ، سرسید احمد خاں، نفیس اکیڈمی، کراچی، پہلا ایڈیشن، مارچ ۱۹۶۱ء، ص:۳۹۸-۵۲۰

۲۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تبیین الکلام، سرسید احمد خاں، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۴ء، تین حصے

۲۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: المدائح النبویۃ فی الادب والعربی، زکی مبارک، مطبعۃ المعانی الحلبی واولادہ، مصر، ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۴ء، صفحات: ۲۰۸

۲۴۔ اردو میں نعتیہ شاعری، پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق ناگپوری، ایم کے آفسٹ پرنٹرس، دہلی، ۲۰۲۲ء، ص:۸۴

۲۵۔ دیوان صحو، ص:۳۳، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص:۸۸

۲۶۔ ایضاً، ص:۳۶، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص:۸۸

۲۷۔ کلیاتِ شائق، ص:۳۶، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص:۹۱

۲۸۔ نغمۂ روحی، ص:۳۵، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص:۹۲

۲۹۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا، باب جامع صلوٰۃ اللیل ومن نام عنہ اومرض، حدیث نمبر ۷۴۶

۳۰۔ اردو میں نعتیہ شاعری،ص:۹۴

۳۱۔ ایضاً،ص:۹۵

۳۲۔ کلیاتِ شائق،ص:۳۳،بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری،ص:۹۵

۳۳۔ اردو میں نعتیہ شاعری،ص:۱۲۸

۳۴۔ ہشت بہشت،ص:۲۲

۳۵۔ ایضاً،ص:۲۴

۳۶۔ ایضاً،ص:۱۷۱

۳۷۔ شعرالہند،عبدالسلام ندوی،مطبع معارف،طبع چہارم،۱۹۵۴ء،۱۹۳/۲

۳۸۔ دیوان لطف،ص:۴۳-۴۴،بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری،ص:۲۱۱-۲۱۲

۳۹۔ ایضاً،:۴۱-۴۲

۴۰۔ اردو میں نعتیہ شاعری،ص:۲۹۰

۴۱۔ مسدس حالی،الطاف حسین حالی،خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری،پٹنہ،۱۹۹۵ء،ص:۱۳۱-۱۳۵

۴۲۔ مولانا شبلی بحیثیت سیرت نگار،ظفر احمد صدیقی، بار اول، ۲۰۰۱ء، بھارت آفسیٹ ، لال کنواں، دہلی، صفحات:۳۰۴

۴۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مصادر سیرت،ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی،انسٹی ٹیوٹ آبجیکٹیو اسٹڈیز،نئ دہلی،۲۰۱۶ء،ص:۵۲۵-۵۸۰

۴۴۔ اسی سلسلے کا ایک مضمون دیکھیے: علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت خطوط شبلی کی روشنی میں (مقالات ریاض شروانی،ص:۱۴۲-۱۵۲

۴۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: خطوط شبلی بنام خواتین فیضی، محمد امین زبیری (مرتب ومدون: ڈاکٹر شمس بدایونی،۲۰۲۰ء،صفحات:۲۶۴

۴۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مطالعہ شبلی، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی،ادارہ قرطاس ، کراچی، پاکستان، ۲۰۱۷ء،صفحات:۲۶۴

۴۷۔ اردو میں نعتیہ شاعری،ص:۲۹۴-۲۹۵

۴۸۔ کلیاتِ شبلی،ص:۳۷

۴۹۔ حدائق بخشش،۴۰/۳-۴۱

۵۰۔ اردو میں نعتیہ شاعری،ص:۳۰۰

۵۱۔ حدائق بخشش،۴۰/۳-۴۱

۵۲ تہذیب الاخلاق، (اقبال نمبر) (مدیر: ابوسفیان اصلاحی)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یو پی، نومبر ۲۰۱۹ء، ۳۸/۱۱، صفحات: ۳۱۱

۵۳ وضاحت کے لیے دیکھیے: علامہ اقبال اور میر حجاز، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، بزم اقبال، طبع اول، جنوری ۱۹۹۴ء/ جون ۲۰۱۵ء، صفحات: ۷۶

۵۴ بانگِ درا، ص: ۱۵۷

۵۵ صدقِ جدید، لکھنؤ، یوم جمعہ، ۱۰ر جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ، فروری ۱۹۵۵ء، ص: ۱-۲

۵۶ نقوش شخصیات نمبر: ظفر علی خاں- شورش کاشمیری، (مرتب: محمد طفیل)، جنوری ۱۹۵۵ء، ادارہ فروغ اردو، مال روڈ، لاہور، سیل ڈپو، ۱۱۱ ایبک روڈ، انارکلی، ص: ۵۹۵-۶۰۳

۵۷ بہارستان، ص: ۴۳

۵۸ ریاض امجد، ص: ۲۱، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۳۷۶

۵۹ ایضاً، ص: ۲/ ۱۹، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۲۷۶

۶۰ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۳۷۷

۶۱ ریاض امجد، ص: ۱۴-۱۵، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۳۷۸

۶۲ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۳۷۸

۶۳ زمزمۂ محبت، ص: ۱۲، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۳۹۹

۶۴ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۴۰۴

۶۵ مداح سخن، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۳۴۶ھ، ص: ۲۳-۲۵، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۴۰۸

۶۶ باغ کلام اکبر، دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۹۲۱ء، ص: ۵، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۴۱۲

۶۷ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۴۱۸-۴۱۹

۶۸ اذان بت کدہ، ص: ۱۷، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۴۲۱

۶۹ وضاحت کے لیے دیکھیے: ز خ ش: حیات وشاعری کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ڈاکٹر فاطمہ حسن، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت اول، ۲۰۱۷ء، صفحات: ۳۹۸

۷۰ ایضاً، ص: ۸

۷۱ فردوس تخیل، ص: ۲۱۱

۷۲ اردو میں نعتیہ شاعری، ص: ۴۴۸

۷۳ شاہنامہ الام، ۲/ ۱۱۲

۷۴ ایضاً، ۱/ ۱۴۰

۷۵ ذکرجمیل، ماہرالقادری، اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد دکن، طبع اول، ص:۱۱

۷۶ ایضاً، ص:۱۸

۷۷ ایضاً، ص:۱۹

۷۸ ایضاً، ص:۳۶-۳۷

۷۹ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایک جاگیر خاندان کی باشعور اور روشن خیال لڑکیاں (انسان کیسے کیسے، ص: ۲۵۳-۲۷۰

۸۰ اردو میں نعتیہ شاعری، ص:۴۹۰

۸۱ انیسیات، ص:۸۴-۸۵

۸۲ اردو میں نعتیہ شاعری، ص:۴۹۵

۸۳ آہنگ حجاز، ص:۱۹-۲۰

۸۴ وضاحت کے لیے دیکھیے: دانش سہیل، مرتب: ڈاکٹر شباب الدین اعظمی، مئی ۲۰۱۸ء، ضیاء الدین خاں میموریل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، بڈھریا اعظم گڑھ، صفحات:۵۵۲، نیز اسی روداد میں راقم کا مقالہ ''سیرت شبلی کا تنقیدی جائزہ، ص:۷۳-۹۸

۸۵ وضاحت کے لیے دیکھیے: پیش گفتار، پروفیسر نثار احمد فاروقی (مدحت کے پھول، مداح: حامد امروہی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، اشاعت، ۲۰۰۱ء/۱۴۲۱ھ، ص:۴-۷)

☆ شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
موبائل : 8126236959

☆☆☆

ڈاکٹر محمد انظر ندوی (حیدر آباد)

ڈاکٹر راہیؔ فدائی کی نعتیہ تخلیق

'ناعِت ومنعوت' کا ایک مطالعہ

نعت اس مخصوص کلام سے عبارت ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات اوران کے تمام متعلقات کی مدح وستائش کی جاتی ہے، دنیا کی تمام معروف زبانوں میں نعتیہ شاہکار موجود ہیں، نعت جہاں اردو شاعری کی سب سے قدیم صنف سخن اور نورانی لفظ ہے وہیں یہ آفاقی اور اعلیٰ شاعری کے عناصر کا بہترین نمونہ بھی ہے۔ نعت! دراصل نظم، غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، مثلث، مخمس، مسدس جیسی قدیم ہیئتوں کے علاوہ دوہا، ہائیکو (جاپانی) اور سانیٹ (فرانسیسی/ اطالوی) نثری نظم جیسی جدید اصناف سخن میں بھی لکھی جاسکتی ہے، نعت گوئی سنت خداوندی ہے جس میں ملائکہ اور مخلوق بھی شریک ہوتی ہے۔ **(إن اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النّبی، یا أیھا الّذین آمنوا صلّوا علیه وسلّموا تسلیما)**۔(۱)

مذکورہ بالا تعریف کی رو سے سب سے پہلا نعتیہ کلام درود شریف ہے اور اوّلین ناعت (نعت گو) خالق کائنات، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اقدس ہے، نعت کا دامن وسیع تر ہے، دنیا کی کوئی بھی صنف سخن اس قدر مالا مال نہیں ہے جس قدر صنف نعت ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور صفات دونوں معجزاتی ہیں۔ موضوعات کے اعتبار سے بھی نعت شریف میں پاکیزہ مضامین کا تنوع اور اس کی ہمہ رنگ وہمہ جہت خیالات کا ترفع دیگر اصناف سخن میں اسے ممتاز ومنفرد مقام کا حامل بنا دیتا ہے۔(۲)

حضرت ڈاکٹر راہیؔ فدائی (یعنی حضرت مولانا ظہیر احمد باقوی) شعر وادب کی دنیا کے ایک معروف اور چنندہ شخصیت کے حامل ہیں، آپ کی گرانقدر خدمات ہمہ جہت اور تہہ دار ہیں، آپ شہر کڈپہ (آندھرا پردیش) کے متوطن ہیں اور فی الحال ۲۰۰۵ء سے بنگلور میں مقیم ہیں۔ آپ اُمّ

المدارس جامعہ باقیات صالحات، ویلوّر (قائم شدہ ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء) کے فارغ التحصیل ہیں، آپ نے میسور یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) کیا، ایس وی یونیورسٹی (تروپتی) سے ''ویلور کے مدارس کی ادبی خدمات'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔آپ نے مدرسہ باقیات صالحات ویلورسمیت کئی دیگر دینی مدارس میں سال ہا سال تک درس وتدریس کے فرائض انجام دئے ہیں، کئی اداروں کی سرپرستی فرمائی ہے۔ نیز آپ نے اسلامیات، تحقیق وتدقیق، نقد وتجزیہ اور شعر وادب پر کئی درجن کتابیں تحریر فرمائیں ہیں، چنانچہ ہندوستان کی ادبی اور فکری گوشوں اور مختلف ریاستوں کی اردو اکیڈمیوں کی جانب سے آپ انعامات اوراعزازات سے نوازے گئے۔

ڈاکٹر راہیؔ فدائی نے ادب وانشا، تاریخ گوئی، نعت گوئی اورغزل گوئی میں غیر معمولی روانی، تازگی اور چستی دکھلائی ہے، ان کی غزل گویا ان کی شخصیت کا ہی عکس ہے، تجسس ان کی غزل کا ایک لازمی عنصر ہے، انہوں نے اپنی غزلوں کے بعض اشعار کو جدید تر اشعار کے خانے میں رکھا ہے۔ پروفیسر محمد علی اثرؔ رقم طراز ہیں:

> ''انہوں نے اردو شاعری کی کلاسیکی روایات سے اپنا تخلیقی رشتہ استوار رکھتے ہوئے فکر کی ندرت، لہجہ کی تازگی اور نئے طرز احساس کے ذریعہ عصر حاضر کے شعراء میں اپنی ایک منفرد شناخت بنائی ہے''۔(۳) ان کی کلیات غزل "فَبِهَا" کے نام سے بہت پہلے منصۂ شہود پر آئی اوراب ان کی کلیات نعت بعنوان ''ناعت ومنعوت'' منظرعام پر آئی ہے۔''

جناب علیم صبا نویدی (مدراس) کے بقول:

''راہیؔ نعتیہ شاعری کی فنی نزاکتوں سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ روایات کی قیدو بند میں رہ کر جدید رنگ میں نعت کہنے کے ہنر سے بھی آگاہ ہیں، اسی لئے ان کا فکر وجذبہ حبّ رسول کی خوشبوؤں سے معموراور دل ونگاہ جلوۂ نور محمدی سے آراستہ ہے:

دست قدرت ہی بتائے گا ہمیں کون ہے وہ — پیکر نور سے لپٹا ہے، ردا سے پہلے
سیاہ کملی کا احساس دل میں رہنے دے — یہی سفینۂ عقبیٰ کا بادباں ہوگا'' (۴)

ڈاکٹر راہیؔ فدائی کو ''ناعت''، یعنی اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے منظوم نعتیہ تخلیقات میں ''منعوت''، یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کے مختلف نورانی جہات اورمتفرق ماورائی حالات کے ذکر کی توفیق بخشی گئی۔ چنانچہ انہوں نے اس یقین کامل اوراعتقاد جازم کے ساتھ

انہیں پیش کیا کہ وہ صفات تمام کے تمام اعجاز سے متصف ہیں۔انہوں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی صفت کا بیان اس طور پر نہ کیا کہ جس سے نعت کے مقام بلند کے مجروح ہونے کا خدشہ لاحق ہوجائے۔چنانچہ حضرت راہی فدائی کی رائے ہے کہ خاتم الأنبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں جس قدر بھی مبالغہ آرائی کریں وہ مبالغہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ حقیقت مطلقہ کا حصہ ہی ہوگا۔وہ تحریر فرماتے ہیں:

''نیز یہ نکتہ بھی ذہن نشیں رہے کہ ہمارے اکثر نقاد نعتوں میں غلو سے بچنے کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔راقم الحروف کی رائے میں غلو کے مفہوم و معنی کے متعین کئے بغیر یہ بات قابل قبول نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو سوائے خدائے تعالی کے کوئی کما حقہ جان نہیں سکتا تو پھر یہ کیسے کہا جائے کہ اس حد تک رتبۂ رسول ہے اور اس حد کے بعد مرتبۂ خدا شروع ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں جس قدر بھی مبالغہ آرائی کریں وہ مبالغہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ حقیقت مطلقہ کا حصہ ہی ہوگا:

بڑے ہی عجز سے نعتوں میں راہیؔ وہی عاشق غلو بیٹھا ہوا ہے

لہٰذا ہمیں صرف اتنی احتیاط ضرور کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی کی ذات و صفات میں غیر اللہ کو شریک نہ کریں۔پھر اس کے بعد ہمیں یہ کہنے کا پورا حق حاصل ہوگا کہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''۔(۵)

جس میں تاثیر ہو، جس میں تنویر ہو بخشیے وہ قلم، خاتم المرسلین

یہ سچ، میں نے پکارا آپ ہی کو ہر مصیبت میں خدا جانے برا ہوں، یا بھلا ہوں یا رسول اللہ

عطا فرمایئے نشو و نما کی برکتیں ساری شجر تو ہوں بظاہر، کھوکھلا ہوں یا رسول اللہ

میرے انفاس میں بھر دیجیے مہر و مہ و انجم زمانے سے خلا اندر خلا ہوں یا رسول اللہ

نعت کے لئے کسی صنف سخن کی تخصیص ضروری نہیں، یہ کسی بھی ہیئت یا فارم میں لکھی جاسکتی ہے، اردو شاعری میں غزل کو اس صنف کے لئے سب سے زیادہ محبوبیت حاصل ہوئی ہے۔غزل ایک حرف شیریں اور استعارۂ رقصاں ہے، یہ در خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر سجدۂ تعظیم بجالاتی ہے اور اپنے مزاج اور ناز و انداز کو قربان کر دیتی ہے، چنانچہ غزل کی رمزیت و ایمائیت (اشارہ و کنایہ) کے علاوہ اس کی دوسری خصوصیات بھی نعت میں در آئی ہیں، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کے سلسلہ میں نعت پر غزل کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔نعت گوئی میں عقیدت اور عشق رسول بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، جن میں جذبۂ اطاعت، طلب شفاعت، حصول ثواب، استمداد اور استغاثہ سبھی کچھ شامل ہیں۔(۶)

ڈاکٹر راہیؔ فدائی کی نعتوں میں نبی رحمت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''تو، تم، تمہیں اور تیرے'' جیسے ضمائر کا بعض وقت استعمال ہوا ہے۔ حالاں کہ ان سے قبل بھی متعدد نعت گو شعراء نے اس طرح کے ضمائر استعمال کئے ہیں، ان ضمائر پر نظر رکتی ہے، ان کا استعمال ذوق سلیم پر کسی قدر گراں گذرتا ہے، تاہم راہیؔ فدائی صاحب اس امر کے قائل ہیں کہ کوئی نعت گو شاعر شعری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''فرطِ عشق ومحبت'' میں ''تمہارا اور تیرا'' سے نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم کو خطاب کرتا ہے تو اس طرز تخاطب کو بے ادبی پر محمول نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ ''ایک سچے عاشق کے لئے مروجہ آداب کا لحاظ رکھنا بے حد مشکل ہوتا ہے، اسی لئے کہا گیا:

''ادب گاہ است زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کرہ آید جنی و بایزد ایں جا''

وہ بے ساختہ جو بھی کہہ دیتا ہے اس میں نعوذ باللہ گستاخی کا شائبہ تک نہیں رہتا، جس کی مثالیں عربی وفارسی نعتیہ قصائد سے موجود ہیں''۔(۷) حالانکہ پروفیسر محمد علی اثرؔ (حیدرآباد) نے راہیؔ فدائی صاحب کی کلیات نعت ''ناعت ومنعوت'' میں شامل اپنے پیشِ گفتار میں حضرت راہیؔ فدائی صاحب کی ان ضمائر کے استعمال پر بڑی سخت گرفت کی ہے، وہ کہتے ہیں:

''نعت گوئی میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے وقت کوئی ایسا پیرایہ خطاب یا لفظ استعمال نہیں کیا جانا چاہیئے جس میں منصب رسالت کا مکمل احترام ملحوظ نہ ہو''۔(۸) مولانا سید شاہ اعظم علی صوفی (حیدرآباد) نے بھی ''ناعِت ومنعوت'' کی رسم اجراء تقریب میں اس طرز تخاطب پر شدید اعتراض جتلایا، انہوں نے اس سلسلہ میں قرآن مجید کی آیت "یٰأیھا الذین آمنوا لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النّبی ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض أن تحبط أعمالکم، وأنتم لا تشعرون" (۹) سے استدلال پیش کیا اور کہا کہ تم اپنے آپس کے لب ولہجہ میں نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم کو مخاطب نہ کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو زبان میں ''تم یا تیرا'' جیسے ضمائر بالکل باہمی گفت وشنید اور آپس کی بے تکلف بول چال کے لئے استعمال ہونے والے ضمائر ہیں، اس لئے اس طرز تخاطب سے نعتیہ شاعری میں گریز کرنا چاہئے، مبادا لاشعوری کے عالم میں اعمال اکارت نہ ہوجائیں، نیز غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ عاشق رسول گرچہ فرطِ عشق ومحبت میں ''تمہارا یا تیرا'' سے خطاب کرتا ہے اور شاید یہ انداز تکلم ان کے لئے بعض حالات میں جواز کی گنجائش پیدا کردے، لیکن چوں کہ ان کی نعتیہ تخلیقات عام قاری کے لئے بھی کیف وسرور کی باعث ہیں، اس لئے نعت گو شاعر کے لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیقات میں منصب رسالت

کی شان میں بے ادبی کا کوئی گوشہ باقی نہ رکھے:

شریعت ختم ہے تم پر، طریقت ختم ہے تم پر مقامِ قرب رب کی ہر بات ختم ہے تم پر
عشق نبی ! حیات ہے زنداں ترے بغیر کب ہو سکا ہے گھر پہ چراغاں ترے بغیر

راہیؔ فدائی کے یہاں جو مظاہر عشق ہیں وہ نہایت پاکیزہ اور انتہائی شستہ ہیں، وہ اس لئے کہ ان کا عشق، عشق نبوی کا عکس جمیل ہے، ان کی شاعری محض رسمی یا رواداری کی شاعری نہیں، بلکہ گہری عقیدت اور سچے جذبات کی شاعری ہے، ان کی نعتیں سلیس وسادہ اور شستہ وشگفتہ ہیں۔ بقول پروفیسر محمد علی اثر ''نعت گوئی کے دو اہم ستون ''جوش عقیدت'' اور ''شعری معیار'' دونوں ڈاکٹر راہی فدائی کے نعتیہ کلام میں پوری طرح جلوہ گر ہیں، اس طرح ان کا کلام پختہ اور عقیدت پختہ تر ہے''۔ یہ سچ ہے کہ حضرت راہیؔ فدائی نے عشق کے وسیلے سے نعت گوئی کو بلندیاں عطا کیں اور انہوں نے اسی کو اپنی زندگی کا حاصل بنایا اور اپنے افکار وکردار کے لئے اسے گنجینہ قرار دیا:

زبان پر جس کی شہِ دیں کا نام ہو جاری قسم خدا کی یقیناً وہ خوش وہاں ہوگا
بیان سیرت شاہِ ہدیٰ جہاں ہوگا پڑھے گا نعت فلک جشن عرشیاں ہوگا
قرار قلب مکیں و مکاں وہی تو ہیں سکون روح زمین و زماں وہی تو ہیں

راہیؔ فدائی بقول پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی ''ٹیڑھی زمین اور اجنبی لہجے کے شاعر'' ہیں، کیوں کہ ان کی شاعری بالخصوص غزلوں میں عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ اور تراکیب ملتی ہیں جن پر انہیں قدرت حاصل ہے، اس لئے ان کے کلام کو ادق کہا گیا ہے۔ حالاں کہ ان کی نعتوں میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی وابستگی اور ایک طرح کا والہانہ پن اور وارفتگی ہے، آپ کے یہاں فکرو احساس کی تازگی اور تفکر آمیزی کے ساتھ ساتھ تخلیق انگیز احساساتی کیفیات بھی نمایاں ہیں۔ لہجے کی انفرادیت کے باوجود آپ کی نعتوں میں غیر معمولی روانی، نغمگی اور سلیقگی ہے، آپ کی نعتوں کا ہر شعر مبنی برحقائق ہیں، عقیدت کی حدوں میں بھی آپ حقائق کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں:

کچھ نعت مقدس کا سلیقہ ہی عطا ہو دہلیز پہ ہے فکر رسا احمد مختار
یہاں سر کے بل چل کے آتے ہیں راہیؔ مقامِ ادب، رہگذارِ مدینہ

راہیؔ فدائی نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو قصائد لکھے ہیں ان میں انہوں نے قرآنی اصطلاحات کا خوب استعمال کیا ہے۔ زیرِ نظر شعر میں سراجاً منیراً کو کتنے بہتر انداز سے شعری قالب میں پرویا ہے:

حریمِ نورِ سراجِ منیر ہو جاؤ　　نبی کا نام لو، روشن ضمیر ہو جاؤ

اسی طرح انہوں نے بشیراًونذیراً کو شعری ساخت میں بہت ہی عمدہ طریقہ سے پیوست کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

رہوگے نعمتِ نسبت سے سرفراز ضرور　　غلامِ آلِ بشیر و نذیر ہو جاؤ

ربّ السموات کے زیرِعنوان قصیدہ میں انہوں نے ایک ہی شعر کے پہلے مصرعہ میں (لم یلداور لم یولد) کا استعمال کر کے حصر پیدا کر دیا ہے اور دوسرے مصرعہ میں فلاں ابن فلاں کا استعمال بڑی چابکدستی سے کیا ہے:

تو لم یولد، تو ہی لم یلد، میں　　فلاں ابن فلاں، ربّ السموات

انہوں نے ''قاب قوسین'' اور ''دنیٰ'' کا استعمال ایک شعر میں کتنی خوبصورتی سے کیا ہے:

''قاب قوسین'' کی کیفیت کیا کہیں　　قربتیں دوڑتی ہیں ''دنیٰ'' کی طرف

علیم صبا نویدی نے لکھا ہے کہ ''ڈاکٹر راہیؔ فدائی کے طور طریقے بالکل شستہ اور پاکیزہ ہیں، یہی پاکیزگی اور شستگی ان کی نعتوں میں پوری طرح اجاگر ہے''۔ مصنف کتاب ناعت ومنعوت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قلبی وابستگی کا اظہار ایک شعر میں اس طرح کیا ہے:

ہم سے پوچھے کوئی بندوق کی زد پر آقا　　بے خطر کہہ دیں گے ہم، رب کی قسم آپ کے ہیں

راہیؔ فدائی نے ''ناعت ومنعوت'' میں شمائل نبی کو تمثیلات قرآن کے سہارے پیش کیا ہے، تاکہ شاعرانہ تخیلات اور قیاس آرائیوں کی گنجائش باقی نہ رہے:

چہرہ'' والشّمس'' کی تفسیر ہے گیسو'' واللیل''　　سر بہ سر صورتِ قرآن ہیں رسول عربی

(ص۱۶۰)

اے حاملِ اسرار '' دنیٰ '' احمد مختار　　وصف آپ کا '' لو لاک'' احمد مختار

'' والشّمس'' ہے اک تذکرۂ روئے منور　　'' و اللیل'' خم زلف دوتا احمد مختار

(ص۱۵۵)

'' واللیل'' زلف ہے رخ زیبا ہے 'والضحیٰ'　　قرآن گواہ، حاصل قرآن ہیں مصطفیٰ

(۱۴۶)

تری '' واللیل'' زلفوں میں سجی ہے　　درودی کہکشاں، رب السموات

(ص۵۹)

زلف ,, واللیل،، پہ وارفتہ ہوئی شام حسین روئے 'والشّمس' کے صدقے میں سحر ہوتی ہے
(ص۱۸۶)

تو وجہ ''کُن فکاں،، ہے تو ہی جانِ کائنات معدوم تھا یہ عالم امکاں ترے بغیر
(ص۱۴۷)

حضرت راہیؔ کے نعتیہ کلام اور غزلوں میں عربی اور فارسی زبان کی جمالیات بڑی شستہ اور دل نشیں انداز میں سانسیں لیتی ہوئی نظر آتی ہیں، تاہم ان کے بہت سے اشعار بظاہر بعید از فہم معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب 'ناعت ومنعوت' میں قرآن مجید کی جو آیتیں یا عربی تراکیب استعمال کی ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایک فہرست یہاں پیش کردی جائے۔ واضح رہے کہ اس فہرست میں وہ مفرد عربی الفاظ شامل نہیں ہیں جن کا استعمال کتاب میں ہوا ہے۔ بہتر ہوتا اگر حضرتِ شاعر اختصار کے ساتھ ہی سہی اپنے کسی توضیحی نوٹ میں بعض عربی تراکیب کی رمزیت سے پردہ اٹھاتے۔

ربّی، قاضي الحاجات (ص ۴۹)، ماخلق (ص ۵۰)، کُن فکاں (ص ۵۲)، اَسفل السافلین، کلام مبین (ص ۵۳)، اِلاّ ھو (ص ۵۵)، لاشیٔ، ربّ السموات، لم یولد، لم یلد، فلاں ابن فلاں (ص ۵۸)، رطب اللسان (ص ۵۹، ۱۹۱)، حال وقال، واللیل (ص ۵۹)، الحمدللہ (ص ۶۱)، جلّ جلالہ (ص ۶۵)، یا اُولي الاَلباب (ص ۷۱)، دنیٰ فتدلّی، قیام لیل (ص ۷۳)، رمی، دنیٰ (ص ۷۷، ۹۷، ۹۸)، قابَ قوسین، دنیٰ (ص ۹۷)، لي مع اللہ (ص ۱۰۴)، خاتم المرسلین، شفیع المذنبین (ص ۱۱۶)، نور النبوي (ص ۱۲۶)، اَعطینا (ص ۱۳۴)، دعویٰ مع الدلیل (ص ۱۳۶)، وَما رَمیتَ (ص ۱۴۰، ۱۷۴)، فنا فی اللہ (ص ۱۵۱)، لولاکَ لَما (ص ۱۵۵)، والشّمس، والضحیٰ (ص ۱۶۰)، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ (ص ۱۷۵)، لاریب (ص ۱۸۵، ۲۰۰، ۲۲۳)، رحمۃ للعالمین (ص ۱۹۶)، لامکاں (ص ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۶)، اِقرأ (ص ۲۰۶)، عامُ الحزن (ص ۲۱۱)، ذی شرف (ص ۲۱۲)، ظلوم جھول (ص ۴۸)، لا ثاني، شرع متین، خیر البشر، سید الکونین (ص ۲۱۹)، خیر المؤمنین (ص ۲۲۱)، ذوالنورین (ص ۲۲۲)، جامع القرآن (ص ۲۲۳)، حق الیقین (ص ۲۲۸)، اَلم نشرح (ص ۱۱۰)۔

حضرت راہیؔ کے کلام میں فارسی تراکیب کا استعمال بہت زیادہ ہے، اس لئے ان کی مکمل فہرست یہاں پیش کرنا مشکل ہے۔ البتہ فہم وادراک کے لئے بعض تراکیب کا پیش کردینا موزوں ہے:

شبِ فراقِ محاسن، طلوعِ ترکِ فواحش، آرزوئے نگارش، شعورِ زحتِ سفر، منظرِ غرورِ خاک، چہرۂ

سحر، سیرِ صحرائے ما خلق، قدرتِ کن فکاں، لمسِ بادِ کرم، گوہر بے بہا، اوجِ افلاک، پا بہ زنجیر، حق خیر البشر، ہجومِ حرف ونوا، نقش ہائے خرد، وفورِ علم و ہنر، طلسم خانۂ حسن و جمال، بہارِ رنگِ تمنا، ذاتِ حسنِ ازل، گنجِ شائگاں، دیارِ رفتگاں، غمِ سود و زیاں، طفیلِ سرورِ کونین، سرِّ کُن، روئے حسن مآب، صبحِ آب وتاب، بسوئے شجر، نازشِ شمس وقمر، تصورِ رخِ زیبا، بصیرو رہبر اہلِ نظر، ننگ شعروسخن، خلعتِ شاہ جہانی، قبلِ تحریک قلم، بیانِ سیرتِ شاہِ ہدیٰ، جشنِ عرشیاں، خیالِ روئے منور، جہانِ مال ودولت، محیطِ قرنِ امکاں، رشکِ فردوسِ بریں، صاحبِ لولاک، ضیفِ لا مکاں، طوافِ گنبدِ خضرا، قرارِ قلبِ مکین و مکاں، سکونِ روحِ زمین وزماں، فخرِ جہاں ورشکِ جناں، ستارۂ فلکِ لا مکاں، برنگِ مظہرِ حق، سراجِ رحمتِ کونین، ذوقِ طرزِ حسّانی، التجائے سخنوری، بے کراں بحرِ نوازش، لمسِ جبینِ اقدس، ہمراہِ نعم ''لا'' ، دستِ شہِ دیں، زمہریرِ شاعری، بجز خوشنودئ مولیٰ، نغمہ ہائے نعت خوانی، شمعِ ذکرِ نبی، پابوسِ سنن، فکرِ رہِ طیبہ، بفیضِ رحمتِ عالم، نقشِ نعالِ سرورِ کونین، سبزہ زارِ کرم، گل عذارِ نعم، بفضلِ حقِ منور، ثنا خوانئ مصطفیٰ، بحرِ زخارِ معنی، رشکِ جام وسبو، قلم سجدہ ریز درِ شاہِ طیبہ، خاکِ نعلین مبارک، سرمۂ چشمِ فلک، سیلِ رنج والم، اعجازِ مسیحائی نور النبوی، فیضانِ احادیثِ رسولِ عربی، تنویرِ چراغِ ازلی، حیاتِ شررِ بولہبی، منتظرِ جاں طلبی، نازشِ طورِ سینا۔ وغیرہ۔

حضرت راہی فدائی نے حمدِ باری تعالیٰ کے موضوع پر لکھے گئے اپنے قصیدہ بعنوان ''جلّ جلالہ'' (ص ۶۵۔۶۷) میں شیتل، ساون، پربت، درشن، درپن، جیون اور ساجن جیسے بعض ہندی الفاظ بھی استعمال کئے ہیں اور اشعار میں رعنائی پیدا کی ہے:

گلشن گلشن، جلّ جلالہ حق کا درپن، جلّ جلالہ
پربت، دریا، سبزہ، صحرا ہر جا درشن، جلّ جلالہ
تیرے روپ کے جلوے کتنے شیتل، ساون، جلّ جلالہ

ڈاکٹر راہی فدائی نے اپنی نعتیہ شاعری میں نبی امی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک، ان کے اخلاق و کردار، اسمائے گرامی، شمائل مبارک اور معجزات و غزوات جیسے تمام ممکنہ موضوعات پر جو نعتیں سپرد قرطاس کی ہیں، وہ ان کی تبحر علمی کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں، انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ زندگی کے تجربات، زمانہ کی دھوپ چھاؤں، سماجی و سیاسی نشیب وفراز، غرض ہر زاویۂ حیات کا خاکہ پیش کیا ہے۔ حضرت راہی فدائی کی ''ناعت ومنعوت'' نامی کتاب کے تمام موضوعات حقیقی معنوں میں ناعت ومنعوت یعنی خدائے باری تعالیٰ اور خاتم المرسلین کے ارد گرد گھومتے

ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کے ابتدائی صفحات میں اظہارِ محبت کے گوشہ میں مولانا محمد جمیل شرفی، پروفیسر محمد علی اثر اور علیم صبا نویدی کے تجزیاتی مضامین شامل ہیں۔ کتاب کے دوسرے حصہ میں گیارہ قصائد ناعت یعنی حمدِ باری تعالی سے تعلق رکھتے ہیں، جب کہ ساٹھ قصائد منعوتِ مکرم یعنی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قدر سے تعلق رکھتے ہیں، بعدازاں مصنف نے اپنی اس کتاب میں ''مختصر سیرتِ طیبہ'' کے زیرِ عنوان بارہ ابواب مقرر کئے ہیں اور ان میں اسلام سے پہلے، ولادت با سعادت، نبوت و رسالت، صحابۂ کرام، مکی زندگی، ہجرت، مدنی زندگی، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ، امہات المؤمنین، خلفائے راشدین، حجۃ الوداع اور وفات اقدس اور شمائل واخلاق النبی جیسے عناوین پر اپنی نعتیہ شاعری پیش کی ہے۔ جب کہ کتاب کے اخیر میں ''مقدس ماہ رمضان'' کے زیرِ عنوان حضرت راہی نے اپنی آزاد شاعری کے جوہر بھی دکھلائے ہیں، جب کہ اس میں منقبت حضرت بندہ نواز پر بھی ایک قصیدہ شامل ہے۔ کتاب میں حمد باری تعالی کے لئے جو قصائد قلم بند کئے گئے ہیں ان کے عناوین مستقل بالذات ہیں اور وہ ہر قصیدہ کی پیشانی پر منقوش ہیں، لیکن منعوت کے گوشہ میں نعتیہ قصائد مستقل عناوین سے خالی ہیں، البتہ فہرست کتاب میں ہر قصیدہ کے پہلے شعر کو ہی عنوان کی حیثیت سے لکھ دیا گیا ہے۔

ترجمان غالب واقبال جناب مضطر مجاز نے ادارہ الأنصار حیدرآباد کے زیرِ اہتمام شاعر ادیب نقاد اور نعت نگار علامہ ڈاکٹر راہی فدائی کی نعتیہ کلیات ''ناعت ومنعوت'' کی اردو مسکن، خلوت حیدرآباد میں منعقدہ رسم اجراء تقریب میں اپنے صدارتی خطاب کے دوران کہا کہ ''راہی فدائی کی غزلیہ شاعری کے برخلاف ان کی نعتیہ شاعری زیادہ آسان اور رواں ہے، عالم دین اور عربی داں ہونے کے سبب ان کی شاعری میں عربی اور فارسی تراکیب کا کثرت سے در آنا فطری ہے، انہوں نے ''ناعِت ومنعوت'' کے اچھوتے نام سے ایک خوبصورت نعتیہ مجموعہ اردو والوں کو دیا ہے۔'' مولانا پروفیسر سید جہانگیر (شعبۂ عربی ادب، ایفل یونیورسٹی حیدرآباد) نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''نعت شریف دراصل درود شریف پیش کرنے کا خوبصورت شعری اظہار ہے اور ڈاکٹر راہی فدائی صاحب کی نعتیہ شاعری اسی روشن درودی سلسلہ کو آگے بڑھاتی ہے''۔ مولانا فصیح الدین نظامی نے کہا کہ ڈاکٹر راہی فدائی کی شاعری مذہبیت، ادبیت اور شعریت کا تکون ہے، بالخصوص ان کی نعتیہ کلیات ''ناعِت ومنعوت'' پیرویٔ حسانی کی قابل تقلید مثال اور نعت کے عالمی ورثہ میں قابل قدر اضافہ ہے''۔ ڈاکٹر محسن جلگانوی نے کہا کہ ''ڈاکٹر راہی فدائی جدید طرزِ اظہار کے شاعر ہیں، جس کا عکس ان کی نعت گوئی میں بھی نظر آتا ہے''۔ جناب سردار سلیم نے کہا کہ ''مولانا راہی فدائی بنیادی طور پر دینی مزاج اور اسلامی فکر کے حامل ہیں''۔

حواشی:

١- قرآن مجید، الأحزاب، ۵۶۔

٢- ڈاکٹر راہؔی فدائی: مقدمہ ''ناعت ومنعوت''، الأنصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد، سال اشاعت ۲۰۱۴ء، ص ۱۶۔

٣- پروفیسر محمد علی اثؔر: پیشِ گفتار بر ''ناعت ومنعوت''، ص ۳۰۔

۴- علیم صبا نویدی: راہی فدائی۔۔۔ جدید اردو غزل کا معتبر نام، روزنامہ سیاست (ادبی وثقافتی ایڈیشن)، حیدرآباد، ہفتہ ۲۲ مارچ ۲۰۱۴ء۔

۵- ڈاکٹر راہؔی فدائی: مقدمہ ''ناعت ومنعوت''، ص ۱۸۔

٦- پروفیسر محمد علی اثؔر: پیش گفتار، ناعت ومنعوت، ص ۳۱۔

٧- ڈاکٹر راہؔی فدائی: مقدمہ ناعت ومنعوت، ص ۱۹۔

٨- پروفیسر محمد علی اثؔر: پیشِ گفتار بر ناعِت ومنعوت، ص ۳۷۔

٩- قرآن مجید، الحجرات: ۲۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ مطالعات عربی،
انگلش اینڈ فارن لینگویجز یونیورسٹی، حیدرآباد
موبائل : 9959725371

☆☆☆

ڈاکٹر محمد تنویر خاں قادری (بدایوں)

بدایوں میں اردونعت کا آغاز وارتقاء اور چند ممتاز نعت گوشعراء

بدایوں ہندوستان کا قدیم علمی وادبی خطہ ہے۔ یہ شہر آٹھ سوسال سے علم وادب کا مسکن اوراولیاء اللہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یہ کبھی مدینۃ الاولیاء تو کبھی قبۃ الاسلام کے نام سے پہچانا گیا۔ چھٹی ہجری میں جب قطب الدین ایبک کے ہمراہ مسلمان آباد ہوئے تو ان میں بڑی تعداد میں علمائے کرام اوراولیاء اللہ نے بھی اس سرزمین کو پسند فرمایا:

ہے مرا بدایوں شہر شاعروں ادیبوں کا   عالموں کا مسکن یہ اولیاء کی بستی ہے

(تاجدار اہلسنّت قدس سرہٗ)

سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ) کے عہد میں حضرت دانیال قطری، حضرت سیّد علی بخاری، حضرت سیّد احمد بخاری (والد حضرت محبوب الٰہی)، حضرت سیّد عرب بخاری، سلطان العارفین حضرت حسن شیخ شاہی بڑے سرکار، شاہ ولایت حضرت خواجہ بدرالدین چھوٹے سرکار، حضرت شہاب الدین مہمرہ (استاد حضرت امیر خسرو)، خواجہ ضیاء الدین نخشبی، مولانا علاء الدین اصولی (استاد حضرت محبوب الٰہی)، حضرت شادی مقری، مولانا رضی الدین صغانی (صاحب مشارق الانوار) وغیرہ بدایوں میں تشریف لائے۔

اسی سرزمین پر ۶۳۱ھ میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی ولادت ہوئی۔ مولانا علاء الدین اصولی سے دینیات کی تعلیم حاصل کی اور حضرت شادی مقری سے قرآن پڑھا۔ راقم السطور نے اس مکان کی زیارت کی ہے جس میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ ۱۲یا۱۴سال کی عمر میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ دہلی چلے گئے۔ آپ ایک باکمال عارف باللہ اور عالم باعمل تھے۔ پاکیزہ اور عارفانہ شاعری کا بھی شغف رکھتے تھے۔ حضرت شہاب الدین مہمرہ اور خواجہ ضیاء

الدین نخشبی کا شمار فارسی کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے۔طوطئ ہند حضرت امیر خسرو، حضرت شہاب الدین مہمرہ کے شاگرد تھے۔آپ اپنے استاد کی عظمت کے اعتراف میں فرماتے ہیں:

در بدایوں مہمرہ سرمست برخیز ز خواب گر بر آید غلغلہ مرغان دہلی زیں نوا

فارسی ادب میں خواجہ ضیاء الدین نخشبی کی پہچان صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی ہے۔ایک مرتبہ حضرت شیخ صاحب (عالم ربانی حضرت شیخ اُسیدالحق قادری علیہ الرحمہ) نے مجھ سے اس وقت فرمایا تھا (جب آپ جامعہ ازہر قاہرہ، مصر میں زیرِ تعلیم تھے اور سالانہ تعطیل میں بدایوں آئے ہوئے تھے):

''قاہرہ میں میری ملاقات ایک روز کچھ طلباء سے ہوئی جو ہندوستان سے باہر کے تھے، میں نے انہیں اپنا تعارف کرایا، جب انہوں نے میرے نام کے ساتھ بدایوں سنا، تو بے ساختہ بولے، ضیاء الدین، نخشبی والا بدایوں' میں نے کہا جی ہاں۔''

ضیاء الدین، نخشبی کی فارسی ادب میں کئی یادگار تصانیف ہیں جن میں طوطی نامہ اور سلک السلوک بہت مشہور ہیں۔دسویں صدی ہجری میں بدایوں کے نام کو جس عظیم ہستی نے روشن کیا، وہ نام نامی ملّا عبدالقادر بدایونی کا ہے جو عربی، فارسی کے جید عالم تھے۔سنسکرت زبان میں بھی مہارت حاصل تھی۔ ملّا عبدالقادر بدایونی کی حق گوئی کی داستانیں ان کی مایہ ناز تصنیف ''منتخب التواریخ'' میں نظر آتی ہیں۔ملّا بدایونی نے عربی، فارسی، سنسکرت میں کئی کتابیں تصنیف کی جن میں ''منتخب التواریخ'' کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ملّا بدایونی بادشاہ اکبر کے دربار سے وابستہ تھے، فارسی کے شاعر بھی تھے، آپ کا تخلص قادری تھا۔آپ نے اپنے بیٹے کے انتقال پر بند کی شکل میں چار مصرعے کہے تھے، بیٹے کا انتقال ایام طفلی میں ہو گیا تھا:

یارب ایں روز چہ روزیست کہ افتاد مرا ایں چہ جانکاہ بلائست کہ روداد مرا
حال دل ہیچ ندانم بلکہ یم چہ کنم چارۂ درد دل کود نہ کہ جویم چہ کنم

خانوادہ عثمانیہ جو کہ بدایوں میں آٹھ سو سال سے آباد ہے۔اس خانوادے کو خانوادہ عثمانیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس خانوادے کا شجرۂ نسب خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔ حضرت عثمان غنی کی اولاد میں حضرت دانیال قطری، قطر (عرب) سے بدایوں تشریف لائے جو عہد شمس الدین التمش میں بدایوں کے قاضی رہے۔

مولانا ضیاء القادری ''اکمل التاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''قاضی صاحب (حضرت دانیال قطری) ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی کمال کے دلدادہ تھے اور خواجہ عثمان ہارونی کے جوش عقیدت نے سلسلۂ عالیہ چشتیہ زمرۂ ادب میں آپ کو داخل کر دیا تھا، آپ کی سال رحلت کا پتہ نہیں۔ مزار آپ کا حضرت پیر مکہ صاحب علیہ الرحمہ کے حریم کے مشرقی دروازے کے سامنے گوشۂ جنوب بتایا جاتا ہے۔ (راقم السطور اکثر آپ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہے)۔ آپ کے بعد آپ کی نسل میں علم وفضل نسلاً بعد نسلٍ اب تک چلا آتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ خصوصی شرف آپ ہی کے خاندان کو حاصل ہے کہ سات سو برس سے علم گویا میراث ہو گیا ہے۔ ہندوستان میں کوئی خاندان اہل علم کا ایسا نہیں سنا جو اس قدر زمانہ دراز سے وارث علوم وکمال ہونے کا مدعی ہو۔'' (اکمل التاریخ، ص: ۴۴-۴۵)

آپ کی اولاد میں ہر صدی میں عالم و فاضل اور صوفی رہے ہیں۔ الحمدللہ! یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ بارہویں صدی میں آپ کی (حضرت دانیال قطری) کی اولاد میں ایک بزرگ حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری (قدس سرہٗ) ہوئے ہیں جو آسمانِ تصوف میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ علم دین سے فراغت کے بعد اپنے وقت کے غوث شمس مارہرہ حضرت سیّد آل احمد اچھے میاں قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ ہوئے۔ آپ اپنے پیر ومرشد سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ زیادہ تر وقت پیر کی خدمت میں ہی گزارتے تھے۔ پیر ومرشد کے حکم پر بدایوں آتو جاتے تھے مگر چندروز کے بعد پھر مارہرہ چلے جاتے تھے۔ حضرت اچھے میاں صاحب بھی آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ آپ کے ظاہر و باطن کا مشاہدہ فرماتے تو مسکراتے اور فرماتے کہ فقیر کو چاہئے کہ اس کا ظاہر ابوحنیفہ کی طرح اور باطن منصور حلاج جیسا ہو اور یہ دونوں خوبیاں مولوی عبدالمجید کے علاوہ دوسرے میں دکھائی نہیں دیتیں۔ آپ نے شمالی ہند میں اردو زبان میں سیرت رسول پر پہلی کتاب ''محافل انوار'' کے نام سے لکھی، یہ کتاب قلمی ہے جو خانقاہ قادری میں ہر سال ماہ ربیع الاوّل میں یکم سے بارہ تاریخ تک بعد نماز عصر پڑھی جاتی ہے۔ پیر ومرشد حضور اچھے میاں قدس سرہٗ کے وصال (۱۷/ربیع الاوّل ۱۲۳۵ھ) کے بعد آپ نے بدایوں میں خانقاہ قادری کا قیام کیا۔ آپ کا وصال ۱۷/محرم الحرام ۱۲۶۳ھ میں ہوا۔

خانقاہیں اسلام کی تبلیغ و اشاعت، مظاہر سیرت رسول اور تزکیہ نفس کا اہم مرکز رہی ہیں۔

خانقاہوں میں حاضر ہو کر صرف عوام نے ہی نہیں بلکہ اہل علم نے بھی اپنے نفس کا تزکیہ اور قلبی سکون حاصل کیا ہے۔ کتابوں میں سیرت رسول کو پڑھ کر معلومات میں تو اضافہ ہو سکتا ہے، مگر عشق نبی کی شمع دلوں میں روشن نہیں ہو سکتی۔ جب مسلمانوں نے خانقاہوں میں بزرگوں کو دیکھا کہ چٹائی پر بیٹھ کر رسول اللہ کی سیرت کے مظہر بنے ہوئے ہیں، ان کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، لوگوں سے ملنا جلنا اور عبادت و ریاضت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے۔ یہاں نہ علم کا زعم ہے، نہ نمود و نمائش ہے، نہ چھوٹے بڑے کا بھید بھاؤ ہے، نہ امیر غریب میں تفریق پائی جا رہی ہے۔ یہاں جو آتا ہے زمین پر بیٹھتا ہے، ہر پل اللہ و رسول کا ذکر ہوتا ہے۔ خدا کا ذکر اگر صوفی صاحب کر رہے ہیں تو بدن لرز رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو رہا ہے تو کبھی چہرہ پر مسکراہٹ ہے تو کبھی زار و قطار رو رہے ہیں۔ یہ سب دیکھ کر عوام و خواص ان مراکز سے وابستہ ہو گئے۔

خانقاہوں میں نعتیہ محافل

خانقاہوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا بڑا ذریعہ نعت خوانی بھی رہی ہے۔ نعت خوانی میں کبھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا ذکر ہو رہا ہے، تو کبھی صداقت و امانت کا، کبھی غارِ حرا، تو کبھی غارِ ثور و ہجرت کا، کبھی جنگوں کا، تو کبھی صحابہ کرام سے محبت کا، غرض یہ کہ نعتیہ شاعری میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ محفلیں بہت پاکیزہ ہوتی ہیں۔ اکثر اشعار پر صاحب سجادہ، مریدین و عقیدت مندوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ آنکھوں سے صرف آنسو ہی جاری نہیں ہوتے بلکہ ہچکیاں بندھ جاتی ہیں اور کبھی کبھی تو ایسا وجد طاری ہوتا ہے کہ جسم سے جان تک پرواز کر جاتی ہے۔ یہ منظر عہد حاضر میں بھی راقم السطور نے خانقاہ میں اکثر دیکھا ہے کہ پیر و مرشد کی آنکھوں سے اشک جاری ہیں اور عوام میں بھی اشکباری جاری ہے۔ نعت رسول کے ارتقاء میں خانقاہوں کا اہم کردار اور خدمات رہی ہیں۔ صاحب سجادہ کی سرپرستی و صداقت میں نعتیہ محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ ان محافل میں نعت خواں حضرات کی ٹولیاں بھی نعت پڑھتی ہیں اور شعرائے کرام بھی نعتیہ کلام پیش کرتے ہیں۔

خانقاہ عالیہ قادریہ کی نعتیہ خدمات

عربی، فارسی کے بعد جب اردو کا دور آیا تو خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں نے اہم خدمات انجام دیں۔ بزرگوں کے اعراس ہوں یا پھر دیگر محافل، ہر محفل میں نعت و مناقب تسکین قلب اور روح کو جلا

بخشنے کا ذریعہ بنیں۔ حضرت مولانا عبدالہادی قادری (علیہ الرحمہ) اپنے نعت ومناقب کے مجموعہ ''نغمہ قدسی اساس'' میں لکھتے ہیں:

> ''عرسِ قادری قادریوں کی عید مستی ہوتا ہے۔ روز وشب عجیب کیف و سرور میں بسر ہوتے ہیں، محفل جاری ہے، نعت ومناقب کے نغمے گونج رہے ہیں، ذکرِ رسول سے قلوب جلا پا رہے ہیں۔''

بدایوں کے ممتاز نعت گو شعراء جن کا ذکر ہم آگے کریں گے، عرس کی محفلوں میں کلام پڑھنے کے لئے نعت خواں حضرات ان شعراء سے تازہ کلام لیا کرتے تھے۔ حضرت ہادی صاحب آگے فرماتے ہیں:

> ''نعت خواں حضرات کی فرمائشیں شعراء کو تازہ شعر کہنے پر مجبور کرتی تھیں۔ اکثر نعت خواں کی ٹولیاں مخصوص شاعر یا شعراء کا کلام پڑھتی تھیں۔''

خانقاہ قادری کے مشائخ عظام اپنے اپنے عہد کے امام علم ہونے کے ساتھ عربی، فارسی اور اردو کے باکمال شاعر ہوئے ہیں۔ شعر کہنے کا ملکہ یہ رہا ہے کہ محفل میں شاعر کلام سنا رہا ہے اور اس کے شعر میں کہیں کوئی خامی نظر آئی تو فی البدیہہ ایسا مصرعہ عطا کیا کہ شعر کا معیار بہت اعلیٰ ہو گیا۔ شاہ عین الحق حضرت عبدالمجید قادری قدس سرہٗ کے وصال (۱۲۶۳ھ) کے بعد آپ کے صاحبزادے سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء میں ہوئی۔ والد ماجد حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ تھے۔ آپ کا شمار ۱۳ویں صدی ہجری کے صفِ اوّل کے علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے اعتقادیات، درسیات، علم کلام، فقہ وحدیث، تصوف وطب میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں چند کتب کے اسماء یہ ہیں: سیف الجبار، المعتقد المنتقد، فوز المبین، شفاعۃ الشافعین (عقیدۂ شفاعت)، البوارق المحمدیہ، اعمال فی بحث شد الرحال (زیارت روضۂ رسول)، احقاقِ حق وابطال الباطل، حرزِ معظم، اختلافی مسائل (تاریخی فتویٰ)، شرح احادیث، مولود منظوم (اردو نعتیہ دیوان) وغیرہ۔

آپ جس پائے کے عالم وصوفی تھے، اسی پائے کا کلام بھی ہے۔ بدایوں میں اردو نعت کا آغاز آپ کی ذاتِ گرامی سے ہی وجود میں آیا۔ ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی کے زیر اہتمام ''مولودِ منظوم'' کی جدید اشاعت منظر عام پر آئی جس کے مرتب آپ کے وارث وجانشین حضرت شیخ مولانا اسید الحق قادری (شہید بغداد علیہ الرحمہ) ہیں۔ اس کتاب کی ابتدائیہ میں آپ رقمطراز ہیں:

> ''اردو کلام سوز وگداز، وارفتگی میں ڈوبا ہونے کے علاوہ زبان وبیان

اور فن کے اس اعلیٰ معیار کی نمائندگی کرتا ہے، جو مصنف کے عہد میں شاعر کو زمرۂ اساتذہ میں شامل کر دیا کرتا ہے۔ بعض جگہ ثقل زبان، عربی و فارسی تراکیب و لفظیات کا استعمال ضرور ہوا ہے مگر اس کو اگر حضرت کے عہد کے تناظر میں دیکھا جائے تو کوئی الجھن نہیں ہوگی۔ اس میں پہلو بہ پہلو ایسے سادہ شگفتہ اور تر و تازہ اشعار بھی ملتے ہیں جو سادگی، برجستگی اور سلاست میں آج کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔''

آپ کا وصال ۲؍ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ کو ہوا۔

کلام

بحمد اللہ مہ میلاد محبوبِ خدا آیا
ہلال دل کشا مفتاح قفل مدعا آیا

☆

چاک کس دن شب ہجراں کا گریباں ہوگا
وصل کی صبح کا کب ہاتھ میں داماں ہوگا
کب بہار آئے ہم آغوش ہوں کب یار سے ہم
مسکن مست مدینہ کا بیاباں ہوگا

☆

ہوئے پیدا محمد نوع انساں کو مبارک ہو
نہ تنہا نوعِ انساں جنسِ امکاں کو مبارک ہو
محمد کی ولادت ہو مبارک دونوں عالم کو
موالیدِ ثلاثہ چار ارکاں کو مبارک ہو
یہ دورِ داوری دارین کے دارا کا آیا ہے
مدارِ دائرہ، تدبیرِ دوراں کو مبارک ہو
ضلال و کفر کی رونق مٹا دی حق تعالیٰ نے
محمد کی ولادت دین و ایماں کو مبارک ہو
بہار بے خزاں خاص لطف حق جو آئی ہے
ثمر اس کا محبت کے گلستاں کو مبارک ہو
یہ مجلس ہے جو میلاد رسول اللہ کی یارب
عدو پر نامبارک ہو محباں کو مبارک ہو
رہے قہر خدا میں جو اس مجلس کا منکر ہے
رضائے حق محمد کے ثنا خواں کو مبارک ہو

☆

کیا نور حق ہے دنیا میں آیا الحمدللہ الحمدللہ
گلزار عالم ہے جس پہ پھولا الحمدللہ الحمدللہ
زیرِ زمیں سے اوجِ فلک تک جن و بشر کیا حور و ملک
کہتا ہے جب سے اس رخ کو دیکھا الحمدللہ الحمدللہ

جن کی صف میں عاجز زباں ہے جن کا کہ خود خالق ثنا خواں ہے
ان کا نشاں ہے کعبہ پہ چمکا الحمدللہ الحمدللہ

☆

اعلیٰ حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی

اعلیٰ حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری قدس سرہٗ کی ولادت ۷/رجب ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء کو ہوئی۔ تعلیم کے مراحل جدامجد شاہ عین الحق اور والدگرامی کے زیر سایہ طے کئے۔ اس کے بعد استاذ العلماء مولانا نور احمد عثمانی اور استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی سے تعلیم حاصل کی۔ والد ماجد سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے۔ والد ماجد کے زیر اثر سلوک کے منازل طے کئے۔ والدگرامی نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ آپ کی کثیر تعداد میں عربی، فارسی، اردو کی تصانیف موجود ہیں جن میں چند کے اسماء یہ ہیں: الکلام السدید، احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام، حقیقۃ الشفاعۃ، تحفہ فیض (فارسی)، شفاء المسائل تحقیق المسائل، سیف الاسلام، ردروافض، دیوان نعت (عربی)، دیوان نعت ومناقب (فارسی، اردو)۔

اردو، فارسی زبان میں آپ کے کئی دیوان شائع ہوئے۔ ۱۹۹۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے سبھی دیوان ایک ہی جلد میں دیوان تاج الفحول کے نام سے شائع کئے۔ جہاں آپ کی نعتیہ شاعری کو پڑھ کر آپ کے عاشق الرسول ہونے کا پتہ چلتا ہے، وہیں مناقب غوث اعظم کو پڑھنے سے فنا فی الغوث ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ غوث اعظم کی شان میں آپ نے کئی قصائد لکھے جو مقبول خاص وعام ہوئے۔ ایک قصیدہ جس کی ردیف ''میرا'' ہے، وہ تو عقیدت مندوں کا وظیفہ بنا ہوا ہے۔ راقم السطور بھی اس قصیدہ کو ہر روز پڑھتا ہے۔ آپ کی شاعری بہت فصیح و بلیغ ہے۔ آپ کا کلام بہت عالمانہ ہے جسے سمجھنا عام قاری کے لئے بے حد دشوار ہے:

ہے روضۂ انور کی صفائی کا یہ عالم ‏ ‏ حیران جسے دیکھ کر مراۃ حلب ہے

☆

الغیاث اے بادشاہ دین و دنیا الغیاث ‏ ‏ کن نگاہ لطف و راحت بر من زاد و تباہ

اپنے عقیدت مندوں اور وابستگان کا خیال رکھتے ہوئے آپ کے کلام میں سلاست بھی پائی جاتی ہے۔ آپ اپنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں:

''ایک مدت سے اثنائے سفر دربار مدینہ طیبہ ونجف اشرف وکربلائے

معلّٰی و بغداد شریف و اجمیر شریف وغیرہ میں ہر جگہ بطور عرض حال پریشاں کے وقت حاضری آستان فیوش نشان اتفاق نظم کر لینے اشعار نعت و منقبت، عربی، فارسی اور اردو بہ شوق قلبی ہوا۔ بہت سا کلام عربی، فارسی اور اردو کا مفقود بھی ہوگیا۔ قریب زمانہ گزرا کہ احباب نے بعد ضائع ہو جانے مسودات مفقودہ کے مسودات موجودہ کو صاف کیا اور ایک مجموعہ چار دیوان پر ترتیب دیا گیا۔ دیوانِ اوّل قصائد عربیہ نعت و منقبت ہیں۔ دیوانِ دوم قصائد و غزلیات فارسی ہیں۔ دیوان سوم اردو نعت شریف میں، دیوان چہارم غزلیات اردو مناقب خاص جناب محبوب سبحانی، اب ان ایام میں کہ بعض بزرگانِ دین نے واسطے طبع کرانے بعض قصائد و غزلیات اسی مجموعہ کے بطور اختصار ارادہ فرمایا۔ پس اہل شرافت و انصاف سے امید ہے کہ اگر وقت ملاحظہ کے وہ اشعار پسند ہوں تو دعائے خیر سے پیش آئیں۔"

بزرگان دین کا مقصد شاعری تسکین قلب، یادِ محبوب، کیف و سرور میں مبتلا رہنا ہوتا ہے۔ اپنے جذبات و احساسات کو شعری پیکر میں اجاگر کرنا ہی شاعری ہے:

شعر گوئی نہ ہنر ہے نہ ہے حرفہ میرا ان کی مدحت سے غرض ہے شعراء کچھ بھی کہیں

مشائخ خانقاہ قادریہ بدایوں نے کبھی اپنی زبان اور قلم سے اپنی تعریف نہیں کی بلکہ کسی شاعر نے ان کی ظاہری حیات میں اپنے اشعار میں تعریفی مضامین باندھے تو ان سے منع کیا۔ آج بھی یہی طریقہ کار محفلوں میں نظر آتا ہے۔ نثری مطالعہ قاری کی ذہنی وسعت کو جلا بخشتا اور معلومات میں اضافہ تو ضرور کرتا ہے مگر شاعری کا تعلق دل و دماغ پر پوری طرح اثر پذیر ہوتا ہے۔ خوشی ہو یا کہ غم، ہجر ہو کہ وصال، ہر موقع کے لحاظ سے شاعری اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ صوفیائے کرام کی شاعری بنیادی طور پر تصوف کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہجر و وصال پر مبنی ہوتی ہے۔ خانقاہی شعراء کی شاعری مدحت نبی، شانِ اولیاء، عقیدت پیر و مرشد کی عکاسی کرتی ہے۔ حضرت تاج الفحول کی شاعری میں بھی یہی رنگ نظر آتا ہے۔ آپ عاشق الرسول اور فنافی الغوث کی منزل پر فائز تھے۔ حضور غوث اعظم کی شان میں آپ نے کثیر تعداد میں مناقب کہیں۔

کلام

مجھ سے بیکس کو درِ پاک تلک پہنچایا یا رسول اللہ دو جہان تیرے کرم کے صدقے

کیا ترے روضۂ انور کا کلس ہے جس نے
ماہ و مہر دریاقوت کو ہے شرمایا
تری رفعت کو لکھے کیا یہ فقیؔر خستہ
شان میں تری رفعنا لک ذکرک آیا

☆

دیکھا کیا کوہ مفرح سے کلس روضے کا
آج فرقت سے میرے وقت کا تارا چمکا
آگیا در دربار حضور پرنور
اس کی تعریف میں جو کچھ میں لکھوں سب ہے بجا

☆

شکر صد شکر کہ یہ روضۂ انور دیکھا
سامنے جس کے خجل مہر منور دیکھا
جان روشن ہوئی اور یہ دل مردہ سرسبز
کیا سنہرا کلس اور گنبد خضرا دیکھا
دیکھی پھر شکر خدا روضۂ جنت کی چمک
پھر یہ شوکت و شاں آپ کا ممبر دیکھا
شربتِ وصل پیا پیاس بجھی ہجراں کی
چشمۂ فیض جناب شہ کوثر دیکھا
بن پڑی آج تو بے طرح گنہ گاروں کی
در رحمت اثر شافع محشر دیکھا
بولے جبریل کہ خلق کو دیکھا میں نے
پر محمد سا جہاں میں نہ پیمبر دیکھا
کیوں نہ خوش امت عاصی ہو خدا کا فرماں
جب ''فترضیٰ'' کا بتاکید مکرّر دیکھا
بولے کس لطف و محبت سے مدینے والے
درِ محبوب پہ جس دم مجھے مضطر دیکھا
تو بھی خوش دل ہو کہ ہم نے نہ کسی سائل کو
کیوں فقیؔر ان سے نہ مانگے کہ ''فلاتنہر'' کا
حکم قرآن میں از خالق اکبر دیکھا

☆

ہر طرف حق کے جو انوار نظر آتے ہیں
بس مدینے کے یہ آثار نظر آتے ہیں
کیا ہوا آئی مدینے کہ صحت لائی
خوش و خرّم سبھی بیمار نظر آتے ہیں
منفعل دیکھ کے سر و خجل و طوبیٰ
کیا مدینے کے یہ اشجار نظر آتے ہیں
ہے یہ دربار گہربار حبیب رحماں
آج خوش حال گنہ گار نظر آتے ہیں
کیا ہی خوش طالع و خوش بخت ہیں وہ
درِ اقدس کے جو حضّار نظر آتے ہیں
اے فقیؔر آج ترا اختر قسمت چمکا
ترے مقبول یہ اشعار نظر آتے ہیں

ایک عاشق کے لئے مدینے سے بہتر کوئی مقام نہیں، اس کا دل ہر پل مدینہ پہنچ کر حاضریٔ روضۂ رسول کے لئے تڑپتا رہتا ہے۔ حضرت تاج الفحول اپنے دل کی آرزو و تڑپ کو اپنے اشعار میں اس

طرح بیان فرماتے ہیں:

پھرتے کب تک ہم ہند میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے — چل دیئے سوئے مدینہ دل کو بہلاتے ہوئے
جاتے ہیں کس شان سے مستانِ عشقِ احمدی — وجد کے عالم میں اپنا حالِ دل گاتے ہوئے
آدمی تو آدمی اونٹوں کی دیکھو چال ڈھال — حالتِ مستی میں وہ چلتے ہیں اتراتے ہوئے
ماہ خر حیراں ہوئے ہیں دیکھ روضے کا کلس — مشرق ومغرب میں وہ پھرتے ہیں شرماتے ہوئے
وہ پئیں گے جامِ کوثر ہے حرام ان پر سقر — آئے اس در پر جو ابر اشک برساتے ہوئے
شانِ رحمت پر ہیں نازاں شافع امت کی ہم — خلد میں لے جائیں گے عصیاں کو بخشواتے ہوئے
ان کی بزم ذکر کو کہتے ہیں جو بد ہیں شقی — مثل شیطاں پھرتے ہیں لوگوں کو بہکاتے ہوئے
اے فقیر امید رکھ ہر لحظہ اُن کے فضل سے — دیر کیا لگتی ہے اُن کو فضل فرماتے ہوئے

۱۷/ جمادی الاوّل ۱۳۱۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری قدس سرہٗ سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت سیّدنا ومولانا عبدالمقتدر قادری قدس سرہٗ کی ولادت ۱۱/ جمادی الآخر ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء کو ہوئی۔ آپ کے متعلق ہادی القادری صاحب ’’احوال ومقامات‘‘ میں لکھتے ہیں:

> ’’گھر، مدرسہ قادریہ اور مسجد ہی ان کی جولان گاہیں تھیں۔ اٹھتے بیٹھتے ذکر میں مشغول رہتے۔ پڑھنا، لکھنا، تو اس گھر کا موروثی کام ہے، وہی سرکار (حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری قدس سرہٗ) کو بھی کرنا تھا۔ بہت جی لگا کر پڑھاتے تھے۔ دور ونزدیک دیار وامصار سے طالب علم کھنچے چلے آتے اور فیضیاب ہوتے۔‘‘

آگے حضرت ہادی صاحب لکھتے ہیں:

> ’’ادب سے خاص لگاؤ تھا عربی میں شعر کہتے تھے۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی سے قلبی تعلق تھا، خود بھی اگر شعر میں تخلص استعمال کرتے تو آزاد ہی لکھتے۔ ویسے عام طور پر وہ مقطع کہتے ہی نہ تھے۔ عربی میں تو اس کا خاص رواج بھی نہیں تھا۔ ایک روز مفتی جی (مفتی اکرام احمد لطفؔ بدایونی) نے باتوں باتوں میں سنایا: ’شاعری میں ہی سرکار کا اکلوتا شاگرد ہوں‘، تو میں نے کہا مجھے اپنا شاگرد کہہ دو، نسبت مل جائے گی۔ مفتی جی نے کچھ شرائط کے ساتھ مجھے اپنا شاگرد مان لیا۔‘‘

حضرت ہادی صاحب حضرت عبدالمقتدر قادری صاحب کے بڑے بھتیجے تھے، جو ممتاز عالم اور شاعر تھے۔ ہم آگے آپ کا ذکر کریں گے۔ ''احوال و مقامات'' کے حواشی میں ہے کہ حضور سیف اللہ المسلول کے عرس ۱۲۹۸ھ کی روداد ''بہارِ بے خزاں ہدایت'' کے نام سے شائع ہوئی تھی، اس میں سرکار رحمۃ للعالمین کی ایک منقبت بھی شامل ہے۔ یہاں ہم اس کے چند اشعار درج کرتے ہیں:

مبارک تشنگان بارانِ فیض کردگار آیا
عجب انداز سے دھوتا ہوا دل کا غبار آیا

نہ کیوں کر بلبلانِ مست نعرے وجد سے ماریں
گیا موسم خزاں کا موسمِ جوشِ بہار آیا

تحیر تھا مجھے یہ دھوم کیا ہے کس کی مجلس ہے
بدایوں کس کے باعث فخر امصار و دیار آیا

وہ بحرِ فیض حق جاری ہوا حضرت کے ہاتھوں سے
کہ جس سے اہل حق کا نخل مقصد پر ثمار آیا

مدینے سے، نجف سے، کربلا، بغداد سے چل کر
بدایوں میں رہ مارہرہ سے یہ جوئے بار آیا

غنی کر دو فقیر مقتدؔر کو اپنی قدرت سے
درِ دولت پہ عبدالمقتدر با افتخار آیا

آپ انتہائی خلیق، منکسر المزاج اور عابد و زاہد تھے۔ ایک ضخیم تفسیر ''تفسیر ابن عباس'' کا ترجمہ کیا۔ ۲۵ر محرم الحرام ۱۳۳۴ھ کو نماز فجر میں بحالت سجدہ وصال ہوا۔ بعد وصال آپ کے برادر اصغر حضور عاشق الرسول مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت سیّدنا و مولانا شاہ عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ کی ولادت ۱۱ر شوال ۱۳۱۱ھ کو ہوئی۔ ابھی آپ کی عمر ۸ سال کی تھی کہ والد ماجد حضرت تاج الفحول کا وصال ہوگیا۔ برادر اکبر پیر و مرشد سرکار صاحب الاقتدار شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہٗ کی آغوش میں تربیت ہوئی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ قادریہ میں درس دینا شروع کیا۔ آپ سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد کثیر ہے۔ چند حضرات کے نام یہ ہیں: تاجدار اہلسنّت حضرت مولانا شاہ عبدالحمید محمد سالم القادری قدس سرہٗ، شہزادۂ گرامی حضرت عادل الگیلانی بغدادی، مولانا فیض الحسن دہلوی، مولانا عبدالحامد بدایونی، حضرت مولانا عبدالہادی محمد میاں قادری وغیرہ۔

سرکار صاحب الاقتدار شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی کے دست اقدس پر بیعت کی۔ ۱۳۳۳ھ میں سرکار صاحب الاقتدار نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ ہر سال بغداد شریف آپ کی حاضری ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کئی ممالک کا دورہ کیا۔ مسجد حرام (مکہ شریف)، مسجد نبوی (مدینہ شریف)، مسجد اقصیٰ (فلسطین)، مسجد غوث اعظم (بغداد شریف) میں آپ کو جمعہ کی نماز پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ ریاست حیدر آباد کی عدالت عالیہ کے مفتی اعظم کے عہدہ پر فائز رہے۔ ''مشائخ قادریہ

مجیدیہ'' میں ہے کہ جب ملک میں ملّی اور قومی تحریکات کا آغاز ہوا تو اہم تحریکوں میں حصہ لیا۔ ترک موالات، تحریک خلافت، خدام کعبہ، مسئلہ فلسطین اور بزمِ صوفیہ جیسی تحریکات میں اہم کردار ادا کیا۔

اپنے اسلاف کی طرح آپ بھی شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ آپ کا تخلص قدّر تھا۔ آپ کا یہ قطعہ مقبول خاص و عام ہے:

دید اک حقیقت تھی ہجر اک فسانہ تھا ہم تھے جب مدینے میں وہ بھی کیا زمانہ تھا
یاد ہے فقط اتنا ہم تھے اور سجدے تھے آگے بے خودی جانے کس کا آستانہ تھا

''احوال و مقامات'' کے حواشی میں حضرت شیخ اسید الحق قادری (علیہ الرحمہ) مولانا مسعود عالم صاحب کے ''سفرنامہ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''۲۶ر مئی ۱۹۴۹ء کے روزنامچہ میں (مولانا مسعود عالم ندوی) لکھتے ہیں: 'کل اتفاقاً مولانا عبدالقدیر بدایونی سے نیاز حاصل ہوا۔ اس سے پہلے تعارف نہیں تھا، اوپری منزل (پانی کا جہاز) میں عرش پر گھوم رہا تھا کہ ایک مولوی صورت بزرگ پر نظر پڑی، دیکھ کر ٹھٹک گیا، وہ بھی متوجہ ہوئے، علیک سلیک کے بعد جلد ہی تعارف ہوا اور باتیں شروع ہوگئیں، یہ مولانا فضل رسول بدایونی کے پوتے اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے بیٹے تھے، آدمی باغ و بہار ہیں۔ بغداد کی بارہا زیارت کی ہے۔ شعروشاعری کا بھی ذوق ہے۔ آج (۳ر مئی) مولانا بدایونی کی صحبت میں شعروشاعری کا چرچا رہا۔ عربی، فارسی، اردو کے مختلف شاعروں کا کلام زیر بحث آیا۔ نعت گو شاعروں پر زیادہ گفتگو رہی۔ راقم نے بھی اپنا خیال عرض کیا لیکن شعرخوانی کا سہرا مولانا کے سر رہا، خوب حافظہ ہے۔''

آپ کو شعری ذوق وراثت میں ملا تھا۔ محفل احباب میں خوب فی البدیہہ اشعار کہتے تھے۔ مگر ان کو بیاض میں نہیں لکھتے تھے، اسی لئے آپ کا کلام بہت کم مہیا ہوسکا ہے۔ آپ کی اصلاح کا ایک واقعہ آپ کے خلف اکبر حضرت مولانا ہادی القادری صاحب ''احوال و مقامات'' میں رقم کرتے ہیں:

> ''درگاہ قادری کے دروازے میں ابّا میاں المولوی صاحب سجادہ (حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ) کے ساتھ حضرت احسن مارہروی کھڑے تھے۔ جب نثار احمد صاحب نعت خواں نے مفتی لطف کا یہ شعر پڑھا:

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

حضرت احسن مارہروی پر وجد کی کیفیت تھی، دروازے سے نیچے اترے، پڑھنے والے کا منھ چوما، اپنا رومال اسے اُڑھا دیا۔ بھائی نثار احمد پر روپئے کی بارش ہوتی رہی۔ مفتی نے اس شعر میں خاص مسئلہ امتناع نظیر بیان کیا ہے۔ شعر مزے کا ہے، مفتی جی مدرسہ قادریہ آئے تو ابّا میاں نے فرمایا: مفتی جی! یہ 'ہماری بزم خیال' کیوں کہا؟ 'کسی کی بزم خیال' میں امکان ہے؟ مفتی جی اچھل پڑے، ان کے استاذ کے جانشین نے غلطی پکڑی۔ مفتی جی نے عرض کیا، آپ صحیح فرمارہے ہیں 'نہ کسی کی بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں' ہونا چاہیے اور فوراً الفاظ بدل لئے۔ یہ سنانے کا مقصد یہ تھا کہ المولوی کا ذہن بہت تیزی سے اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔''

اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ مفتی لطفؔ بدایونی کے ذکر میں لکھیں گے۔

حضرت شیخ مولانا اسید الحق قادری شہید بغداد ''مثنوی غوثیہ'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت عاشق الرسول نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، وہاں ہر طرف شعر وسخن کا چرچا تھا۔ خود حضرت عاشق الرسول کے گھر میں عربی، فارسی اور اردو کے صاحب طرز شعراء موجود تھے۔ بدایوں تو اس وقت اساتذۂ سخن کی انجمن بنا ہوا تھا۔ آپ کے اساتذہ میں اصحاب سخن کی کمی نہیں تھی۔ درگاہ میں حضرت تاج الفحول کے عرس کے موقع پر حضرت احسن مارہروی اور مولانا عبد الماجد منظورؔ بدایونی کی زیر نگرانی مقامی و بیرونی شعراء اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ اس ادبی اور شعری ماحول میں آپ کی نشو ونما ہوئی۔ ذہانت، شعری ذوق اور موضوع طبیعت آپ نے وراثت میں پائی تھی۔ عربی، فارسی اور اردو کے ہزاروں شعر آپ کی نوک زبان پر تھے، جن کے محل اور باموقع استعمال پر آپ کو قدرت حاصل تھی۔''

حضرت شیخ صاحب آگے لکھتے ہیں:

''آپ ہر سال بغداد شریف جاتے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں آپ بغداد شریف جارہے تھے کہ بصرہ کے پولیس کمشنر نے آپ کے قافلے کو روک لیا اور کہا کہ آپ بغداد نہیں جاسکتے، واپس ہندوستان چلے جائیں۔ یہ خبر تار کے ذریعہ حیدر آباد ریاست کو دی گئی۔ دو دن بعد حیدر آباد ریاست کی جانب سے

پولیس کمشنر بصرہ کے نام سرکاری تار بھیجا گیا کہ ''تم نے ریاست کے جاری کردہ پاسپورٹ پر شک کر کے ریاست کی توہین کی ہے۔حکومت برطانیہ کے ذریعہ تم کو حیدرآباد طلب کر کے تمہارے اوپر توہینِ ریاست کا مقدمہ چلایا جائے گا، اس سے بچنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو فوراً بغداد جانے کی اجازت دے دو'' چنانچہ کمشنر نے اس قافلے کو رہا کیا اور بغداد جانے کی اجازت دی اور یہ قافلہ بغداد معلّٰی حاضر ہوا۔''

انہیں حالات میں آپ نے ''مثنوی غوثیہ'' کہی۔اس واقعہ کی تفصیل ''مثنوی غوثیہ'' (ترتیب و تقدیم حضرت مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری) میں موجود ہے۔

مثنوی غوثیہ سے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

ہوں نیک کہ بد ہوں یا اچھا ہوں — کیسا ہی سہی غلام مولا کا ہوں
کوثر پہ نہ ظاہر ہو میری بد ذوقی — اس ڈر سے کبھی کبھی پی لیتا ہوں

☆

نورِ حق آ گیا آئینہ وحدت بن کر — چمکی تقدیر جہاں عالم کثرت بن کر
ہوگئے شاہ، گدائے درِ دولت بن کر — باڑے بانٹا کئے سب تیری بدولت بن کر
سب رسولوں کو ہدایت کی سند دی تم نے — سب کے محضر میں رہے مہر نبوت بن کر
ان پہ مٹ جائیں گنہ گار تو زندہ ہو جائیں — جان پروانہ بنے شمع ہدایت بن کر
دور گردش ہو جو خورشید کو مل جائے بقیع — بیٹھ جاتے ہیں کہیں شمع تربت بن کر
کلمہ پڑھنے لگا ابروئے شہ کاسئہ نو — دی گواہی کبھی انگشت شہادت بن کر
ان کی طلعت سے وہ ذرّہ کا ستارہ چمکا — مہر محشر بھی رہا دیدۂ حیرت بن کر
اپنی نظروں سے گرا آپ تو عزت یہ ملی — پائی آغوشِ کرم اشک ندامت بن کر
ان کے جلوہ سے ہے غوغائے قیامت بھی عزیز — دل زخمی میں کھپا شور ملامت بن کر
شور ہے عالم بالا میں مچی ہیں دھومیں — نکلے قدسی سحر عید ولادت بن کر
عید میلاد میں اے قدؔر ملے گی عیدی — عرش سے آئے گی پروانۂ عزّت بن کر

آپ کا وصال ۱۳۷۹ھ مطابق ۳۱/ مارچ ۱۹۶۰ء کو ہوا۔آپ کے بعد خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کے سجادہ نشین آپ کے خلف اصغر تاجدار اہلسنّت حضرت مولانا شاہ عبدالحمید سالم القادری قدس سرہ

ہوئے۔ سجادگی کے وقت آپ کی عمر ۲۲ سال تھی۔

''اکمل التاریخ'' (مصنف مولانا ضیاء القادری بدایونی، ترتیب جدید حضرت شیخ اسید الحق قادری بدایونی) کے ضمیمہ میں حضرت شیخ اسید الحق قادری شہید بغداد (خلف اکبر تاجدار اہلسنّت) لکھتے ہیں:

> ''آپ (تاجدار اہلسنّت) حضرت عاشق الرسول کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اور جانشین، خانقاہ قادری کے صاحب سجادہ، مدرسہ قادریہ کے سرپرست، لاکھوں قادری مجیدی وابستگان کی عقیدت و محبت کا مرکز اور خانوادۂ عثمانیہ کے موجود سربراہ ہیں۔''

راقم السطور کا معمول رہا ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد خانقاہ شریف پہنچتا تھا اور عشاء تک پیرو مرشد کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کرتا تھا۔ (حاضری کا یہی سلسلہ آج بھی جاری ہے) جس روز گھر پر کوئی کام ہو یا کہیں جانا ہو تو ضرور ناغہ ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ مدرسہ قادریہ پرائمری اسکول کا جب انٹرول ہوتا ہے تب بھی بارگاہ پیر میں حاضر ہوتا تھا۔ ڈائری لکھنے کا شوق مجھے طالب علمی کے زمانے سے ہے۔ ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۴ء تک حضور شیخ صاحب (حضرت شیخ اسید الحق قادری شہید بغداد) کی خدمت میں رہا۔ شیخ صاحب سے جو اہم باتیں سنتا تھا، وہ گھر جا کر ڈائری پر اتار لیتا تھا۔ شیخ صاحب کی شہادت کے بعد اپنا زیادہ تر وقت پیر و مرشد کی خدمت میں گزارتا تھا۔ حضرت اقدس کی زبانی جو ارشادات سنتا تھا وہ سب اسی ڈائری پر اتار لیتا تھا۔ اکثر اوقات میں بھی حضرتِ اقدس سے سیرتِ رسول، اولیائے کرام، تاریخ ہندوستان، مشائخ مارہرہ اور بدایوں کے شعراء و ادباء کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا تھا۔ حضرتِ اقدس کا حافظہ بہت قوی تھا اور علم کا تو یہ عالم تھا کہ آپ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، جغرافیہ، فلسفہ، تاریخ، شعری و نثری ادب وغیرہ پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ عربی، فارسی و اردو کے معروف شعراء اور بدایوں کے شعراء کے نعت و منقبت کے اشعار اکثر سناتے تھے۔ آپ کو ہزارہا اشعار یاد تھے۔ حضرت اقدس کی ولادت، تعلیم اور سجادگی کے بارے میں میں نے حضرتِ اقدس سے جو سنا وہ رقم کرتا ہوں۔

تاجدار اہلسنّت محبوب غوث اعظم حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری دامت برکاتہم قدسیہ (زیب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف) کی ولادت ۲۶ رشعبان ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۰/۱۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو حیدرآباد میں ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں اپنے آبائی مدرسہ سے قرآن حفظ کیا۔ مدرسہ ہٰذا سے مفتی اقبال حسن قادری صاحب اور مفتی ابراہیم فریدی صاحب سے دینی تعلیم حاصل کی۔ کچھ

کتابیں والد ماجد حضرت عاشق الرسول قدس سرہٗ سے بھی پڑھیں۔ والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور ۱۳۷۷ھ میں عرسِ قادری کے مبارک موقع پر خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت عاشق الرسول کے وصال کے بعد ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء میں مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ آپ اپنے اسلاف کی طرح عاشق الرسول اور غوث اعظم کے شیدائی تھے۔ ۶۰ سے زیادہ مرتبہ بغداد شریف کی حاضری سے مشرف ہوئے۔ ہر سال دو مرتبہ مکہ و مدینہ شریف جاتے تھے۔ خواجہ غریب نواز کے عرس میں بھی پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔

اپنے بزرگوں کی طرح آپ کو بھی شاعری کا بے حد شوق تھا۔ درگاہ قادری میں آرام فرما بزرگوں کے سال میں پانچ عرس ہوتے ہیں۔ حضرتِ اقدس ہر عرس میں مصرعہ طرح دیا کرتے تھے، جس پر شعرائے کرام شعر کہہ کر محفل میں پیش کرتے تھے۔ ۲۵ رمحرم کو سرکار صاحب الاقتدار حضرت عبدالمقتدر صاحب کے عرس پر طرحی آل انڈیا نعتیہ مشاعرہ ہوا کرتا کرتا تھا۔ جس میں ہندوستان کے مشہور شعراء شرکت کرتے تھے۔ بدایوں کے استاد شاعروں کو بھی پڑھنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ عرسوں میں طرحی محفلوں اور طرحی آل انڈیا نعتیہ مشاعرہ کا یہ سلسلہ ۲۰۰۵ء تک جاری رہا۔ عرس میں نعت و مناقب کی محفلیں اب بھی ہوتی ہیں جس میں نعت خواں حضرات اور شعراء نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ خانقاہ عالیہ قادریہ نے نعتیہ خدمات میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

بدایوں سے ہفت روزہ اخبار ''بدایوں نامہ'' نکلتا تھا۔ اس اخبار میں دیگر خبروں کے علاوہ بدایوں میں ہونے والی ادبی و شعری محافل کی روداد بھی شائع ہوتی تھی۔ ۱۳ر جون ۱۹۹۷ء میں عرس مقتدری میں ہونے والے طرحی نعتیہ مشاعرے کی روداد پر ڈاکٹر شاداب ذکی صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا۔ مضمون کی تمہید میں ڈاکٹر صاحب نے ان مشاعروں کی مقبولیت پر روشنی ڈالی ہے اور ۱۳۹۰ھ سے 1418ھ تک کے مصرعہ طرح لکھے ہیں۔ ڈاکٹر شاداب ذکی صاحب مضمون ''عرس مقتدری کا طرحی آل انڈیا نعتیہ مشاعرہ'' میں لکھتے ہیں:

> ''عرس سرکار صاحب الاقتدار مولانا شاہ عبدالمقتدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۲۵ رمحرم ۱۳۳۴ھ) کے موقع پر ہر سال ہونے والے نعتیہ مشاعرہ کی تاریخی اہمیت ہے۔ اس مشاعرے کی ابتدا حضرت مولانا عبدالماجد منظورؔ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۰ھ) نے کی۔ مولانا عبدالماجد صاحب خانوادۂ عثمانیہ کے فرزند تھے، جو اپنے وقت کے ممتاز عالم دین اور

مفکرِ قوم وملت تھے۔اس آل انڈیا نعتیہ مشاعرے کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہ ''طرحی'' ہوتا ہے،اس کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اس کی یاد سال بھر تک آتی رہتی ہے۔ اگلے مشاعرے کا اہل ذوق کو بیتابی سے انتظار رہتا تھا۔گویا آستانہ عالیہ قادریہ کی شان وشوکت کے مطابق یہ مشاعرہ بھی اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے جو حضور صاحب سجادہ حضرت سالم القادری مدظلۂ العالی کے شعری وادبی ذوق کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔''

آل انڈیا نعتیہ مشاعروں کے مصرعہ طرح

''وسعت رحمت تمام تا حد کائنات'' (۱۳۹۰ھ/۱۹۶۹ء)

''وابستہ دو جہاں ہیں نبی کے قدم کے ساتھ'' (۱۳۹۱ھ)

''ادا حق ثنا ان کا کسی سے ہو نہیں سکتا'' (۱۳۹۲ھ)

''جینے کا لطف روضۂ شاہِ امم میں ہے'' (۱۳۹۳ھ)

''نورِ خدا ہے روئے رسالت مآب میں'' (۱۳۹۴ھ)

''کبھی خواب میں ہی جلوۂ عارض دکھا جانا'' (۱۳۹۵ھ)

''ہو کسی خیال میں محو اگر تو خیال شاہِ مجاز میں'' (۱۳۹۶ھ)

''تمہارے حسن کا کونین میں جواب نہیں'' (۱۳۹۷ھ)

''موسم دورِ مہ وساغر ومینا آیا'' (۱۳۹۸ھ)

''زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا'' (۱۳۹۹ھ)

''مجھے زیارت خیر الانام ہو جائے'' (۱۴۰۰ھ)

''ملا تاج شفاعت کو شرف سرکار کا'' (۱۴۰۱ھ)

''انہیں کے ہاتھ میں کنجی ہے قدرت کے خزانے کی'' (۱۴۰۲ھ)

''زمیں سے عرش تک شہرا ہے شانِ مصطفائی کا'' (۱۴۰۳ھ)

سوئے اقصیٰ وہ رسولوں کے امام آتے ہیں'' (۱۴۰۴ھ)

''بزم ہستی میں نہیں دیدہ ورا ایسا کوئی'' (۱۴۰۵ھ)

''حسن تکتا ہے تمہاری صورت'' (۱۴۰۶ھ)

''کلیدِ گنج رحمت آپ کے دستِ عطا میں ہے'' (۱۴۰۷ھ)

''محمد سرورِ کون و مکاں ہیں'' (۱۴۰۸ھ)

''وجودِ خلق سارا میرے آقا کی بدولت ہے'' (۱۴۰۹ھ)

''ہم پر نگاہِ لطف و کرم شاہنشہِ بطحا ہو جائے'' (۱۴۱۰ھ)

''ناخدائے کشتیِ غم نام وو الا ہو گیا'' (۱۴۱۱ھ)

''کھڑے دیکھا کریں گے حشر میں صورت محمد کی'' (۱۴۱۲ھ)

''میں عاشق ہوں حبیبِ کبریا کا'' (۱۴۱۳ھ)

''یا نبی سرورِ انبیاء آپ ہیں'' (۱۴۱۴ھ)

''نگاہِ کرم تاج دارِ مدینہ'' (۱۴۱۵ھ)

''زباں ملی ہے مدحت سرکار کے لئے'' (۱۴۱۶ھ)

''چل دیئے سوئے مدینہ دل کو بہلاتے ہوئے'' (۱۴۱۷ھ)

''ہر وصف ہر کمال حبیبِ خدا میں ہے'' (۱۴۱۸ھ)

''مندرجہ ذیل ماخذ مصرعے طرح ماہنامہ ''مظہرِ حق''، صفر المظفر ۱۴۱۹ھ، صفر المظفر ۱۴۲۱ھ، ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ، ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ، ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ۔

''خدا بھی ہے طالب نبی کی رضا کا'' (۱۴۱۹ھ)

''ملی نجات جو آئی قضا مدینے میں'' (۱۴۲۰ھ)

''میلادِ نبی کی شب آئی محفل میں چراغاں ہو جائے'' (۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء)

''تمہارے نقشِ پا کی روشنی میں زندگی پائی'' (۱۴۲۴ھ)

''دل مرا جلوۂ محبوب سے آباد ہے'' (۱۴۲۵ھ)

طرحی نعتیہ مشاعروں کا سلسلہ ۲۰۰۴ء تک رہا۔ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں کے زیرِ اہتمام حضرتِ اقدس تاجدارِ اہلسنّت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری قدس سرہٗ کی سرپرستی میں ماہنامہ ''پیام مظہر حق'' نکلنا شروع ہوا۔ یہ رسالہ کئی سال تک جاری رہا۔ طرحی نعتیہ مشاعروں کی روداد یں بھی اس میں شائع ہوتی تھیں، ان مشاعروں میں ہندوستان کے ممتاز شعرائے کرام شرکت کرتے تھے۔ ۲۰۰۲ء کے طرحی نعتیہ مشاعرے کی روداد جو کہ پیام مظہرِ حق میں شائع ہوئی۔ اس کے حوالے سے منتخب اشعار رقم کر رہا ہوں۔ مصرعہ طرح تھا:

''میلادِ نبی کی شب آئی محفل میں چراغاں ہو جائے''

۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء کے مصرعہ طرح پر تاجدارِ اہلسنّت کا کلام ملاحظہ کریں:

ایسی نہ مشک وعود وگلاب وحنا میں ہے — خوشبو نرالی سب سے گُلِ آمنہ میں ہے
شاید اسی کو کہتے ہیں صہبا دو آتشہ — ذکرِ خدا بھی ذکرِ حبیبِ خدا میں ہے
شرما کے منھ چھپایا ہے سورج نے اَبر میں — وہ روشنی وہ نور رخِ مصطفیٰ میں ہے
طیبہ میں سانس لیتے ہی مخمور ہوگئے — وہ کیف بے پناہ وہاں کی ہوا میں ہے
راضی خدا صحابہ سے اور وہ خدا سے ہیں — لکھّی ہوئی ہے بات کلامِ خدا میں ہے
ہے ماورائے فہم مرے غوث کا عروج — وہ منفرد مقام وراء الوریٰ میں ہے
کیا مرتبہ ہے حضرت تاج الفحول کا — دیدِ رسول وغوث انہیں سعی وصفا میں ہے
سجدہ میں مقتدر کو ملا ہے وہ قربِ خاص — ہر لمحہ ان کا منزلِ قربِ خدا میں ہے
سالمؔ خوشا نصیب ہے غوث الوریٰ کا تو — اور اس کے ساتھ امّت خیر الوریٰ میں ہے

اِس سلسلے کا آخری مشاعرہ مارچ ۲۰۰۵ء (تاریخ یاد نہیں) میں ہوا تھا جس کا مصرعہ طرح تھا:

''خدا کا قرب تو قربِ نبی سے ملتا ہے''

اِس مشاعرے کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر شاداب ذکی نے انجام دیئے۔

کعبہ بھی خوشی سے رقص میں ہے سرکار کی آمد آمد پر
ہر ایک نمازی کیوں نہ بھلا پھر وجد میں رقصاں ہوجائے

(حضرت اقدس تاجدار اہلسنّت، سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں)

جس نے بھی نبی کو دیکھ لیا حق یہ ہے کہ اس نے حق دیکھا
عرفانِ نبی ہو جس کو اسے اللہ کا عرفاں ہوجائے

(حضرت حافظ عبدالقیوم قادری راجیؔ پونوی)

ہے کفر کہاں کا ایسا جو ایمان پریشاں ہوجائے
لو ان سے لگا کے دیکھو تو ہر درد کا درماں ہوجائے

(وسیم بریلوی)

کیا شان ہے میرے آقا کی اس چشم عنایت کے صدقے
جو چشت کا رہنے والا ہو وہ ہند کا سلطاں ہوجائے

(راہی شہابی، جے پوری)

ارماں یہ ہے جب نعت پڑھوں حسّان بھی ہوں اور آپ بھی ہوں
اصلاح بھی ہوجائے میری بخشش کا بھی ساماں ہوجائے

(افسر امروہوی)

انوار کی بارش ہو پیہم ہر ذرّہ درخشاں ہوجائے
میلادِ نبی کی شب آئی محفل میں چراغاں ہوجائے

(مولانا قمر شاہجہانپوری)

ہیں غوث جہاں گھر پر میرے، اب دیکھیں ذرا تیور تیرے
اب دیکھیں گھر نہ تیرا کیسے اے گردشِ دوراں ہوجائے

(خواجہ احتشام الدین قادری)

یہ فیض ہے شاہِ بطحا کا یہ سچی عقیدت کا پھل ہے
صدیق کوئی فاروق کوئی حیدر کوئی عثماں ہوجائے

(شہزادہ گرامی حضرت عشقیؔ بدایونی)

انعام مدح سرائی سب سرکار سے آپ نے کتنے پائے ہیں
اب میرا حصہ مجھ کو عطا اے حضرتِ حسّاں ہوجائے

(شہزادۂ گرامی حضرت عزام میاں قادری قدسیؔ بدایونی)

سلمان و بلال و بوذر سا گر اپنا بھی ایماں ہوجائے
دعویٰ ہے ہمارے قبضے میں پھر گردشِ دوراں ہوجائے

(حضرت منظر چشتی پھپھوندوی)

اشکوں سے جالی دھونے کا پورا میرا ارماں ہوجائے
نجدی کی جگہ سنّی جو کوئی اس روضے کا نگراں ہوجائے

(ظفر الحق)

حضرتِ اقدس تاجدارِ اہلسنّت کے اب تک چار مجموعے نعت ومناقب کے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ''نوائے سروش''، ''معراج تخیل''، ''مدینے میں''، ''حدیثِ محبت''۔ آپ سال میں دو مرتبہ مدینہ شریف اور مکہ شریف (ایک مرتبہ ماہِ ربیع الاوّل دوسرے رمضان شریف میں) تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کے سامنے بیٹھ کر نعت شریف کہتے تھے۔ جب

بدایوں واپس تشریف لاتے تھے تو خانقاہ میں اہل ذوق حضرات کو وہ کلام سناتے تھے۔ خانقاہ کی مسجد میں رمضان کی تراویح میں جب قرآن مکمل ہوتا ہے تو درباری نعت خواں حافظ غلام سبطین قادری عبدالحنان قادری پڑھتے تھے۔

عرسِ قادری (عاشق الرسول حضرت شاہ عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ کا عرس، ماہ شوال) کے علاوہ چار عرس دو روزہ ہوتے تھے: (۱) حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ۔ (۲) حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہٗ۔ (۳) حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ۔ (۴) حضرت شاہ عبدالمقتدر قدس سرہٗ۔ ان عرسوں میں پہلے روز درگاہِ قادری میں محفل اور دوسرے روز صبح کو درگاہ میں محفل نعت خوانی اور بعد مغرب مدرسہ عالیہ قادریہ میں طرحی نعتیہ و منقبتی مشاعرہ حضرت اقدس کی سرپرستی وصدارت میں ہوتا تھا۔ ان مشاعروں میں مقامی و بیرونی شعراء شرکت کرتے تھے۔ راقم السطور کو بھی ان طرحی مشاعروں میں کلام پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ محفل میں اگر کسی شاعر کے شعر میں کوئی خامی نظر آئی یا شعر نعت و منقبت کے شایانِ شان نہیں ہے، تو حضرتِ اقدس فوراً فی البدیہہ شعر کی اصلاح فرماتے تھے۔ حضرت کے اصلاح فرماتے ہی شعر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا یعنی بہت اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ حضرت اقدس گزشتہ ساٹھ سال سے مدینہ منورہ تشریف لے جاتے رہے اور ہر سال مدینہ شریف کی حاضری پر نعت شریف کہتے تھے۔ آپ کے ایک دیوان کا نام بھی ''مدینے میں'' ہے۔ اس دیوان میں وہی نعتیں ہیں جو آپ نے مدینہ شریف میں کہی تھیں۔ مدینہ شریف میں جو کیف و مستی اور لطف ہوتا ہے، آپ نے اس کلام میں بیان کیا ہے:

اللہ غنی دیکھی کیا شان مدینے میں — انوار کی بارش ہے ہر آن مدینے میں
جانے بھی کیا جانے تو سمجھے بھی کیا سمجھے — ہے عقل یہ بیچاری حیران مدینے میں
کیا بات ہے طیبہ کی سرکار کے دیوانے — سو جان سے ہوتے ہیں قربان مدینے میں
طیبہ کی حضوری میں دیدار بھی ہو جائے — اے کاش یہ پورا ہو ارمان مدینے میں
بس اتنی سی گزارش ہے آقا یہ کرم کر دو — ہر سال گزاروں میں رمضان مدینے میں
دن ہو تو میں کھو جاؤں گلیوں میں مدینے کی — اور شب کو سناؤں میں قرآن مدینے میں
لگتا ہے یہ سب دنیا مہمان انہیں کی ہے — افطار کے سجتے ہیں جب خوان مدینے میں
جاتا ہوں گھر لیکن گھر جا کر کہوں گا یہ — ہوں ہند میں لیکن ہے جان مدینے میں
اے قادری دولہا یہ سب آپ کا صدقہ ہے — ہے آپ کا سالم بھی مہمان مدینے میں

حضرت اقدس کے حافظہ کا ضعیف العمری میں بھی یہ عالم تھا کہ آپ کو ہزار ہا ہزار نعت و مناقب کے اشعار یاد تھے۔ اکثر خانقاہ کی مجالس میں آپ قدیم شعرائے آستانہ کے اشعار کافی دیر تک سناتے رہتے تھے۔ آپ کو اپنے سبھی دواوین کے اشعار یاد تھے، اس کے علاوہ اپنے بزرگوں کے پورے پورے دیوان حفظ تھے۔

حضرتِ اقدس کا منتخب کلام:

نبی کے چاہنے والے خدا کی بات کرتے ہیں　　خدا والے محمد مصطفیٰ کی بات کرتے ہیں

☆

جس گھڑی پہنچے مدینے میں حضور　　شور تھا مالک ہمارا آ گیا

☆

جو بیٹھا ہوں لکھنے کو نعتِ رسول　　تو اشعار کا ہو رہا ہے نزول
جو اک حرف بھی ان کو آئے پسند　　تو سمجھو ہوئی ساری محنت وصول

☆

بتائیں کیا رسول اللہ کو ہم کیا سمجھتے ہیں　　خدا کے بعد ان کی ذات کو یکتا سمجھتے ہیں

☆

بادۂ الستی پھر بادۂ الستی ہے　　مئے ازل میں پی تھی پر اب بھی اس کی مستی ہے
وہ جو ہے ہمیشہ سے اور رہے گا جو دائم　　نیست سارا عالم ہے ہستی اس کی ہستی ہے
سائبانِ رحمت ہیں میرے مصطفیٰ ان کی　　رحمتوں کے سائے میں ساری دنیا بستی ہے
ان کے سبز گنبد کو اور سنہری جالی کو　　دل مرا تڑپتا ہے چشم تر ترستی ہے
عشق شاہِ بطحا کی عشق غوث کی صہبا　　جان بھی اگر دے کر مل سکے تو سستی ہے
پی کے مئے جو ہو جائیں ہوش سے بیگانہ　　ان کی مئے پرستی بھی کوئی مئے پرستی ہے
ہے مرا بدایوں شہر شاعروں ادیبوں کا　　عالموں کا مسکن ہے اولیاء کی بستی ہے
ہم گدائے عین الحق اور خادمِ معین الحق　　اس لئے اصول اپنا صرف حق پرستی ہے
غوث نے پلائے ہیں ان کو دید کے ساغر　　ان کی مست آنکھوں میں ساری اس کی مستی ہے
ڈھیر جام و مینا کے اور ہوائیں کیف افزا　　عرس ہے کسی کا یا جشنِ مئے پرستی ہے

دورِ مست ساقی کا اوج کا زمانہ ہے
دور یہ ہمارا ہے جس میں صرف پستی ہے
فتنہ ہائے دنیا سے کس لئے ڈرے سالمؔ
اپنے غوث کی جب وہ زیرِ سرپرستی ہے

☆

حضرت شیخ علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری

شہید بغداد حضرت شیخ علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری (علیہ الرحمہ) حضور تاجدار اہلسنّت کے خلف اکبر تھے۔ ولادت ۳؍ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۵؍مئی ۱۹۷۵ء کو ہوئی تھی۔ اپنے وقت کے ممتاز عالم دین اور ناقد و محقق تھے۔ مدرسہ قادریہ بدایوں سے قرآن حفظ کیا، اس کے بعد دینیات کی تعلیم خواجہ مظفر حسین صاحب سے حاصل کی۔ آپ علم کے کوہِ ہمالیہ تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق و دیگر علوم میں آپ کو مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ آپ نے بڑی تعداد میں علمی کتابیں لکھیں جو حلقہ علم میں بہت مقبول ہوئیں۔ آپ شعر کم کہتے تھے، مگر جب بھی کہتے تھے تو بہت ہی اعلیٰ و معیاری کہتے تھے۔ مگر افسوس صد افسوس! بہت کم عمر میں ۴؍مارچ ۲۰۱۴ء کو آپ بغداد میں ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے۔ آپ کا مزار شریف درگاہِ غوثِ اعظم میں ہے۔ راقم السطور ہر پل آپ کی خدمت میں رہتا تھا۔ آج جو بھی کچھ لکھنے پڑھنے کا شعور ہے، وہ آپ کی تربیت کا ہی نتیجہ ہے۔

۲۰۰۱ء میں راقم الحروف کے مکان پر آپ کی صدارت میں طرحی حمدیہ مشاعرہ ہوا تھا، جس کا مصرعہ طرح تھا:

''تو میرا خالق و مالک ہے میں بندہ تیرا''

ماہنامہ جامِ نور جس میں آپ کے تحقیقی و تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے، اُسی میں نعتیہ کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ آپ کے کلام کو پڑھ کر اساتذۂ سخن حیرت زدہ ہو جاتے تھے کہ یہ عمر اور یہ اعلیٰ پیمانے کی شاعری۔

کلام: حمدیہ نعت

میں پہلے کوثر و تسنیم سے وضو کرلوں
پھر اپنے دامنِ الفاظ کو رفو کرلوں
میں اپنی فکرِ رسا کو ادب شعار کروں
تصورات و خیالات باوقار کروں
قلم کو سرحدِ ادراک سے گزرنا ہے
کہ مجھ کو ربّ تعالیٰ کی حمد لکھنا ہے
وہ رب جس نے رسولِ کریم بھیجا ہے
بنا کے اس کو رؤف و رحیم بھیجا ہے
رسول وہ جو رسولوں کا تاجدار ہوا
وہ جس کا ذکر دوائے دل فگار ہوا

رسول وہ جسے محبوب کردگار کہیں
رسول وہ جسے قدرت کا شاہکار کہیں
بہار گلشنِ جنّت اسی کے صدقے میں
کھلا ہے بابِ شفاعت اسی کے صدقے میں
وہ جس کا مصحفِ رخ پر تو صفات ہوا
وہی تو پردہ کشائے تجلّیات ہوا
وہ جس کی گردِ سواری ہے کہکشانِ فلک
وہ جس کے تابع فرماں ہیں قدسیانِ فلک
وہ جس کے لب سے گلابوں نے نازکی پائی
سحر نے جس کے تبسم سے روشنی پائی
اسی رسول کے خالق کی حمد لکھتا ہوں
میں اپنی زیست کے خاکے میں رنگ بھرتا ہوں

☆

خطیب ہندوستان حضرت علامہ عطیف میاں قادری
(صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف)

آپ تاجدارِ اہلسنّت کے خلف اوسط ہیں۔ آپ نے بھی حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ شہید بغداد کی شہادت کے بعد آپ جامعہ ازہر چلے گئے اور وہاں پانچ سال تعلیم حاصل کی۔ ۲۰۱۹ء میں جامعہ ازہر قاہرہ (مصر) سے تعلیم مکمل کر کے واپس تشریف لائے۔ بزرگوں کی طرح آپ کو بھی شاعری کا شوق وراثت میں ملا ہے۔ آپ کی شاعری صوفیانہ رنگ لئے ہوتی ہے۔ خاکسار کے یہاں بزرگوں کی یاد میں اکثر طرحی نعت و مناقب کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ کئی سال پہلے آپ کی صدارت میں طرحی نعتیہ مشاعرہ ہوا، جس کا مصرعہ طرح تھا:

موجِ دریا مرے اشکوں کی روانی مانگے''

اس مصرعہ پر آپ کا یہ شعر بہت مقبول ہوا:

بدر میں دستِ عکاشہ میں جو ٹہنی چمکی
اس کی تھوڑی سی چمک سیفِ یمانی مانگے

☆

سنا ہے قبر میں دیدار ان کا ہوتا ہے
یہ بات ہے تو چلو ہم بھی مر کے دیکھتے ہیں

☆

نبی کا آستاں ہے اور میں ہوں
زمیں پر آسماں ہے اور میں ہوں
سخاوت کا، عطا کا، رحمتوں کا
وہ بحرِ بے کراں ہے اور میں ہوں
ہے نورانی حرم محبوبِ رب کا
ہجومِ قدسیاں ہے اور میں ہوں

دو عالم جس کے صدقے میں بنے ہیں
وہ سلطانِ جہاں ہے اور میں ہوں
ہیں صدیق و عمر پہلو میں جس کے
وہ جانِ عاشقاں ہے اور میں ہوں
کہوں میں بھی صفا مروہ پہ یارب
کوئی جلوہ کناں ہے اور میں ہوں
کرم ہے حضرتِ سالم کا عشقیؔ
نبی کا آستاں ہے اور میں ہوں

☆

حضرت علامہ عزام میاں قادری

آپ تاجدار اہلسنّت کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ اپنے آبائی ادارہ مدرسہ عالیہ قادریہ سے فراغت حاصل کی۔ عہدِ حاضر میں آپ مدرسہ کے ناظم تعلیمات ہیں۔ راقم الحروف نے آپ کو بہت کم عمری میں عرسوں کی محفلوں میں کلام پڑھتے دیکھا ہے۔ بہت تیز اور عمدہ شعر کہتے ہیں۔ آپ قدسیؔ تخلص فرماتے ہیں۔ خاکسار کے یہاں آپ کی صدارت میں کئی طرحی مشاعرے ہوئے ہیں۔ ایک مشاعرہ ذوقافیتین ہوا۔ ایک مشاعرے میں شعراء کو گیارہ قافیے دیئے گئے، جس کے تحت شعر کہنا تھا۔ اسی مشاعرے میں پڑھا گیا آپ کا کلام نذرِ قرطاس کر رہا ہوں:

کہکشاں دیکھئے یا قمر دیکھئے
سب میں حسنِ نبی کا اثر دیکھئے
میں پہنچا ہوں ان کے نگر دیکھئے
ہوگیا نور سے تر بہ تر دیکھئے
اے عمر آپ ہیں بے خبر دیکھئے
پہلے جایئے اپنا گھر دیکھئے
دیکھ سکتے نہیں مگر دیکھئے
لامکاں کیسے پہنچا بشر دیکھئے
جلوۂ مصطفیٰ کی ذرا سی جھلک
دیکھنا ہے تو وقت سحر دیکھئے
جام و ساغر صراحی نہ مینا ہو
جب ہو پینا تو ان کی نظر دیکھئے
وہ مدینہ بلائیں گے قدسیؔ ضرور
دل میں ارماں لئے وہ ڈگر دیکھئے

☆

اس نے مانگی تھی دعا اس نے اثر مانگ لیا
ہم نے کچھ اور نہیں دیدۂ تر مانگ لیا
شیخ نے زہد و ریاضت سے خریدی جنت
ہم گنہ گاروں نے آقا کا نگر مانگ لیا

☆

چند ممتاز نعت گو شعراء

علی بخش خاں شؔرر بدایونی

نام علی بخش تخلص شؔرر تھا۔ والد کا نام سلطان بخش، خاں کا خطاب انگریز سرکار سے ملا تھا۔ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ شاہ عین الحق حضرت عبدالمجید قادری قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ مولانا فیض احمد بدایونی کے شاگرد تھے۔ سرکاری ملازم تھے۔ صدر الصدور بھی رہے۔

ڈاکٹر شمس بدایونی ''شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں'' لکھتے ہیں:

''ابتدا میں سر سیّد احمد خاں کے دوست اور ہم خیال تھے۔ لیکن کچھ عرصے بعد سر سیّد کے اختلاف عقائد کے سبب بدظن ہو گئے اور ایک عرصہ تک بنگلور سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ اخبارات ''منشور محمدی''، ''نور الآفاق'' اور ''نور الانوار'' وغیرہ کے صفحات پر ان سے تحریری مناظرہ کیا۔ بعد ازاں انہوں نے سر سیّد کے ذاتی عقائد کے رد میں تین رسالے بھی تحریر کیے۔''

۱۷رجب ۱۳۰۲ھ/ ۲رمئی ۱۸۸۵ء کو انتقال ہوا۔ درگاہِ قادری میں دفن کیے گئے۔ آپ کی قبر بڑی درگاہ میں بابِ مجیدی سے متصل ہے۔

تصانیف: شہاب ثاقب، تائید الاسلام، تنقیح المسائل وغیرہ ہیں۔

کلام

مری مستی پہ شیخ و محتسب تعذیر کیا کریں گے
اجی میں بادہ کش ہوں، ساقیِ کوثر کے یثرب کا
رقابت کا کسی کو غم نہیں سب اس کے عاشق ہیں
خصوصیت ہے سب کے ساتھ وہ محبوب ہے سب کا
میں ہوں تلمیذ رحمان اے شؔرر میرا وہ رتبہ ہے
کہ جبریل امیں اک طفل ابجد خواں ہے مکتب کا

☆

یہ محبوبی کا رتبہ ہے خدا بھی تجھ کو بلوا کر
شبِ معراج تھا مشتاق تری آمد آمد کا
خطر کیا موج طوفان بلا سے کشتیِ دل کو
لکھا ہے میں نے مثل نوح نام اس پر محمد کا
رُخِ پرنور پر صلِّ علیٰ ریش مطہر کو
فرشتے کہتے ہیں شیرازہ قرآن مجلد کا
گواہی تیری یکتائی کی دوں گا بعد مردن بھی
جمے گا شکل انگشت شہادت سبزہ مرقد کا
قصیدہ پر شؔرر کے صاد کرنے کی تمنا ہے
اُتر آئے زمیں پر یہ ارادہ ہے عطارد کا

☆

شافع محشر رحمت عالم فخرِ ملائک نازشِ آدم
مہرِ نبوت ماہِ رسالت شانِ الٰہی ابرِ رحمت
آج عرب کی قسمت جاگی کفر کی ظلمت کوسوں بھاگی

مثنوی ''نظم المعراج'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اُدھر شوقِ لقا میں کوئی بیتاب اِدھر کوئی ہے نقشِ بستر خواب
اُدھر ملنے کا ہے کوئی آرزومند اِدھر تھیں آنکھیں خوابِ ناز سے بند
یکایک حضرتِ جبریل آئے پیام دل رُبائے وصل لائے
مؤدب دست بستہ سر جھکا کر حبیب کو پائے انور سے لگا کر
شبِ اسریٰ کے دولہا کو جگایا زباں بن کر کسی کو یہ سنایا
براق برق دم مرغ ہر اک بڑھتے ہوئے دوست کا اقبال
سواری کے لئے حاضر ہے در پر کہ پَر اس کے ہیں گویا نور کے پَر
چلا جب لے کے اس جانِ جہاں کو بنایا لامکاں دم میں جہاں کو
نہ شعلہ تھی نہ وہ برق و شرارہ کسی کی آنکھ کا تھا اِک اشارہ
براق برق وش کی سیر کا طور صدائے گنبدِ گردوں کا تھا دور
حرامِ ناز سے جوہر دکھایا نگہ کی مثل جاکر لوٹ آیا
عجب جانا تھا اس کا طرفہ آنا کہ آنا اور جانا کچھ نہ جانا

☆

مولانا شاہ محمد دلدار علی مذاقؔ بدایونی

مولانا شاہ محمد دلدار علی مذاقؔ بدایونی بن شیخ حافظ نثار علی ۱۲؍ربیع الاوّل ۱۲۳۵ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ اپنے نانا سے عربی، فارسی اور خوش نویسی کی تعلیم بدایوں میں حاصل کی۔ رام پور میں ملا محمد غفران سے شرح وقایہ اور ہدایہ پڑھی۔ اس کے علاوہ لکھنؤ، دہلی کے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ خاقانِ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کے شاگرد تھے۔ سلسلۂ ارادت قادریہ حضرت شاہ فضل غوث ساقیؔ بریلوی و خلیفہ حضرت سیّد آلِ احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ) اور سلسلۂ چشتیہ و نظامیہ شاہ جی عبدالرحیم شاہجہانپوری سے جاری فرمایا۔ آپ نے بہاریہ کلام کے علاوہ نعتیہ و منقبتیہ شاعری بھی کی۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ مولوی فضل اکرم فرشوری بدایونی جو آپ کے مرید بھی تھے، نے

''بہار بوستانِ شعراء'' میں آپ کے تلامذہ کا ذکر کیا ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر محمد کیف فرشوری بدایونی نے اس کتاب کو جدید ترتیب کے ساتھ شائع کیا ہے۔

''حیاتِ ذوق'' کے حوالے سے ڈاکٹر شمس بدایونی ''شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں'' لکھتے ہیں:

> ''ان کا پایہ کلام میں اپنے مشہور استاد کے ہم پلّہ ہے اور فصاحت و خوبی میں بے نظیر ہے، مگر چونکہ مولوی مذاق صاحب کا رجحان تصوف اور درویشی کی طرف ہوگیا۔ اس واسطے انہوں نے مروجہ مضامین میں غزل سرائی ترک کردی اور اپنے کلام کو صرف نعت گوئی تک ہی محدود کرلیا۔ ان کی شاعری کا مرتبہ نعت گوئی میں بھی بہت ہی اعلیٰ رہا۔ ۱۰؍ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۱؍اکتوبر ۱۸۹۴ء کو وصال ہوا۔ درگاہِ مذاقیہ بدایونی میں مزار ہے۔''

منتخب کلام

ہے دیدہ و دل میں سر و سودائے مدینہ — بستی دیکھوں کبھی صحرائے مدینہ
جیتے پھرے اس جا سے وہیں مرنہ گئے کیوں — کس زیست پہ زائر ترا چھوڑ آئے مدینہ
سب کچھ ہے عنایات میں تیرے مرے آقا — بندہ پہ عنایت رہے مولائے مدینہ
بندہ پہ در عین عنایت پہ کھلا ہے — جب بند کروں آنکھ نظر آئے مدینہ
ہیں تازہ مضامین مذاقؔ اپنی غزل میں — بہتر ہیں سبھی یوں تو غزل ہائے مدینہ

☆

مجھے نعتِ احمد میں حیرت ہے ہر دم — میں حیراں ہوں کیا جانوں کیا ہے محمد
نہیں کوئی معبود ہر دوسرا میں — خدا ایک ہے دوسرا ہے محمد
یہ آنکھیں تو بن دیکھے کب مانتی ہیں — مرا دل تجھے جانتا ہے محمد
جسے کہتے ہیں سب کلام الٰہی — وہ تیری زبانی سنا ہے محمد
تجھی سے ہے پیدا و ناپید ہر شئے — تو ہی ابتدا انتہا ہے محمد
تو ختم الرسل خاتم الانبیاء ہے — ترے نام پر خاتمہ ہے محمد
حیات و ممات اور قبر و قیامت — ترے ساتھ ہو یہ دعا ہے محمد
تو ہی گور کی رات کا ہے اُجالا — تو ہی نور روزِ جزا ہے محمد

☆

کیا کروں آہ یا رسول اللہ غم ہے جانکاہ یا رسول اللہ
قصہِ غم ہے طول کیا کہئے قصہ کوتاہ یا رسول اللہ
راہ تکتا ہوں تیری نکلے گی کچھ نہ کچھ راہ یا رسول اللہ
آہ و نالہ بھی کر نہیں سکتے کیا کریں آہ یا رسول اللہ
پڑھ رہا ہے مذاقؔ صلی اللہ رحمت اللہ یا رسول اللہ

☆

حامد بخش حامدؔ بدایونی

نام حامد بخش تخلص حامد، والد کا نام محمد بخش۔ ۱۹۰۶ء میں وفات پائی حضرت سرخ شہید کی زیارت محلّہ سوتھہ میں دفن ہوئے۔ آپ کا نعت ومنقبت کا کلام آپ کے پوتے عبداللہ ولی بخش قادری نے ۱۹۸۹ء میں ترتیب دے کر ''کلام حامد'' کے نام سے شائع کرایا۔

''کلامِ حامد'' میں پروفیسر آلِ احمد سرورؔ جو آپ کے نواسے تھے، لکھتے ہیں:

''مولوی حامد بخش حامدؔ کے نعتیہ کلام کے غالباً چار دیوان شائع ہوئے تھے اور ایک چھوٹا سا دیوان صنعتِ غیر منقوطہ میں اُس کے علاوہ تھا۔ انہیں اپنے چچا مولوی علی بخش خاں شررؔ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ وہ شہر کے ایک ممتاز رئیس تھے اور ان کی اچھی خاصی زمینداری تھی۔ مجھے یقین ہے کہ حامدؔ بدایونی کے نعتیہ ومنقبتیہ کلام کی اس اشاعت کا ادبی حلقوں میں قرارِ واقعی خیر مقدم کیا جائے گا۔ عقیدت اور محبت کے یہ پھول آج بھی ہمارے لئے وہ خوشبو رکھتے ہیں جو سدابہار ہے۔ عبداللہ ولی بخش قادری ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بزرگوں کی اس یادگار کو وقت کے ہاتھوں محو ہونے سے بچالیا۔ نعتیہ و منقبتیہ شاعری کی روایت میں یہ کلام ایک خوشگوار اضافہ کیا جاسکتا ہے۔''

منتخب کلام: (غیر منقوطہ)

وہ حمد و مدح کا ہردم ہمارا کام ہوا کہ سلکِ لعل و گہر مطلع کلام ہوا
کلامِ حامدؔ مدّاح کو سہو الہام کہ روح کا ملکہ اس کو لاکلام ہوا

☆

رسولِ مکرم کا در ہو ہمارا وہ ہوگا سہارا سراسر ہمارا

ملک ہوگا کس طرح ہمسر ہمارا مددگار طالع ہو اگر ہمارا
محمد کا در ہوگا اور سر ہمارا

رباعی منقوطِ محض

بے فیض نبی نے بخشی جنت بخشی ذی فیض غنی نے بخشی جنت بخشی
جب غیظ غضب نبی ہے زشتی ذنب تب فیض خفی نے بخشی جنت بخشی

☆

کیا کہوں مدینہ میں عاصیوں نے کیا پایا جس جگہ قدم رکھا کوئی دل پڑا پایا
ساتھ اشک کے بہہ گیا دل مدینہ کو طفلِ بے زباں ہم نے اس کا رہنما پایا

مولانا ابرارالحق کیفؔ بدایونی

مولوی ابرارالحق ولد مولوی انوارالحق ساکن محلّہ مولوی، خانوادہ عثمانی کے فرد تھے۔ ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں ولادت ہوئی۔ حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ سے علم حاصل کیا۔ حکیم سراج الحق عثمانی سے طب کی تکمیل کی۔ مرزا داغؔ دہلوی کے شاگرد تھے۔

مولانا ضیاء القادری ''اکمل التاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''شاعری میں فصیح الملک نواز مرزا داغؔ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ چار دیوان عاشقانہ نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر کئے، لیکن شائع نہ ہو سکے۔ آخر میں نعت و مناقب کی طرف متوجہ ہوئے۔''

آگے لکھتے ہیں:

''کلام میں جدّت طرازی، رنگینی، شوخی، مضمون آفرینی کے ساتھ زبان کی صفائی، نور فوق نور کے مصداق تھی۔ مطلع سے مقطع تک تخلص کی رعایت سے اشعار بھی کیفِ مضامین سے سرشار نظر آتے تھے۔ عرس قادری کے مناقب خوانوں میں آپ کے دم سے ایک عجیب ذوقِ سخن رہتا تھا۔ ۴رشعبان ۱۳۳۱ھ/ جولائی ۱۹۱۳ء کو انتقال فرمایا۔''

کلام

درِ نبی پر پڑا رہوں گا پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
کبھی تو قسمت پھرے گی میری کبھی تو میرا سلام ہوگا

شفیع محشر لقب ہے ان کا انہیں شفاعت سے کام ہوگا
ہے سب کا دار و مدار اُس پر وہی مدار المہام ہوگا
دیارِ رحمت پہ ہوگا قبضہ انہیں کا ہر سو بجے گا ڈنکا
جو حشر ہوگا تو دیکھ لینا انہیں کا سب انتظام ہوگا
کہے ہی جاؤں گا عرضِ مطلب ملے گا جب تک نہ دل کا مطلب
نہ شام طلب کی صبح ہوگی نہ یہ فسانہ تمام ہوگا
کرو شفاعت کا آج دن ہے کہ عدل پر ہے جنابِ باری
تمام امت چھٹے گی غم سے تو سارے نبیوں میں نام ہوگا
اسی توجہ پہ جی رہا ہوں یہی تمنّا جلا رہی ہے
نگاہِ لطف و کرم نہ ہوگی تو مجھ کو جینا حرام ہوگا
ہوئی جو کوثر پہ باریابی تو کیفؔ مے کش کی دھج یہ ہوگی
بغل میں مینا نظر میں ساقی خوشی سے ہاتھوں میں جام ہوگا

(شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں: ڈاکٹر شمس بدایونی)

☆

حافظ محمد مجاہد الدین ذاکرؔ بدایونی

حافظ محمد مجاہد الدین ذاکرؔ بدایونی ابن مبارز الدین، خاندان متولیان محلّہ سوتھہ، بدایوں ۴/ اپریل ۱۸۳۶ء/ ۱۷/ ذی الحجہ ۱۲۵۱ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن حفظ کیا اور عربی، فارسی کی بھی تعلیم حاصل کی۔ حضرت سیّد شاہ آلِ رسول مارہروی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ حاجی غلام دستگیر خاں فرخ آبادی، حکیم یعقوب خاں اور حکیم ثناء الدولہ لکھنوی سے طب کی تکمیل کی۔ خواجہ بہادر حسین خاں فراقؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ بعد میں نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہؔ دہلوی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔

ذاکر صاحب کو محفل میلاد کرنے کا بیحد شوق تھا۔ یہ شوق اس حد تک بڑھ گیا کہ اپنا ایک مکان صرف محفلِ میلاد کے لئے مخصوص کر لیا۔ اس مکان کا نام آپ نے ''نبی خانہ'' رکھا۔ اس مکان میں ہر ماہ مخصوص ایام میں میلاد کی محفلیں ہوتی تھیں۔ ماہِ ربیع الاوّل کی ایک تاریخ سے ۱۲ تاریخ تک محفل میلاد کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ ''نبی خانہ'' کے دروازے پر یہ تاریخی قطعہ لکھوایا:

یہ عنایت شاہ آلِ رسول شہ بنا ایں مکا نظرِ چمن

گفت ذاکر بہ سال تاریخش خانہ مولدِ شفیع زمن

آپ نے کئی تصانیف یادگار چھوڑیں، تین نعتیہ دیوان ''نبیہ الخلوق''، ''تنویر المحافل''، ''تحفۂ قریشی'' (نسب نامہ خاندان متولیان)، ''ذریعۂ نجات''، ''تہذیب المحافل''، ''مظہر الاسلام''، ''بیاض الحکمت''۔

۲۰ء میں حضرت شیخ اسید الحق قادری (شہید بغداد) نے تاج الفحول اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع کرایا۔

حافظ ذاکر بدایونی ۵/۶ رجنوری/ ۲۸/۲۹ رصفر ۱۳۳۴ھ کو وفات پائی۔

منتخب کلام

خود غزل لکھتا ہوں خود پڑھتا ہوں اپنی بزم میں کون سا مداح ہے میری برابر ان دنوں
دن کو ذاکر محفلِ میلاد کا ہے انتظام نعت کے اشعار لکھتے ہیں شب بھر ان دنوں

☆

روئے رسول مصحف لاکلام ہے دو صفحہ پر قرآن کا مطلب تمام ہے
عز و شرف اور مشکل و شمائل میں لاکلام بے مثل ذاتِ حضرت خیر الانام ہے
زاہد نہ تو نے پی جو مئے حبّ احمدی تو تیرے زہد خشک کو مرا سلام ہے
شیریں لبوں کے وصف سے شیریں سخن ہوں میں
مصری ثبات سمجھیں مرا وہ کلام ہے

☆

مولانا نجم الدین ثاقبؔ بدایونی

مولانا نجم الدین ثاقبؔ بدایونی ولد مولوی جمیل الدین کی ولادت ۱۱ر ربیع الاوّل ۱۳۸۵ھ مطابق ۲ر جولائی ۱۸۶۸ء کو بدایوں میں ہوئی۔

علوم مروّجہ فارسی، عربی وغیرہ کی تحصیل کرکے درسِ نظامی کی تکمیل مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں سے کی اور مڈل کا امتحان پاس کیا۔

بدایوں شاعری کا قدیم اور عظیم مرکز رہا ہے۔ اس شہر کے علمی معیار کا یہ عالم تھا کہ کمسن بچے بھی شعری شعور رکھتے تھے بلکہ شعر بھی موضوع کر لیتے تھے۔ (شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں)

سیّد شہید حسن بدایونی ''تذکرہ شعراء بدایوں'' میں رقمطراز ہیں:

''آٹھ سال کی عمر میں پہلی غزل کہی، جس کا مطلع یہ ہے:

کیا بتاؤں تمھیں کہ کیا ہوں میں اے بتوں بندۂ خدا ہوں میں

تحصیلِ علم کے بعد اپنے ماموں مولوی غوث وجدؔ کے پاس گوالیار چلے گئے۔ گوالیار سے ایٹہ آئے، وہاں سے رام پور، دہلی ہوتے ہوئے بڑودہ (گجرات) پہنچے اور میر احتشام علی خاں جاؔ دو رئیس بڑودہ کے مصاحب ہو گئے۔ داغؔ دہلوی سے کچھ مشورۂ سخن کے بعد ظہیرؔ دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔''

''تذکرہ خم خانۂ جاوید'' کے مصنف لالہ سری رام سے آپ کی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ لالہ سری رام ''تذکرہ خم خانۂ جاوید'' میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''راقم (لالہ سری رام) کی پہلے ۱۹۰۱ء میں بمقام دہلی ملاقات ہوئی، پھر ۱۹۰۷ء ماہ جولائی، اگست میں دورانِ قیام بمبئی (ممبئی) اکثر ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہتے تھے۔ پستہ قامت، زندہ دل، حد درجے خلیق، پابند وضع اور ملنسار شخص ہیں۔ آپ کی طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے۔ اکثر اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اچھے مضامین کی تلاش، الفاظ کا مناسب اور برمحل استعمال آپ کے کلام کا خاص جوہر ہے۔ زبان پر آپ کو حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ طبیعت میں روانی اور خیالات کی تازگی قابل تعریف ہے۔ نہایت زود گو اور خوش کلام شاعر ہیں۔ ''تذکرہ خم خانۂ جاوید'' کی جو تقریظ آپ نے ارقام فرمائی ہے، وہ آپ کی حیرت انگیز قدرت و مشاقی فن کا قابل قدر نمونہ ہے۔ کوئی خاص وقت فکرِ سخن کا معین نہیں، ہر وقت طبیعت حاضر رہتی ہے۔ استاد ظہیرؔ انہیں بہت چاہتے ہیں اور ان پر ناز کرتے ہیں۔ بارہا ایک ایک دن میں دو دو سو شعر کہنے کی نوبت آ چکی ہے۔''

ٹونک میں آپ کئی ماہ سے علیل اور صاحبِ فراش تھے۔ کسی تیماردار نے چند شعر محسنؔ کاکوروی کے نعتیہ قصیدے کے پڑھے۔ آپ نے اس بیماری کی حالت میں تین سو اشعار کا قصیدہ اسی زمین میں کہا۔ ظہیرؔ دہلوی نے بھی سنا تو بے حد متعجب ہوئے اور سخت ممانعت کی کیونکہ آپ کی حالت واقعی خراب تھی۔ پہلوانِ سخن کا خطاب بھی انہیں کا دیا ہوا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں ''کلامِ ثاقب'' شائع ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں ثاقبؔ بدایونی کا بدایوں میں انتقال ہوا۔

کلام

مطلع نور کی تضمین میں کالا بادل　　چشمہ خضر کہاں اور کہاں گنگا جل
باغ جنت کے مقابل میں فضائے گوکل　　سچ تو یہ ہے شعراء کے ہے دماغوں میں خلل

نعت اور کفر کی تضمین الٰہی توبہ
فرش کانٹوں کا بچھاتے ہیں بجائے مخمل
وادیِ نعتِ رسولِ مدنی ہے در پیش
چھوڑ اب چھوڑ یہ پرخار دجل
کیا رہِ نعت میں تاریکیِ شب سے خطرہ
دیدۂ خضر سے ہر گام ہی روشن مشعل
تشنگی کا جو خیال آئے دل رہ رو میں
لائیں الیاس بھی مہمان کی خاطر چھاگل
خوان نعمت کا چنیں دستِ مبارک سے خلیل
خوان نعمت کا چنیں دستِ مبارک سے خلیل
سن لے اب ثاقبؔ مداح کی دو دو باتیں
مدح خوانی کے سوا اور نہیں حسنِ عمل

☆

مولوی احمد حسن صدیقی قادری مجیدی وحشتؔ بدایونی

تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہوسکی۔ صاحب ''شعراء بدایوں دربارِ رسول میں'' نے لکھا ہے کہ آپ ضلع ہردوئی میں تحصیلدار تھے۔ والد کا نام مولوی غلام حسین تھا۔ شاہ عین الحق حضرت عبدالمجید قادری بدایونی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ حضرت ہادی القادری صاحب نے آپ کے بارے میں لکھا ہے:

> ''وحشتؔ، مولوی احمد حسن صدیقی قادری مجیدی متقدمین میں خاص مقام رکھتے تھے۔ باب مجیدی درسگاہ قادری کا اندرونی دروازہ جانب شمال کے سامنے آسودہ ہیں۔'' (نعت ومناقب، حصہ اوّل نغمۂ قدسی اساس)

آپ مولانا فیض احمد رسواؔ بدایونی کے شاگرد تھے۔ ''اکمل التاریخ'' میں مولانا ضیاء القادری بدایونی لکھتے ہیں:

> ''مولوی احمد حسین (حسن) وحشتؔ بدایوں کے مشاہیر شعراء میں تھے۔ نسبتاً شیوخ صدیقی رحمانی سے ہیں۔ شرفِ تلمذ مولانا رسواؔ بدایونی اور افتخار بیعت حضرت اقدس سرہٗ المجید (حضرت شاہ عبدالمجید قادری قدس سرہٗ) سے تھا۔ پیر کے عاشق اور بانسبت بزرگ تھے۔ آپ کا کلام نعت ومناقب میں اکثر محافل میلاد شریف میں پڑھا جاتا ہے۔''

۷/صفر ۱۳۰۷ھ/۳/اکتوبر ۱۸۸۹ء کو انتقال ہوا۔

کلام

مری عذر گنہ گاری تو دیکھو
کہوں گا اپنی غفاری تو دیکھو
چھپائے دامنِ رحمت میں عصیاں
یہ اس کی شانِ ستاری تو دیکھو

خدا بھی آمد آمد کا تھا مشتاق		شب اسراء کی طیاری تو دیکھو
ملائکہ کہہ رہے ہیں انبیاء سے		چلو حضرت کی سواری تو دیکھو
گئے دم بھر میں آئے لامکاں سے		کمال قدرتِ باری تو دیکھو
زباں پہ ربّ سلّم امّتی ہے		گنہ گاروں کی غمخواری تو دیکھو
کہا ہے سوف یعطیک فترضیٰ		حبیب اپنے کی دلداری تو دیکھو
خیالِ روئے حضرت خواب میں ہے		مرے طالع کی بیداری تو دیکھو
عنایت ہو دوا خاکِ قدم کی		مسیحا میری بیماری تو دیکھو
میں کیونکر سرخرو محشر میں ہوں گا		مری رنگِ سیہ کاری تو دیکھو
شفاعت کو کھڑے ہیں شاہِ کونین		مری شانِ خطاواری تو دیکھو
دکھادو آفتابِ رُخ کا جلوہ		مرے مرقد کی اندھیاری تو دیکھو
ملی جنت مدینہ میں نہ پہنچا		ذرا وحشت کی لاچاری تو دیکھو

☆

مفتی اکرام احمد لطف بدایونی

مفتی اکرام احمد لطف بدایونی کی ولادت ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کو بدایوں میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام (مفتی) غلام جیلانی تھا۔ تعلیم مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں حاصل کی۔ وفات ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔

مفتی لطف بدایونی کی وفات سے ۷۱ سال بعد تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیرِ اہتمام آپ کا کلام اور حالات زندگی ''مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری'' حضرت شیخ مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری (علیہ الرحمہ) کی ترتیب وتقدیم کے ساتھ شائع ہوا۔

حضرت شیخ صاحب اس کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

> ''مفتی اکرام احمد لطف قادری بدایونی مدرسہ قادریہ بدایوں کے فارغ التحصیل عالم اور حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔ اپنے اساتذہ اور مشائخ کی عقیدت ومحبت میں سرشار تھے۔ درگاہ قادری اور مدرسہ قادریہ سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، جس کا اندازہ ان کے منقبتی کلام سے بھی ہوتا ہے۔ مفتی کی شخصیت اور شاعری کا مطالعہ درگاہِ قادری سے الگ ہو کر ممکن نہیں ہے۔ کل بھی درگاہِ قادری کی نغمہ سنجی نے ان کو

اعتبار و وقار بخشتا تھا اور آج بھی وہی نسبت قادریت ان کی شناخت کا حوالہ ہے۔ یہ ان کی مضبوط نسبت اور محکم ربط کا ہی اثر ہے کہ وہ آج بھی درگاہِ قادری میں دوسرے شعرائے آستانہ کے ساتھ آرام فرما رہے ہیں۔''

مفتی لطفؔ بدایونی شاگردِ عزیز حضرت مولانا عبدالہادی القادری صاحب کا مضمون ''استاذ الاساتذہ'' جو ان کی حیات اور شاعری پر ہے، ''مفتی لطفؔ بدایونی شخصیت اور شاعری'' میں شائع کیا گیا ہے، اس مضمون میں حضرت ہادیؔ صاحب رقمطراز ہیں:

''مفتی لطفؔ نے بتایا کہ استاذ (صاحب الاقتدار مولانا عبدالمقتدر قادری قدس سرہٗ) نے شعر کہنے کا حکم دیا۔ روز طرح دی جاتی، شعر کہنے کی ہدایت فرمائی جاتی، طرح میں مصرعہ کم دیا جاتا، اکثر قافیہ دیا جاتا، ردیف اور بحر کا انتخاب ہمیں خود کرنا پڑتا۔ ہم دن بھر فکرِ سخن کرتے، عشاء کے بعد کاغذ ان کے ہاتھ میں پکڑا دیتے۔ فجر کے بعد ہماری غزل ہمارے ہاتھ میں دی جاتی، جو اصلاحات سے پُر ہوتی۔ روزانہ طرح دینے، رات کو ہماری دن بھر کی کاوش ساتھ لے جاتے، صبح ترمیمات دکھانے اور باریکیاں سمجھا کر غزل چاک کر دینے کا یہ سلسلہ سال بھر جاری رہا۔ آخر ایک روز انہوں نے چاک کرنے کے لئے کاغذ مانگا تو ہم نے ہمت کر کے ہاتھ کھینچ لیا اور صاف کہہ دیا اب ہم غزل پھاڑنے نہیں دیں گے، اس کے بعد پھر کوئی غزل چاک نہیں کی گئی۔''

آگے حضرت ہادی صاحب لکھتے ہیں:

''مفتی لطفؔ علیہ الرحمہ کا شمار اردو کے مسلم الثبوت اساتذۂ سخن میں کرنا چاہئے۔ وہ ہر صنف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ فن کے غوامض پر نگاہ تھی، اس لئے محاسن کو برتنے اور معائب سے اجتناب کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ان کے یہاں ہر قسم کا شعر ملتا ہے۔ لیکن اسقام سے بہر حال پاک ہوتا ہے۔''

تو وہ مہ خوبی ہے اے جلوۂ جانانہ　　ہر گل ترا بلبل ہر شمع ہے پروانہ
مستی میں بھی سر اپنا ساقی کے قدم پر ہو　　اتنا تو کرم کرنا اے لغزشِ مستانہ
یارب انہیں ہاتھوں سے پیتے رہیں متوالے
یارب یہی ساقی ہو یارب یہی مہ خانہ

مفتی لطفؔ بدایونی کا یوں تو تمام ہی کلام بہت اعلیٰ درجے کا ہے مگر ان کا یہ شعر بہت مقبول ہوا

اور ضرب المثل بن گیا:

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

اکثر تذکرہ نگاروں نے اس شعر میں ''کسی'' کی جگہ لفظ ''ہماری'' استعمال کیا ہے، جب کہ مفتی لطفؔ صاحب نے خود اس لفظ 'ہماری' کی جگہ 'کسی' کو ہی پسند فرمایا۔ 'کسی' اور 'ہماری' کے حوالے سے جو واقعہ گزرا، اس کے بارے میں ''نعت ومناقب حصہ اوّل نغمہ قدسی اساس'' میں حضرت ہادی القادری صاحب بقلم خود رقمطراز ہیں:

''شہر سے چادروں کا جلوس (بموقعہ عرس قادری) جارہا تھا۔ جب مدرسہ قادریہ محلّہ مولوی کے دروازہ پر پہنچا تو حسب معمول ٹھہرا۔ یہاں سب نعت خواں حضرات نغمہ سرائی کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین قادری صاحب نے مولانا ضیاء القادری کی غزل چھیڑی جو علامہ اقبال کی مشہور غزل ''کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں'' کی زمین میں ہے، مجمع پر کیف چھا گیا۔ پڑھنے والوں پر نذروں کی بارش ہونے لگی۔ مولوی نثار احمد قادری صاحب کو ان کے بعد پڑھنا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے پاس اس غزل کا جواب نہیں ہے، تو مجمع سے ہٹ کر چل دیئے۔ استاذ الاساتذہ مفتی لطفؔ علیہ الرحمہ نے جو انہیں کھسکتے دیکھا تو روکنے کو بڑھے۔ انہوں نے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ایک ہی رٹ تھی، میرے پاس جواب نہیں۔ مفتی جی نے بہت سمجھایا فلاں غزل پڑھ، اچھا فلاں غزل پڑھ، وہ اس پر بھاری ہے، یہ نہ مانے اور آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ درگاہ قادری مجیدی کے قریب قاضی حوض تک پہنچ گئے، تو مفتی جی کو جلال آ گیا، فرمایا: نکال پنسل کاغذ۔ قاضی حوض کی منڈیر پر بیٹھ گئے اور غزل ہونے لگی۔ ابھی غزل پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ جلوس قریب آ گیا، تو جو شعر ہو گئے تھے وہ پکڑا دیئے اور کہا درگاہ کے دروازہ پر پڑھنا شروع کر، میں شعر دیتا ہوں۔ اب جو مولوی نثار احمد قادری صاحب (نعت خواں) نے تازہ غزل شروع کی ہے تو مطلع پر ہی شعراء نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ پڑھتے جاتے تھے اور مفتی جی شعر دیتے جاتے تھے۔ ایک کیف تھا کہ چھایا تھا، فیوض کی بارش ہو رہی تھی، یہاں تک کہ انہوں نے پڑھا:

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

پھر تو یہ عالم ہوا کہ سارا مجمع بے قابو ہو گیا، سب جھوم اٹھے۔ حضرت شاہ

میاں (احسن مارہروی) علیہ الرحمہ دروازے میں صاحب سجادہ (عاشق الرسول حضرت مولانا عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ) کے ساتھ استادہ تھے، بے قرار ہو کر اترے (دروازے سے نیچے) پڑھنے والے کا منھ چوما اور اپنی شال اُڑھا دی۔ مولوی نثار احمد قادری صاحب کا بیان ہے کہ ساری اگلی پچھلی کسر نکل گئی۔''

آ گے لکھتے ہیں:

''عرسِ قادری ختم ہو چکا تھا مگر زبان پر مفتی جی کا شعر ہے۔ مفتی جی حسب معمول مدرسہ قادریہ تشریف لائے۔ حضرتِ اقدس سرہٗ برآمدہ میں تشریف رکھتے تھے، یہ بیٹھ گئے۔ حضرت نے پوچھا: ''مفتی جی ہماری بزم خیال'' کی تخصیص کیوں؟ کیا کسی کی بزمِ خیال میں بھی ان کی نظیر ممکن ہے، مفتی جی خوش ہو گئے، فرمایا یہی درست ہے، اور پڑھا:

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

مفتی لطفؔ بدایونی کا انتقال ۱۳۶۲ھ/۱۸۴۳ء میں ہوا۔

کلام

جو نصیب ہو تو شمار ہو یہ نیاز مایۂ ناز میں
کہ لگی ہو خاکِ درِ حضور مری جبینِ نیاز میں
یہ ہے اپنا حالِ دل حزیں غمِ عشقِ شاہِ حجاز میں
کہ برنگِ شمع تمام عمر کٹی ہے سوز و گداز میں
جو ہر ایک دل میں اثر کرے وہ کلام شاہِ انام ہے
کہ جسے عظیم خدا کہے وہ ہے خُلقِ بندۂ نواز میں
کوئی حسن و عشق چھپائے کیا کہ ہے ایک دونوں کا خاتمہ
وہ ہے خود فروشِ خدانما وہ نیاز میں تو یہ ناز میں
کہیں لعل ہے تو کہیں گہر کہیں شمس ہے تو کہیں قمر
یہ اُسی کا حسن ہے جلوہ گر جو نہاں ہے پردۂ راز میں
جو بشر ہے شانِ بشر سے دور تمام خلق ہے جس کا نور

یہ وہی حقیقت معتبر ہے عیاں لباسِ مجاز میں
رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں
ترا وصفِ حسن ہو کیا ادا تری ہر ادا ہے وہ جاں فزا
کہ ہزاروں غنچۂ دل کھلے ترے ایک تبسمِ ناز میں
دمِ حمد سجدۂ مصطفیٰ یہ نیاز ہے کہ یہ ناز ہے
پئے اذنِ بخششِ عاصیاں سرِ عجز خم ہے نیاز میں
تری ذات کا تو ہے ذکر کیا ترے ذکر کا ہے یہ مرتبہ
کہ بجائے مہر قبولِ حق ہے درود تجھ پہ نماز میں
تری ذات شانِ کمالِ رب ترا حسن ہے وہ مہ عرب
کہ سوئی سی شئے ملی وقتِ شب ترے اک تبسمِ ناز میں
انہیں کوئی رنج و لقب نہیں وہ ہر اک بلا سے الگ رہے
کہ جو سب کو چھوڑ کے آگئے ترے دامِ زلفِ دراز میں
درِ مصطفیٰ پہ جو سر رکھا تو ندا دی ہاتفِ وقت نے
ترے وہ بھی سجدے ادا ہوئے جو قضا ہوئے تھے نماز میں
وہ ہے کون جس کے اشارہ پہ ہوا کعبہ قبلۂ انس و جاں
جو پسند ربِّ علیٰ ہوئی وہ ادا تھی کس کی نماز میں
مجھے کام کیا تھا رکوع سے مجھے ہوش کب تھا سجود کا
ترے نقشِ پا کی تلاش تھی جو جھکا ہوا تھا نماز میں
ترے لطف کی ہے یہ آرزو کہ نہ جائے حشر میں آبرو
مرے پردہ پوش چھپا لے تو اسے اپنے دامنِ ناز میں

☆

مولانا ضیاء القادری ضیاء بدایونی

نام محمد یعقوب، تخلص ضیاءؔ، سلسلۂ قادری میں بیعت ہونے کے بعد قادری آپ کے نام کا حصہ بن گیا اور آپ ضیاء القادری کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام شیخ یاد حسین تھا۔ ۲۷؍رجب ۱۳۰۰ھ

مطابق ۳ر جون ۱۸۸۳ء کو بدایوں میں ولادت ہوئی۔علی احمد خاں اسیرؔ بدایونی کے شاگرد تھے۔

''اکمل التاریخ'' مولانا ضیاء القادری کی تصنیفات میں سب سے مقبول تصنیف ہے۔ اس کتاب میں اکابرین خانقاہ قادری بدایوں کا مفصل ذکر ہے۔ دوسری مرتبہ ۲۰۱۳ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے اسے شائع کیا۔اس کتاب کو حضرت شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری علیہ الرحمہ نے ترتیب دیا۔ضمیمہ میں کچھ اکابرین کے حالات رقم کئے۔مصنف کتاب مولانا ضیاء القادری کا بھی تعارف شامل کیا۔حضرت شیخ صاحب ضیاء القادری کی بیعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا ضیاء القادری کو ان کے خالو اور مربی مولانا علی احمد اسیرؔ بدایونی نے عنفوان شباب ہی میں حضرت تاج الفحول کا مرید کروادیا تھا۔ حضرت تاج الفحول کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے اور جانشین زبدۃ العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر مطیع الرسول قادری بدایونی قدس سرہٗ سے تجدید بیعت کی۔''

ضیاء القادری بہت زود گو شاعر تھے۔نعت ومناقب کے علاوہ انہوں نے نظمیں اور منظوم سفر نامہ بھی لکھے۔وہ ایک مرتبہ حضور قادری دولہا کے ہمراہ بغداد شریف گئے تو منظوم سفر نامہ لکھا۔اس سفر نامہ کے اکثر اشعار پیرومرشد اپنی مجلسوں میں سناتے تھے۔

ماہنامہ ''مجلّہ بدایوں'' پاکستان، اکتوبر ۱۹۹۳ء میں مولانا ضیاء القادری کی حیات وخدمات پر کئی مضامین شائع ہوئے۔اس شمارے میں سیّد محمد فاروق احمد لکھتے ہیں:

> ''مولانا نے اسلامی ادب اور نعتیہ شاعری کی مسند کو اسی طرح سنبھالا کہ جہاں بھی وہ تشریف لے گئے، شاعروں اور ادیبوں کا ایک حلقہ ایسا پیدا ہوگیا جو مولانا کی ترغیب وشفقت کی بنا پر صنف نعت ومنقبت کو اپنا کر دنیائے شعر وادب میں ممتاز مقام کا حامل ہوا۔ چراغ سے چراغ روشن ہوتے چلے گئے اور اس طرح نعت ومنقبت کہنے والوں کی بزم روز بروز فروغ پاتی رہی۔ سیکڑوں شعراء ان سے اصلاح لینے لگے اور اس طرح مولانا کی ذات نعتیہ شاعری کے ایک دبستان کی حیثیت اختیار کرگئی۔''

ضیاء القادری کا کلام یوں تو کئی رسائل میں شائع ہوتا تھا، مگر ماہنامہ ''آستانہ'' دہلی میں ہر ماہ پابندی سے شائع ہوتا تھا۔

مولانا ضیاء القادری نے ۱۴ کتابیں منظوم اور ۵ کتابیں نثر میں لکھیں۔۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے

گئے اور وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ ۱۳/اگست ۱۹۷۰ء/ ۱۳۹۰ھ کو پاکستان میں ہی وفات پائی۔

منتخب کلام

سرِ میزاں مرے پلّہ پہ جو آجائیں حضور
کوہِ عصیاں ہو تو پاسنگِ ترازو ہوجائے

☆

محشر میں فرشتے ہوں، نبی ہوں کہ بشر ہوں
حاضر ہیں فقط آپ کے دیدار کی خاطر

☆

حمدِ رب، نعتِ مصطفیٰ کے سوا
ہم سے کچھ اور اے ضیاءؔ نہ ہوا

☆

بزمِ ازل میں تم نے جب طرفِ نقاب اُٹھا دیا
فطرتِ حسن و عشق نے رازِ حجاب اُٹھا دیا
ساقیٔ مجلسِ ازل اُف یہ عطائے برمحل
میری طرف کو جھوم کر جام شراب اُٹھا دیا
حشر میں سب ہیں شاد کام سن کے نویدِ عفو تمام
کس نے سوالِ مغفرت روزِ حساب اُٹھا دیا
خوش ہو کر گروہِ عصیاں ہیں جو حضور درمیاں
رحمتِ حق نے خلق سے قہر و عذاب اُٹھا دیا
ساقیٔ خلد کا جمال دیکھ کے مے گسار نے
شیشہ شکست کردیا، جامِ شراب اُٹھا دیا
بن کے جوانِ سرفروش ہو رہِ حق میں گرم جوش
حشر یہ مے کدہ میں کیوں مست شباب اُٹھا دیا
اشکِ رواں نے دھو دیئے فردِ گناہ کے حروف
فتنہ یہ تو نے حشر میں چشم پُر آب اُٹھا دیا
سجدۂ شکر کر ضیاءؔ دیکھ جمالِ حق نما
شاہدِ بزمِ قدس نے طرفِ نقاب اُٹھا دیا

☆

انصار حسین زلاؔلی بدایونی

انصار حسین زلاؔلی بدایونی ولد تبریز حسین، ساکن بیدوں ٹولہ بدایوں کی ولادت ۲۵/مئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی۔ تعلیم بدایوں میں حاصل کی۔ بدایوں میں ہی وکالت کرتے تھے۔ حضرت شاہ نصیر الدین حسین المعروف چوٹی والے میاں سے بیعت تھے۔ پہلے بدایوں میں احمد حسن وحشتؔ بدایونی کو اپنا کلام دکھاتے تھے، بعد میں الطاف حسین حالؔی کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ۲۱/جولائی ۱۹۲۴ء کو انتقال ہوا۔

کلام

قیامت آئی کچھ اچھی گھڑی ہے
گنہ گاروں میں بے حد بن پڑی ہے

کہو نعتِ پیمبر روز محشر
بڑا دن مل گیا فرصت بڑی ہے

☆

بیانِ غم شہِ دیں کے حضور کر بیٹھا
بڑا قصور دل پر قصور کر بیٹھا
خطا معاف سمجھتا تھا نیک و بد لیکن
تمہارے زور پہ مولا قصور کر بیٹھا
ترے کرم نے تو دی تھی خبر معافی کی
ہوا قصور کہ ترکِ قصور کر بیٹھا
وفور یاس نے وہ دی سزا کہ جی چھوٹا
کچھ آسرا تھا دلِ ناصبور کر بیٹھا
نہ دیکھی مست محبت کی قلزم آشنائی
ذرا سی پی تھی کہ زاہد غرور کر بیٹھا
متاعِ خانۂ دل خیر حوصلہ معلوم
سو وہ بھی نذر نیاز حضور کر بیٹھا
حسام جنبش لب نے جواب خوب دیا
کہیں قمر بھی تھا دعویٰ نور کر بیٹھا
صبا جو لائی مجھے بندہ پروری کی نوید
حواس نذر ہوائے غرور کر بیٹھا
زلالی مجھ کو کسی نیک و بد کی فکر نہیں
حوالے ان کے میں سارے امور کر بیٹھا

☆

محمد عبدالجامع جامی بدایونی

محمد عبدالجامع جامی بدایونی ابن الحاج عبدالقدیر ساکن محلّہ، سوتھہ بدایونی ۲؍ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۴؍مارچ ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم مولوی ریاض الدین احمد فرشوری اور حضرت مولانا یونس علی محدث بدایونی سے حاصل کی۔

حضرت احسن مارہروی کے شاگرد تھے۔ سلسلۂ قادری میں حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں مارہروی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ جامی بدایونی نے بہاریہ کلام سے زیادہ نعتیہ کلام کہا۔ ذاکر بدایونی کے ''نبی خانہ'' میں ہونے والی نعتیہ محافل میں شرکت فرماتے تھے۔ نعتیہ دیوان ''زادِ آخرت'' کراچی سے شائع ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں کراچی چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ اُن کے تلامذہ میں رونق بدایونی مشہور ہوئے۔ ۹؍ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۴؍اپریل ۱۹۵۶ء کو انتقال ہوا۔

کلام

ملی نجات جو آئی قضا مدینے میں
گناہ ڈوب گئے موت کے پسینے میں
رہے لحاظ دم حاضر مدینے میں
پڑے نہ فرق ادب کے کسی قرینے میں
ملا تھا لطفِ حیات بہشت جینے میں
ہر اک فکر سے آزاد تھے مدینے میں

ہر اک جگہ مری عمر رواں ہوئی برباد — وہی شمار میں ہے جو کٹی مدینے میں
ولائے آلِ نبی ہے نجات کی کشتی — جناں پہنچ گئے بیٹھے جو اس سفینے میں
پھر ایک بار دکھا دے بہار جنت کی — مدینے والے بلا لے مجھے مدینے میں
نہا کے چل عرقِ انفعال سے جامیؔ — کہ غرق روزِ قیامت نہ ہو پسینے میں

☆

کفن پہناؤ تو خاکِ مدینہ منھ سے مل دینا
یہی بس ایک صورت ہے خدا کو منھ دکھانے کی

☆

عبدالحئی بیخوؔد بدایونی

عبدالحئی بیخوؔد بدایونی ۱۷ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام غلام سرور صدیقی تھا۔ الہ آباد سے وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ کئی شہروں میں وکالت کی۔ شاہجہانپور میں وکیل منصفی رہے۔ ابتدا میں خواجہ الطاف حسین حالیؔ سے مشورۂ سخن کیا۔ بعد میں مرزا داغؔ دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔

بیخوؔد بدایونی نے بہاریہ کلام کثرت سے کہا۔ بدایوں کی فضا جو عہد قدیم سے مذہبی رہی ہے، خاص کر خانقاہِ قادری سے وابستگی جہاں ہر پل قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ اس ماحول کا اثر بدایوں کے شعراء کے کلام میں نظر آتا ہے۔ بدایوں کے شعراء کثیر تعداد میں اس علمی و روحانی مرکز سے وابستہ رہے۔ بیخوؔد بدایونی بھی اس آستانہ سے منسلک رہے۔ اپنے کلام کے ذریعہ راسخ العقیدہ اور عاشق نبی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت حسنین کریمین سے اپنی محبت کا اس قطعہ میں اظہار کیا ہے:

ساری برکت انہیں کے ناموں کی ہے — جو چیز ہے دنیا میں اماموں کی ہے

☆

دوزخ ہے حسن کے دشمنوں کا مسکن — جنت شبیر کے غلاموں کی ہے

نعتیہ کلام

جب مدینہ ہی نہ دیکھا نظر آیا پھر کیا — دیکھ لے آنکھ مجھے تو نے دکھایا پھر کیا
کر حضوری نہ ملے تو غمِ دوری تو رہے — یہ بھی پایا جو نہ عاشق نے تو پایا پھر کیا

آپ کا انتقال ۱۹۱۲ء میں ہوا۔

☆

ثقلین احمد منوّر بدایونی

نام ثقلین احمد تخلص منوّر بدایونی، والد کا نام حسنین احمد، ولادت ۲؍دسمبر ۱۹۰۸ء کو خاندان متولیان محلّہ سوتھہ بدایوں میں ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد میونسپلٹی بدایوں میں ملازم ہو گئے۔ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور آخری عمر تک وہیں رہے۔ اپنے پھوپھا عیشؔ بدایونی (تلمیذ امیرؔ مینائی) کو کلام دکھاتے تھے۔ بعد میں جامیؔ بدایونی کے شاگرد ہو گئے۔ آپ کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے۔ نعتیہ دیوان ''منوّر نعتیں'' پر حکومت پاکستان نے آپ کو انعام سے نوازا۔ ۹؍مئی ۱۹۸۴ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

کلام

خدا کے بعد نکلتا ہے منھ سے نام ترا　　وظیفہ پڑھتی ہے مخلوق صبح و شام ترا
جو تجھ سے پہلے کوئی نام ہے تو نامِ خدا　　خدا کے بعد کوئی نام ہے تو نام ترا
یہ مہر و ماہ تری رفعتوں کو کیا جانیں　　مری نگاہ سے پوچھے کوئی مقام ترا
یہ قربِ خاص کہ خالق نے اپنے نام کے ساتھ　　درِ قبول پہ لکھا ہے صرف نام ترا
تری زباں سے وہ نکلا جو حق نے فرمایا　　کلامِ حق ہے خدا کی قسم کلام ترا
زبان دھوتے ہیں پہلے وہ پھول شبنم کے　　سحر کے وقت جو لیتے ہیں اُٹھ کے نام ترا
خوش نصیب منوّر پہ فیضِ نعتِ رسول　　قبولِ بارگہِ حق ہوا کلام ترا

☆

لب پر ہے ترا نام تو کیا اور طلب ہو　　اے صلِّ علیٰ یہ تو دوا بھی ہے دعا بھی
میں تم سے وہ کہتا ہوں جو کہنا ہے خدا سے　　جب تم مری سن لوگے تو سن لے گا خدا بھی

☆

قمر الحسن قمرؔ بدایونی

قمر الحسن قمرؔ بدایونی کی ولادت ۴؍صفر ۱۲۹۳ھ کو بدایوں میں ہوئی۔ آپ کا تعلق بدایوں کے حمیدی خاندان سے تھا۔ عاشق الرسول حضرت مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ ''بدایوں کے چند ادباء شعراء'' میں مبشر علی صدیقی لکھتے ہیں:

''جناب قمؔر بدایونی دورِ حاضر کے شعراء میں ایک ممتاز خوش گو شاعر ہیں۔ مجھ سے بعض دہلی و لکھنؤ کے مشہور شعراء اور حضرت احسن قبلہ مارہروی، جناب سائلؔ دہلوی وغیرہ نے بیان کیا کہ جناب قمؔر کی غزلیں مشاعروں میں ایک خاص رنگ قبول پاتی ہیں اور ان کا کلام سلاست وجدّت و معاملہ بندی اور زبان کی صفائی میں ایک مخصوص شرف و کمال رکھتا ہے۔ میں نے قمؔر صاحب کا کلام اکثر سنا ہے اور قومیات و نظم متعلق خلافت و درد اسلام وغیرہ میں ان کے کلام کے مختلف و متعدد نمونے تو میری ہی فرمائش سے تیار ہوئے ہیں۔ شوکت علی خاں فانؔی آپ کے ہم جماعت تھے۔ قمؔر بدایونی کا ملک کے جن موقر اردو جرائد میں کلام شائع ہوا، وہ ہیں: اودھ اخبار، انڈین پنچ، مخزن لاہور، نقاد آگرہ، مونس جبل پور، پیمانہ آگرہ، ستارہ علی گڈھ، علی گڈھ کالج میگزین، ذوالقرنین بدایوں وغیرہ۔''

درگاہِ قادری میں ہونے والے اعراس کی محفلوں میں پابندی سے شرکت کرتے اور کلام پیش کرتے تھے۔ حضرت ہادی القادری صاحب ''نعت و مناقب حصہ اوّل نغمۂ قدسی اساس'' بعنوان ''بقلم خود'' لکھتے ہیں:

''قمؔر، منشی قمرالحسن صدیقی قادری قدیری، راسؔخ دہلوی کے تلمیذ رشید بہت رواں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے سنایا کہ میاں بیعت ہونے کا خیال ہر وقت تھا مگر سرکار صاحب اقتدار کا وصال ہوگیا، تو طبیعت بے چین ہوگئی اور فوراً حضرتِ اقدس (عاشق الرسول حضرت مولانا عبدالقدیر قادری قدس سرہٗ) کا ہاتھ تھام لیا۔ اس سلسلے میں کہا ہے:

''نماز ہم نے ادا کی مگر قضا کے بعد''

مناقب خوب کہتے تھے۔ نعت خوانوں کے علاوہ خود بھی اپنا کلام محفلوں میں پیش کرتے تھے۔''

کلام

طیبہ کے طلبگار کو جنت نہ عطا ہو ۔۔۔ محشر میں کہیں اور قیامت نہ بپا ہو
دنیا تو سمجھتی ہے کہ محبوبِ خدا ہو ۔۔۔ تم بھی کہو اللہ کہ تم کون ہو کیا ہو
رحم آ ہی گیا آج انہیں ان کی بدولت ۔۔۔ اللہ کرے دردِ محبت کا بھلا ہو

کس بات کا سائل ہوں یہ کچھ نہیں کہتا
وہ مانگ رہا ہوں جو عنایت سے عطا ہو

اللہ محمد کی غلامی کا شرف دے
بس اس کے سوا حضرتِ دل اور نہ چاہو

سجدہ کے یہ معنی ہیں قمؔر اہلِ یقیں میں
گردن سے زیادہ سرِ تسلیم جھکا ہو

☆

مجتہد الدین عیشؔ بدایونی

مجتہد الدین عیشؔ بدایونی ۸؍شعبان ۱۲۸۷ھ کو محلّہ سوتھہ بدایوں خاندان متولیان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد اشجع الدین تھا۔ امیر احمد امیؔر مینائی کے شاگرد تھے۔ قبل از وقت رجسٹرار قانون گو کے عہدے سے پنشن لے لی۔ اکثر نعت ومناقب کہتے تھے۔ چھ دیوان، پانچ مثنویاں، پانچ مسدس، دو مرثیہ، چند قصیدے، نظمیں اور رباعیات ان کی یادگار ہیں۔ ''تذکرہ شعراء بدایوں'' میں عیشؔ صاحب کے تعلق سے شہید حسین صاحب نے ضیاء صاحب کی یہ تحریر نقل کی ہے:

> ''حضرت عیشؔ کے ایک ایک شعر سے ان کی کہنہ مشقی، پختہ رنگی، زورِ بیان اور بلند خیالی ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ طرزِ قدیم کے ایک کامیاب استاد اور جناب امیؔر مینائی کے ایک ممتاز شاگرد ہیں۔ ان کا عشقیہ اور نعتیہ کلام ارباب ذوق سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے اور ملک کے مختلف حصوں میں شہرت واشاعت پا چکا ہے۔''

کلام

تو کہاں اور مدح ممدوح حبیبِ حق کہاں
ہوش میں آ عیشؔ آنکھیں کھول دیوانہ نہ بن

☆

کیا پوچھتے ہو طیبہ میں کیا ملتا ہے
ہو جتنی طلب اس سے سوا ملتا ہے

ہے یہ بھی تلاش کیا مزے کی اے عیشؔ
ڈھونڈو جو نبی کو تو خدا ملتا ہے

قصیدے کے چند اشعار

جی میں ہے نعت نبی میں مطلع رنگیں لکھوں
منتظر ہیں دیر سے مشتاق ہیں اہلِ سخن

بول بالا ہے ترا دنیا میں اے شاہ زمن
باتیں کرتا ہے ترے منھ سے خدائے ذوالمنن

آدمی تو کیا فرشتوں پر بھی تجھ کو فوق ہے
مہبط روح الامیں ہے تیرا گھر تیرا وطن

غیب کے اسرار اکثر تجھ پہ افشاں ہوگئے
کھل گئے دل پر تری رازِ حقیقت من وعن

اللہ اللہ وہ شریعت تیری وہ تیری کتاب ہو گئے منسوخ سارے جس سے ادیان کہن
کر دیا اِس سمت سے اُس سمت تک سب کو نہال جب پڑی دنیا پہ تیری ابر رحمت کی بھرن
برسوں کے ڈوبے ہوئے تو نے نکالے آن میں صدیوں کے بگڑے ہوئے تو نے سنبھالے دفعۃً
تیرے تابع جملہ انعام و نباتات وحجر ترے زیر حکم سب پیر و جواں و مرد و زن
آ کے سیکھی دشمنوں نے بھی ترے ستوں کی چال ساری دنیا میں ہوا رائج ترے گھر کا چلن
سنجر صادق، معین صدق مصداق کرم موسم دامانِ رحمت موجِدِ طرز حسن
تاجدار شش جہت روح رواں چار یار شمع ایوانِ رسالت صدرِ بزم پنجتن
چارہ سازِ درد منداں حامی بیچارگاں شافع روز قیامت دافع رنج و محن
تو کہاں اور مدح ممدوح وحبیب حق کہاں ہوش میں آ عیشؔ آنکھیں کھول دیوانہ نہ بن

(شعراء بدایوں دربار رسول میں)

☆

مولانا عبدالماجد منظوؔر بدایونی

حضرت مولانا عبدالماجد قادری منظوؔر بدایونی کی ولادت خانوادۂ عثمانیہ بدایوں میں ۴؍شعبان ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۸؍اپریل ۱۸۸۴ء کو مولوی ٹولہ بدایوں میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام مولانا حکیم عبدالقیوم قادری تھا۔ ابتدائی تعلیم حضرت مولانا عبدالمجید مقتدری آنولوی اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب قادری بدایونی سے حاصل کی۔ درسِ نظامی کی کتابیں استاذ العلماء حضرت مولانا محبّ احمد قادری بدایونی سے پڑھیں اور تکمیل سرکار صاحب الاقتدار حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہٗ سے فرمائی۔ بعض اسباق والد گرامی حضرت مولانا حکیم عبدالقیوم شہید اور جد محترم حضور تاج الفحول سیّدنا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہٗ سے پڑھے۔ ۱۳۲۰ھ میں سرکار صاحب الاقتدار نے سند فراغت عطا فرمائی۔ اس کے بعد دو سال دہلی میں رہ کر حکیم غلام رضا خاں کے پاس طب کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۲ھ میں حکیم صاحب نے سند فراغت سے نوازا، جس پر مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے بھی دستخط کیے۔

جب حضرت تاج الفحول نے سرکار صاحب الاقتدار سیّدنا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہٗ کو اجازت وخلافت سے نوازا تو آپ کے والد حکیم عبدالقیوم شہید صاحب نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالماجد بدایونی کو سرکار کے دست حق پرست پر بیعت کروایا۔ اس طرح آپ کو سرکار کا سب

سے پہلے مرید ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بعد میں سرکار صاحب الاقتدار نے آپ کو تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔ (مشاہیر بدایوں)

مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنے زمانے کی تمام اہم قومی، ملی اور سیاسی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ مجلس خدام کعبہ (۱۹۱۲ء)، خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء)، جمعیۃ العلماء (۱۹۱۹ء)، تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء)، تحریک تبلیغ (۱۹۲۲ء)، تحریک تنظیم (۱۹۲۴ء)، مسلم کانفرنس (۱۹۲۹ء)، ہر تحریک میں ایک فعال کارکن، مشیر خصوصی، مخلص کارگزار اور اس تحریک کے مبلغ و واعظ کے طور پر شریک رہے۔ مدتوں صوبائی خلافت کمیٹی کے صدر رہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے رکن رہے۔ (ڈاکٹر شمس بدایونی: مضمون ''مولانا عبدالماجد بدایونی، مطبوعہ معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص: ۲۹۳)

مولانا عبدالماجد بدایونی اپنی گونا گوں سیاسی، قومی اور تحریکی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی شغف رکھتے تھے۔ مذہبیات، درسیات اور سیاسیات ہر موضوع پر آپ کی تصنیفات موجود ہیں۔ آپ کی ادارت میں ماہنامہ شمس العلوم نکلتا تھا۔ مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں، آپ نے ہی قائم کیا۔ چند سالوں میں مدرسہ شمس العلوم نے ہندوستان میں ممتاز مقام حاصل کرلیا۔ مولانا کی چند تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

خلاصۃ المنطق، خلاصۃ العقائد، خلاصۃ الفلسفہ، فلاحِ دارین، دربارِ علم، فتویٰ جوازِ عرس، القول السدید، عورت اور قرآن، خلافتِ نبویہ، الاظہار، فصل الخطاب، قسطنطنیہ، المکتوب، درس خلافت، تنظیمی مقالات، جذبات الصداقت، الاستشہاد (دعوت حق)، حقیقت مالابار۔

وفات: مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے ایک جلسہ کے سلسلے میں لکھنؤ تشریف لے گئے تھے، وہیں آپ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ ۳؍شعبان ۱۳۵۰ھ/۱۳؍دسمبر ۱۹۳۱ء کی درمیانی شب میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔

کلام

یہ بزم ہے مستِ جام ہوگی   پرواہ نہیں ساغر و سبو کی
اللہ ظہور اوّل آخر   وحدت ہے عیاں انائے سبو کی
مئے اتری گلے سے نور بن کر   ہے دل میں جھلک رگِ گلو کی
او مستِ خدا اِدھر بھی اک جام   ہو خیر تیرے خم و سبو کی
قربان ہو مقتدر کے در پر   حسرت ہے یہ دل کی آرزو کی

بزم کثرت میں آج منظوؔر گونجی آواز وحدۂ کی

☆

مولانا محمد عبدالہادی قادری ہادؔی بدایونی

مولانا محمد عبدالہادی قادری ہادؔی بدایونی خانوادۂ عثمانیہ کے چشم و چراغ تاجدار اہلسنّت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری دامت برکاتہم قدسیہ کے بڑے بھائی، عاشق الرسول حضرت مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی قدس سرہٗ کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳؍رجب ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں ہوئی۔ تعلیم اپنے آبائی مدرسہ، مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں سے حاصل کی۔ مدرسہ قادریہ سمیت کئی اداروں میں عربی، دینیات اور اردو ادب کے استاد رہے۔ ۱۹۷۸ء میں نظام کالج حیدرآباد سے رٹائر ہوئے۔ آپ کو عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

''خمیازۂ حیات'' جو آپ کے بہاریہ کلام پر مشتمل تصنیف ہے، اس کتاب کے ''حرف آغاز'' میں حضرت شیخ اسیدالحق قادری صاحب لکھتے ہیں:

> ''عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں پر یکساں عبور رکھتے تھے، جس کے ثبوت میں ان کی تینوں زبانوں کی شاعری کو فخر سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اردو نثر میں بھی ان کا ایک خاص اسلوب تھا، ان کے مختلف مضامین و مقالات کے علاوہ ان کے دواوین کے مقدمے ''تانک جھانک''، ''حقیقت مجاز''، ''بقلم خود'' اور ان کی سوانحی کتاب ''احوال و مقامات'' میں ان کی نثر نگاری کے بہتر نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔''

حضرت ہادؔی صاحب حضرت شیخ اسیدالحق قادری صاحب کے تایا تھے۔ حضرت شیخ صاحب کی زیرنگرانی اور ترتیب و تقدیم میں ہادؔی صاحب کی کئی تصانیف تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیراہتمام شائع ہوئیں۔

''باقیات ہادی'' میں حضرت شیخ صاحب رقمطراز ہیں:

> ''دولتِ فقر اور مشرب تصوف و سلوک، خاندانی ورثہ کے طور پر پایا تھا، ان کی اپنی قلندرانہ شان، طبیعت کے سوز و گداز عشق و مستی کی واردات نے ان کے سلوک کو مزید جلا بخشی تھی۔ اس کا اثر تھا کہ ہر قسم کا آرام اور آسائش ترک کر کے زندگی کے آخری سات آٹھ سال حضرت بابا بہاءالدین انصاری قدس سرہٗ کی درگاہ (دولت آباد، ضلع اورنگ آباد، مہاراشٹر) کی ایک تنگ و

تاریک کوٹھری میں چٹائی پر گزار دیئے۔''

حضرت فرید اقبال قادری صاحب کی کاوشوں کے طفیل آپ کا کلام ''نعت و مناقب'' کے نام سے دو حصوں (۲۱-۱۴۲۲ھ) میں شائع ہوا۔ حضرت فرید اقبال قادری صاحب حضرت ہادی صاحب کے بھتیجے ہیں۔

''نعت و مناقب'' کا پہلا حصہ ''نغمۂ قدسی اساس'' حضرت ہادی صاحب نے ۱۳۹۱ھ مرتب کرلیا تھا جو کنہی وجوہات کی بناء پر شائع نہ ہوسکا۔

مولانا ضیاء احمد صدیقی بدایونی، پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور مولانا سیّد معین الدین احمد قادری الجیلانی (لیکچرر گورنمنٹ کالج الہ آباد) نے تقریظ اور اشاریہ تحریر کیا۔

پروفیسر ضیاء احمد صدیقی بدایونی لکھتے ہیں:

> ''ہادی میاں نے ایک علمی ماحول میں آنکھ کھولی۔ جس سے ان کی قدرتی صلاحیتوں کی برابر جلا ہوتی رہی، ذہانت وفطانت سے بھی ان کو وافر حصہ ملا تھا، جن کی مدد سے علمی اکتساب کے مراحل بہ آسانی طے کیے۔ اب حیدرآباد دکن کے نظام کالج میں ربع صدی سے زیادہ سے عربی ادبیات کے استاد ہیں۔ شعر وسخن کا ذوق فطری تھا۔ اس پر درگاہ قادریہ مجیدیہ کی شعری مجالس اور ان میں شرکت کرنے والے منقبت نگاروں کی طرف سے مسلسل تحریک وتصدیق، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی عمر میں ایک خوش گو شاعر ہو گئے۔''

حضرت ہادیؔ صاحب نے مفتی لطف کا شاگرد ہونا بقلم خود ''نغمۂ قدسی اساس'' میں لکھا ہے۔

حضرت ہادی صاحب کے کلام ''نعت و مناقب'' کا دوسرا حصہ ۱۴۲۳ھ میں حضرت فرید اقبال قادری صاحب کی زیرِ نگرانی کراچی پاکستان سے شائع ہوا۔ یہ حصہ دوم ''خراباتِ نذرِ ساقی'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس حصہ میں بیشتر کلام ساقی کی ردیف میں ہے۔

حضرت ہادیؔ صاحب کا وصال بدایوں میں ہوا۔ آپ کا مزار درگاہِ قادری بدایوں میں ہے۔

منتخب کلام

زمانہ جس سے ہے تابندہ وہ شمس الضحیٰ تم ہو
مثال ہے مثالی پرتوِ نورِ خدا تم ہو

عروجِ بندگی کی میرے مولا منتہیٰ تم ہو
سرفرازِ مقام خاص عرشِ اصطفیٰ تم ہو

انا من نورہ والخلق من نوری سے ظاہر ہے
ظہورِ ممکناتِ دوجہاں کی ابتدا تم ہو

کوئی کیا کہہ سکے کیا قرب ہے قوسین منزل میں
وہاں اللہ کے انوار کا جلوہ ہے یا تم ہو
مٹے گی آج کفر و جہل کی ظلمت زمانے سے
مصافِ بدر میں نورِ خدا جنگ آزما تم ہو
تمہارے قدموں ہی سے ہے خدا کا گھر خدا کا گھر
ہوا ہے فتح بابِ کعبہ اور جلوہ نما تم ہو
خدا کی وحی جس کی بات ہے وہ تمہارا منھ
وہ خود کہتا ہے اللہ رمی دستِ خدا تم ہو
زمانہ بھر کو ہے اقرار اللہ شاہد ہے
وہ جس نے کر دیا ہے حق رسالت کا ادا تم ہو
بھلا کیا چیز ہیں یہ گتھیاں میرے مقدر کی
خدا کے فضل سے دارین میں عقدہ کشا تم ہو
کہیں کچھ کعبؔ و حساںؔ لطفؔ و میخوارؔ و ولیؔ شاید
یہ عاصی کیا بتا سکتا ہے اے سرکار کیا تم ہو
یہ شرب خمر کا سات الوصالی کی کرامت ہے
یہ چشم مست سالم قادری جلوہ نما تم ہو
کرم سے اپنے ہادیؔ کو وہیں رکھنا جہاں مولا
فقیر قادری، اچھے میاں، غوث الوریٰ تم ہو

☆

مولانا عبدالحامد قادری حامدؔ بدایونی

مولانا عبدالحامد قادری بدایونی ابنِ شہید مولانا عبدالقیوم قادری کی ولادت خانوادۂ عثمانی میں ۱۴/جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ مطابق ۷/دسمبر ۱۹۰۰ء کو ہوئی۔ تعلیم کی تکمیل اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالماجد بدایونی اور مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں سے کی۔

آپ کی تصنیف ''عقائد اہلسنّت'' دوسری مرتبہ مولانا دلشاد احمد قادری صاحب کی تخریج و تحقیق کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے شائع کی۔ اس کتاب کے ابتدائیہ میں حضرت شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا محمد عبدالحامد بدایونی جید عالم، شعلہ بیان خطیب، ملی قائد، مصنف اور صاحب طرز شاعر تھے۔ آپ نے عملی زندگی کا آغاز مدرسہ شمس العلوم کے نائب مہتمم کی حیثیت سے کیا۔ پھر اپنے بڑے بھائی مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے ساتھ ملی اور قومی تحریکات سے وابستہ ہوگئے۔ بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ دور قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک رہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے اور وہاں جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر بنائے گئے۔ مختلف مذہبی اور سیاسی موضوعات پر ۲۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ علوم اسلامیہ کی تعلیم کے لئے ایک عظیم

منصوبے کے تحت کراچی میں ''جامعہ تعلیمات اسلامیہ'' قائم فرمایا۔ ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء میں وفات پائی۔''

کلام

لکھیں گے ہم حضور کا وصفِ جمال کیا
ہم کیا ہماری فکر ہمارا خیال کیا

کس نور پر قمر کا فلک پر دماغ ہے
دھبّا ہو جس کے دل میں وہ صاحب کمال کیا

امّت تمام سایۂ ابرِ کرم میں ہے
خورشیدِ حشر آنکھ دکھائے مجال کیا

دربار شہ میں جاتے ہی یہ بے خودی ہوئی
پوچھا حضور سے کہ کریں ہم سوال کیا

زاہد ہیں عاصیوں کو حقارت سے دیکھتے
مخصوص ان پہ ہے کرم ذوالجلال کیا

پروانہ وار شمعِ حرم پر گرا ہے دل
دم بھر میں خاک جل کے ہوا یہ وصال کیا

حامدؔ حضورِ شاہ میں چل کر پڑھ غزل
گھر بیٹھے کام آئے گی یہ بول چال کیا

(انوار کی بارش)

کتابیات:

۱-اکمل التاریخ، مصنف: مولانا ضیاء القادری
۲-مولود منظوم، کلام: سیف اللہ المسلول حضرت فضل رسول بدایونی قدس سرہ
۳- دیوان تاج الفحول، کلام: حضرت تاج الفحول قدس سرہ
۴-شعرائے بدایوں دربارِ رسول میں، ڈاکٹر شمس بدایونی
۵-ہیجؔو بدایونی حیات وخدمات، ڈاکٹر اسعد بدایونی
۶-تذکرہ شمس مارہرہ، ترتیب: حضرت شیخ مولانا اسید الحق قادری
۷-تنبیہ المخلوق، مجاہد الدین ذاکرؔ
۸-احوال ومقامات، حضرت ہادی القادری
۹-مثنوی غوثیہ، کلام: عاشق الرسول حضرت مولانا عبد القدیر قادری
۱۰-کلامِ حامد، مرتبہ: عبداللہ ولی بخش قادری
۱۱-بدایوں کے چند ادباء وشعراء، مبشر علی صدیقی

۱۲-مردانِ خدا، ضیاء علی خاں اشرفی

۱۳-مشاہیر بدایوں، محمد تنویر خان قادری

۱۴-انوار کی بارش، مرتبہ: محمد تنویر قادری (شعرائے آستانہ کا نعتیہ کلام)

۱۵-مجلّہ بدایوں، ضیاء القادری نمبر اکتوبر ۱۹۹۳ء (پاکستان)

۱۶-تذکرہ شعراء بدایوں (لالہ سری رام کی تصنیف ''خم خانۂ جاوید'' میں، ترتیب: تسلیم غوری بدایونی

۱۷-دیوان نعت و مناقب (حصہ اوّل/ دوم)، کلام: حضرت مولانا ہادی قادری

۱۸-ماہنامہ ''پیامِ مظہر حق''، صفر المظفر ۱۴۱۹ھ، ۱۴۲۱ھ، ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ، ۱۴۲۴ھ، ۱۴۲۵ء

۱۹-تذکرہ شعراء بدایوں (حصہ اوّل، دوم)، شہید حسین بدایونی

☆ نئی سرائے، بدایوں (یوپی)

موبائل : 8433281179

☆☆☆

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (امروہہ، یوپی)

امروہہ میں نعت گوئی کی روایت

نعت گوئی کا اصل مقصد صرف اور صرف آقائے دوجہان رحمت اللعالمین، فخرِ انبیاء ورسل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کرنا ہے یا پھر آپ صلی اللہ علیہ کی تعلیمات، کارناموں اور اسوۂ حسنہ کا بیان کرنا یا پھر آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کا ذکر مبارک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 23/سالہ دورِ نبوت میں تیار فرمائی تھی جس کے بارے میں قرآن کریم میں رب کائنات نے یوں فرمایا:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ"

(قرآن مجید، پارہ:4،سورۂ آلِ عمران،آیت:110)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) جو بھیجی گئی عالم میں (اس لیے کہ) حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

بلاشبہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت وہ جماعت مبارکہ ہے جس سے اللہ راضی ہوا، اللہ رب العزت نے تین مرتبہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ''رضی اللہ عنہم ورضوعنہ'' کہ اللہ تم سے راضی ہوگیا اور تم اللہ سے، اسی طرح آقائے ولی نعمت سرور عالمیان محبوبِ رب اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"**اصحابی کنجوم اقتدیتم اهدیتم**" (میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرلوگے ہدایت پاجاؤگے۔)

سرزمینِ امروہہ کے ایک مشہور ترین عالم دین حضرت مولانا نعمت اللہ صدیقی (وفات: 1353ھ/ 1934ء) ابن حضرت مولانا محمد امانت اللہ صدیقی ساکن محلّہ قریشی جو کہ ایک بہترین

مقرر، پُرتاثیر واعظ اور تمام ہی علوم متداولہ میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ فن شعر گوئی کا بھی اچھا ذوق تھا، آپ کا ایک مسدس ''مسدس نعمت'' کے نام سے موجود و محفوظ ہے جو صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے اس کے چند بند بطور نمونہ یہاں درج کرتا ہوں:

جو آیاتِ قرآں سے سب پر عیاں ہے فضائل کا ان کے خدا مدح خواں ہے
خصوصیت اس میں کسی کی کہاں ہے مہاجر اور انصار کا جو بیاں ہے
جو ہوتا ہے ثابت خدا کے بیاں سے
عقیدہ خلاف اس کے آیا کہاں سے

عداوت صحابہؓ کی جس میں بیاں ہے روایت غلط ہے وہ بیشک جہاں ہے
فقط راویوں کا وہ وہم و گماں ہے محبت پہ ان کی جو قرآں عیاں ہے
اگر ظن بھی ہوتا یقین کے مقابل
تو پھر فائدہ کیا تھا قرآں سے حاصل

وہ اقوال سچے ہیں سارے نبیؐ کے تمام اہلِ ایماں ہیں قائل اسی کے
فضائل ہوں صدیقؓ کے یا علیؓ کے مخالف نہ ہوں جو کہ نصِ جلی کے
روایت کا معیار ہے نصِ قرآں
وہ کرتا ہے کھوٹے کھرے کو نمایاں

مؤرخ بیاں ان میں کرتے ہیں شدت بتاتا ہو قرآن جن میں محبت
تو ہے اہلِ ایماں کا یہ فرض حضرت حدیثوں سے ثابت ہو ان کی عداوت
حدیث اور تاریخ سے ہاتھ اٹھائیں
جو قرآں میں ہے اس پہ ایمان لائیں

مؤرخ کہاں اور کہاں قولِ یزداں کجا قول راوی کجا نصِ قرآں
ہمارا ہے نصِ الٰہی پہ ایماں عداوت صحابہؓ کی ہے کذب و بہتاں
عقیدہ ہو جس کا خلافِ خدا پر
اسے ناز زیبا ہے اپنے ذُکا پر

سرزمین امروہہ جو اپنی آبادی کے وقت سے ہی ایک دینی مذہبی خوبصورت چھوٹی سی بستی رہی ہے یہاں اسی وقت سے علم و فضل شعر و ادب کا چرچا بھی بام عروج پر رہا یہاں کے ادباء و شعراء، علماء و

فضلاء نے تمام تر صلہ وستائش کی تمنا و آرزو کیے بغیر صرف علم وفضل اور ادب عالیہ کی بے مثال خدمات انجام دیں اور کبھی بھی نام ونمود کی خواہش نہیں کی اور نا ہی اپنے لازوال کارناموں کو محفوظ و باقی رکھنے کا کوئی اہتمام کیا، اسی سبب سرزمین امروہہ کے فن کاروں ادباء وشعراء، علماء وفضلاء و دیگر صنعت و حرفت کے معماروں کا نام آج اس آب وتاب سے لکھا ہوا نہیں ہے جس کے وہ صحیح معنی میں مستحق تھے ورنہ تاریخی حوالوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت کی جاسکتی ہے کہ ''دبستانِ لکھنؤ'' و ''دبستانِ دہلی'' کو اول استاد، سرزمین امروہہ نے ہی عطا کیے یعنی دبستانِ لکھنؤ، کو شیخ غلام ہمدانی مصحفی جیسا استاد لاثانی امروہہ نے دیا جس کی بنیادوں میں غلام ہمدانی مصحفی کا خون ہی رواں دواں ہے، اسی طرح ''دبستانِ دہلی'' کو بھی سید سعادت جیسا ریختہ گو استاد امروہہ نے عطا کیا جس کی استادی کا لوہا میر تقی میر نے بھی مانا ہے۔

اتنا کچھ ہوتے ہوئے سرزمین امروہہ کے صاحبانِ کمال شعراء کا کوئی تذکرہ مرتب نہیں ہوا تھا، احقر کو پہلی بار 2004ء میں اللہ رب العزت نے اس سعادت سے نوازا کہ میں نے ''شعراء امروہہ'' کے نام سے ایک تذکرہ مرتب کیا جس میں ابتداء سے سن دو ہزار تک کے مرحوم شعراء کا ذکر مع نمونۂ کلام موجود ہے۔اس تذکرہ کو رضا لائبریری رامپور کے ممتاز وفعال او.ایس.دی.عالی جناب ڈاکٹر وقارالحسن صدیقی مرحوم نے بڑی آب وتاب کے ساتھ 2004ء میں رضا لائبریری رامپور سے شائع کیا۔

اس کے بعد راقم الحروف نے ایک تذکرہ ''امروہہ کے ہندو شعراء'' کے نام سے 2006ء میں اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع کیا۔اس کے علاوہ امروہہ کے علماء کرام کا تذکرہ ''تذکرہ علمائے امروہہ'' اور ایک تذکرہ ''امروہہ کے افسانہ نگار اور ان کے منتخب افسانے'' بھی شائع کیا۔ان کے بعد احقر کے قلمی تعاون کے ساتھ پاکستان سے محترم سید نقوش نقوی نے ایک ضخیم تذکرہ ''تذکرہ شعرائے امروہہ'' 2008ء میں اور ایک تذکرہ سید غیور حسن نقوی کے لائق فرزند محترم سید تنویر حسن نقوی نے ''ذوقِ غیور'' کے نام سے 2024ء میں اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع کیا مگر ان دونوں ہی حضرات نے شعرائے امروہہ کے غزلیہ کلام کو ہی اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے نعت کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔راقم الحروف کے ادبی منصوبوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ جلد ہی ایک تذکرہ امروہہ کے نعت گو شعراء پر ''امروہہ میں نعت گوئی کی روایت'' کے نام سے مرتب کرے گا مگر دوسری ادبی وتحقیقی مصروفیات کے سبب یہ کام ابھی تک سرانجام نہیں پایا تھا؛ البتہ محترم جناب ڈاکٹر شعائر اللہ خاں صاحب وجیہی کے حکم پر ایک طویل مقالہ 60-70 رصفحات پر مشتمل بعنوان ''امروہہ

میں نعت گوئی کی روایت'' لکھا تھا اس کو اپنے ایک مخصوص کرم فرما عزیزی رئیس احمد منصوری صاحب کو دیا تھا وہ انھوں نے کہیں ضائع کر دیا۔ اللہ رب العزت کی مدد چاہتے ہوئے از سرِ نو ''امروہہ میں نعت گوئی کی روایت'' پر قلم اٹھانے کی جرأت کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو حسن وخوبی اختتام تک پہنچا دے۔ آمین۔

غلام محمد نقشبندی

غلام محمد نقشبندی ابن الہ یار نقشبندی حسینی۔ علوم متداولہ سے بہرہ منداور راہ طریقت میں حضرت خواجہ عبداللہ المعروف بہ خواجہ خرد کے دست گرفتہ تھے۔ اپنے وقت کے معروف بزرگ اور عالم دین تھے۔ علامہ محمود احمد عباسی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''عالم فاضل، متقی وپرہیزگار باپ کے صحیح جانشین تھے، عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔''
>
> (تذکرۃ الکرام، محمود احمد عباسی، ص:99)

عباسی صاحب نے مندرجہ ذیل ایک حمد (فارسی) نقل کی ہے، میرے لیے یہ بھی فال نیک ہے کہ یہ سلسلہ حمد سے شروع ہوا۔

ظهر الحق بصورة الاشیا — مجمع الصفات والاسیا؟
گرچہ بے صورت است بیچون لیک — اوست پیدا بصورت چونہا
ہر چہ پوشید خلعتِ ہستی — لیس غیراً لذاتہ الاعلی
ذاتہائے من و تو ذات ویست — صفت او صفات ما و شما
اوست دانا بدانش من و تو — دانش اوست جملہ دانش ما
او ہمیشہ بچشم ما ظاہر — اوست د ایم بگوش ما شنوا
لیس فی الکون غیرہ ازلاً — لیس فی الدهر غیرہ ابداً
کل ما فی الوجود موجودٌ — کل ما فی الشهود قد شهداً
کشف ایں راز گیر بھائی گفت — در حقیقت خود است حق گویا

میر اسماعیل

میر اسماعیل ابن ابراہیم از نبیرگان حضرت شاہ ولایت ساکن محلّہ کٹرہ غلام علی، تعلیم وتربیت کے بعد خاندانی روایات کے مطابق عالم گیر بادشاہ کے عہد میں دامن شاہی سے وابستہ ہوکر دکن چلے گئے۔

آپ کا شمار امروہہ کے قدیم شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ کی ایک مثنوی ''وفات نامہ بی بی فاطمہ'' شمالی ہندوستان کی قدیم مثنویوں میں شمار ہوتی ہے۔ اسی مثنوی سے چند نعت اور منقبت خلفاء اربعہ کے اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:

کہوں نعت اب میں محمد رسول ۔۔۔ دو عالم کریں صدق دل سے قبول
محمد نبی ہیں گے دُرِّ یتیم ۔۔۔ ازل سے ابد تک ہوئے مستقیم
سبھی پر جو سردار ہیں مصطفیٰ ۔۔۔ شفیع دن قیامت کے ہیں مجتبیٰ
ہمارے بخت کیا ہیں روشن سدا ۔۔۔ نبی آدمیاں بیچ کہتا خدا
نبی کی صفت یہوت ہے بے شمار ۔۔۔ سکت کیا دھرں، وتنے بولوں بچار
بڑھیا نعت جو میں کہیا دل کے زور ۔۔۔ نبی آل اوپر پاک بولوں درود
دنیٰ بیچ دھج ہیں کریم اور سخی ۔۔۔ سفینہ انوں کو ہے کہتا نبی
سلام اب کہوں پاک اصحاب پے ۔۔۔ علوم اور حکمت کے بھی باب پے
چہار یار ہیں پاک روشن جہاں ۔۔۔ ابو بکر دوجے عمر ہیں پچھیاں
بھئی عثماں ہیں گے علی مرتضیٰ ۔۔۔ یو دونوں، جو داماد ہیں مصطفیٰ

حضرت شاہ عضدالدین محمد جعفری

حضرت شاہ عضدالدین محمد جعفری ابن حضرت شیخ حامد ہرگامی، ساکن محلّہ نوگزہ۔ آپ بیک وقت بہترین جید الاستعداد عالم دین بلند پایہ ادیب قادر الکلام شاعر و صاحب طرز مصنف اور صاحب نسبت و صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ آپ کی ولادت 24/رجب المرجب 1077ھ/۱۰/جنوری 1667ء میں ہوئی، تمام ہی اسلامی علوم پر دست گاہِ کامل رکھتے تھے۔ عربی، فارسی، سنسکرت وغیرہ پر کامل عبور تھا۔ ان تینوں زبانوں میں آپ کے اشعار اور تصانیف موجود و محفوظ ہیں۔ درس و تدریس سے شغف تھا، ہزاروں تشنگانِ علوم و معرفت کو فیوض علمی سے سیراب کیا۔ راہِ طریقت کے بھی شہ سوار تھے۔ اپنے عم بزرگوار حضرت شاہ محمدی فیاض جو کہ حضرت شاہ محبّ اللہ الہ آبادیؒ کے مرید و خلیفۂ خاص تھے، سے بیعت تھے۔ انھیں سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ آپ کی ایک تصنیف جو راہ تصوف کے ادق مسائل و رموز پر مشتمل ہے۔ ''مقاصد العارفین'' کو محترم پروفیسر نثار احمد فاروقی (م:28/نومبر 2004ء) نے تدوین و تصحیح متن کے بعد 1984ء میں شائع کیا۔ دوسری تصنیف ایک رسالہ بعنوان ''ستیہ سرووَر'' (بحر الحق) سنسکرت زبان اور فارسی رسم الخط میں ہے اور رموز تصوف پر مشتمل ہے مگر

افسوس تا این دم یہ رسالہ ناپید ہے۔ تیسری تصنیف ''قوۃ الکلام'' جو عربی، فارسی اور ہندی الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس کو احقر نے مخدومی پروفیسر نثار احمد فاروقی کے حکم اور انھیں کی زیرنگرانی تدوین و تصحیح متن کے بعد 2008ء میں رضا لائبریری رامپور سے شائع کرایا۔ آپ عربی، فارسی اور ہندی زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ ''دیوانِ عضدی'' کے نام سے دیوان بھی مرتب کیا تھا جو دست بردِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ اب راقم الحروف نے مختلف مآخذ سے آپ کا دیوان مرتب کیا ہے جو تقریباً 200/صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دیوان ان شاء اللہ جلد ہی شائع ہوگا۔ آپ نے طویل عمر پا کر 27/رجب 1172ھ/ 27/مارچ 1759ء میں وفات پائی، قطعہ تاریخ وفات یہ ہے:

کرد رحلت چو شاہ عضدالدین بست و ہفتم رجب ز دارِ فنا
سال تاریخ او چو پر سیدم گفت ہاتف کہ شد بامر خدا
1172ھ

نمونۂ کلام میں ایک فارسی نعتیہ قصیدہ ملاحظہ ہو:

آن دلبرے شیرین من شکر فشاں گفتار او بازار مہ رویاں ہمہ پر رونق از دیدارِ او
کانِ ملاحت در جہان خُمِّ صفا اندر عیان آن صبغۃ اللہ را نشان رنگے رُخِ ترازِ او
ماہ جنبش زد علم بالا فضاے لامکان تارِ عدم پیچیدہ شد از تابشِ انوارِ او
آن صُفحۂ زرین رقم، خطے نوشتہ خوش قلم خود سورۂ سرّ قدم چشمے قیامت کارِ او
چوگانِ رنگ عنبری، برگردِ گوے زر زری درحالِ خوش زیبا پری گیسوے مشک افشارِ او
شمشیر برقِ رستمی، بارانِ فیضِ حاتمی مینہ مراد مرد می دستِ کفے دُر بار او
آن خیلِ ارباب تُقا، جو یند محرابِ دعا اے روے آن خیر الوریٰ طاقے بلند آثارِ او
جادوے جعدش طرفہ دارد نہان زان طرۂ صد یوسف مصری کہ بر بستۂ ہر تارِ او
آن روضۂ خلدِ عدن، با حور و غلمانِ چمن زیبد بدید مرد و زن از سرو سایہ دارِ او
ہر تشنۂ آب خضر سر گشتۂ ظلمات سر یا بد نشانِ زندگی از چشمۂ اخبارِ او
آن سرور عالی حسب، شاہنشہے والا نسب ہر ذرّہ ملک جہان، خاکِ رہ رفتارِ او
جامِ جمے را پایۂ، اسکندر آئین مایہ ظل خدائی سایۂ قدّ صنوبر سارِ او
چون موسیٰ عمران دو صد بیخود بہر ہر گوشہ زان جلوۂ نورش کہ شد در وادی کہسار او
معراج او بر لامکان، فرمایش اندر انس و جاں تا روزِ محشر در جہان، می زیبد استقدار او

پاے برامش بر فلک، ہیبت فکندہ تا سمک
پیشش روان خیل ملک جبریل خدمت گار او

دارد بایزد خلوتے گانجا نمی گنجد ملک
آواز دربار نے بودِ تسبیح استغفار او

حر زِ بلا آن نوح را، در کشتیِ طوفانِ او
بودہ حروفِ نام وے، ہم اسم یار اکبار او

موسیٰ بآن فرِ سخن کو داشت بوے محرمی
حیرت برداندر دِلش از امت پادارِ او

عیسیٰ کہ آید بر زمین، از بہرآن دیو لعلین
باشد مرادش ہم یقین مہدی شود درکارِ او

اَوج کمال انبیاء شانِ مقامِ اولیاء
در دورِ فضل مرتبت یک نقطۂ پرکارِ او

نامش محمد مصطفیٰ، باد صلوٰۃ حق براں
ہم سرّ و ہم اندر عیان، جانم فدا اقرارِ او

برآلِ پاکش ہم رسد، ازمن بہر دم صد سلام
ہم باد بر روحِ مبارک ہر یکے از یارِ او

او ہست مہتاب جہان، یارانِ او ہمچو نجوم
زان جملہ مخصوصِ خدا خلفاے خوش خو چارِ او

اوّل خلیفہ بعدِ اُو شد صاحبِ تحقیق و وَرَع
کانِ سخا و صدق آن صدیق یار غارِ او

اِنَّ مالہ یوتی بندگی نشان فضل او
راہِ خدار نوردہ عالی مکاں غم خوارِ او

دوم خلیفہ صاحبِ عدل و عزا شمشیر زن
لشکر کشے کافر کسے غاری بکارِ زارِ او

الحق ینطق بر لسانِ آن امیر مومنان
فاروق رونق داد دینش عمرے ابرارِ او

این مقتدایانِ جہان نسبت بآن شہ داشتند
دو دُخترِ ایشان بدند از سرائے دارِ او

سوم خلیفہ بعدِ شان، سرچشمۂ حلم و حیا
بحرِ سخا، کانِ تقا، عثمانِ خوش کردارِ او

غواص دریاے قران، منشیِ وحی آسمان
زوجِ دو نورِ مصطفیٰ، ہم محرم اسرارِ او

چارم خلیفہ آن ولی راز نہانش را وصی
نامش علی، وصفش ذکی، شیر خدا کردارِ او

دلدل سواری بے مثل دروازۂ علم لدن
میزانِ حکمت را زبان، دراولیاء سردارِ او

نسبت بآن شاہِ جہان ایں ہر دو مہ را بد عیان
دامادِ ختم المرسلین بودند ہم دل دارِ او

سبطین پاکش درزمن بودہ حسین و ہم حسن
رضوان نسلش دو تن دو طوبیٰ پر بار او

از من سلامے ہر زبان بادا برین جملۂ شان
ہم بر ہر آزادے کہ شند خوش سروۂ گلزارِ او

غلام ہمدانی مصحفی امروہوی

استاد الاساتذہ شیخ غلام ہمدانی مصحفی امروہوی ابن شیخ ولی محمد ساکن محلّہ کالی پگڑی امروہہ۔ مصحفی عربی، فارسی اور اردو کے جید عالم اور تینوں زبانوں میں شعر کہنے کی قدرتِ کاملہ رکھتے تھے۔ انھوں نے

ایک دیوان عربی زبان میں بھی تیار کیا تھا جو تلف ہو گیا۔ اردو کے آٹھ دیوان اور فارسی کے تین دیوان آج بھی ان کی یادگار ہے، اس کے علاوہ نثر نگاری میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے۔ راقم الحروف نے آپ کا تفصیلی تعارف اس لیے یہاں پیش نہیں کیا اردو ادب میں آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

مصحفی امروہوی نے 1240ء میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ نمونتاً نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

نہ ہوگی جاں کنی کے وقت ہرگز تشنگی غالب — کہ تو اے مصحفی مداح ہے ساقیِ کوثر کا
خداوندا! نہیں مشتاق میں سرو و صنوبر کا — بروز حشر ہو سر پر مرے سایہ پیغمبر کا

آل محمد اقدس نقوی

آلِ محمد اقدس نقوی ابن مولوی اصغر حسین ساکن محلّہ گزری، امروہہ عربی، فارسی زبانوں میں اچھی مہارت رکھتے تھے، فن طب بھی پڑھا تھا۔ کلام میں مذہبی رنگ غالب تھا، نعت اور مرثیہ کے شاعر تھے۔ نمونۂ کلام کے طور پر نعت کے دو بند ملاحظہ ہو:

ساقی مجھے شرابِ طہورہ کا جام دے — تلچھٹ نہ جس میں ہو وہ مئے سرخ فام دے
کاسے پہ کاسہ صبح سے تا وقت شام دے — وہ مئے پلا کہ مجھے فرحت تمام دے
عاشق ہوں میں جنابِ رسولِ انام کا
دے بھر کے جام ساقیِ کوثرؐ کے نام کا

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے متعلق لکھتے ہیں:

ہر جا ہے رحمتِ غفار کا نزول — مسرور مؤمنین ہیں کفار ہیں ملول
ہوں گی دعائیں آج ہر شخص کی قبول — ہے آج روزِ عشرت و پیدائش رسولؐ
صف بستہ ہیں ملائکہ تعظیم کے لیے
ہر نخل ہے جھکا ہوا تسلیم کے لیے

مولوی ارشاد علی نظامی

مولوی ارشاد علی ارشاد نظامی ابن ابدال محمد فاروقی ساکن محلّہ جھنڈا شہید، امروہہ۔ ولادت یکم اگست 1825ء مطابق 15/ذی الحجہ 1240ھ میں ہوئی۔ فارسی کے قادرالکلام شاعر اور انشا پرداز تھے۔ خلیفہ الٰہی بخش امروہوی اور حاجی محمد مہدی ساکن قصبہ مئو وغیرہ سے تحصیل علم کی۔ فراغت کے بعد مختلف مقامات پر سرکاری ملازم رہے۔ ابتداً ضلع بجنور، انبالہ، لدھیانہ و فیروز پور لاہور کے محکمۂ بندوبست میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔ 1853ء سے منصرم وسررشتہ دار محکمۂ بدوبست اور چند اضلاع

میں قائم مقام تحصیل دار رہے۔ 1857ء میں صاحب کمشنر ملتان کے بڑے کارگزار اور معتمد خاص تھے۔ علم سے گہرا لگاؤ تھا، نادر قلم کتابوں کا ذخیرہ فراہم کیا تھا، فارسی نظم ونثر میں بعض رسائل آپ کی تالیفات سے ہیں۔ نثر میں انشائے ارشاد (قلمی) فرہنگِ ارشاد، مصدر ارشاد وغیرہ تالیف کیں۔ آپ ایک اچھے عالم، شاعر اور ادیب تھے۔ ساتھ ہی متقی، پرہیزگار و صوفیانہ مزاج رکھتے تھے۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ 5/شعبان 1318ھ مطابق 14/دسمبر 1900ء میں وفات پائی۔ بطورِ نمونہ کلام ایک نعتیہ قصیدہ سے چند شعر ملاحظہ ہوں:

نوبہارِ باغِ جود و ابر بُستان کریم — گلستانِ فیض و بخشش آبسالانِ کرم
والیِٔ ملکِ سخا و مالکِ شہرِ عطا — زیب بخش تحت و تاج کشورستانِ کرم
آفتاب روشنِ چرخ بلندی ہائے جاہ — اخترِ برجِ سخاوت ماہِ تابانِ کرم
برمساکین و غریباں وقف دارد مرحمت — می سزد وصفش اگر گویند عمانِ کرم
مخزنِ صد گنج داش و معدنِ یاقوت فیض — معطیٔ صد لعل روشن آں بدخشانِ کرم
حلم و الطاف و عطوفت مہر و اشفاق و سخا — ہست ہر دم ہمچو بستاں زاں بہارانِ کرم
مطلع خورشیدِ خوش خلقی و مہر چرخ مہر — عالمے روشن ازاں خورشید رخشانِ کرم
دُرّ می تابندۂ بُرج رفیع المنزلت — گوہرِ دُرجِ عنایت جوہر کانِ کرم
التفات و مرحمت مبذول حالِ بیکساں — دارد ہر دم آن سخی از راہِ فیضانِ کرم
معطیٔ گنجینہ و بخشندۂ صد بحر و کاں — کاں ز کمتر بخششِ آن ابر بارانِ کرم
سبز تر دارد بباغِ آرزوئ سائلان — دست رشک ابر تیران گوہر افشانِ کرم
اکنوں از راہ کمال عاجزی اندر دعا — دست خود برداشت ارشادِ ثنا خوانِ کرم
دورِ گیتی تا زنورِ مہر باشد پُر ضیا — تا کہ روشن از عطا شمع شبستانِ کرم

منشی سلام اللہ خاں سلامی

منشی سلام اللہ خاں سلامی ابن محمد اکبر خاں ساکن محلّہ کٹکوئی، امروہہ، ولادت 1827ء اردو فارسی ادبیات میں اچھا ملکہ پیدا کیا۔ 1845ء میں بسلسلۂ ملازمت گوالیر تشریف لے گئے اور ریونیو ڈپارٹمنٹ میں بحیثیت سروے آفیسر ملازم رہے۔ 1888ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے، فارسی کے اچھے عالم اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ زود گوئی کا یہ عالم تھا کہ ہر طرح میں دوغزلہ، سہ غزلہ کہتے تھے۔ آپ نے زیادہ تر نعت وغزل کی شاعری کی۔ 1905ء میں وفات پائی۔ نمونۂ کلام:

مومن نہیں جو عاشقِ ربِ عُلا نہیں — دنیا میں جس کو عشقِ حبیب خدا نہیں
تحریر کیا کرے کوئی اوصاف احمدی — قرآن میں وصف آپ کا کیا کیا لکھا نہیں
ہمت ہے شرط صاحب ایماں کے واسطے — ہاں دل سے دور روضۂ خیرالورا نہیں
ہو جیتے جی حصول زیارت حضور کی — اِس کے سوا کچھ اور ہماری دعا نہیں
وقت آخر سر ہو مرا اور تیرا آستاں — فدوی کی اور اس کے سوا التجا نہیں
روزِ حساب کی تو سلامی نہ فکر کر — حامئ حشر کیا تیرے مشکل کشا نہیں

مولوی حکیم محمد اسحاق پروین صدیقی

مولوی حکیم محمد اسحاق پروین صدیقی محلّہ گھیر مناف صدیقیان مناف پوتہ کو 1860ء میں پیدا ہوئے۔ آپ جید عالم دین اور حاذق طبیب تھے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی خلیفہ نوروز علی تھا۔ آپ نے تمام درسی علوم وفنون حاصل کئے، طبابت میں خاص طور پر کمال پیدا کیا۔ صاحبِ نخبۃ التواریخ کا کہنا ہے کہ ’’آپ طب میں ملکہ راسخہ اور تشخیص میں دراکہ قویہ رکھتے تھے۔‘‘ مزاج صوفیانہ تھا، حافظ کرامت علی خاں شاہجہانپوری سے بیعت تھے۔

ان علوم وفنون کے علاوہ شاعری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ نعت و مناقب اور غزل کے قادرالکلام شاعر تھے۔ پروین تخلص تھا۔ راقم الحروف کے پردادا تھے۔ شاعری میں آپ سید مومن حسین صفی امروہوی کے شاگرد تھے جیسا کہ تاریخ اصغری میں بیان کیا گیا ہے۔

’’............اور مولوی محمد اسحاق پروین صاحبِ علم عربی وفارسی ہیں اور علم طبابت بھی حاصل کر لیا ہے۔ یہ بھی شاعری میں سید مومن حسین صفی کے شاگرد ہیں۔‘‘

آپ کی اولادِ ذکور میں دو فرزند بڑے حکیم عبدالرزاق اور چھوٹے مولوی اخلاق احمد تھے جو بھوپال میں امین کے عہدے پر فائز رہے تھے۔ مولوی اخلاق احمد ہی احقر کے جدامجد تھے۔ حکیم محمد اسحاق پروین نے یکم نومبر 1906ء میں وفات پائی۔ آپ کی ایک طبی بیاض حکیم محمد صدیق صاحب امروہوی وارد حال بریلی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ آپ کی ایک فارسی اور اردو نعت ملاحظہ فرمائیں:

در نگاہم روئے زیبائے رسول — می کنم ہر جا تماشائے رسولؐ
خواہد افسرد آتشِ دوزخ کہ من — در دلم دارم تولائے رسولؐ
اے میندارید دیوانہ مرا — در سرِ من ہست سودائے رسولؐ

محفل ذکرِ نبی بابرکت است — ہم مبارک محفل آرائے رسولؐ
رفعتِ او از ثریا بر گزشت — ہست پروین نغمہ پیرائے رسولؐ

☆

شاہِ دین پاک کا دنیا میں جب آنا ہوا — شورِ الااللہ سے ویران بتخانہ ہوا
درحقیقت اک دہی دنیا میں فرزانہ ہوا — نام پاک سرور دیںؐ کا جو دیوانہ ہوا
ٹوٹ کر رسوا ہوا دنیا میں باطل کا فسوں — قصۂ حسنِ بتاں عالم میں افسانہ ہوا
میکدے ٹھنڈے ہوئے ہر رند کو ہوش آ گیا — اس طرح وا ساقیٔ کوثرؐ کا میخانہ ہوا
آب کی کیا آبرو، رو بروئے مصطفیٰ — آنکھ سے جو اشک ٹپکا رشکِ دردانہ ہوا
یہ دعا مانگوں گا اب یاں سے کہیں جانا نہ ہو — ان کےؐ روضے پر اگر میرا کبھی جانا ہوا

کہکشاں سے ہوگئی پروین کی قسمت بلند
شمع روئے مصطفیٰ کا جب سے پروانہ ہوا

مولوی قطب الدین قطب صدیقی

مولوی قطب الدین صدیقی ابن خلیفہ احمدالدین، ساکن محلّہ قریشی امروہہ۔ ولادت: 1280ھ، ابتدائی فارسی پڑھنے کے بعد لکھنؤ گئے اور منشی شمس الدین مؤلف ''نظم پروین'' سے فن خوشنویسی حاصل کیا۔ اسی دوران لکھنؤ کے دیگر اساتذہ سے علوم متداولہ حاصل کیے۔ بعد میں دہلی جا کر حافظ امیرالدین سے ''خط نسخ'' کی مشق کی اور فن خوشنویسی میں کمال پیدا کیا۔

علوم اسلامیہ، قرآن وحدیث، فقہ وتصوف وغیرہ؛ نیز علوم حکمت نجوم، جفر، رمل، طب، ریاضی، عزائم، سحر وکیمیا پر مہارت رکھتے تھے۔ ان فنون میں اکثر کتابیں تالیف کی تھیں جو ذائع ہوگئیں۔ رسالہ ''صلاح المؤمن'' اور مثنوی ''درالمنظوم'' 1932ء تک غیر مطبوعہ محفوظ تھیں، اردو فارسی عربی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ 30/ ربیع الثانی 1330ھ مطابق 1912ء بروز جمعہ وفات پائی۔ ایک فارسی نعت ملاحظہ ہو:

اکرم الخلق احمدؐ عربی — ہاشمی ابطحی و مطلبی
سید المرسلین امام ہدیٰ — مصطفیٰ مجتبیٰ حبیب خدا
منبع علم و مظہر اسرار — مہبط وحی و مطلع انور
آیت رحمت الٰہی اوست — در جہاں حجت الٰہی اوست

افضل الخلق و سید البشر است
بعد حق از ہمہ بزرگ تراست

سبب آفرینشِ عالم
خاتم الانبیاء شفیع اُمم

ہست جنت گلے زبستانش
صد چو رضوان غلام و در بانش

سیرش اَسریٰ بعبدہ لیلا
منزل قرب اوست اَو ادنیٰ

غاشیہ دار اوست جبرائیل
بر رکابش دوِندہ اِسرافیل

لامکان و مکاں براہش، فرش
طالب خیر مقدمِ او عرش

انبیاء منتظر بدیدارش
سروراں بندۂ و پر ستارش

رحمتِ حق برو و اصحابش
ہمہ ذریّات و احبابش

سیدی قطب عاجز ورنجور
تا کجا از سگان کویت دور

پیر مستجاب الدین مستجاب

پیر مستجاب الدین ابن محسن الدین رضوی ساکن محلّہ قریشی، امروہہ۔ ولادت تقریباً 1876ء میں ہوئی۔ عربی فارسی علوم کی تحصیل کی تھی۔ شعر گوئی اور نثر نگاری سے لگاؤ تھا، شاعری میں شبیر احمد خاں شبیر امروہوی کے شاگرد تھے۔ مستجاب اور صابر تخلص کرتے تھے۔ خورشید مصطفیٰ رضوی لکھتے ہیں:

''مستجاب الدین اچھے ادیب اور خوش فہم شاعر تھے۔ صابر تخلص کرتے تھے، نسوانی ادبیات سے خاص ذوق تھا۔ اس زمانے کے معیاری رسائل و اخبارات آپ کے رشحاتِ قلم سے آراستہ ہوتے تھے۔ 1911ء میں ایک کتاب ''انشائے مستجاب'' تحریر کی جو بہت مقبول ہوئی۔

اکتوبر 1918ء میں انتقال کیا۔ اولاد میں صرف ایک صاحب زادی صابرہ خاتون تھیں جو خورشید مصطفیٰ رضوی کی والدہ تھیں:

میں گنہگار جہاں ہوں یا حبیبؐ
مجھ کو دامن میں چھپایا چاہیے

ہم گنہگاروں کو رحمت کی تریؐ
حشر کے دن شامیانہ چاہیے

آرزو بر آئے گی اے مستجاب
سائل اس کے در کا رہنا چاہیے

حکیم زین العابدین ضیغم رضوی

مولوی حکیم زین العابدین ضیغم رضوی ابن حکیم اکبر علی ابن حسن عسکری، ذی استعداد عالم اور ماہر فن طبیب تھے۔ ایک مدت تک کرنال اور مظفر نگر وغیرہ میں کامیاب مطب کیا۔ اس کے علاوہ بجنورو

مراد آباد میں آپ کے دو پریس بھی تھے۔ شاعری کا اچھا مذاق رکھتے تھے۔ ''نعرۂ ضیغم'' آپ کی منظوم تصنیف یادگار ہے۔ 11/ جولائی 1928ء کو وفات پائی۔ نمونہ کلام:

السلام اے آفتابِ رونقِ ایمانِ دیں ماہتابِ اوجِ عرفاں نورِ رب العالمیں
آپ ہی ہیں باعثِ ایجادِ باغِ کائنات شافعِ روزِ قیامت بادشاہِ ملک و دیں
ہے یہ ضیغم بھی ثنا خواں آپؐ سے ذی جاہ کا
مہر کیجیے اس پہ صدقہ فاطمہؓ کے ماہ کا

معصوم علی سیماب

معصوم علی سیماب ابن حسین بخش ساکن محلّہ پیرزادہ، ولادت 1850ء فارسی عربی کی تعلیم حاصل کی، تکمیل تعلیم کے بعد درس وتدریس کا شغل اختیار کیا۔ ریاست تاج پور ضلع بجنور، بچھرایوں اور امروہہ وغیرہ میں مدرس رہے۔ شعر گوئی میں اچھا ملکہ پایا تھا۔ ایک مثنوی ''جادوئے رواں'' مطبوعہ 1313ھ اور ''شمع ایمنِ معرفت'' 1918ء، آپ کی یادگار ہیں۔ 1928ء میں وفات پائی۔ ایک فارسی نعت ملاحظہ ہو:

اے خسروِ عرش آستاں مشتاقِ دربارِ تو ام وے سیر گاہت لامکاں مشتاقِ در بارِ تو ام
رشکِ گلِ تر روئے تو سنبل خجل از موئے تو اے قامتِ سروِ رواں مشتاقِ دربارِ تو ام
اے نورِ چشمِ بوالبشر خاکِ درِ تو سر بسر شد سرمۂ چشمِ بتاں مشتاقِ دربارِ تو ام
نے جز غمت غم خوارِ من، نے غیر ذکرت یارِ من افتادہ ام بے خانماں مشتاقِ دربارِ تو ام
بیمارِ شوقت نیم جاں از دردِ فرقت ناتواں دل نالہ کش، لب پُر فغاں مشتاقِ دربارِ تو ام
تاریک شب، رہ پُر خطر، گم کردہ راہ و راہبر وا ماندہ دور از کارواں مشتاقِ دربارِ تو ام
اے مولدت فرشِ زمیں وے مسکنت عرشِ برین بازی گہت کون و مکاں مشتاقِ دربارِ تو ام
می خواہد از دردِ دل سیماب تو امروہوی برخواں ازیں ہندوستاں مشتاقِ ربارِ تو ام

خلیفہ شمس الدین وافی صدیقی

خلیفہ شمس الدین وافی صدیقی ابن خلیفہ فیروز علی۔ ساکن محلّہ گھیر مناف، امروہہ عربی فارسی علوم پر اچھی نظر تھی، فارسی کے یکتائے زمانہ استاد تھے۔ مدت العمر اپنی آبائی مسجد میں امام وخطیب رہے۔ وہیں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ شعر گوئی میں اچھا ملکہ حاصل تھا۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ قلمی دیوان موجود ہے جو راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا۔ 1930ء میں وفات پائی اور درگاہ شاہ

گھاسی میں مدفون ہوئے۔ نمونۂ کلام:

سبق ہر دم ہے مجھ کو مصحفِ رخسار دلبر کا ہے ابرو مد بسم اللہ اس قرآنِ اطہر کا
ہے عکس آئینہ دل میں جو اس روئے منور کا قمر روشن ہوا پرتو پڑا خورشید انور کا
ہے میرے خانۂ دل میں مکاں اللہ اکبر کا ملا ادنیٰ کو اعلیٰ رتبہ دیکھو عرش برتر کا
مجھے دہشت نہیں ہنگامۂ محشر سے اے وافی وسیلہ ہے ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کا

شاہ عبدالحلیم حلیم عباسی

شاہ عبدالحلیم حلیم عباسی ابن مولوی عبدالکریم، ساکن محلّہ ملانہ، امروہہ۔ پیدائش 1832ء مطابق 1248ھ میں ہوئی۔ اپنے والداور دیگر اساتذہ سے اردو اور عربی پڑھی۔ عرصہ تک محکمۂ فوج ریاست جے پور میں متصدی رہے۔ مزاج صوفیانہ تھا۔ حضرت شاہ محمد زماں خاں صاحب سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ شاعری میں نواب محمد زکریا خاں ذکی دہلوی سے تلمذ تھا جو مرزا غالب کے شاعر تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ ''خزینۂ ندرت'' کے نام سے 1911ء میں آپ کا دیوان شائع ہوا۔ آپ نے 22/ربیع الاول 1350ھ مطابق 7/اگست 1931ء کو انتقال کیا۔

نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

اخلاقِ محمد سے مہذب ہوا عالم تہذیب کا انکار ہے انکار محمد
وہ لوگ ملائک سے نہ تھے رتبہ میں کم تر ہر وقت تھے جو حاضر دربارِ محمد

مولوی شوکت حسین نوری رضوی

مولوی شوکت حسین نوری رضوی ابن پیر اقبال حسین۔ پیدائش 1287ء مولانا احمد حسن محدث امروہوی اور مولانا محمود الحسن شیخ الہند اور مولانا خلیل الرحمٰن وغیرہ سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ میرٹھ میں مدرس رہے، صاحب استعداد و ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ اور سہروردیہ میں بیعت تھے۔ آپ کی ایک مثنوی ''مسدس نوری، دربیان عقائد ضروری'' ہے جس میں کل 73 بند ہیں۔ حمد و نعت اور مدح صحابہ کے علاوہ بعض عقائد باطلہ کی رد ہے۔ آپ نے دسمبر 1938 مطابق 1357ھ میں ساہونگلہ میں وفات پائی۔

نعت پاک کا ایک بند ملاحظہ ہو:

نبیوں کے معجزات بھی اور ان کا حال و قال فطرت کی بھی سلامتی اخلاق کا کمال

احمد مگر تھے سارے کمالوں میں بے مثال ہوتے ہیں یہ امورِ نبوت پہ ان کی دال
نبیوں میں کوئی آپ سا ہرگز ہوا نہیں
بہتر ہیں ساری خلق سے لیکن خدا نہیں

مجاہد حسین جوہر

مجاہد حسین جوہر ابن نثار حسین، ساکن محلّہ دانشمندان، امروہہ۔ ولادت تقریباً 1291ھ مطابق 1874ء میں ہوئی۔ تحصیل علوم کے بعد کچھ عرصہ کلکٹری بدایوں میں ملازم رہے بعد کو مراد آباد میں اپنا ایک پریس ''جوہر پریس'' کے نام سے قائم کیا اور ایک مذہبی رسالہ ''اتحادِ اسلام'' جاری کیا جس کو بعد میں امروہہ منتقل کر دیا تھا جو ایک ہفت روزہ کی شکل میں ''اتحاد'' کے نام سے جاری رہا۔ مجاہد حسین جوہر کی شاعری زیادہ تر اصلاحی اور مذہبی شاعری ہے، اصلاحِ معاشرہ پر انھوں نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ آپ نے 1357ھ مطابق 1938ء میں وفات پائی۔ ''مسدس جوہر'' مطبوعہ 1910ء سے دو نعتیہ بند ملاحظہ ہوں:

امت کا ناخدا تھا محبوبِ کبریا تھا اپنا رسول اکرم جو فخر انبیاء تھا
خالق تھا اس پہ عاشق خالق پہ وہ فدا تھا عرشِ علا پہ جس کو حق نے طلب کیا تھا
گر اس کا دم نہ ہوتا یہ انس و جاں نہ ہوتے
گر وہ نبی نہ ہوتا نو آسماں نہ ہوتے
ہرگز نہ اک نبی نے توقیر پائی اس کی ہر چیز سے عیاں ہے جلوہ نمائی اس کی
لا ریب حق اسی کا بیشک خدائی اس کی معراج سے ہے ظاہر حق تک رسائی اس کی
کیا خوب نامِ نامی اس کو دیا خدا نے
محمود سے محمد مشتق کیا خدا نے

ممتاز الرحمٰن بدنام صدیقی

شاہ ممتاز الرحمٰن عرف عبیداللہ شاہ بدنام خلف شیخ محمد اسحاق ساکن محلّہ قریشی از نبیرہ گانِ حضرت شاہ عبدالہادی کی ولادت 1284ھ میں ہوئی۔ کلامِ پاک کے بعد اردو، فارسی؛ نیز ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی اور بارہ سال تک مختلف مقامات امروہہ، مراد آباد، سنبھل، آگرہ وغیرہ میں ملازم رہے۔ صوفیانہ مزاج کے سبب ملازمت سے دست کش ہو کر بزرگوں کے مزارات کی زیارت اور چلہ کشی شروع کی۔ سندھ، بلوچستان، پنجاب، پٹیالہ وغیرہ اور سرحد کے مختلف علاقوں کی سیاحت کی۔

شعر گوئی سے خاص لگاؤ تھا، بڑے زود گو اور قادرالکلام شاعر تھے۔ پہلا دیوان ''زرقِ بلیغ'' (1349ھ) کے تاریخی نام سے شائع ہوا جس کی یہ خصوصیت ہے کہ جو غزل جس حرف سے شروع ہوئی اسی پر ختم ہے، اسی کے آخر میں 124/اشعار پر مشتمل ایک نعتیہ قصیدہ ہے جس کا ہر شعر لام سے شروع اور لام پر ختم ہے۔

دوسرا دیوان ''غدق حرمین'' (1349ھ) ہے جس میں غزلیات کے علاوہ مناقب وقصائد، مثنویاں، رباعیات؛ چند توشیحات بھی شامل ہیں۔ 9/ربیع الثانی 1370ھ مطابق 18/جنوری 1951ء بروز جمعرات وفات پائی۔

اب آپ کے دونوں دیوان نادرونایاب ہیں مگر راقم الحروف کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔آپ کے اس نعتیہ قصیدہ سے چند متفرق اشعار بطورِ تبرک یہاں کرتا ہوں:

للہ الحمد اٹھا جھومتا کالا بادل | بڑھتا جاتا ہے سوئے یثرب وطیبا بادل
لائی ہے بادِ صبا صفلِ بہاری کی نوید | دردوغم جائیں گے اب راحت وفرحت سے بدل
لیجیے اب چمن دہر کی ہوگی تزئین | رشک گلزارِ ارم ہوں گے یہ سب دشت وجبل
لے لیا ہاتھ میں ہر ایک نے تنظیم کا کام | غول کے غول فرشتوں کے بھی آئے ہیں نکل
لیے پھرتی ہے نسیم سحری بوئے حنا | دل عشاق کے کھلتے نظر آتے ہیں کنول

☆

لذتِ عشق محمد میرے دل سے پوچھو | کیا خبر ہے انھیں ہے عشق ہی جن کا مہمل
لطف اندوز ہوئے اس سے اویس قرنی | عشق حضرت میں یقینی ہے وہ سب سے افضل
لام اور میم جدا ہونے سے بنتا ہے احد | ہے یہ الحمد کی تفسیر کا نقشہ مجمل
لام ہی اس سے علاحدہ ہو تو احمد بن جائے | وہ سمجھتا ہے اسے جس کو ہے نوری اٹکل
لائق حمد و ثنا ذات ہے اس سرور کی | جس کو اللہ نے پیدا کیا سب سے اول
لائے تشریف اس عالم میں حضورِ انور | نورحق سے ہوئے پُر نور سبھی دشت وجبل
لے اڑے حور و ملک جن و بشر عالم میں | مژدہ آمد سردار نبی و مرسل
لولاک کا یہ صاف پتہ دیتا ہے | باعث خلق دو عالم کے یہی روز ازل
لوں اگر نام محمد تو یہ لطف آتا ہے | دل میرا شوق سے بن جاتا ہے نوری مشعل
لاتعد نعمتیں اللہ نے عطا فرمائیں | شکر ہو کس سے ادا کر سکے کون اس کا بدل

لمحہ بھر کو بھی نہ ہو دوری محمدؐ سے مجھے
صورتِ پاک نہ ہو آنکھوں سے میرے اوجھل
لکنت آئے نہ زباں میں میری یارب دم نزع
پورا کلمہ ہو زباں پر میری جب آئے اجل

☆

لوگ کہتے ہیں قصیدہ ہے بڑے پائے کا
میرے نزدیک نہ یہ قطعہ رباعی نہ غزل
لے لیا نام محمد کا کسی حیلہ سے
مدت العمر رہا ہے یہ اپنا تو عمل

انیس الدین انیس رضوی

انیس الدین انیس رضوی ابن رئیس الدین رضوی کی ولادت 22/جولائی 1903ء کو علی جان منزل محلّہ قریشی میں ہوئی۔ امروہہ اور میرٹھ سے ہائی اسکول، انٹر وغیرہ کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیوسٹی سے 1926ء میں تاریخ میں ایم.اے. اور 1930ء میں ایل.ایل بی. کیا۔ بریلی، رامپور اور مرادآباد میں وکالت کی۔ شعری ذوق زمانۂ طالب علمی ہی سے تھا۔ علی گڑھ کے دورانِ قیام اچھی نظمیں لکھیں جس کی بناء پر آپ ''انجمن حدیقۃ الشعراء'' کے سکریٹری بنائے گئے اور ایک نظم ''پیامِ وداع'' پر آپ کو ''ملک الشعراء'' کا خطاب ملا۔ آپ نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن زیادہ تر رجحان نعت ومنقبت اور اصلاحی نظموں پر تھا۔ شعر گوئی کے علاوہ ادبی و تحقیقی مضامین بھی لکھے جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔ آپ ایک اچھے افسانہ نگار بھی تھے۔ آپ نے رزم وطن کے افسانے اور ''منتخب روسی افسانوں'' کا اردو ترجمہ بھی کیا۔ اپنا دیوان ''نقدِ ہستی'' کے نام سے مرتب کیا تھا جس کو آپ کے پوتے سید اسعد مصطفیٰ رضوی نے 2012ء میں شائع کیا۔ 6/جولائی 1952ء مطابق 13/شوال 1371ھ کو وفات پائی۔ نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

المدد اے قبلۂ ایمان و دیں
الغیاث اے رحمت اللعالمیں
تیری امت کی بری حالت ہوئی
چشم رحمت باز کن مارا ببیں
اے کہ نامت حرز جان عاشقاں
اے کہ ذکرت جان پاک مومنیں
اے حبیب جملہ اہل کائنات
اے شفیع اولین و آخریں

عبدالوحید وحید رضوی

عبدالوحید وحید رضوی ابن عبدالمجید، ساکن محلّہ پیرزادگان، امروہہ۔ ولادت: 1889ء علام متداولہ کی تحصیل کے بعد 1905ء میں رانچی اور ہزاری باغ میں ملازم رہے بعد میں ریاست سروہی (راجستھان) میں منصرم مقرر ہوئے۔ 1950ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ موزوں طبع تھے، صرف نعت و منقبت کہتے

تھے۔تاریخ گوئی میں بھی خاص ملکہ تھا۔قطعاتِ تاریخ کا مجموعہ ''اسرارِ بدرچشتیؒ'' کے نام سے 1381ھ مطابق 1962ء میں کراچی سے شائع ہوا۔اس کے علاوہ مثنوی سید محمود مالامال کرمانی مرتب کرکے 1962ء میں شائع کی۔13/جنوری 1964ء میں وفات پائی۔نموتہً ایک نعت پاک ملاحظہ ہو:

خدائے قادرِ مطلق جو ہو مدح سرا تیرا　تو بندہ وصف کیا لکھے شہ ہر دو سرا تیرا
عروج مرتب کی شان کا قرآن واصف ہے　کہ سبحان الذی اسرا لکھا ہے مرتبا تیرا
گنہگارانِ امت کی تو کیا گنتی ہے محشر میں　تمامی انبیاء بھی تکتے ہوں گے راستا تیرا
یہی ہے حسرت وارماں یہی ہے آرزو دل کی　کہ ان آنکھوں سے دیکھوں وہ دیار پرضیا تیرا
وحید زار کیوں ہے خوف تجھ کو روز محشر کا　محمد مصطفیٰ صلی علیٰ ہیں آسرا تیرا

''اسرار بدر چشت'' میں سید المرسلین خاتم النّبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات یوں نظم فرمائی ہے:

آں محمد مصطفیٰ صلی علی　آں امام انبیاء و مرسلاں
آں شفیع المذنبیں محبوب حق　رفت از دنیا بملک جاوداں
خواستم از غیب رضوی سال وصل　گشت ہاتف ''دو و یک'' ہجری بخواں

مولوی مقبول حسن قابل حسنی

مولوی مقبول حسن ابن محبّ حسن حسنی ساکن دربارِ کلاں، امروہہ از اولاد حضرت شاہ شکراللہ قادری مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کے تعلیم یافتہ اور فارسی زبان کے قابل اساتذہ میں سے تھے۔گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ میں فارسی کے استاد رہے۔کچھ عرصہ مسلم اسکول واقع محلّہ قریشی، امروہہ میں ہیڈ مولوی رہے۔بعد میں تقریباً دس سال تک مدرسہ میر کلو محلّہ گزری میں فارسی ادبیات کا درس دیا۔اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔21/اگست 1967ء میں وفات پائی۔اخلاف میں حضرت مولانا مفتی مشہود حسن صاحب حسنیؒ شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی امروہہ کے معروف علماء میں سے تھے۔نمونۂ کلام:

خمسہ بر غزل جامی

اے رحمت اللعالمین تجھ سا نہیں دیکھا کہیں　کیا لکھ سکے تیری ثنا یہ مشتِ خاک ادنیٰ تریں
تیری ثنا و وصف میں کافی ہے قرآنِ مبیں　تو جان پاکی سربسر نے آب وخاک اے نازنیں
واللہ ز جاں ہم پاک تر روحی فداک اے نازنیں

تو بہتروں میں بہتریں تو خوش رووں میں خوش تریں		تو سب سے ہے زیبا تریں جیسے ہو خاتم پر نگیں
تو جوہرِ جانِ جہاں تو شمع بزم آخریں		تو جان پا کی سر بسر نے آب و خاک اے نازنیں
واللہ ز جاں ہم پاک تر روحی فداک اے نازنیں
سالارِ جملہ انبیاء سرتاج جملہ مرسلیں		سر دفترِ پیغمبراں مہرِ نبوت کا نگیں
سر ٹیکتے ہیں سامنے آ کر ترے سب مہ جبیں		تو جان پا کی سر بسر نے آب و خاک اے نازنیں
واللہ ز جاں ہم پاک تر روحی فداک اے نازنیں
ہونے کو تو یوں اور بھی دنیا میں ہیں لاکھوں حسیں		لیکن نہ اس انداز کا دیکھا گیا کوئی حسیں
ملتے ہیں تلووں سے تیرے سب مہ جبیں اپنی جبیں		تو جان پا کی سر بسر نے آب و خاک اے نازنیں
واللہ ز جاں ہم پاک تر روحی فداک اے نازنیں
ہے عندلیب زار کو گلشن میں گل کی جستجو		اور قمریٔ ناشاد کو سروِ رواں کی آرزو
اس طوطی غم خوار کی ہر روز و شب یہ گفتگو		جامی کہ دارد با تو خود ہرگز نہ تابد از تو رو
گر خود نہی بر فرق او تیغ ہلاک اے نازنیں
آئی نسیم تازہ رو لے کر ترے گیسو کی بو		نرگس کی آنکھیں کھل گئیں سوسن کی نکلی آرزو
مقبول بھی پروانہ وش ہے منتظر اے شمع رو		جامی کے دارد با تو خود ہرگز نہ تابد از تو رو
گر خود نہی بر فرق او تیغ ہلاک اے نازنیں

مولوی محمد خلیل کاظمی خاکی

مولانا محمد خلیل ابن مولوی مختار احمد ساکن محلّہ کٹکوئی، امروہہ۔ آپ کی ولادت یکم شوال 1313ھ میں ہوئی۔ اپنے والد سے ابتدائی درسیات پڑھنے کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور سے سند فراغت حاصل کی۔ بہترین قاری؛ نیز جید حافظ قرآن تھے۔ تحصیل علوم کے بعد بریلی، شاہجہانپور، چونڈیرہ، امروہہ وغیرہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اپنے والد کے مرید و مجاز تھے۔ طبیعت موزوں پائی تھی، صرف نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت صحابہ کرامؓ میں شعر کہتے تھے۔ نعتوں کا ایک مجموعہ ''نور ونکہت'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ 18؍رمضان المبارک 1390ھ مطابق 28؍نومبر 1970ء بروز ہفتہ وفات پائی۔

احد کے نور ہو شمس الضحیٰ تم		وجود دو جہاں کی ابتداء تم
فضائے قدس کی آب و ہوا تم		مہ و خورشیدِ انور کی جِلا تم

صلوٰۃ اللہ یا طٰہٰ علیکم سلام یا بشریٰ علیکم
صلوٰۃ عروۃ الوثقیٰ علیکم سلام اللہ یا مولیٰ علیکم

برپا جہاں میں محفلِ وجد و سرور ہے   ہر اہلِ ذوق مست شرابِ طہور ہے
عالم تمام اک چمنستان طور ہے   مدہوش جس کے جلووں سے ہر ذی شعور ہے
کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

اظہار الحق سہیل عباسی

مولوی اظہار الحق عباسی ابن مولوی عبدالحق عباسی ساکن محلہ ملانہ، امروہہ۔ پیدائش 1317ھ مطابق 1900ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کے زیرِ نگرانی امروہہ میں حاصل کی بعد میں دارالعلوم دیوبند اور مراد آباد وغیرہ سے درس نظامی کی تکمیل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اسلامیہ ہائی اسکول گجرانوالہ میں عربی اور دینیات کے استاد رہے۔ اسی زمانہ میں وہاں کے ایک رسالہ ''معلّم'' کے مدیر بھی رہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی عربی مدارس میں عربی و فارسی کے استاد کی حیثیت سے کام کیا۔ ترک ملازمت کے بعد گجرات میں ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا۔ شاعری میں مولوی عبدالقیوم شفق صدیقی کے شاگرد تھے:

نسیم نرم و نرمک می وزد از جانب دریا   عبیر آمیز و عنبر بیز و مشک انگیز و صندل سا
بہار آمد ہزار آمد برونق شاخسار آمد   ہوائے عطر بار آمد ز سمت غنچہ و گلہا
مشام جاں زبوئے آں شمیم روضہ رضواں   شریک حصّۂ غلماں سہیم قسمتِ حورا
رنگتہائے ریحانی ز طلعتہائے کنعانی   ز رحمتہائے یزدانی چمن چوں جنت الماویٰ
گُل دداؤد و عباسی برنگ چشمِ شمّاسی   مثال نور پیراسی بہر جانب چمن آرا
برنگ روئے دل جوئے وخوش جوئے کج ابروئے   بہ بوئے موئے گیسوئے چمن چوں شاہد رعنا
بہر سو در بہارِ گُل بگوش جاں فتد غلغل   چہ غلغل فلغل قلقل چہ قلقل قلقل مینا
عجائب نغمہا ہر سو بگوید فاختہ ''حق ہو''   گہے قمری کند ''کوکو'' گہے بُلبل کشد نالہ
طیور اندر طرب آمد ترنّم ہا بلب آمد   بہ مردم ہا عجب آمد ز رنگ لالہ حمرا
صدائے نغمہ پرجوش است وبُلبل سخت مدہوش است   بجز سوسن کہ خاموش است با ایں صد زبانہا
دگر یک سنبل ہمی بینم کہ سر می فگند پیہم   سُوئے حیرت ہمی نگرم بچشم نرگس شہلا

سکوت وغیرت وحیرت ازیں باعث کہ گم کردہ　　مجال وصف و دید و پاء بوسئ شہ بطحا

رفیق احمد درخشاں عباسی

رفیق احمد درخشاں عباسی ابن عبدالحکیم ساکن محلّہ ملانہ امروہہ۔ پیدائش 7/اگست 1874ء۔ بسلسلۂ ملازمت بہرام گھاٹ چڑیا کوٹ لکھنؤ وغیرہ میں قیام رہا۔ دہلی آل انڈیا ریڈیو میں 1946ء تک بحثیت اناؤنسر ملازم رہے۔ یہیں سے آپ کا نعتیہ کلام نشر ہوا۔ دو نعتیہ مجموعۂ کلام ''حدیث ادب'' 1956ء میں اور ''عکسِ طور'' 1960ء میں شائع ہوا۔ 11/اکتوبر 1979ء پیر کے دن وفات پائی۔ آپ نے اپنی ایک نعت کے مقطع میں کہا تھا:

ہے درخشاں کہ یہ حسرت کہے دنیا ساری　　تھا غلام ان کا جنازہ ہے اٹھا پیر کے دن

نمونۂ کلام

کریں گر کرم شہر یار مدینہ　　تو پلکوں سے جھاڑوں غبارِ مدینہ
کرم کے تصدق عنایت کے قرباں　　رہوں رات دن میں نثارِ مدینہ
یہاں بارشِ نور ہوتی ہے ہر دم　　ہے جنت سے بڑھ کر دیارِ مدینہ
نکل جائے حسرت الٰہی کبھی تو　　درخشاں بھی دیکھے بہارِ مدینہ

☆

سارے عالم میں اجالا ہوا ہے پیر کے دن　　مکّے میں پیدا ہوئے نورِ خدا پیر کے دن
عشق صادق تھا کسے کون تھا فدوی جانباز　　عقدہ یہ غارِ حرا میں ہے کھلا پیر کے دن

محمد یعقوب محشر

محمد یعقوب محشر ابن اللہ بخش ساکن محلّہ احمد نگر، پیدائش جون 1901ء میں ہوئی۔ عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ 1915ء میں ممبئ چلے گئے جہاں آپ کے والد گورا پلٹن میں ٹھیکیدار تھے۔ آپ بھی اپنے والد کے ساتھ ٹھیکیداری کرتے تھے۔ 1922ء میں والد کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح پورے کنبہ کی کفالت کی ذمہ داری محشر صاحب کے اوپر آپڑی۔

ابتداء میں محمد احمد ظریف سے اصلاح لی، اس کے بعد نواب سراج الدین سائل دہلوی (شاگرد داغ دہلوی) کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ مجموعۂ کلام ''عرفانِ حیات'' کے نام سے 1981ء میں شائع ہوا۔ 1982ء میں آپ نے وفات پائی۔

وہ ناکام تمنا کس قدر رنجور ہوتا ہے　　اجل نزدیک ہوتی ہے مدینہ دور ہوتا ہے

یہ حسرت ہے یہ عالم میں بھی دیکھوں اپنی آنکھوں سے
مدینے کے اندھیرے میں سنا ہے نور ہوتا ہے
حوادث میں یہ عالم تھا محمدؐ کے غلاموں کا
کہ کشتی پار ہو جاتی ہے ساحل دور ہوتا ہے
چراغِ آرزو کی لو اگر مدھم نہ ہو محشر
نبیؐ کا نام لینے سے بھی گھر میں نور ہوتا ہے

سید محمد میاں انظار رضوی

سید محمد میاں انظار رضوی ابن سردار علی ساکن محلّہ پیرزادہ ولادت 18/جون 1911ء۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جے پور، سیتاپور، ممبئی اور احمد آباد وغیرہ میں محکمۂ بندوبست میں ملازم رہے۔ ممبئی کے دوران قیام مولانا نذیر احمد خجندی میرٹھی کی صحبت میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔ ابتداً انھیں سے کلام پر اصلاح لی۔ ان کے علاوہ بدر جلالی مرادآبادی اور منشی عزیز احمد عزیز امروہوی سے بھی اصلاح لی۔ آپ ایک اچھے سیاسی رہنما تھے۔ امروہہ کانگریس کمیٹی کے صدر اور جمعیۃ علماء کے سرگرم رکن رہے تھے۔ سیاسی بصیرت میں مشہور اور عمائدین شہر میں معروف تھے۔ 1957ء میں امروہہ میونسپل بورڈ کے چیئر مین رہے۔ 22/رمضان المبارک 1402ھ مطابق 14/جولائی 1982ء میں وفات پائی۔

تم پہ قربان میری جان رسولِ عربی
ہادیٔ دین اور ایمان رسولِ عربی
ہے تمنا دلِ بسمل میں بڑی مدت سے
دیکھوں یثرب کا گلستان رسولِ عربی
رتبہ ایسا کہ گئے عرشِ معلیٰ پہ حضور
تم پہ نازل ہوا قرآن رسولِ عربی
آستانے پہ محمد کے مری جاں نکلے
ہے یہ انظار کا ارمان رسولِ عربی

منظور احمد افسر امروہوی

منظور احمد افسر صدیقی ابن شمس الدین ساکن محلّہ چلہ ولادت 9/ستمبر 1896ء مطابق 1314ھ۔ مختلف اساتذہ سے تحصیل علم کی اور تدریس کا پیشہ اختیار کیا ادبی ذوق خداداد پایا تھا۔ اردو فاسی ادبیات پر اچھی نظر تھی۔ شعر گوئی کا ذوق عہد طفولیت ہی سے تھا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ابتداً فضل حسین سعید امروہوی (تلمیذ مہدی حسن ذکی مرادآبادی) اور بعد میں مضطر خیر آبادی سے اصلاح لی۔ 1924ء سے 1925ء تک شوق قدوائی سے بھی مشورہ سخن کیا۔ 1927ء میں کراچی گئے جہاں ایک مڈل اسکول میں ہیڈ ماسٹر رہے اور 1952ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ 1960ء سے انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی سے تاحیات وابستہ رہے۔ شاعری کے ساتھ ہی نثر میں بھی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ہندو پاک کے مختلف ادبی و علمی رسائل میں آپ کے تحقیقی و علمی مضامین شائع ہوئے۔ آپ کا پہلا مجموعہ ''برقِ تخیل''، دوسرا ''رباعیات

افسر'' ہے یہ دونوں امروہہ کے دورانِ قیام شائع چکے تھے۔اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں لغت ''ہادی الجمع''،''تابش خیال''(شعری مجموعہ)''شہاب تخیل''(شعری مجموعہ) آٹھ جلدوں میں انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات کی فہرست۔ ایک تذکرہ''تذکرہ عروس الاذکار'' ''بیاض مراثی'' ''مصحفی: حیات وکلام''،''تلامذۂ مصحفی''،''رنگ تغزل''(غزلیات)''نوشتۂ بے مثال'' وغیرہ ہیں۔ 8رفروری 1984ء مطابق 20رربیع الثانی 1404ھ کو کراچی میں وفات پائی:

مجھ پر بھی کبھی بارشِ انوارِ مدینہ اے مطلع خورشید ضیا بارِ مدینہ
ہاں اے طلب صادق دیدارمدینہ نزدیک نظرآتے ہیں آثارِ مدینہ
گردرہِ غربت ہوں مجھے چھوڑ نہ دیجئے یاشاہِ عرب قافلہ سالار مدینہ
اک حلقہ رحمت ہے نگہبانِ منازل جاتے ہیں عجب شان سے زوّارِ مدینہ
یہ مہر ہے یا ذرہ خاکستر یثرب یہ نور ہے یاسایۂ دیوارِ مدینہ
موجودگی یک گل رعنائے نبوت ہے باعثِ شادابیٔ گلزار مدینہ
تسکین دل وراحتِ جان مرکزِ ایمان یہ جملہ محاسن ہیں سزا وارِ مدینہ
وہ چتر حکومت کے طلبگارِ نہ ہوں گے حاصل ہے جنھیں سایۂ دیوارِ مدینہ

اس نسبتِ مخصوص پہ قربان ہوں افسر
کہتے ہیں مجھے خادمِ سرکارِ مدینہ

رہنے والے آسماں کے ہوں کہ فرشِ خاک کے سب کے سب ممنونِ احساں ہیں شہ لولاک کے
نورِمحبوبِ خدا تھا یاخدا کی ذات تھی جب نہ تارے آسماں کے تھے نہ ذرّے خاک کے
طوف کرتے ہیں مزارِ صاحبِ لولاک کا اور کچھ معنی نہیں ہیں گردش افلاک کے
گوہردرج نبوت ہے ہم آغوشِ زمیں آسمانوں پر شرف رکھتے ہیں طبقے خاک کے
آپ نے جب رخ کیا عرش معلےٰ کی طرف اُٹھ گئے مثل نظر سارے حجاب افلاک کے

منزلِ نعتِ نبی افسر نہ ہم سے طے ہوئی
پاؤں رکھتے ہی یہاں ہوش اُڑ گئے ادراک کے

ڈاکٹر عبدالاحد کوثر القادری

ڈاکٹر عبدالاحد کوثر القادری ابن ڈاکٹر آلِ احمد ساکن شاہ علی سرائے، امروہہ ولادت 17رشوال 1341ھ مطابق 1933ء بروز اتوار بمقام میرٹھ ہوئی۔ ہومیوپیتھی کے اچھے ڈاکٹر تھے، امروہہ میں

عرصہ تک اس فن کے ذریعہ مخلوق خدا کی خدمت کی طبعًا لاابالی قسم کے انسان تھے۔ سیاست میں مصروف رہتے تھے۔ اچھے وجیہ وشکیل تھے۔ آواز بہت اچھی تھی، آخر میں پاکستان ہجرت کی، زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔ 11/ذی الحجہ 1404ھ مطابق 28/اگست 1984ء کو منگل کے دن وفات پائی۔ شعرائے امروہہ میں استادانہ حیثیت کے حامل تھے۔ غزلیات کے علاوہ نعت ومناقب بھی خوب کہتے تھے۔ آپ کا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا:

جو قسمت سے پہنچوں گا باب حرم تک پکڑ کر کہوں گا میں روضہ کی جالی
کہ اے جگ کے داتا زمانے کے والی مجھے بھیک دو میری جھولی ہے خالی
الٰہی پھر آجائے لال آمنہ کا پھر اک بار گونجے اذانِ بلالی
پھر اک بار ہو دور فاروقِ اعظم پھر اک بار لہرائے پرچم ہلالی
تری اس گدائی کے قربان شاہی امیروں کے سلطاں غریبوں کے والی
کہ مختار کونین اور گھر میں فاقہ شہنشاہِ عالم مگر پیٹ خالی
وہاں کی زمیں رشک خلد بریں ہے جہاں خاصۂ خاص خلوت نشیں ہے
وہاں اے صبا میری جانب سے لے جا سلاموں کے تحفے درودوں کی ڈالی
یہ کون آج کوثر پیام بہاراں لیے ساتھ آتا ہے سوئے گلستاں
چٹکتی ہیں صلی علیٰ کہہ کے کلیاں مہکتی ہے مستی میں ہر ڈالی ڈالی

عبدالسلام گل حسن رضوی

عبدالسلام گل حسن رضوی ابن عبدالمجید بن عبدالرزاق۔ ولادت 1328ھ مطابق 1909ء میں ہوئی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد عرصہ تک ریاست سروہی (راجستھان) میں سپریٹیڈنٹ پولیس رہے۔ مہاراجہ سروہی کی جانب سے نمایاں خدمات پر 1939ء میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔

1982ء میں کراچی چلے گئے جہاں اصلاحی اور رفاعی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1949ء سے 1982ء تک درمقصود کراچی کی ادارتی خدمات انجام دیں۔ صوفیانہ مزاج رکھتے تھے۔ مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ شاعرانہ ذوق خداداد تھا۔ حمد ونعت اور منقبت کے قادرالکلام شاعر تھے۔ آپ کی نعتیں عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ تاریخ گوئی میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔

22/فروری 1989ء مطابق 15/رجب 1409ھ کو وفات پائی:

حسن سراپا حسن مجسم صلی اللہ علیہ وسلم رُخ سے ترے پُر نور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے در سے کوئی سوالی کب لوٹا ہے دامن خالی — اے کونین کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
گل حسن آیا در پہ تمہارے سیس نوائے گود پسارے — اس پہ نگاہ لطف کوئی دم صلی اللہ علیہ وسلم

☆

سر محشر ہے دیکھو رنگ پر نسبت محمد کی — ہمارے سر پہ ہے سایہ فگن رحمت محمد کی
ہمیں اک شیفتہ کیا ہیں نبی کی ذات اقدس پر — خدائے لم یزل کو خود بھی ہے چاہت محمد کی
تجھے اے گل حسن حاصل ہے نسبت بدر چشتی سے — یہ صدقہ ہے محمدؐ کا یہ ہے رحمت محمد کی

لئیق احمد ثمر نظامی

لئیق احمد ثمر نظامی ابن عزیز احمد نظامی ابن مولوی فرید احمد نظامی ابن ارشاد علی نظامی (برادرِ خرد پروفیسر خلیق احمد نظامی) پیدائش 4/جولائی 1928ء کو محلّہ جھنڈا شہید، امروہہ میں ہوئی۔ فیض عام انٹر کالج میرٹھ میں تعلیم حاصل کی جہاں کالج یونین کے صدر رہے اور اسٹوڈینٹ نیشنل گارڈ کے سالار بھی۔ 1946ء میں دہلی میں سرکاری ملازم ہوئے اور یہیں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔ نہال سیوہاروی اور بیخود دہلوی نے اس میدان میں رہنمائی کی اسی دور میں آپ نے افسانہ نگاری بھی کی جو مختلف رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ آپ کی شعری تخلیقات بھی روزنامہ ''الہلال'' میں شائع ہوئیں۔ 1948ء میں آپ کراچی تشریف لے گئے وہاں اکثر ادبی محفلوں اور عام جلسوں میں آپ کی نظمیں بہت پسند کی جاتی تھیں اور روزناموں میں آپ کے قطعات اور کلام شائع ہوتا تھا۔ روزنامہ ''صداقت'' کراچی کا مزاحیہ کالم ''نظر نظر میں'' آپ ہی لکھتے تھے۔ اس کے علاوہ متعدد ادبی اور علمی رسائل سے آپ وابستہ رہے۔ رسالہ ''شمع'' کراچی کے مدیر بھی رہے۔ آپ کے دو مجموعۂ کلام شائع ہوئے۔ پہلا ''رت جگے'' (1981ء) دوسرا ''دن ڈھلے'' (1991ء)۔

19/اکتوبر 1991ء مطابق 9/ربیع الثانی 1412ھ بروز ہفتہ امریکہ میں وفات پائی۔ آپ کے پھوپی زاد بھائی مخدومی پروفیسر نثار احمد فاروقی نے مادہ تاریخ وفات صرف ان کے نام سے برآمد کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

''جناب لئیق احمد ثمر نظامی''

جلوے طیبہ کے نگاہوں میں سمولوں تو لکھوں — انگلیاں اشک عقیدت میں ڈبولوں تو لکھوں
شاہ کونین کا یہ اسم گرامی ہے ثمر — آب زم زم میں قلم اپنا بھگولوں تو لکھوں

☆

میری آرزو کا سفینہ نہ آیا خدایا ابھی تک مدینہ نہ آیا
ثمر زندگی جس نے واری نہ ان پر اسے سچ تو یہ ہے کہ جینا نہ آیا

غلام محمد مدنی خاں بزمی

غلام محمد مدنی خاں بزمی امروہوی ابن مولوی عبداللہ خاں پیشاوری ساکن محلّہ بٹوال۔ آپ کی پیدائش 1925ء میں محلّہ بٹوال، امروہہ میں ہوئی۔ مڈل کلاس تک باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اپنے والد سے فارسی پڑھی اور ان ہی سے فن خوشنویسی بھی حاصل کیا۔ ابتداً محکمۂ پولیس میں ملازم رہے۔ 1947ء سے ملازمت چھوڑ کر کتابت شروع کی، دہلی میں عرصہ تک کتابت کی۔ 1983ء سے تاعمر اورینٹل سوسائٹی امروہہ کے قائم کردہ کتابت سینٹر میں سینئر استاد کی حیثیت سے کام کیا (جہاں راقم الحروف نے بھی آپ سے کتابت سیکھی ہے) بارہ سال کی عمر سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا اولاً عبدالاحد کوثر القادری کے شاگرد رہے؛ نیز مفتی نسیم احمد فریدیؒ اور علامہ شہباز امروہوی سے بھی مشورۂ سخن کیا۔ 10/جون 1995ھ مطابق 10/محرم الحرام 1416ھ بروز ہفتہ وفات پائی:

ہے ان کی رحمت کا یہ تقاضا عطا کریں گے صدا سے پہلے
مری دعا کو نصیبت ہوگا اثر مرے مدعا سے پہلے
یہ بزم امکاں کی ساری رونق ہے صدقۂ نور پاک احمد
بجز خدا کے نہیں تھا کوئی محمد مصطفےٰ سے پہلے
کہاں کے انداز کیسے غمزے نہ تھے یہ عشوے نہ یہ کرشمے
نہ حسن کو تھا شعور کوئی نبی کے ناز و ادا سے پہلے
عقیدتوں کو ملے یہ معراج زندگی کا مآل یہ ہو
مری نگاہوں کے سامنے ہو دیارِ اطہر قضا سے پہلے
دلوں پہ باطل کی تھی سیاہی بتوں کی ذہنوں پہ تھی خدائی
زمانہ تاریکیوں میں گم تھا ظہور خیرالوریٰ سے پہلے
براق اور کہکشاں کا یہ اہتمام کس کے لیے ہوا تھا
نہ اس طرح مل سکا تھا بزمی اک آشنا آشنا سے پہلے

معراج النبی خاں انجم

معراج النبی خاں انجم ابن عباس نبی خاں ساکن محلّہ بٹوال، امروہہ دارالعلوم چلہ امروہہ کے

تعلیم یافتہ تھے۔مولانا انوارالحق صدیقی شیخ الحدیث دارالعلوم چلہ اور مولانا انصارالحق صدیقی آپ کے خاص اساتذہ میں سے تھے۔فن کتابت ذریعۂ معاش تھا۔عرصہ تک دہلی میں مختلف رسائل واخبارات کے دفاتر اور اداروں میں بحیثیت کاتب ملازم رہے۔آخر میں امروہہ آئے اور مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد،امروہہ میں فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔طلبہ کو فن خوشنویسی بھی سکھاتے تھے۔

شعر گوئی کا اچھا مذاق رکھتے تھے،اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔شاعری میں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کے شاگرد تھے۔نعت ومنقبت اور غزل خوب کہتے تھے۔17/اپریل 1998ء مطابق 19/ذی الحجہ 1418ھ بروز جمعہ وفات پائی:

تھے جو اوصاف حمیدہ سے منور تیرے	رشک قیصر ہوئے دنیا میں گداگر تیرے
نور ہی نور تھا جس سمت نکل جاتے تھے	رحمت رب تھے زمانے میں قلندر تیرے
وہ ابوبکر و عمر ہوں کہ غنی ہوں کہ علی	یہ ستارے ہیں سبھی اے مہ اختر تیرے
خواجہ چشتؒ ہوں یا ہوں وہ جنید وشبلی	سب مفخر بغلامی ہیں پیمبر تیرے
عرش اعظم کی طرف جب ترا رہوار چلا	گرد رہ بنتے گئے یہ مہ و اختر تیرے
بخشا خالق نے شرف وہ شب اسریٰ تجھ کو	مقتدی آکے ہوئے سارے پیمبر تیرے
مبدء خلق بھی تو ختم رسل بھی تو ہے	کون ہو سکتا ہے دنیا میں برابر تیرے
مدحت سرور کونین ہے انجم قسمت	رشک کرتے ہیں سخنور بھی سخن پر تیرے

☆ گھیر مناف،امروہہ(یوپی)
موبائل : 9997161315

☆☆☆

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڈھ)

حضرت خاکی امروہوی اور 'کلیاتِ علامہ خاکی' ایک تعارف وتبصرہ

امروہ مرکز علم وادب ہے، کشور اولیاء ہے، علماء، صلحاء، اولیاء، ادباء وشعراء اور اولیاء کا مسکن اور مدفن ہے۔ یہ سب حُب وطن پر مبنی زبانی دعوے بھی نہیں ہیں بلکہ اس کے دستاویز وتحریری ثبوت بھی فراہم کئے گئے ہیں۔ اب سے تقریباً ایک صدی قبل مشہور متنازع مورخ وادیب محمود احمد عباسی نے تاریخ امروہہ کے دوسرے حصے 'تذکرۃ الکرام' میں یہاں کے سو سے زائد علماء وفضلاء کا تذکرہ رقم کیا ہے۔ تقریباً ربع صدی قبل کراچی، پاکستان سے ایک کتاب 'کشور اولیاء' کے نام سے شائع ہوئی جس میں امروہہ کے اولیاء واصفیاء کے نام وکام درج ہیں۔ ان دو بڑی کتابوں کے علاوہ گذشتہ سو سال میں تقریباً ایک درجن تاریخی تذکرے شائع ہوئے ہیں جن میں یہاں کے علماء وفضلاء، ادبا وشعراء اور نامور اطباء کے تفصیلی تذکرے ہیں۔

ایسے ہی نامور علماء میں سے ایک علامہ مولانا الحاج الحافظ سیّد خلیل احمد کاظمی خاکی امروہوی (۱۶/مارچ ۱۸۹۶ء - ۱۸/نومبر ۱۹۷۰ء۔ (یکم شوال ۱۳۱۳ھ ۔ ۲۷/رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ) کی ہمہ جہت شخصیت تھی۔ وہ بہ وقت جید عالم دین، استاذ فقہ وحدیث، عالم باعمل، صوفی باصفا، مرشد کامل اور باکمال شاعر بھی تھے خصوصاً حمد ونعت ومناقب کے انہوں نے وہ جواہر پارے عطا کئے ہیں جن پر اہل نظر داد وتحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ جواہر پارے ان کے کلیات میں مجتمع ہیں۔ ان کے پورے کلام پر تقریظ وتبصرہ تو ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے۔ اس مقالے میں ان کے کلیات کے تعارف کے ساتھ صرف ان کے پیش کردہ سلاموں پر ایک طائرانہ نظر مقصود ہے۔

ان کا کلام مختلف اوقات میں 'نور ونکہت'، 'نور ورحمت' اور 'عرفان خاکی' کے عنوان سے شائع ہوا۔

۱- 'نور ونکہت'۔ ۱۰۶ صفحات پر مشتمل یہ مجموعۂ کلام ۱۹۸۸ء۔ ۱۴۰۸ھ میں شائع ہوا۔ اس کے

مشمولات اس طرح ہیں۔

۱- حمد الٰہی بیان کرنے والی نظمیں۔ یہ غزل، مخمس اور مسدس کی ہیئت میں اور طویل ہیں۔ ان میں نغمگی اور عالم بے خودی کی کیفیات بہت نمایاں ہیں۔ ان کی تعداد ۶ ہے۔ چھوٹی بحر اور نغمگی سے بھرپور مصرعے جن میں اسم ذات۔ اللہ بکثرت آیا ہے۔

۲- نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو غزل، مخمس اور مسدس کی ہیئت میں ہیں اور خاصی طویل ہیں۔ ان کی تعداد ۱۳ ہے۔ ان میں کئی مشہور فارسی اشعار پر تضمین بھی ہیں۔

۳- ہندی طرز شاعری کی بنیاد پر آپ نے ایک 'ملہار' اور 'برھا وساون' کے عنوان سے مسدس کی ہیئت میں واردات قلبی کا اظہار کیا ہے۔ عربی فارسی اور اردو میں عشق کا اظہار مرد کی طرف سے ہوتا ہے اور غزل میں اسی کے واردات قلبی کا اظہار ہوتا ہے جب کہ ہندی شاعری میں معاملہ اس کے برعکس ہے، اس میں عشق کا اظہار صنف نازک کی طرف سے ہوتا ہے اور ہجر و وصال میں جو کچھ اس پر کیفیات طاری ہوتی ہیں، انہیں احساسات و واردات کو نظم کیا جاتا ہے۔ مذکورہ دونوں نظموں میں حضرت والا نے وہی طرز اختیار کیا ہے۔

۴- ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، شمع رسالت کے پروانے، اے فقیران اہل رضا بھیک لو، بلغ العلیٰ بکمالہ، پار بیڑا لگانے میں کیا دیر ہے، کے عنوانات سے بشکل مسدس، نعت سرور کائنات پیش کی گئی ہے اور اپنا حال زار بیان کر کے طلب استمداد ہے۔

۵- اس مجموعہ کلام کا دوسرا حصہ ''بارش درود وسلام'' کے عنوان سے ہے جس میں آٹھ سلام پیش کیئے گئے ہیں اور یہی اس مقالے کا مرکزی موضوع ہے۔

۶- تیسرا حصہ ''غم جاوداں'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں شہدائے کربلا اور واقعات کربلا سے متعلق مراثی یا حزنیہ نظمیں ہیں۔ یہ طویل اور مخمس یا مسدس کی شکل میں ہیں۔ ان کے عنوان ہیں۔ غم جاوداں، ذکر شہادت، نیّر شہادت اور روح شہادت، انہیں پر یہ مجموعۂ کلام اختتام پذیر ہوتا ہے۔

دوسرا مجموعہ کلام 'نور ورحمت' ہے۔ ابتداء میں ۲۶ حمود الٰہی ہیں۔

۲- حمود الٰہی کے بعد ایک صفحہ پر دو شعر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، دو شعر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، ایک شعر قرآن مجید اور اہل قرآن کی مدح میں اور ایک شعر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح ومنقبت میں ہیں۔

۳- 'عطر نعت پاک، کے عنوانس ے نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو

۱۰۸ نعتوں پر ختم ہوتا ہے۔

۴- نعتوں کے بعد پھر سلسلہ ’سلام‘ ہے جو چھ سلاموں پر اختتام کو پہنچتا ہے۔

۵- دو شعروں میں منقبت چار یار اور قرآن و سیرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

۶- تین شعروں میں عزم و ہمت، اتحاد و اتفاق کی تلقین کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ہوتا وہی ہے جو رب چاہتا ہے۔

۷- آخری تین شعروں میں دعائیں، التجائیں اور مناجات اس مجموعۂ کلام کا تیسرا اور آخری حصہ ’رومِ مناقب‘ کے عنوان سے ہے۔ جس میں صحابۂ کرام اور بزرگانِ دین کے مناقب بیان کئے گئے ہیں۔ یہ اس طرح ہیں۔

۱- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔۳۔ ۲- حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔۵۔ ۳- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۲۔ ۴- حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۳۔ ۵- چار یار رضی اللہ عنہ۲۔ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہ۲۔ ۷- حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ۔ ۸- حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ عنہ۲۔ ۹- حضرت خواجہ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۱۔ ۱۰- حضرت صابر صاحب کلیری رحمۃ اللہ علیہ۴۔ ۱۱- حضرت مولانا شاہ امانت علی رحمۃ اللہ علیہ۱۔ ۱۲- حضرت میراں بھیک رحمۃ اللہ علیہ۱۔ ۱۳- حضرت مولانا شاہ امانت علی رحمۃ اللہ علیہ۱۔ ۱۴- حضرت سید غلام حیدر رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۵- حضرت سید مولانا مختار احمد رحمۃ اللہ علیہ۱۔ ۱۶- حضرت سیّد شاہ ضیف اللہ قدس سرہٗ ۱۔

تیسرا مجموعہ کلام ”عرفان خاکی‘ کے عنوان سے ہے۔ اس میں ’بادۂ عرفان‘ کے تحت ۱۱۵ غزلیں ہیں۔ حروف تہجی کے ہر حرف کو ردیف بنا کر غزلیں کہی گئی ہیں۔ جن حروف کو کم ہی شعراء نے ردیف بنایا ہوگا، حضرت خاکی نے ان میں بھی ایک ایک غزل کہی ہے جیسے ٹ، ث، ڈ، ز، ڑ، ز، ژ۔ ان میں بھی ایک ایک غزل ضروری ہے اور باقی میں تو متعدد غزلیں ہیں۔ غزلوں کے بعد ’مئے باقی‘ کے عنوان سے کچھ نظمیں ہیں۔ اسلام، نماز، نمازی، درود شریف، میلاد شریف، شب معراج، شب اسریٰ، فلسفہ موت، عرب، سہرا، فریاد اسلام، خلافت اور مسافر، شب اسریٰ اور فریاد اسلام طویل اور مسلسل نظمیں ہیں جو واقعات و حوادث کو بیان کرتی ہیں اس لئے انہیں مثنوی کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے۔ ایک مناجات بھی ہے۔ مخمس کی شکل میں اس کے پانچ بند ہیں۔ دعاؤں اور التجاؤں سے بھرپور یہ غزلیں اپنے لغوی معنی میں غزلیں نہیں ہیں۔ لیکن غزل کا دامن بہت وسیع ہے۔ اس کی ہیئت میں فلسفہ و تصوف، پند و موعظمت اور اخلاق و آداب کے مضامین بھی بیان کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت خاکی جس

مقام ومنصب پر تھے،ان کی غزلوں میں انہیں مضامین کی توقع کی جاسکتی ہےاوروہ ان ہی سے لبریز ہیں۔

ان تینوں مجموعہ ہائے کلام کو یکجا کر کے ان کے لائق فرزند سیّد مرغوب امین کاظمی نے اور کچھ بقیہ کلام کو بھی ملا کر''کلیات علامہ خاکی'' کے نام سے مرتب کیا ہے جسے ان کے لائق ترین مرید وخلیفہ الحاج حکیم سیّد محمد احمد خلیل چشتی صابری نے جون ۲۰۰۸ء میں سہارنپور سے شائع کیا۔اس وقت یہی پیش نظر ہےاوراسی کی بنیاد پر یہ مقالہ ضبط تحریر میں آیا ہے۔

☆

حضرت خاکی کا تعلق امروہہ کے مشہور بزرگ حضرت سیّد شاہ ضیف اللہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے سے تھا۔شاہ صاحب موصوف دہلی کے مشہور بزرگ اور سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ کے ایک اہم رکن حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفۂ مجاز تھے،جنہوں نے امروہہ کے محلّہ کنکوئی میں ایک مسجد وخانقاہ تعمیر کرا کے سلسلۂ مجددیہ کے فروغ کی سعیٔ مشکور کی۔آج بھی ان کے اخلاف بڑی تعداد میں ان کی مسجد وخانقاہ اور مزار شریف کے اردگرد آباد ہیں۔بیسویں صدی عیسوی میں اس خاندان کے تین افراد۔حضرت مولانا مذکور، ان کے بھائی مولانا احمد سعید کاظمی اور میر افتق کاظمی بڑی باکمال اور صاحب حیثیت وشہرت ہستیوں کے طور پر مشہور ومعروف ہوئے۔ آخرالذکر دونوں شخصیات قیام پاکستان کے بعد ملتان میں مقیم ہوئیں۔مولانا احمد سعید کاظمی علمی حلقوں کے علاوہ پاکستانی سیاست کی بھی معروف شخصیت اور رکن پارلیمنٹ رہے جب کہ میر افتق کاظمی ادب و شاعری اور صحافت کے میدان میں اپنے کارہائے نمایاں کی بنا پر صاحب حیثیت ہوئے۔

مولانا خاکی علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۶؍مارچ ۱۸۹۶ء۔یکم شوال ۱۳۱۳ھ بروز شنبہ صبح صادق کے وقت محلّہ کنکوئی امروہہ میں مولانا سید مختار احمد کاظمی کے یہاں ہوئی۔ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کر کے رامپور کے مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں ان کی ذہانت وفتانت کے جوہر آشکار ہوئے۔قلیل وقت میں انہوں نے نہ صرف حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرلی بلکہ دستار فضیلت بھی حاصل کر کے فروغ دین کے کام میں مشغول ہوگئے۔بریلی،شاہ جہانپور، چونڈیرا، ملتان اوراپنے وطن امروہہ کے مدرسہ محمدیہ حنفیہ مسجد میر اسد اللہ خاں عرف میر کلّو میں درس وتدریس سے وابستہ ہوئے اور منتہی کتب کی تعلیم دیتے رہے۔ جب مدرسہ مذکور آپسی اختلافات اور مقدمہ بازی کی نذر ہوکر عالم نزع میں تھا تو اس وقت بھی حضرت والا نے طلبہ کو مجتمع رکھ کر تمام دروس کو اپنے ذمہ لے لیا اور یہ کوشش کرتے رہے کہ مدرسہ بند نہ ہو۔مگر ان کی یہ کوشش انفرادی تھی، مدرسہ کے ارباب اختیار لاپرواہ اور

مدرسہ کی بقا سے بے تعلق ہی رہے اس لئے آپ کی یہ سعی، سعیٔ لا حاصل کے زمرے میں شامل ہوگئی۔

حضرت والا صرف عالم ہی نہیں، عالم با عمل تھے، شب زندہ دار، عابد، متقی، صوفی و قاضی اور پیر طریقت بھی تھے۔ توکل الی اللہ، تقویٰ و پرہیزگاری آپ کے شعار تھے۔ آپ کے دامن تربیت سے سیکڑوں مرید اور طالبان حق وابستہ تھے۔ عمر کا آخری دور تبلیغی دوروں اور دین مبین کی نشر و اشاعت کے کاموں میں ہی صرف ہوا۔

اتباع سنت، قناعت و خودداری، ایفائے عہد اور تواضع وانکسار کا پیکر تھے۔ نمونۂ سلف تھے۔ انہیں دیکھ کر احکام خدا اور سول یاد آتے تھے، اللہ اور اللہ والوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان آپ کے بڑے قدردان تھے اور انہیں نمونۂ سلف اور ولی صفت قرار دیتے تھے۔

کم سخنی پر سختی سے عامل تھے۔ مختصر، مدلل اور جامع جواب مرحمت فرماتے تھے۔ ان کے دور میں پتلون پہن کر نماز پڑھنا خاصا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ایک صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت پتلون میں نماز ہوجاتی ہے، مسکرا کر فرمایا، ہاں ہوتو جاتی ہے مگر پتلی ہی ہوتی ہے۔ پتلون کے ساتھ پتلی کا استعمال کیا خوب اور معنی خیز ہے۔

غرض بڑی خوبیوں کے مالک اور اسلامی طرز زندگی کا نمونہ اور معیار تھے۔ انہیں حالات میں حیات مستعار گزار کر ۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ۔ ۱۹/ نومبر ۱۹۷۰ء بروز شنبہ صبح ۶ بجے جوار رحمت میں جگہ پائی۔

ممکنہ لیلۃ القدر کے اختتام اور ۲۷/ رمضان المبارک کی رحلت خاتمہ بالخیر اور مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔ بعد نماز عصر نماز جنازہ آپ کے عزیز ترین شاگرد و ارادت مند حضرت علامہ مبین الدین فاروقی قادری رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ مجاز حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ادا کرائی جو آپ کے نقوش قدم کے پابند اور آپ کی ہی طرح الجا، الحافظ اور محدث وفقیہ تھے اور مدت العمر درس و تدریس فقہ و حدیث سے وابستہ رہے۔ انہوں نے آب کی متعدد تاریخ وفات مستخرج کی تھیں۔ انہیں اس کا بڑا ملکہ حاصل تھا۔ سوئے اتفاق وہ اس وقت دستیاب نہ ہوسکیں لیکن حافظے کی مدد سے صرف ایک پیش خدمت ہے۔

"خلیلم رفت" (۱۳۹۰ھ)

صرف دو لفظوں پر مشتمل کس قدر جامع اور بامعنی تاریخ وفات نکالی ہے۔

یوں تو آپ کے سیکڑوں مدیر وارادت مند تھے لیکن جیسا حق الحاج حکیم محمد احمد خلیلی چشتی صابری، بانیٔ جامعہ غوثیہ رضویہ سہارنپور ہونے ادا کیا، کم دیکھنے میں آتا ہے۔ موصوف نے آپ کے نام و کام کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ کے مقبرے کی تعمیر میں کلیدی کردار ادا کیا اور زیر نظر کلیات کو پوری

آب وتاب سے شائع کرایا۔آپ کا سب سے بڑا کارنامہ سہارنپور جیسی جگہ میں مسلک اہلسنّت اور طریق اعلیٰ حضرت کی نشرواشاعت ہے۔اس سلسلے میں آپ نے ہمہ جہت قسم کی جہاد کو اپنایا اور مدت العمر چوکھی لڑائی لڑتے رہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے حسن عمل کو قبول فرمائے اور اجر عظیم سے نوازے۔آمین

☆

شعر وشاعری آپ کا جزو وقتی مشغلہ اور واردات قلبی کے اظہار کا ذریعہ تھی۔انہوں نے حب الٰہی، حب رسول، حب صحابۂ کرام واولیائے عظام سے سرشار ہوکر اپنے اندرونی جذبات کا اظہار حمد و نعت وسلام زبان وانداز بیان ہے جواز دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق ہے۔اس میں صوتی ہم آہنگی اور نغمگی پائی جاتی ہے۔آپ کا کلام آپ کے تبحر علمی کا مظہر ہے۔علمی رموز ونکات وحقائق، اخلاق و حکمت سے پُر اور علم وعرفان کا خزانہ ہے۔یوں تو آپ کا پورا کلام ہی تقریظ وتبصرے کا متقاضی ہے لیکن فی الوقت ان کے ''سلاموں'' پر ہی گفتگو کی جارہی ہے۔

سلام بحضور خیرالانام وسیّدالانبیائے عظام

'سلام' عربی زبان کا لفظ ہے۔اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک اہم صفاتی نام ہے جس کے معنی ہیں امن وسلامتی، چونکہ وہ اپنے بندوں اور مخلوق کو امن وسلامتی عطا کرتا ہے اس لئے وہ خود سراپا سلام ہے۔قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد آیات میں استعمال ہوا ہے۔لغات میں اس کے معنی گردن جھکانا، سرِ تسلیم خم کرنا اور تعظیم وتکریم کا اظہار کرنا ہے۔عوامی اصطلاح میں سلام سے مراد وہ سماجی وتہذیبی عمل بجالانا ہے جو عندالملاقات دو یا زائد افراد ایک دوسرے سے بطور یگانگت وشناسائی اور تعلق ومحبت کے اظہار کے لئے سلامتی وخوش حالی کی دعاؤں اور نیک خواہشات کا تبادلہ کرتے ہیں۔اس سے آپسی تعلقات اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔اسی لئے اسلام نے جو تہذیبی وتمدنی اصول دیئے ہیں، ان میں سلام کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔اسے عام کرنے کی تاکید اور اس پر اجر وثواب کی بشارتیں ہیں۔

تجربہ ومشاہدہ بتاتا ہے کہ سلام نہ صرف تعلق کو قائم کرتا ہے بلکہ اس کا بار بار اعادہ اس تعلق کو مضبوط تر اور باعث محبت والفت بنتا ہے بلکہ اپنوں کو ہی نہیں، غیروں کو بھی جوڑتا ہے اور اس کی مدد سے بہت سے کام آسان ہوجاتے ہیں، لوگوں کا تعاون اور خیر خواہی حاصل ہوجاتی ہے۔

ادبیات اردو میں 'سلام' سے مراد وہ مخصوص صنف سخن ہے جو اپنی ماہیئت کے اعتبار سے غزل اور حمد ونعت ومناقب کی طرح غنائی شاعری کے زمرے میں آتی ہے۔سلام میں مدحیہ عناصر کثرت سے پائے جاتے ہیں اس لئے یہ غزل سے قریب تر ہے۔

'سلام' رسول اکرم وارحم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام حسین علیہ السلام و دیگر اہم شہدائے کربلا کی شان میں کثرت سے کہے گئے ہیں۔ دونوں کے سلاموں میں فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر کے سلاموں میں مدح وثنا کے عناصر اور نعت غالب ہوتی ہے جب کہ مؤخر الذکر کے سلاموں میں مدح کے ساتھ رثائی عناصر کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے سلام مرثیہ گو شعراء نے زیادہ کہے ہیں اور مرثیہ سے قبل بطور تمہید اور ابتدائے مجلس کے طور پر پڑھے جاتے ہیں۔

اوّل الذکر قسم کے سلام نعت گو شعراء کی دین ہوتے ہیں۔ ان میں چند تو اس قدر مقبول ہوئے ہیں کہ ہر مجلس وعظ و نصیحت کے اختتام پر ضرور پڑھے جاتے ہیں بلکہ اب تو یہ اہلسنّت کا شعار بن گیا ہے کہ وہ ہر جمعہ کے بعد نماز جمعہ اور ہر محفل وعظ و جلسۂ سیرت کے اختتام پر کھڑے ہوکر باادب، اجتماعی طور پر اور بلند آواز سے غنائی انداز میں درود وسلام کا ہدیہ و نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت خاکی امروہوی علیہ الرحمہ والرضوان کے سلام و کلیات میں متعدد سلام شامل ہیں ان کا تعارف و تجزیہ درج ذیل ہے۔

۱- آپ کے پہلے مجموعۂ 'نور و نکہت' کا ایک حصہ سلاموں کے لئے ہی مختص ہے۔ اس کا عنوان ہے ''بارش داور وسلام بحضور خیر الانام'' (کلیات علامہ خاکی، ص-۶۳ تا ۹۳)

۱- پہلے سلام میں ۱۳- اشعار ہیں، بڑی بحر ہے اور شعر 'تجھ پہ کروڑوں درود' پر ختم ہوتا ہے۔ مطلع دیکھئے:

یہ تو ذات ودود، شاہد بزم شہود تجھ پہ کروڑوں درود
تخم ریاض وجود، ثمرۂ گلزار جود تجھ پہ کروڑوں درود

۲- دوسرا سلام گیت کی شکل میں، غنائی انداز میں اور مخمس میں ہے اس میں بھی ۱۳ بند ہیں، ہر بند کا پانچواں مصرعہ ''تجھ پہ لاکھوں سلام، تجھ پہ لاکھوں سلام'' تجھ پہ لاکھوں سلام'' پر مشتمل ہے۔ ۳ بند ملاحظہ فرمائیے:

حسن و جمال میں سبحان اللہ خلق و کمال میں سبحان اللہ
جاہ و جلال میں سبحان اللہ رحمت عالم اللہ والے
تجھ پہ لاکھوں سلام، تجھ پہ لاکھوں سلام، تجھ پہ لاکھوں سلام

سایہ نہیں وہ نور ہے تو نور احمد کا ظہور ہے تو
سینہ میں دل کا سرور ہے تو رب کے پَر تو ناز کے پالے
تجھ پہ لاکھوں سلام، تجھ پہ لاکھوں سلام، تجھ پہ لاکھوں سلام

والشّمس کی صورت والے واللیل کی زلفوں والے

دین و دنیا کے ٹھنڈے اُجالے　　میم کا گھونگھٹ مکھ سے ہٹالے
تجھ پہ لاکھوں سلام، تجھ پہ لاکھوں سلام، تجھ پہ لاکھوں سلام

۳- تیسرے سلام کا عنوان ہے ''السلام علیکم نبی مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔
مسدس کی شکل میں ۹ بند ہیں۔ ہر بند کا تیسرا شعر اس طرح ہے:

مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا　　السلام علیکم نبی مصطفیٰ

چند بند ملاحظہ فرمایئے:

آئے احمد محمد حبیب خدا　　سید المرسلیں خاتم الانبیاء
رحمت ہر دوعالم شہ دوسرا　　مصطفیٰ مجتبیٰ آفتاب ہدیٰ
مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا
السلام علیکم نبی مصطفیٰ

(مطلع)

جس مصیبت میں خاکی کی وہ آجائیں یاد　　وہ مصیبت بھی راحت ہو نخل مراد
حق کی جانب سے آئے ثواب جہاد　　یوں کہے ان کے الطاف سے ہو کے شاد
مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا
السلام علیکم نبی مصطفیٰ

(مقطع)

۴- ایک مشہور سلام کا مشہور شعر اور ٹیپ کا بند ہے:

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک　　یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

آپ نے اس شعر کو بنیاد بنا کر مسدس کے ۲۷ بندوں پر مشتمل ایک سلام کہا ہے جس کے ہر بند کا تیسرا شعر یہی شعر مذکور ہے۔ اس سلام کا عنوان ہی ''سلام بحضور خیر الانام'' ہے:

نور حق عالم میں چمکا　　بجھ گیا شعلہ عجم کا
مٹ گیا شیوہ ستم کا　　فیض ہے ابر کرم کا
یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

آمنہ کا گھر ارم ہے　　دوسرا بیت الحرم ہے

مہبط ابر کرم ہے سجدے میں زیب ارم ہے
یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

مرحبا سردار عالم مرحبا مختار عالم
رونق گلزار عالم سیّد ابرار عالم
یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

آئے ہیں در پر تمہارے پھر کے جگ میں مارے مارے
اے کرم فرما ہمارے جیتے ہیں تیرے سہارے
یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

ہجر میں حالت ہے ابتر لو خبر محبوب داور
ہے نظر عالم کی تم پر اے شفیع روز محشر
یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

خاکی پر چشم عنایت بانیٔ محفل پہ رحمت
سامعیں کو عیش جنت ساری امت کو شفاعت
یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

چھوٹی بحر، آسان زبان، زور بیان، رواں دواں اسلوب سے پُرکشش یہ سلام اہل واوی پر بڑا خوبصورت اضافہ ہے۔

۵- اگلے سلام کا عنوان ہے۔ ''سلام اللہ یا مولیٰ علیکم''
مسدس کی ہیئت میں ۲۱ بند ہیں اور ہر بند کا تیسرا شعر اس طرح ہے:

صلوٰۃ اللہ یا طٰہٰ علیکم، سلام اللہ یا بشریٰ علیکم
صلوٰۃ عروۃ الوثقیٰ علیکم، سلام اللہ یا مولیٰ علیکم

ایک بند ملاحظہ فرمایئے جس کے ہر مصرعے کی ابتدا ایسے لفظ سے ہوئی ہے جو 'م' سے شروع ہوتا ہے:

مزین ہے فلک کس کی جھلک سے		مطیب ہے زمیں کس کی مہک سے
منور ہے خرد کس کی چمک سے		مشرف ہے نظر کس کی بھڑک سے
صلوٰۃ اللہ یا طٰہٰ علیکم، سلام اللہ یا بُشریٰ علیکم
صلوٰۃ عروۃ الوثقیٰ علیکم، سلام اللہ یا مولیٰ علیکم

یہی تو رحمۃ اللعالمیں ہیں		یہی بے شک شفیع المذنبیں ہیں
یہی حقّا امام المرسلیں ہیں		درود ان پر یہی صادق امیں ہیں
صلوٰۃ اللہ یا طٰہٰ علیکم، سلام اللہ یا بُشریٰ علیکم
صلوٰۃ عروۃ الوثقیٰ علیکم، سلام اللہ یا مولیٰ علیکم

۶- اس کے بعد بھی ایک سلام 'مسدس' کی شکل میں اور گیارہ ۱۱ بندوں پر مشتمل ہے۔اس کے ہر بند کے تیسرے شعر کے دونوں مصرعوں کو ''درود اس پر سلام اس پر'' پر ختم کیا گیا ہے:

سلام اس پر کہ جس کے نور سے پُر نور ہے عالم		سلام اس پر کہ جس کے نام سے معمور ہے عالم
سلام اس پر کہ جس کے حسن سے ایک حور ہے عالم		سلام اس پر کہ جس کے خلق سے مخمور ہے عالم
رہ حق جس نے دکھلایا درود اس پر سلام اس پر
خدا تک جس نے پہنچایا درود اس پر سلام اس پر

۷- ساتواں سلام ۳۱ بندوں پر مشتمل ہے۔سلام کے مشہور شعر پر ایک ایک شعر کے اضافہ کے ساتھ یہ سلام رقم ہوا ہے۔چند بند ملاحظہ فرمایئے:

پہن کر طوق غلامی، باادب ہوکر تمامی		ذوق سے لو نام نامی دو کھڑے ہوکر سلامی
یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

احد طیب مطیب یا محمد حامد رب		مقتدائے دین ومذہب،پیش ہے یوں عرض مطلب
یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

حامد و محمود احمد، شاہد و یٰسین و امجد		آمنہ کے لخت اسعد، ابن عبداللہ محمد
یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

آخری دو بندوں میں آرزو، التجا و خواہش پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے شہنشاہِ مدینہ، پار ہو اپنا سفینہ دل ہو کلمہ کا نگینہ، نور سے بھر جائے سینہ

یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

پردۂ دوری ہٹادو، خاکی کو جلوہ دکھادو بانی پر دولت لٹادو، سامعین کو بخشوادو

یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

اس سلام کے ۳۱ بندوں میں سے ۵ بند صرف عربی الفاظ پر مشتمل اور عربی میں ہیں:

الصبیح فی الصباح، ابوسیم فی الرواح املیح فی الملاح الفلاح فی الصلاح

یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

۸- آٹھواں سلام بھی اپنے سے قبل کے طرز پر دو دو شعر اور ۲۳ بندوں پر مشتمل ہے۔ کل ۴۶ اشعار ہیں۔ بند کا دوسرا شعر بے حد مشہور و مقبول ہونے کی بنا پر اردو والوں کو اجنبی یا عربی کا نہیں معلوم ہوتا لیکن اس سلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہر بند کے پہلے شعر بھی عربی الفاظ و تراکیب پر مشتمل ہیں اور صرف اردو جاننے والوں کے لئے ناقابل فہم ہیں اور انہیں اجنبی محسوس ہوں گے۔ بطور نمونہ دو آسان بند پیش خدمت ہیں:

انت معراج الکمال، انت مفتاح الجمال انت منہاج الوصال، انت مفتاح النوال

یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

رحمۃ اللمومنین یا شفیع المذنبین مرشد للمبتدین ختم المرسلین

یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک، صلوٰۃ اللہ علیک

مذکورہ بالا سلام مرکب و مسدس کی شکل میں تھے۔ درج ذیل چھ سلام غزل کی ہیئت و انداز میں ہیں۔ سلاست و انداز بیان کی خوبی و رعنائی، نغمگی و شعریت سے بھرپور یہ سلام دوسرے مجموعۂ نور و رحمت میں شامل ہیں۔ ان کا تعارف اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱- ۹-اشعار پر مشتمل سلام میں قافیہ وردیف درود بے شمار کو بنایا گیا ہے۔اس کے درج ذیل اشعار خصوصی طور پر متاثر کرتے ہیں:

نور ظہور ذوالجلال، تم پہ درود بے شمار مظہر حسن لایزال، تم پہ درود بے شمار
جلوۂ ذات کبریا، خاتم جملہ انبیاء ختم ہیں تم پہ سب کمال،تم پہ درود بے شمار
وارث بے کساں ہو تم،حامیٔ بے بساں ہو تم مونس ہر شکستہ حال، تم پہ درود بے شمار

۲- ۱۱-اشعار پر مشتمل سلام کے ہر شعر کا دوسرا مصرعہ ''سلامُ علیک'' پر ختم ہوتا ہے۔اس کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

نبی رحم و شفیع امم رؤف و رحیم جناب احمد امی لقب سلامُ علیک
جلیس مسند عرشی، انیس ہر فرشی محبّ عجم کے حسین عرب سلامُ علیک
بشیر اہل یقیں و نذیر ہر بے دیں غلام کرتے ہیں سب باادب سلامُ علیک
غلام کیوں نہ پڑھیں رات دن درود و سلام کہ ہے خدا سے تمہیں روز وشب سلامُ علیک

۳- 'السلامُ علیک کے قافیہ وردیف والے سلام میں ۱۳-اشعار ہیں۔اس کے ان اشعار سے محظوظ ہوئیے:

حبیب خالق غفار السلامُ علیک شفیع خلق گناہ گار السلامُ علیک
کہا بشارت عیسیٰ نے مرحبا کے بعد جناب احمد مختار السلامُ علیک
قبول کیجئے خاکی کا بھی درود و سلام بحق عترت اطہار السلامُ علیک

۴- 'السلام' پر ختم ہونے والے ۱۵-اشعار پر مشتمل اس سلام میں حضرت خاکی کی امکانی اور تمنا کا اظہار کرتے ہیں:

مرحبا حق کے پیارے السلام مرحبا جگ کے سہارے السلام
مرحبا اے رحمۃ اللعالمیں سب ہیں سائے میں تمہارے السلام
کیا عجب خاکی سے فرمادیں حضور
تم ہمارے ہم تمہارے السلام

۵- ہر دل عزیز اور غایت شہرت ومقبولیت سے ہمکنار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا سلام محتاج تعارف نہیں ہے۔اس زمین اور قافیہ وردیف میں متعدد شعراء نے صدہا اشعار کہے ہیں۔ان میں کچھ اشعار غیر معیاری اور نامناسب بھی ہیں جنہیں کچھ لوگ اصل سلام سے خلط ملط کر کے اس طرح پڑھتے ہیں کہ وہ اصل سلام کا حصہ معلوم ہوتے ہیں اور اصل سلام وصاحب سلام کے

متعلق بدگمانی پیدا کرتے ہیں۔

حضرت خاکی علیہ الرحمہ نے بھی اس سنت جاریہ کا حق ۲۱-اشعار کہہ کرادا کیا ہے لیکن ان کے اشعار بہت معیاری اوران کے تبحر علمی پر دال ہیں:

مظہر نور وحدت پہ لاکھوں سلام | یوسف بزم کثرت پہ لاکھوں سلام
جلوۂ حسن وحدت پہ لاکھوں سلام | ذات ختم رسالت پہ لاکھوں سلام
مفتخر جس پہ شان رسالت ہوئی | اوج ختم نبوت پہ لاکھوں سلام
فکر امت کی جس کو ہر اک دم رہی | اس پہ اس پیاری امت پہ لاکھوں سلام

۶- اس سلسلہ کا آخری سلام ۱۵-اشعار پر مشتمل اور ''سلامُ علیک'' کے قافیہ ورد یف پر مبنی ہے۔اس میں جو تراکیب اختیار کی گئی ہیں، وہ بڑی جاذب نظر اور باعث سرور قلب وجگر ہیں۔ بدیع المناقب، رفیع المناسب، علی المراتب، طبیب المصائب، مرادالمطالب، محبّ الاجانب، دلیل المآرب، عجیب الغرائب وغیرہ:

بدیع المناقب سلامُ علیکم | رفیع المناسب سلامُ علیکم
حبیب خدا ہو شہ انبیاء ہو | طبیب المصائب سلامُ علیکم
حیات القلوبی سراج الصدوری | اے اللہ جاذب سلامُ علیکم
قمر شق ہے انگلی سے جاری ہیں چشمے | عجیب الغرائب سلامُ علیکم

☆

حضرت والاقدر کی حمود ونعوت بھی علوم وعرفان سے لبریز، حب الٰہی وحب محبوب الٰہی سے گراں بار اور قابل قدر و قابل تحسین و آفریں ہیں لیکن یہ مقالہ اپنی حدود سے تجاوز کررہا ہے اس لئے ان پر گفتگو کسی اورصحبت کے لئے مؤخر کررہا ہوں۔ یار زندہ، صحبت باقی۔ آمین

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل ہی نہیں، ان کے عشق ومستی سے لبریز کلام کی بدولت بھی ان کے درجات وحسنات کو بلند تر فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سیّدالمرسلین وامام المتقین وشفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وازواجہ واصحابہ واہل طاعتہ اجمعین برحمتک یاارحمٰن الراحمین۔

☆ ریٹائرڈ ٹیچر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Mob. 9634368012

☆☆☆

ایم۔نصراللہ نصرؔ (ہوڑہ،کولکاتہ)

’میں نے اسلوب تراشا ہے جو پھولوں کی طرح‘
حبیب ہاشمی کی نعت نویسی

حسن کردار میں رکھتے نہیں پھولوں کی طرح
بات کرتے ہیں مگر لوگ رسولوں کی طرح

مجھ سے برگشتہ ہیں کچھ ظلِ الٰہی کے قلم
میں نے اسلوب تراشا ہے جو پھولوں کی طرح

بنگال ہی نہیں بلکہ عالمی شہرت کے امین حبیب ہاشمی نے اپنے اسلوب سخن کو پھولوں کی طرح تراشا ہے۔رنگ ریز کی طرح رنگ ہائے دل افروز کی آمیزش سے رنگا ہے۔ماہر مصور کی طرح نقش معتبر کو ابھارا ہے۔نورونکہت کی چاندنی سے زر پاشی کی ہے۔افکار کی بلندیوں سے خیالات کی کرنیں سمیٹ کر اشعار کے رخساروں پر افشاں ملا ہے اوران کو خون جگر پلا کر گلاب کیا ہے۔ان کی شاعری میں غضب کی ندرت، بلا کی جدت اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والی نقاشی ہے۔ان کی شاعری میں دل بستگی کے سارے اجزائے مفرح موجود ہیں۔یاس کے جھرنے بھی ہیں اورطرب کے نغمے بھی۔کرب کی ٹیس بھی ہے اورشادوانبساط کے جگنو بھی روشن ہیں نیز تقدس کی عطر بیزی بھی ہے۔حبیب صاحب واقعی اہل سخن کے حبیب اور مریض سخن کے طبیب ہیں۔

حبیب ہاشمی کا اصل نام محمد حبیب اللہ ہے اور قلمی نام حبیب ہاشمی۔ان کے والد کا نام شکور محمد (مرحوم)اور والدہ کا نام مجیدن بی بی (مرحومہ) ہے۔موصوف کی پیدائش 3 مارچ 1942ء کو شیب پور، ہوڑہ (مغربی بنگال) میں ہوئی لیکن اس صدمۂ جانکاہ کا کیا کہیے کہ بہت جلد ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا اور وہ بچہ یتیم ہوگیا۔ماں نے باپ کا فرض نبھایا اوراپنے لخت جگر کی پرورش اور پرداخت میں کوئی کمی نہ کی لیکن گھرانہ تو غریب تھا،کمی تو ہوئی اس پر غضب یہ کہ ملکی حالات کافی کشیدہ رہے، ہندو مسلم فسادات، انگریزوں سے معرکہ آرائیاں، بھوک کی شدت، افراتفری کا عالم ایسا کہ جیسے زمین

شعلے اگل رہی ہو، آسمان نفرت کی دھند میں اندھا ہو چکا تھا، لوگ خصوصاً مسلمان پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہے تھے، بستیاں اجاڑ دی گئیں، گھر جلا دیئے گئے، لوگ بے دخل ہو گئے۔ آخر کار حبیب ہاشمی اپنے والدین کے ساتھ شیب پور (ہوڑہ) کی بستی میں پناہ گزیں ہو گئے۔ ایک اندازے کے مطابق موصوف نے ہوڑہ مسلم ہائی اسکول سے اسکول فائنل، دینا بندھو کالج سے گریجویشن اور دوران ملازمت کلکتہ یونورسٹی سے ایم۔ اے (اردو) کی اسناد حاصل کی۔ ملازمت ہوڑہ یو۔ پی اسکول میں درس وتدریس کی رہی۔ ان کی تدریس کا انداز بڑا عمدہ اور پسندیدہ تھا۔ اپنے طلبا و طالبات کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے۔ ان کا خاص مشغلہ شاعری کرنا اور مشاعرہ پڑھنا نیز تقدیسی جلسوں میں شرکت فرمانا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے کوئی خاص کام انجام نہیں دیا۔ واہ واہ کی دنیا میں رہے اور صدائے بازگشت بن گئے۔ نہایت ہی خلیق اور مہربان انسان تھے۔ طبیعت میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ محفل کو زعفران زار بنانا وہ خوب جانتے تھے۔ بڑی خوددار طبیعت کے مالک تھے۔ کرکٹ دیکھنے کا انہیں بہت شوق تھا۔ ہندوستان پاکستان کا میچ دیکھنے کے لئے لال قلعہ کا مشاعرہ تک چھوڑ دیتے یا پھر کسی مشاعرے میں شرکت کے لئے ٹرین میں سفر کر رہے ہوتے اور طبیعت کو نزاکت سوجھتی تو درمیان سفر سے ہی لوٹ آتے۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ان کی غیر موجودگی سے منتظمین مشاعرہ کا کیا انجام ہوگا۔

شاعری دراصل اظہارِ احوال قلب کا وسیلہ ہے۔ انکشافِ ذات وغمِ حیات کا عکس ریزہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ وسیلۂ اذکارِ مسائل حیات ہے۔ جذبات ومحسوسات کی ترسیل کا بہترین ذریعہ ہے۔ سکون قلب کی دوا ہے، تجدید حیات کا واسطہ ہے۔ تقدیسی بیان کا بہترین ذریعہ ہے۔ شاعری کیا نہیں ہے، یہ جام جمشید ہے جس میں انسان کا ماضی، حال اور مستقبل کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ وہ چشمۂ حیات ہے جو آرزوؤں کی تکمیل کا وسیلہ ہے۔ ناکام تمناؤں کے دوسرے قدم کا احساس ہے۔ اس کے اظہار سے اس کی زرد شاخوں میں ہریالی آتی ہے۔ دل کی سوکھی ٹہنیوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ روح کو تازگی وتوانائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی ترسیل کے بعد جینے کی خواہش بڑھ جاتی ہے۔ شاعری دل کا سرور اور آنکھوں کا نور بھی ہے۔

حبیب ہاشمی کی شعری وادبی شخصیت کا زمانہ قائل ہے۔ یہ وہ آواز ہے جس کی گونج عرصۂ دراز تک ہمارے کانوں میں گونجتی رہے گی۔ جس کے چرچے علوئے فلک تک ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے ان کی صدائے سخن حصار جہاں کی دیواروں سے بھی چھن چکی ہے۔ ان کی شاعری ہر ایک

دل کی پکار ہے۔کشمکش حیات اور تصادم جذبات کا اظہار ہے۔ یہ وہ آئینۂ سخن ہے جس میں قاری اور سامع اپنی اپنی روداد حیات اور حکایات دل خراش کے عکس پارے دیکھ سکتے ہیں۔حبیب ہاشمی کی شاعری عصر کی ایک نئی اور مستحکم پیشکش ہے جس کی صدائے بازگشت ایک عالم کے دلوں کو حرارت اور قوت فراہم کرتی ہے۔ جینے کی للک پیدا کرتی ہے۔ جہاں یاس میں امید ویقین کی صورت نکالتی ہے۔ حبیب ہاشمی کی شاعری غبارہ چند ساعت نہیں، کوندۂ برق نہیں بلکہ مہتاب حیات کی کرن ہے، نور سحر ہے اور صدائے بقا ہے۔اس کے نقوش انمٹ ہیں۔اس کی حکمرانی ایک عالم کے دلوں پر تادیر قائم رہے گی۔

حبیب ہاشمی کی شاعری میں حیرت واستعجاب کے ساتھ موزونیت، معنی آفرینی، شگفتگی، شائستگی کے علاوہ نادر تشبیہات، تراکیب اور برمحل استعارات کا ذخیرہ ہے۔ان کی شاعری طلسم سخن کی بادشاہی، علمی سنجیدگی، فلسفیانہ وقار اور خیال آرائی کی بہترین مثال ہے۔ان کے اشعار میں تصدق اور سچائی ہے تراشیدہ اسلوب اور تزئین کاری کا بہترین اہتمام ہے۔ وہ شاعرِ زمانہ ہوتے ہوئے بھی شاعر سدا بہار کا مجاز رکھتے ہیں۔ان کی شاعری کا سب سے بڑا کمال ان کی اضافت دراضافت نگاری ہے۔ان کی شاعری غالب کی سخن سازی کا پرتو ہے۔لفظوں اور تراکیب الفاظ کی مرصع سازی ان کی شاعری کا خاص وصف ہے۔

جہاں تک حبیب ہاشمی کی تقدیسی شاعری اور نعتیہ نگاری کا تعلق ہے تو اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ منفرد نعت گو ہیں۔ان کی نعتوں میں عقیدت اور تقدس کے نقوش نمایاں ہوتے ہیں۔ لفظیات اور اسلوب نگاری میں مہارت رکھتے ہیں۔ پیکر نگاری اور کردار سازی کا ادراک انہیں حاصل ہے۔ وصف بیانی کا سلیقہ انہیں آتا ہے۔نئی تراکیب اور نئے استعارات کے استعمال سے وہ نعت پاک کو پاکیزہ اور تقدس آمیز بنادیتے ہیں۔ تمثیل نگاری میں بھی کمال رکھتے ہیں۔بطور دلیل ان کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

صدیاں گزر گئی ہیں گئے عرش پر حضور
اک نور کی لکیر ابھی رہ گزر میں ہے

شبنمی راتوں میں بھیگی ہوئی محرابِ حرم
میری مژگانِ عقیدت پہ نمی تیری ہو

سارے عالم میں بٹا کرتی ہے انوار کی بھیک
صبح دم ہوتی ہے جب روضۂ سرکار پہ دھوپ

بن گئے امت عاصی کے لئے وجہ نجات
آپ کی چشمِ مروت سے جو آنسو نکلے

اتنا کافی ہے سکونِ دلِ محزوں کے لئے
اپنے رخسار پہ اشکوں سے مدینہ لکھئے

''شاعری کبھی تفنن طبع کا ذریعہ تھی اور کبھی علمی وفنی اکتساب کی نمائش، ہر

دور میں اس نے اپنے حسن کی کرشمہ سازی دکھائی۔ کبھی لوگوں کے دلوں کو موہ لیا، کبھی سماج اور سیاسی دنیا میں انقلاب برپا کردیا، کبھی معاشرے کی اصلاح کو اپنا فرض جانا اور کبھی حسن وعشق کی کارفرمائی کے نقوش ثبت کردیا لیکن شاعری کا ایک روپ مذہب وتصوف کی دنیا میں جلوہ گر ہوا جو انسان کے قلب ونظر پر حکمرانی کرتا رہا، حقیقت کی جستجو اور صداقت کے اظہار کے لئے شاعری کو ایسی صنف کی ضرورت پیش آئی جو انسانی ذہن کو سکون اور اطمینان بہم کر سکے۔ اس ذہنی اور قلبی تقاضے کے پیش نظر شاعروں نے حمد ونعت کے قالب میں اپنی روحانی تسکین کا وسیلہ ڈھونڈ نکالا۔''

(پروفیسر کلیم سہسرامی۔خوابوں کا صورت گر۔ص 176)

اس اقتباس کی روشنی میں یہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ حمد' نعت اور منقبت نیز تقدیسی قصیدے وہ اصنافِ شاعری ہیں جو تفنن طبع کے لئے نہیں کی جاتیں' جو اکتسابی نمائش بھی نہیں ہیں' جو دلوں کو موہ لینے کے لئے نہیں کی جاتیں اور نہ سماج اور معاشرے کی اصلاح کے لئے بلکہ یہ وہ رنگ سخن ہے جس میں پاکیزگی ہے' روحانیت ہے۔ جس میں تصوف اور تقدس کی باتیں ہیں' جو انسانی ذہن کو سکون اور دل کو اطمینان فراہم کرتا ہے۔ اس سے قلب میں جمی گرد کی صفائی ممکن ہے۔ یہ روح کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ صنف سخن اکابرین ادب کی بے توجہی کے باوجود اپنی شناخت برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔ ہر چند کہ غزل کے مقابلے میں تقدیسی شاعری کم ہوئی ہے مگر خوب ہوئی ہے۔ اس کی اہمیت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ بطور دلیل حبیب ہاشمی کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہے عبث حرفِ نفی حرفِ جلی کے آگے
شب کی اوقات ہے کیا زلفِ نبی کے آگے

اللہ اللہ یہ فصاحت یہ بلاغت یہ کلام
علم شرمندہ ہے امی لقبی کے آگے

چاہے تارے ہوں یا ہو خاور مشرق کی کرن
سب ہیں بے نور تری خندہ لبی کے آگے

ملکوتی فضائیں ہوتی ہیں مولا کی نوازش ہوتی ہے
جب ذکر پیمبر ہوتا ہے انوار کی بارش ہوتی ہے

دنیا نہ یہ دنیا کے خزینے میں ملے گا
اس دل کو سکوں صرف مدینے میں ملے گا

وہ عطر نہ پاؤ گے کسی گل کے بدن میں
جو عطر تمہیں شہ کے پسینے میں ملے گا

مذکورہ اشعار کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حبیب ہاشمی کی نعتیہ شاعری میں اوصاف نعت گوئی کے سبھی تقاضوں کا اہتمام ہے۔ اوصاف حسنہ، پیکر تراشی، انداز گفتار، حرکات وسکنات، عادات و

اطوار اور دیگر عوامل کا خوبصورت احاطہ کیا گیا ہے۔ اچھی اور سچی نعت گوئی کی مثال اگر دیکھنی ہو تو حبیب ہاشمی کے نعتیہ کلام کا مطالعہ لازمی ہے۔ حبیب ہاشمی کی نعتیہ شاعری میں نعت گوئی کی کچھ ایسی صفات موجود ہیں جو دوسروں کے یہاں کم یاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہیں۔ مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

پیکر تراشی:

دندان مبارک میں جو موتی ہے درخشاں — ہرگز نہ کبھی کوئی نگینے میں ملے گا
کیا لکھوں چہرۂ سرتاج عرب کی شرحیں — آب گینے سے تو بڑھ کر دمِ دنداں نکلا
لختِ الماس و گہر ریزۂ گل ماہ نجوم — ناخن پاک کی کترن کے مقابل نہ ہوئے
چہرۂ طٰہٰ پہ تحریر تبسم کی لکیر — جس طرح ہو گلِ فردوس کے اشجار پہ دھوپ
دل بضد ہے کہ محمد کا سراپا لکھئے — مظہر نور الٰہی ہیں انہیں کیا لکھئے

جہاں تک ان کی نعتیہ شاعری کا تعلق ہے تو ان کی شاعری کسی دوسرے شاعر کی شاعری سے کہیں سے بھی میل نہیں کھاتی ہے۔ یہی ان کی انفرادیت ہے۔ ان کی خیال بندی اور مصرعوں کی تشکیل سازی پر دوسرے شعرا سر دھنتے رہ جاتے۔ اضافت در اضافت، تمثیل اور تراکیب لفظی کا یہ رنگ بمشکل کسی کے یہاں مل جائے۔ وہ بھی اس خوبصورتی کے ساتھ کہ قاری و سامع دیر تک اس کے اثر سے باہر نہ نکلیں۔ جیسے شہِ جود وسخا، دولتِ عقبیٰ کے قسیم، بھیگی ہوئی محرابِ حرم، سفیر جادۂ عرش وفرش، حسنِ مقدس، سزا گاہ تمنا، سنگ ہدایت، شہر تمنا، فرصتِ نشاطِ نظر، محرومیوں کا عکس، لختِ الماس، گہر ریزۂ گل، فصیل شب کا دریچہ، لذت نشاط، خوشبوفشاں چراغ، زخموں کے خزانے، اشکوں کی لکیریں، آرزوؤں کی ہری شاخ، محرابِ سحر، تیرگیِ شب ہجراں، بے نگاہی کا ہدف، دستارانا، ستم گار آسماں، حویلیوں کی چھتوں کے اداس زینے، خیال کے شیشے، لفظوں کے گلاب، شمشیر بلائے غم، ہدف زادِ سواد، اور مشکیزۂ آب وغیرہ۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کروں تیری مدح خوانی کہاں منہ میں وہ زباں ہے — مری زندگی زمیں ہے تری ذات آسماں ہے
مری فکر لاکھ چاہے تری گرد تک نہ پہنچے — تو امامِ انبیا ہے تری بزم کہکشاں ہے

☆

تری ارض ریگ زاراں کی بہار اللہ اللہ — تری سادگی کے صدقے ترا شہر گلستان ہے
جن کے خیالِ پاک سے قدسی وضو کریں — دنیا میں کوئی آیا نہیں مصطفیٰ کے بعد

کشکول میرا بھر گیا ان کی عطا کے بعد اب اور کوئی شئے کی ضرورت نہیں مجھے

آفتاب احمد حسن پوری فرماتے ہیں:

''اہل نظر جانتے ہیں کی نعت گوئی کا فن شیشہ گری سے کم نہیں۔ یہ ایک مشکل ترین فن ہے۔ اس میں ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن، ذات و صفات کے بیان میں غلو سے کام لینا یا مبالغہ آرائی کرنے کی وجہ سے شرک کی حدود میں داخل ہونے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔''

(شاعر۔ اگست 2018۔ ص38)

بیشک نعت گوئی کا مقصد یہی ہونا چاہئے کہ اس کا مرکزی خیال حضور اقدس کی ذات گرامی کا خوبصورت محاسبہ ہو۔ ان کی توصیف ہو، ان کے اوصاف حسنہ کا تذکرہ ہو۔ شاعر اسلام حبیب ہاشمی نے ان نکات کا خیال رکھا ہے اور محبوبیت کو معبودیت پر ترجیح دینے سے گریز کیا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کرتے وقت رب کی عظمت کا لحاظ رکھا ہے۔ اپنے فن اور اسلوب نیز فکر وخیال کو ایک مخصوص دائرے میں رکھتے ہوئے اعلیٰ درجے کی نعتیں کہی ہیں۔ جن میں تقدس کے ساتھ جدت وندرت بھی موجود ہیں۔ اشعار دیکھیں:

رسول اکرم حبیب داور خزینۂ دل لٹا لٹا کر ہماری قسمت سنوارتے ہیں حضور آنسو بہا بہا کر
نواحِ شہر نبی میں آ کر درود پڑھتے ہیں یوں فرشتے کبھی نگاہیں اٹھا اٹھا کر کبھی نگاہیں جھکا جھکا کر

ہاتھ میں دامنِ سرکار مدینہ آئے ہم غریبو کو بھی جینے کا قرینہ آئے
یا نبی بس اسی امید پہ جاری ہے سفر کب نظر ہم پہ ہو کب شہر مدینہ آئے

مختصر یہ کہ نعت گوئی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت اور درگاہ ربوبیت میں شاعر کا ایک بھی شعر قبولیت کا شرف حاصل ہو جائے تو وسیلۂ نجات ہو جائے۔ ایمان تازہ اور پاکیزہ ہو جائے۔ حبیب ہاشمی نے اس کی خوب خوب پاسداری کی ہے اور حمد ونعت کی حدود کا خیال رکھا ہے۔ اللہ ان کی نعتوں کے صدقے ان کے گناہوں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

☆ شالیمار اپارٹ مینٹ، ہاوڑہ

Mob.9339976034

☆☆☆

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری (شاہجہانپور، یو پی)

شاہ جہانپور کے چند نعت گو شعراء ایک مطالعہ

شاہ جہاں پور صوبۂ اتر پردیش کا ایک مردم خیز ضلع ہے۔ اس شہر کی شناخت ایک روحانی، علمی اور دینی مرکز کی حیثیت سے ہے۔ اس کی مبارک خاک سے پیدا ہونے والوں میں بڑے بڑے علماء، صوفیائ، مشائخ، نامور شعرائ، عظیم المرتبت ادباء اور باکمال بزرگ شامل ہیں۔

شاہ جہاں پور کے بانی عمدۃ الملک نواب بہادر خان نے ۱۰۴۷ھ ۱۶۳۷ء میں اس شہر کو آباد کرتے وقت بزرگوں سے والہانہ عقیدت کے سبب یہاں بہت سے اکابر علماء، ادبا اور شعرأ کے ساتھ علمی اور روحانی شخصیات کو بھی شہر میں آباد کیا تھا۔ اس وقت سے عصرِ حاضر تک یہ شہر علم وادب کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔

شاہجہاں پور میں نعت گوئی کا سلسلہ کئی صدیوں پر محیط ہے۔ نعت گوئی کا سلسلہ کب شروع ہوا؟ یہ ایک تحقیق کا موضوع ہے۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہاں کے شعرأ نے اپنی صلاحیتوں اور فن نعت گوئی میں اپنے جوہر سے علمی دنیا میں ایک منفرد مقام قائم کیا۔

ہمارے آبائی ''کتب خانہ قادریہ، بشیریہ'' واقع خانقاہ عالیہ قادریہ، بشیریہ، شاہ جہانپور میں محفوظ گذشتہ صدی کے پرانے رسائل میں یہاں کے شعراء کا منتشر نعتیہ کلام مل جاتا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ نعت گوئی یہاں کے شعرأ صدیوں سے کرتے آرہے ہیں۔

مولوی حمید الزماں خاں حمیدؔ شاہ جہاں پوری کا ایک صدی قبل لکھا نعتیہ قصیدہ فارسی زبان میں ''نثارِ زر بر پائے پیغمبر''، طبع ۱۳۳۷ھ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ ہمارے یہاں محفوظ ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعرائے شاہ جہاں پور نے اردو زبان کے علاوہ مختلف زبانوں میں بھی نعت گوئی کا حق ادا کیا ہے۔ مولوی صاحب کے حالاتِ زندگی تو معلوم نہ ہو سکے البتہ ''نثار زر بر پائے پیغمبر'' سے یہاں کچھ اشعار نقل کئے جا رہے ہیں جس سے کہ قارئین کرام کو ان کی شاعری کی عظمت کا اندازہ ہو سکے:

ثنائے کنم شاہِ لولاک را و ہم یاد از خلق افلاک را

ثنائے جہاں بادشاہے کنم تد روئے شوم مدح ماہے کنم
مگرذرۂ ہستم از ریگ دہر چہ یارا کہ دعویٰ کنم نعت مہر

۸۳/اشعار پر مشتمل اس قصیدے کے اختتام پر حمید شاہ جہاں پوری تحریر فرماتے ہیں:

مرا چشم باشد بر دیت مدام دلم در ہوائت علیک السلام
علیک السلام اے شہِ دوسرا سلامُم علیک از من و از خدا
صلوٰۃ خدا بر تو فخر رُسل چکد رحمتش بر سرت جزو ُکل
نظر کن خُدا را یکے بر حمید کہ گردد بفضل تو عاصی سعید

محافل میلاد میں ایک بہت ہی مقبول کتاب ''کتاب میلاد الحبیب'' تاریخ مسمّی بہ اسم ''ذکرِ شاہ دو عالم'' بھی شاہ جہاں پور کے ایک باکمال بزرگ شاعر حاجی حافظ محمد حبیب اللہ شاہ جہاں پوری کی کاوش ہے۔ یہ کتاب عمدہ نعتیہ کلام، سچی حکایات اور مستند روایات سے مزین ہے۔ اکثر محافل میلاد میں، میلاد خواں اس کتاب سے کلام بھی پڑھتے ہیں اور روایت بھی پڑھ کر سناتے ہیں۔ حبیب شاہ جہانپوری کا یہ شعر بہت مقبول ہے فرماتے ہیں:

سامنے حق کے میں یوں جاؤنگا محشر میں حبیب نعتِ احمد کا مرے ہاتھ میں دیواں ہوگا

۱۳۳۸ھ میں شائع ''ذکرِ شاہِ دوعالم'' سے چند اشعار مزید نقل کئے جاتے ہیں:

ضیائے روئے منور دکھا رہے ہیں حضور نظر میں روح میں دل میں سمارہے ہیں حضور
تصور رخِ عالم پناہ کے صدقے نگاہِ شوق کو جلوئے دکھا رہے ہیں حضور
بروزِ حشر شفاعت کرونگا میں سب کی گناہ گارو یہ مزدہ سنا رہے ہیں حضور
ندا یہ غیب سے آتی ہے میرے کانوں میں حبیب تجھ کو مدینے بُلا رہے ہیں حضور

ہم نے یہاں شاہ جہاں پور کے چند اکابر شعراء کا ذکر بطور تمثیل پیش کیا ہے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ نعت گوئی کے میدان میں شعرائے شاہ جہاں پور کی صدیوں سے نمایاں خدمات رہی ہیں۔ ہم نے اپنے مضمون میں ۹ رنعت گو شعراء کا تذکرہ کیا ہے، جن کے نعتیہ دیوان ہمیں کتب خانۂ قادریہ، بشیریہ میں آسانی سے دستیاب ہو گئے۔ ان کے علاوہ ہماری معلومات کے مطابق نظیر شاہ جہان پوری کا ''ارم درارم'' اور ''فردوس تمنّا'' شبنم رومانی کا ''''حرفِ نسبت'' خیال مینائی کا ''سرورِ کائنات'' اور ''نور کی ندّیاں'' بھی شائع ہوئے ہیں۔

اس مضمون میں ہم نے شعراء کی ترتیب دیوان کی اشاعت سنہ کے اعتبار سے رکھی ہے۔ یہ عرض

کرنا بھی مناسب ہوگا کہ شاہ جہاں پور کے ایک مقبول نعت گو حضرت قاری سید محمد ظفر الدین قادری شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی نعتیہ شاعری نہایت سلیقے اور عشق، رسول سے سرشار ہے۔ آپ کے کلام کے مطالعے سے وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آپ کو نعت گوئی کے میدان میں حاجی عبدالباری یاد گار نعتیہ ایوارڈ ۲۷ رستمبر ۱۹۷۰ء کو عطا کیا گیا تھا۔ ظفؔر صاحب کا ہماری معلومات کے مطابق کوئی مستقل دیوان تو شائع نہیں ہوا مگر کچھ قلمی نعتیہ کلام اور یہ ایوارڈ ہمارے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ چند اشعار نذرِ قارئین کیے جا رہے ہیں:

غلامِ قادری نے جب پکارا یا رسول اللہ — دیا ہے آپ نے بڑھ کر سہارا یا رسول اللہ
بُلا کے اپنے روضے پر مٹا دو بے کلی دل کی — یہ دوری اب نہیں مجھ کو گوارا یا رسول اللہ
پکڑ کر روضۂ انور کی جالی دم نکل جاتا — کچھ ایسا اوج پر ہوتا ستارہ یا رسول اللہ
مدد فرمایئے میری مدد کو آیئے میری — بڑی مشکل سے ہوتا ہے گذارا یا رسول اللہ
یہی ہے آرزو میری، یہی ہے آرزو باقی — ترے روضے کا میں کرلوں نظارہ یا رسول اللہ
کیا ہے چاند دو ٹکڑے فقط اک ہی اشارے میں — کرم کا کیجئے مجھ پر اشارہ یا رسول اللہ
تمہیں ہو ساقیِ کوثر تمہیں ہو شافعِ محشر — نہیں ہوگا کوئی ثانی تمہارا یا رسول اللہ
عجب عالم ہے اس دل کا نہ پوچھو کیفیت اس کی — دکھا دو اب ظفؔر کو بھی نظارہ یا رسول اللہ

اسی طرح عاشؔق شاہ جہاں پوری بھی ایک معتبر نعت گو شاعر تھے۔ آج سے پچیس تیس برس قبل ہم نے ریڈیو پاکستان سے آپ کا کسی پاکستانی نعت خواں کی زبانی یہ کلام سنا تھا۔ جو شاہ جہاں پور کے شعراء کے نعتیہ کلام کے مقبولیت کی دلیل ہے۔ ہم اپنے حافظے کے مطابق کچھ عاشؔق شاہجہانپوری کے اشعار تحریر کر رہے ہیں:

کون شہرِ مکہ میں صبح صبح آیا ہے — جس کے نور سے عالم سارا جگمگایا ہے
غیب سے ندا آئی آمنہ مبارک ہو — تو نے رحمتِ حق سے نورِ حق کو پایا ہے
دامنِ نبؐی عاشق اب نہ ہم سے چھوٹے گا — ہم نے ان سے جو مانگا وہ خُدا سے پایا ہے

حنیفؔ اسعدی

حنیفؔ اسعدی کی ولادت یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو شاہ جہاں پور میں ہوئی۔ آپ کے والد محمد صدیق حسن اسعؔد شاہ جہانپوری بھی ایک معتبر شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بی۔ اے کی سند مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے حاصل کی تھی۔ تقسیم ہندوستان کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ حنیف

اسعدی کا نام حنیف احمد ہے۔ اسعدی اپنے والد کے تخلص اسعد کی نسبت سے لکھتے تھے، اس لئے ادبی دُنیا میں حنیف اسعدی نام سے زیادہ مقبول ہیں۔ شبنم رومانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا حنیف اسعدی شفاف شخصیت کے مالک ہیں۔ اندر باہر سے پاک صاف، دیندار اور دیانت دار، انہوں نے اپنی زندگی میں دین اور دنیا کا حیرت انگیز توازن قائم کر رکھا ہے اور اس توازن کی کلید ان کی قناعت پسندی ہے، درویشانہ قناعت پسندی۔

حنیف اسعدی نے غزل بھی کہی نظم بھی، قطعہ بھی لکھا رباعی بھی مگر ان کی پہچان ان کی نعتوں سے ہوئی اور حق تو یہ ہے کہ نعت گوئی انہیں کا حق ہے۔ نعت لکھنے کے لئے حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت کے ساتھ ساتھ محبت بھی ایک بنیادی شرط ہے۔ آپ سے عقیدت تو بہت سے غیر مسلموں کو بھی رہی ہے اور انہوں نے اچھی نعتیں کہی ہیں مگر محبت اور ہی چیز ہے۔''

یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

حنیف اسعدی کے دو نعتیہ دیوان ''ذکرِ خیر الانام'' اور ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' شائع ہو چکے ہیں۔ ''ذکرِ خیر الانام'' مطبوعہ ۱۹۸۴ء ہمارے آبائی کتب خانہ قادریہ، بشیریہ، شاہ جہاں پور میں محفوظ ہے۔ حنیف اسعدی کی نعتیہ شاعری بڑے سلیقے کی ہے۔

کلام میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت اور عشق رسالت کا عکس نظر آتا ہے۔ آپ کی نعتیں فن، موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے سرمایۂ نعت میں ایک بہترین اضافہ ہیں۔ قرینۂ ادب کو بڑی احتیاط اور ہوشمندی کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ اشعار میں خلوص، عقیدت کے ساتھ شاعرانہ مہارت کے نمونے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو نمونۂ کلام:

نگاہِ حق میں مقام محمدی کیا ہے — یہ روشنی ہی سے پوچھو کہ روشنی کیا ہے
حیاتِ پاک کا ہر لمحہ بن گیا ہے گواہ — کہ ایک بندے کا معیار بندگی کیا ہے
کسے شعورِ تمدن تھا آپ سے پہلے — نہ زندگی کو خبر تھی کہ زندگی کیا ہے
کبھی کرم کی نظر سے کبھی تحمل سے — یہ دشمنوں کو بتایا کہ دوستی کیا ہے
نہ زندگی کا سلیقہ نہ بندگی کا شعور — خدا ہی جانے اندازِ پیروی کیا ہے
خدا کا ذکر کریں مدحتِ نبی لکھیں — سوائے اس کے کمالِ سخنوری کیا ہے
حنیف دولتِ کونین اور کیا ہوگی — غلام، سرورِ دیں ہوں مجھے کمی کیا ہے

ایک اور ان کی نعت ملاحظہ ہو جس میں انہوں نے اپنے خوبصورت لب و لہجے میں بعثت رسول

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

مرحبا ختمِ مرسلیں آئے — فخرِ دُنیا و فخرِ دیں آئے
پستیوں کو بلندیاں دینے — فرش پر عرش کے مکیں آئے
یہ ہمارے نصیب ہیں ورنہ — آسماں بر سرِ زمیں آئے
سب نبی اپنے عہد کے تھے نبی — لیکن آپ عہد آفریں آئے
سب سے بڑھ کر جہاں ضرورت تھی — باعثِ کُن فکاں وہیں آئے
آج خلوت بھی بزمِ عرفاں ہے — یہ بتانے حِرا نشیں آئے
آپ اُن کے لئے بھی رحمت ہیں — جو زمانے ابھی نہیں آئے
ظلم ہے ظلم کا جواب مگر — آپ اس کے لئے نہیں آئے
مجھ سا عاصی اور اُن کی چشمِ کرم — ہائے کس طرح سے یقیں آئے

مضطرؔ شاہ جہاں پوری

حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ کی قیادت میں جو لشکر ہندستان آیا تھا، اُس لشکر میں مضطرؔ شاہ جہاں پوری کے آبا واجداد بھی شامل تھے۔ جنہوں نے مختلف علاقوں میں سید سالار حضرت مسعودِ غازی کی قیادت میں جنگیں لڑیں اور شہید ہوئے۔ جو باقی رہ گئے انہوں نے شاہ جہاں پور کے پوایاں میں سکونت اختیار کر لی۔

مضطرؔ شاہ جہاں پوری کی ولادت ۱۹۲۳ء میں پوایاں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں بریلی سے بی۔ ٹی۔ سی کا امتحان پاس کیا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہو گئے۔ گورنمنٹ پرائمری اسکول قائم آباد، لیاقت آباد، کراچی سے ۳۵ رسال بحثیت ہیڈ ماسٹر خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔

مضطرؔ شاہ جہاں پوری کا نعتیہ کلام ''مدحتِ خیر البشر'' اپریل ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا یہی نسخہ ہمارے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام سادہ، عام فہم زبان میں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترجمان ہے۔ جس میں عشق کی وارفتگی اور جذبات کی فراوانی موجود ہے۔ کلام میں محاورات، تشبیہ، استعارات اور تلمیحات کا استعمال نہایت کامیابی سے کیا گیا ہے۔ مضطرؔ شاہ جہاں پوری کا یہ مطلع مقبولِ زمانہ ہے جو آپ کی نعتیہ شاعری کی مہارت کی دلیل ہے:

جب مسجد نبوی کے مینار نظر آئے — اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے

مضطؔر شاہ جہاں پوری کی نعتیہ شاعری نہایت سنجیدہ ہے۔ ہر مصرع سے عشق رسول کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔نعت گوئی میں ادب وعقیدت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ''نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔'' مضطؔر شاہ جہاں پوری کی شاعری اس قول کی مصداق ہے۔آپ قرآن وحدیث سے بخوبی واقف ہیں اسی لئے تمام شعر مذہبی حدود میں ہیں۔ملاحظہ ہو نمونۂ کلام:

محمد مصطفیٰ آئے حبیبِ دو جہاں آئے
مری بخشش کا ساماں لے کے سرکار جہاں آئے
شبِ معراج جب پہنچے محمد مسجد اقصیٰ
تو نبیوں نے کہا دیکھو امام کُن فکاں آئے
چلے فرشِ زمیں سے عرش پر آئے مرے آقا
کہا اللہ نے دیکھو حرم کے پاسباں آئے
مِرے آقا کو جب دیکھا تو بولے ساکنِ مکہ
فلک سے اب زمیں پر تاجدارِ دو جہاں آئے
گنہگاروں کے دل سے سوزِ بے پایاں مٹانے کو
تبسم ریز لب لے کر شفیع مہرباں آئے
اندھیروں میں بھٹکتے تھے مسافر ایک مدّت سے
ضیائے رہگزر بن کر امیرِ کارواں آئے
پریشاں کس قدر مضطؔر تھا اپنے بارِ عصیاں سے
پیام عافیت لے کر انیس بے کساں آئے

☆

درِ نبی پر جو حاضر غلام ہوجاتا
تمہاری دید کا کچھ انتظام ہوجاتا
سکون قلب گیا آپ کی جو فرقت سے
عطا سکون کا کوئی پیام ہوجاتا
ہیں خوش نصیب رواں ہوئے منزل مقصد
مرے سفر کا بھی کچھ انتظام ہوجاتا
علاج تشنہ لبی کے لیے پریشاں ہوں
عطا کرم کا مجھے ایک جام ہوجاتا
تمہاری ایک نظر پر نثار ہونے کو
تمہاری دید کا حاصل پیام ہوجاتا
گنہ گار، خطا کار، شرم سار سہی
زہے نصیب جو در پہ پیام ہوجاتا
پہنچ کے روضۂ اقدس پہ کاش اے مضطؔر
تمام میرا یہ ذوقِ سلام ہوجاتا

ربابؔ رشیدی

سلمان احمد ربابؔ رشیدی کی ولادت ۱۰/جنوری ۱۹۴۰ء کو ضلع شاہ جہاں پور کے قصبہ پوایاں میں ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔آپ کے والد حکیم غلام جیلانی بھی شاعر تھے۔اسیرؔ تخلص فرماتے تھے۔ گھر کے ادبی ماحول نے ربابؔ رشیدی کے ذہن پر گہرا اثر قائم کیا جس کے سبب کم عمری میں شعر کہنے لگے۔ دبستان داغؔ کے معتبر اُستاذ جناب رشیدؔ رام پوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ رباب

صاحب اپنے نام کے ساتھ رشیدی کا لاحقہ اپنے استاذ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کرتے تھے۔عمر کے ابتدائی زمانے میں تلاش معاش رباؔب صاحب کو لکھنؤ لے آیا اور پھر پوری عمر لکھنؤ ہی میں گذار کر ۲۲/اکتوبر ۲۰۲۲ء کو انتقال فرمایا۔

جناب ڈاکٹر تابشؔ مہدی آپ کی شاعری کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رباؔب رشیدی ایک فن شناس و پختہ کار شاعر ہیں۔شاعری کی اکثر اصناف پر اُنہیں قدرت حاصل ہے۔اُن کے ذخیرۂ شعری میں حمد، نعت، مناقب، نظم، قطعات، رباعیات غرضیکہ ہر صنف سخن کے نمونے ملتے ہیں۔''

رباؔب رشیدی کی نعتیہ شاعری عشقِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائرے میں ایک حسین گنجینہ ہے۔کلام میں پختگی ہے۔آپ کے نعتیہ کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اشعار میں قرآن واحادیث کا مفہوم بڑے عمدہ انداز میں بیان کیا ہے جس سے ان کی قادرالکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ہمارے کتب خانے'' قادریہ، بشیریہ'' میں آپ کے دو نعتیہ دیوان'' الف میم'' سنہ اشاعت ۲۰۰۱ء اور ''نعتیں'' سنہ اشاعت ۲۰۲۰ء محفوظ ہیں۔دونوں دیوان رباب رشیدی کے قدرت کلام کا مظہر ہیں۔اسی کے ساتھ ''ابر سفید'' اور ''اوراق'' دو غزلیات کے دیوان بھی راقم کے مطالعے میں ہیں۔ملاحظہ فرمائیں نمونۂ کلام:

ہے یٰسین و طٰہٰ جو نام محمد ۔۔۔ خدا جانتا ہے مقام محمد
انہیں کا ہے مستقبل وحال و ماضی ۔۔۔ یہ ہے رفعت و احتشام محمد
زمانے کو تعبیر عشرت ملے گی ۔۔۔ جب آئے گا زیر نظام محمد
فقط قاب قوسین ہے اک اشارہ ۔۔۔ بلند اس سے بھی ہے مقام محمد
کتابِ حیاتِ دو عالم کو حق نے ۔۔۔ معنون کیا ہے بنام محمد
عمل سے منور، عبادت ہے روشن ۔۔۔ نگاہوں میں صبح و شامِ محمد
رباؔب اب یہ عالم ہے بے تابیوں کا ۔۔۔ کہ ہر لحظہ لب پر ہے نام محمد

☆

مدحت خیر الانام ۔۔۔ لفظ و بیاں نا تمام
آپ نے ہر پل لیا ۔۔۔ خُلق و مروّت سے کام
آپ کا جب ذکر ہو ۔۔۔ صرف درود و سلام

واقعہ معراج کا اک تزک و احتشام
سیرتِ سرکار کا نور زمانے میں کام
فیض اُٹھائے جہاں ہے کھلا باب السلام
حرمتِ آقا پہ بات پھر تو ہے جینا حرام
دشمنوں کو دیکھئے اے شہِ عالی مقام
سب ہے اُنہیں کے لیے زیست کا سارا نظام

کوثؔر شاہ جہاں پوری

پروفیسر سید محمد ظہیر الدین قادری کوثؔر شاہ جہاں پوری ہندوستان کے معروف ومعزز ’’خانوادۂ قادری‘‘ کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد فخرِ ملک وملت، صدر جمہوریہ اعزاز یافتہ حضرت سید الحاج قاری مولانا پنڈت محمد بشیر الدین قادری، شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ برِّصغیر ہندو پاک کی ایک علمی، روحانی اور معتبر شخصیت کے مالک تھے۔ جن کی درجنوں کتابیں علمی حلقے میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ’’خانوادۂ قادری‘‘ صدیوں سے علم وادب کا مرکز رہا ہے۔ کوثؔر شاہ جہاں پوری پر اپنے خانوادے کے علمی نقوش روشن ہوئے اور بچپن سے ہی شعر وشاعری کی طرف مائل ہو گئے۔ اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہ جہاں پوری جانشین حضرت امیؔر مینائی نے ایک مشاعرے میں فرمایا تھا’’ کوثر شاہ جہاں پوری تمہارا مستقبل روشن ہے۔ اچھے شعر کہتے ہو، خوب سے خوب تر کی تلاش کرتے رہنا۔‘‘ یہ مشاعرہ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۷ء کوشاہ جہاں پور میں منعقد ہوا تھا جب کوثؔر صاحب کی عمر صرف ۱۴؍ برس تھی۔ ابتدا میں کلام پر اصلاح اپنے والد ماجد سے لی۔ بعد میں افضل الشعرا عابدؔ مینائی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہو گئے۔

فیض احمد فیضؔ بریلوی آپ کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ’’کوثؔر صاحب نہ صرف ایک اچھے شاعر ہیں بلکہ فن عروض پر کافی دسترس رکھتے ہیں اس کے ساتھ ہی آپ کی علمیت، قابلیت اور وسیع مطالع نے بھی آپ کی شاعری میں کافی ہمہ گیری اور تاثر پیدا کر دیا ہے۔‘‘

پروفیسر کوثؔر شاہ جہاں پوری کی ولادت ۲؍جولائی ۱۹۴۱ء کوشاہ جہاں پور میں ہوئی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۰ء میں پاکستان ہجرت فرمائی۔ عائشہ باوانی گورنمنٹ کامرس کالج، کراچی میں صدر شعبۂ اردو کے عہدے سے جولائی ۲۰۰۱ء میں سبک دوش ہوئے۔ نثر ونظم میں کئی کتابیں یادگار

ہیں۔ آپ کا تحقیقی مقالہ ''اسلام اور گہوارۂ مسعودی'' کا قلمی نسخہ ہمارے آبائی کتب خانۂ قادریہ، بشیریہ، شاہ جہاں پور میں محفوظ ہے۔

اپنے والدِ ماجد حضرت سید الحاج قاری مولانا پنڈت محمد بشیر الدین قادری شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر مرید تھے اور خانقاہ عالیہ قادریہ، بشیریہ، شاہ جہاں پور کے پہلے سجّادہ نشین حضرت الحاج قاری مولانا سید محمد معز الدین قادری شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ، بشیریہ میں خلافت و اجازت حاصل تھی۔

۱۴ر فروری ۲۰۰۸ء/۶ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ بروز جمعرات اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد مظہر الدین قادری بشیری کو آپ کا جانشین و سجادہ نشین مقرر کیا گیا۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر آپ کا مجموعۂ نعت و مناقب ''آبشار نور'' مطبوعہ جنوری ۲۰۰۵ء ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام واردات قلب پر مبنی وجدانی کیفیت کا نمونہ ہے۔

پروفیسر کوثرؔ شاہ جہاں پوری کی نثر میں ''سرمایۂ حیات''، ''علم عروض پر ایک سرسری نظر''، ''اسلام اور گہوارۂ مسعودی''، ''آئینۂ تاریخ کوثر''، ''شاہ راہِ علم و عمل'' اور غزلیات پر مشتمل دیوان ''گلدستۂ کوثر''، ''عکسِ کوثر''، ''ارمغانِ سخن''، ''فراغ کوثر'' ادبی دنیا میں بیش بہا خزانہ ہیں۔ پیش ہے نعتیہ نمونۂ کلام:

زمینِ حرم کی ضیا مانگتا ہوں — وہیں پر جبیں کو جھکا مانگتا ہوں
ہیں فہم و تدبّر ضیائے بصیرت — خدا کی قسم یہ عطا مانگتا ہوں
درِ مصطفیٰ کی زیارت کروں میں — عنایت کرم اور عطا مانگتا ہوں
درِ مصطفیٰ پر مری روح نکلے — مدینے میں تھوڑی سی جا مانگتا ہوں
زباں پر ہو صلّ علیٰ میرے جاری — نکل جائے یوں دم دعا مانگتا ہوں
لگاؤں گا آنکھوں میں سرمہ بنا کر — میں خاکِ درِ مصطفیٰ مانگتا ہوں
درِ مصطفیٰ پر حضوری ہو کوثرؔ — یہی بس خدا سے دعا مانگتا ہوں

☆

معرفت کا وہ نور دیتے ہیں — فکر کا جب شعور دیتے ہیں
اک حقیقت ہیں یہ درود کے لفظ — میرے دل کو سرور دیتے ہیں
مانگنے کا جسے سلیقہ ہے — اُس کو آقا ضرور دیتے ہیں
جو بھی آقا کو دل سے یاد کرے — اُس کو نور و سرور دیتے ہیں

نعت لکھتا ہوں جب بھی میں کوثرؔ مجھ کو آقا شعور دیتے ہیں

سید احمد سحرؔ شاہ جہاں پوری

سید احمد سحرؔ شاہ جہاں پوری کی ولادت ۱۵/ اگست ۱۹۳۵ء کو شاہ جہاں پور میں ہوئی۔ شاہ جہاں پور کے ادبی ماحول کا آپ پر گہرا اثر پڑا اور جلد ہی شعر کہنے لگے۔ معروف و معتبر شاعر پیارے میاں رشید کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ کے اب تک دس سے زیادہ دیوان، مجموعۂ غزلیات شائع ہو چکے ہیں۔ بیاضِ حمد و نعت (مجموعۂ حمد و نعت) مطبوعہ ۲۰۰۵ء اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔

سحرؔ شاہ جہاں پوری ایک پختہ شاعر تھے آپ کا کلام نہایت نفیس اور دلکش ہے۔ ڈاکٹر سعید عارفی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سید احمد سحرؔ شعر و ادب کے خاموش اور گوشہ نشیں خادم ہیں۔ اُنہوں نے اپنی کوششوں اور طویل تحقیقی سفر کے ذریعہ اپنی شاعری اور لب و لہجے میں انفرادی رنگ پیدا کر لیا ہے۔'' ان کا نمونۂ کلام نذر قارئین کیا جا رہا ہے:

سید المرسلیں خاتم الانبیا مصطفیٰ مصطفیٰ مصطفیٰ مصطفیٰ
صاحب قاب قوسین بدرالدجیٰ احمد مجتبیٰ احمد مجتبیٰ
ناز جتنا کرے کم ہے غارِ حرا ذات اقدس سے اس کو وہ رُتبہ ملا
چپے چپے پہ ہیں آپ کے نقش پا بن گئی خاکِ یثرب بھی خاکِ شفا
اس سے بڑھ کر سعادت بھلا اور کیا لب پہ جاری ہے وردِ صلِّ علیٰ
نورِ حق جو لے کے آئے جو روح القدس آپ نے اس سے عالم کو چمکا دیا
لے کے نکلے حرا سے جو فرمانِ رب آپ نے بت کدے کو حرم کر دیا
لا شریک لہٗ آپ کا درس ہے جس نے دل سے پڑھا آپ کا ہو گیا
ساتھ ایمان کے موت آئے سحرؔ ہو دمِ نزع ہونٹوں پہ نام خدا

رباعی میں بھی آپ نے نعتیں کہی ہیں:

معبودِ حقیقی کی رضا سے نکلے آقا عجب انداز و ادا سے نکلے
دنیا سے جہالت کو مٹانے کے لئے اقرا کا سبق پڑھ کے حرا سے نکلے

☆

وہ جس نے سکھائے ہمیں آداب حیات وہ جس نے دکھائی ہمیں راہِ نجات
ختم اُس پہ ہوا وحی الٰہی کا نزول مجموعۂ اوصاف دو عالم ہے وہ ذات

قیصؔر شکیلی شاہ جہاں پوری

سید صابر علی قیصؔر شکیلی کی ولادت محلّہ ایمن زئی، جلال نگر میں ۱۹۳۶ء میں ہوئی۔ آپ کے والد جناب سید ولی میاں قادری رزّاقی حضرت سید حسین احمد میاں بےباکؔ شاہ جہاں پوری کے مرید تھے۔ قیصؔر صاحب نے روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو کی سند حاصل کرنے کے بعد پوری زندگی اردو ادب کی خدمت کرتے رہے۔ اپنے حقیقی چچا حضرت حکیم شاہ سید صادق علی میاں قادری رزّاقی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔

مولانا حضور احمد منظری آپ کی شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''قیصؔر صاحب کی شاعری سوز دروں اور گداختگی قلب کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ واردات قلبی کو اشعار کے سانچے میں ڈھالنا آپ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ آپ نے جس فن کارانہ چابک دستی کے ساتھ مسائل زیست، قلبی کیفیات اور محسوسات کو خوبصورت اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کی شاعری میں تقریباً وہ سارے محاسن شعری بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں جو کسی شاعر کو کلاہِ عظمت و افتخار عطا کر کے حیاتِ جاودانی کی دولت سے سرفراز کرتے ہیں۔''

قیصؔر شکیلی نے معروف شاعر شکیلؔ بدایونی سے اپنے کلام پر اصلاح لی اور استاذ کے نام کی نسبت سے شکیلؔی اپنے نام کا جز بنالیا۔ آپ کا نعتیہ کلام ''وسیلہ'' ۲۰۰۲ء میں، غزلیات کا مجموعہ ''ندا'' اور ''نقوشِ فردا'' ۱۹۶۸ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ قیصؔر صاحب کا ایک منفرد کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ۱۱۱/احادیث کریمہ کا منظوم ترجمہ ''ضیا الاحادیث'' کے نام سے کیا ہے، جو ۲۰۰۶ء میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ اس مجموعے میں ایمان، گناہِ کبیرہ، نفاق، وسوسہ اور تقدیر پر ایمان سے متعلق احادیث کو منظوم کیا گیا ہے۔

قیصؔر شکیلی کی نعتیہ شاعری معیاری ہے، بلند تخیل کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا عکس اشعار میں ملتا ہے اور عشق رسول ہی مومن کی معراج ہے۔ آپ کی ایک نعت ملاظہ فرمائیں:

اگر نگاہِ رسول انام ہوجائے
یقین ہے گردشِ دوراں غلام ہوجائے
یہ بد نصیب بھی اک شاد کام ہوجائے
مدینے جانے کا گر انتظام ہوجائے
جو زندگی کی مدینے میں شام ہوجائے
فسانۂ غمِ ہستی تمام ہوجائے
جلانا اُس کو جہنم کے بس کی بات نہیں
جو شاہِ ہر دوسرا کا غلام ہوجائے
زمانہ تشنۂ عرفان ہے ساقیِ کوثر
پھر آج گردشِ مینا و جام ہوجائے
اُسے ہو خلد کی حسرت تو کیوں ہوائے قیصرؔ
کہ جس کو طیبہ میں حاصل قیام ہوجائے

☆

زہے رفعت و احترام محمد
ہے عرشِ بریں زیرِ گامِ محمد
فضاؤں میں پاتا ہوں اک روشنی سی
زباں پر جب آتا ہے نامِ محمد
سُنا جو خدا سے سُنایا وہ سب کو
کلامِ خدا ہے کلامِ محمد
خدا نے دیا ہے یقیناً وہ مجھ کو
خدا سے جو مانگا بنامِ محمد
بسا ہے نگاہوں میں طیبہ کا نقشہ
مرے دل پہ ہے نقشِ نامِ محمد
الٰہی اسی طرح ہم عاصیوں پر
ابد تک رہے فیضِ عامِ محمد
تخیل سے اُنچا محمد کا رُتبہ
تفکر سے آگے مقامِ محمد
بھلا اُس کو کیا حشر کا خوف قیصرؔ
ازل ہی سے ہو جو غلامِ محمد

فہیم بسملؔ شاہ جہاں پوری

فہیم الدین فہیم بسملؔ کی ولادت ۲۷/مارچ ۱۹۸۳ء کو جناب نسیم الدین کے گھر ہوئی ایم۔اے اردو تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی ادبی سرگرمیوں سے اردو ادب میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور یکے بعد دیگرے نظم ونثر پر مشتمل کئی کتابیں لکھ کر اہل ذوق کی خدمت میں پیش کیں۔ ’’فضائے شہر دل‘‘ مطبوعہ ۲۰۰۸ء، ’’دوہا حمد و نعت‘‘ مطبوعہ ۲۰۱۲ء (دوہا حمد و نعت کا عالمی انتخاب) ’’نئی روشنی مطبوعہ ۲۰۰۹ء (نوجوان شعراء وشاعرات کا انتخاب) ’’نظریات‘‘ مطبوعہ ۲۰۱۲ء (مضامین کا مجموعہ) ’’ذکر کچھ چراغوں کا‘‘ مطبوعہ ۲۰۱۵ء (شاہ جہاں پور کے مرحوم شعراء کا انتخاب) قابل ذکر ہیں۔ شاہ جہاں پور کے نصف درجن کے قریب شعراء کے دیوان بھی مرتب کر کے شائع کرا چکے ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر فہیم بسملؔ کے دو نعتیہ دیوان ’’سلسلے عقیدت کے‘‘ مطبوعہ ۲۰۰۹ء اور ’’مدحت سرکار‘‘ مطبوعہ ۲۰۱۹ء ہیں۔ پدم شری جناب بیکلؔ اُتساہی فہیم بسملؔ کے نعتیہ دیوان ’’مدحتِ

سرکار“ میں لکھتے ہیں:

”فہیم بسمل نے ذاتِ رسول کا صرف رسماً ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان کے اوصافِ حمیدہ بیان کرنے میں بسمل کے یہاں جو جذبات ملتے ہیں وہ عشقِ رسول کے مظہر ہیں۔ ان کے ہر شعر سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار ہوتا ہے مگر ان کے عشق میں پاسِ ادب بھی ملحوظ ہے۔ وہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ تمام تر محبت کے باوجود رسول کے ساتھ تمام تر ادب بھی قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔“

فہیم بسمل کا نعتیہ کلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشقِ حقیقی کا ترجمان ہے۔ اشعار میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ نہایت سنجیدگی ہے۔ بہت سے اشعار میں سیرتِ رسول کو اس خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے کہ پڑھنے میں لطف آتا ہے۔ جناب فہیم بسمل تسلسل کے ساتھ اردو ادب کو فروغ دینے میں خاموشی سے مصروف ہیں اور اپنے استاذ ساغر وارثی کے ادبی مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں جس کی فہیم بسمل سے وہ امید رکھتے تھے۔ فہیم بسمل کا نعتیہ کلام پیشِ خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں:

جب بھی ذکر رسول ہوتا ہے — رحمتوں کا نزول ہوتا ہے
اتباع رسول سے یارو — کوہِ باطل بھی دھول ہوتا ہے
حسنِ گفتار میرے آقا کی — جس سے پتھر بھی پھول ہوتا ہے
عظمتیں تو نصیب ہیں اس کو — جو غلامِ رسول ہوتا ہے
ہے جو سرشار عشقِ شہ اس کا — اہلِ حق میں شمول ہوتا ہے
جو بھی چلتا ہے ان کی سیرت پر — بس وہی با اصول ہوتا ہے
تو بھی اک دن مدینہ جائے گا — اس قدر کیوں ملول ہوتا ہے
اُن کے ہی واسطے سے اے بسمل — ہر عریضہ قبول ہوتا ہے

☆

جو نبی کے حبیب ہوتے ہیں — وہ خدا کے قریب ہوتے ہیں
جو بھی بنتے ہیں مہمان ان کے — وہ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں
ہم نے دیکھا ہے تذکرے ان کے — دردِ دل کے طبیب ہوتے ہیں
لوگ جاتے ہیں سوئے طیبہ جب — دل کے جذبے عجیب ہوتے ہیں

فیضیاب ان کی رحمتوں سے تو سب امیر و غریب ہوتے ہیں
باغِ نعت رسول میں بسملؔ خوش دہن عندلیب ہوتے ہیں

نسیمؔ شاہ جہاں پوری

نسیم محمد خاں نسیمؔ شاہ جہاں پوری کی ولادت ۱۵/ جولائی ۱۹۳۷ء کو ہوئی تھی۔ آپ کے والدِ ماجد جناب شیر محمد خاں شفقؔ شاہجہاں پوری ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ ابتدا میں نسیمؔ صاحب نے اپنے والد سے کلام پر اصلاح لی پھر اعتبار الملک ضمیر حسن خاں دلؔ شاہ جہاں پوری جانشین حضرت امیرؔ مینائی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔

''موجِ نسیم'' مطبوعہ ۱۹۶۶ء '' آئینے میں آئینہ ساز'' مطبوعہ ۲۰۱۵ء دو غزل کے دیوان نسیم صاحب کے منظر عام پر آئے۔ دلؔ شاہ جہاں پوری کے انتقال ۲۶/ دسمبر ۱۹۵۹ء کے بعد اگست ۱۹۶۶ء میں ایک طویل نظم ۱۶/ صفحات پر مشتمل لکھ کر اپنے استاذ کی بارگاہ میں خراجِ تحسین کے طور پر بعنوان '' دلؔ شاہ جہاں پوری بھی شائع کرائی تھی۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر جناب نسیمؔ شاہ جہاں پوری کا نعتیہ کلام بنام ''المدد المدد یا نبی'' ہے۔ دیوان کو ان کے جانشین و صاحبزادے وسیمؔ مینائی نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ان کی شاعری اور مجموعۂ کلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نسیمؔ شاہ جہاں پوری لکھتے بھی خوب ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں۔ ان کا مجموعۂ کلام ''موجِ نسیم'' کے مطالعے کے بعد میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ ایک قادر الکلام، نکتہ سنج اور خوش نوا شاعر ہیں اور جملہ اصناف سخن پر یکساں قدرت رکھتے ہیں اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خوش فکر اور خوش نوا ہونے کے ساتھ ساتھ خوش عقیدہ بھی ہیں۔''

نسیمؔ شاہ جہاں پوری کا نعتیہ کلام دلکش ہونے ساتھ ہی اشعار میں روانی کا وفور اور فن و لسانیات کا شعور پایا جاتا ہے، ان سب اوصاف جمیلہ کے پیش نظر بر ملا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری مرصع شاعری کا نادر و نایاب نمونہ ہے۔ ان کے مجموعۂ کلام ''المدد المدد یا نبی'' میں شامل نعتیں رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہری عقیدت و محبت اور وابستگی کا حسین مرقع ہیں۔ آپ کے کلام میں عمیق مشاہدہ اور پختگی پائی جاتی ہے جو عشق حقیقی کی بہترین ترجمانی کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو نمونۂ کلام:

حاصل مدعا مل گیا وہ ملے تو خدا مل گیا

اب تو منزل ملے گی ضرور آپ سا رہنما مل گیا
آپ کیا مل گئے یا نبی دین، قرآن، خدا مل گیا
کیوں ہو اب خوف روزِ جزا دامنِ مصطفیٰ مل گیا
جو رسولوں کا سردار ہے وہ رسولِ خدا مل گیا
سچ تو یہ ہے بفیضِ نبی ہم کو اپنا پتا مل گیا
دولتِ دو جہاں مل گئی جس کو غم آپ کا مل گیا
کیا کہیں حالِ دل اب نسیم ہم کو غیب آشنا مل گیا

قطعات کی شکل میں اظہارِ نعت:

محمد شافع روز جز ہیں محمد خاص محبوبِ خدا ہیں
محمد کا کوئی ثانی ہو کیوں کر محمد دونوں عالم کی بنا ہیں

☆

زمیں پر لالہ و گل مسکرائے فلک پر ماہ و انجم مسکرائے
ہوا دونوں جہاں میں خیر مقدم محمد جس گھڑی تشریف لائے

ساغرؔ وارثی

ساغرؔ وارثی کے نعتیہ دیوان ''نغمہ ونور'' میں جناب خالد علوی لکھتے ہیں:

''ساغرؔ وارثی کے لہجہ واسلوب کی غنّائیت، نازک، سبک وترنم ریز الفاظ کے استعمال نے نعتوں میں سحر انگیز غنائی فضا پیدا کر دی ہے جو ذہن و دل کومسرور کرنے کے ساتھ ساتھ مسحور بھی کرتی ہے اور طمانیت قلب وروح کا باعث بنتی ہے۔ ساغرؔ وارثی کی نعت گوئی کی اساس ہی گداز قلب پر ہے۔ جس نے نعتوں میں حیرت انگیز تاثر پیدا کردی ہے۔''

ارشاد احمد خاں ساغرؔ وارثی کی ولادت ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ اپنے والد ضمیر احمد خاں کی سر پرستی میں تعلیم حاصل کی اور جلد ہی شعروشاعری کی طرف ذہن مائل ہوگیا۔ سلسۂ امیر مینائی کے ایک معتبر اُستاذ شاعر افضل الشعراٗ حضرت عابدؔ مینائی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ہماری معلومات کے مطابق آپ کے چار غزلیات کے دیوان شائع ہو چکے ہیں ۔''ارتعاش'' ۲۰۰۲ء ''آہنگ دل'' ۲۰۰۶ء ''فکر کی نقاشیاں'' ۲۰۱۸ء ''تنظیم حروف'' ۲۰۲۱ء ان کے علاوہ کچھ ماہرین شعرأ کے دیوان کومرتب کر کے بھی شائع کرایا۔

ساغرؔ وارثی کا نعتیہ کلام ''نغمہ ونور'' سنہ اشاعت ۲۰۱۵ء اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، حمد نعت، سلام اور منقبت سے مزین دیوان میں نہایت عمدہ اور سلیس زبان میں عشقِ رسول سے پُر نعتیں، نعتیہ ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ ۴/اپریل ۲۰۲۲ء ۲/رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ کو شاہ جہاں پور میں انتقال ہوا اور محلہ ایمن زئی میں اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

ساغرؔ وارثی کی نعتیہ شاعری بلند اقبال اشعار سے مزین، عقیدت ومحبت کا مظہر ہے۔ سادہ لہجے میں احادیث کے مفہوم کو اشعار میں نبھانے کا کمیاب سلیقہ استعمال کیا گیا ہے۔ اسلوب کی سطح پر کلام بالغ نظر، قادر الکلامی، احساسات، مشاہدات اور پاکیزہ خیالات کا نمونہ ہے۔ پیش ہے نمونۂ کلام:

جب یہ کہتے ہو کہ ہیں دِل میں اُجالے اُن کے — خود کو پھر کیوں نہیں کر دیتے حوالے اُن کے
بعض اوقات بڑے سخت مراحل آئے — پھر بھی اصحاب نے احکام نہ ٹالے اُن کے
دونوں عالم کی جنہیں رب نے حکومت بخشی — درس آموز ہوئے خشک نوالے اُن کے
خالقِ کُل نے نقیب اپنا بنا کر بھیجا — دونوں عالم میں ہیں اعزاز نرالے اُن کے
اُن کے پہلے کے نبی واقفِ عظمت تھے سبھی — اپنی اُمت کو دیے سب نے حوالے اُن کے
پیکرِ نور بنایا ہے خدا نے اُن کو — ارض کونین میں پھیلے ہیں اُجالے اُن کے
پھر تو ہو جائے اُسے قربِ خدا بھی حاصل — اپنا گھر کوئی اگر دل میں بنائے اُن کے
رنگ اور نسل کی اُن کے یہاں تفریق نہیں — گندمی ان کے، سفید اُن کے، ہیں کالے اُن کے
تجھ کو بھی ساغرؔ عاصی وہ نوازیں گے ضرور — فیض و اکرام کے ہیں طور نرالے اُن کے

اسی تناظر میں اُن کا ایک نعتیہ قطعہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

کیا تھا ہر نبی نے ذکر جن کا اپنی اُمت سے — وہ جب دنیا میں آئے لے کے نوری سلسلہ آئے
دکھانے راستہ حق کا بچانے کفر و باطل سے — امام الانبیا آئے حبیبِ کبریا آئے

☆ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ، قادریہ، بشیریہ، شاہجہانپور (یوپی)

موبائل : 7985870943

☆☆☆

سلطان آزاد (پٹنہ)

ظفؔر صدیقی کی نعتیہ شاعری
(رسالت مآب کی روشنی میں)

'نعت' جو عربی لفظ ہے، اور جس کے لُغوی معنی مدح، ثنا اور تعریف و توصیف جو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص ہے۔ اگر چہ نعت، شاعری کی باضابطہ صنف نہیں ہے، جیسے اور دیگر اصنافِ سخن ہیں۔ مگر ادب میں اسے ایک خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ نعت گوئی شاعری کا ایک موضوعِ سخن ہے۔ جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و فضائل اور احوالِ کوائف پیش کئے جاتے ہیں۔

پیشِ نظر کتاب ''رسالت مآب'' ظفؔر صدیقی کا نیا نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ اس سے قبل ان کا نعتیہ مجموعہ کلام ''بعد از خدا''، ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس نعتیہ مجموعہ کلام کی روشنی میں مشاہیرِ ادب، پروفیسر طلحہ رضوی برؔق، پروفیسر فاروق احمد صدیقی اور پروفیسر علیم اللہ حاؔلی وغیرہ نے اپنی اپنی آراء پیش کی ہیں۔ اُن میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی بہت ہی نپے تُلے انداز میں اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''کس قدر محتاط و مؤدب انداز ہے، نہ کہیں افراط و تفریط، ایک خوشگوار اعتدال توازن ہر جگہ موجود ہے۔ شاعر کو جب تک تائید ربّانی حاصل نہیں ہو یہ کامیابی نہیں مل سکتی۔ اس لئے میں کہنا چاہتا ہوں کہ ظفؔر صدیقی فیضان سماعی سے مالا مال ہیں۔ اپنی اس خوش بختی پر وہ جس قدر ناز و افتخار کریں کم ہے۔'' (ص۱۶)

وہ مزید ان کی نعتیہ شاعری کا اختصاص اور فنّی خوبیوں کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ایک خاص بات جو ظفؔر صدیقی کی نعتوں میں دیکھی جا سکتی ہے، وہ یہ کہ اُن کو اپنے جذبات و احساسات کے اظہار پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ کسی بھی بحر و وزن میں وہ طبع آزمائی کر رہے ہوں، ان کا قلم عجز بیان کا

شکار نہیں ہوتا۔'' (ص ۱۷)

مجموعہ نعت ''رسالت مآب'' ظفر صدیقی کا نیا مجموعۂ کلام ہے، جو۲۰۲۲ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آیا ہے۔ اس مجموعہ نعت کے انتساب میں ہی ظفؔر صدیقی صاحب نے یہ واضح کردیا ہے کہ وہ علم دین اور حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے سے واقفیت رکھتے ہیں، ملاحظہ ہوں:

> ''اُن راویانِ حدیث کے نام جن کی وجہ سے ہم اُس ذات رسالت مآب کی حیات طیبہ کے ہر گوشے سے واقفیت حاصل کر پائے۔''

اس مجموعہ نعت میں نعت کے علاوہ منقبت اور نظمیں بھی ہیں۔ لیکن نعتیہ کلام زیادہ ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا جائزہ اس مجموعہ کلام کی روشنی میں لینے والے دانشوران علم وادب کے شاہیر میں مرتبہ کتاب ہٰذا پروفیسر ظفر انصاری ظفؔر، پروفیسر احمد بدؔر، پروفیسر شہاب ظفر اعظمی، پروفیسر امتیاز وحید اور ڈاکٹر عطؔا عابدی ہیں۔

ظفؔر صدیقی بنیادی طور پر اُردو غزل کے خوش فکر اور زود گو شاعر ہیں۔ اپنی منفرد غزل گوئی سے سامعین اور ناقدین کو یکساں طور پر متوجہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ روایتی انداز میں الگ اپنا منفرد اسلوب ہے۔ چونکہ انھیں غزل گوئی مرغوب ہے اس لئے وہ نعت بھی غزل کی ہیئت میں ہی کہنا پسند کیا ہے۔

مجموعہ نعت ''رسالت مآب'' کے مرتب ظفر انصاری ظفؔر، ان کی نعتیہ غزلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ظفؔر صدیقی کی نعت گوئی ان کی غزل گوئی کا پرتو نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنی نعتوں کے لئے جو ہیئت استعمال کی ہے وہ بھی غزل ہی سے تعلق رکھتی ہے، ساتھ ہی انھوں نے جو پیرائیہ اظہار اپنایا ہے وہ بھی تغزل مآب ہے۔'' (ص ۱۴)

نعت گوئی کا تعلق براہ راست ایمان سے ہے۔ اگر شریعت کی روشنی میں اس کے معیار پر نعتیہ اشعار کہے گئے تو یقیناً وہ سعادت نیک بختی اور صد ہا پذیرائی کے لائق ہیں۔ یعنی نعتیہ شاعری میں حُبِّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں محبت اور شریعت کے درمیان اعتدال کا رویہ بلا شبہ نعتیہ شاعری کو معتبر اور باوقار بناتا ہے۔ ظفر انصاری ظفؔر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، ملاحظہ ہوں:

> ''محبت اور شریعت کے درمیان اعتدال کا رویّہ، نعتیہ شاعری کو معتبر اور باوقار بناتا ہے۔ جس کا عرفاں وادراک ظفؔر صدیقی کو بخوبی ہے اس لئے

انھوں نے نہایت ہی احتیاط کے ساتھ اپنے عشقیہ جذبات کو شعری کالبد عطا
کیا ہے۔ جس کا اندازہ ان کے عشقیہ اشعار سے لگایا جا سکتا ہے۔'' (ص ۱۵)

ظفؔر صدیقی کے نعتیہ عشقیہ اشعار جس میں عشق رسول اور عظمت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعتدال کے ساتھ قارئین اور ناقدین کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں ان اشعار سے اپنے ایمان کو تازہ اور معطر کیا جا سکتا ہے۔ نموتاً ایسے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رہیں گے خلد کے اندر پئیں گے ساغر کوثر	عبادت پر نہیں ہم کو شفاعت پر بھروسا ہے

☆

دل کو کبھی نہ بھائے گا منظر بہشت کا	مجھ کو جو یاد آئے گا ان کی گلی کا رنگ

☆

خدا نے جن کو اپنے نور کے سانچے میں ڈھالا ہے
انھیں کے پرتوِ رُخ سے زمانے میں اُجالا ہے

☆

اے طیب مہرباں! میرا مسیحا اور ہے	دل مریضِ عشق ہے، اس کا مداوا اور ہے

☆

سارے نبیوں میں ظفؔر ان کے سوا کوئی نہیں	دعوتِ وصلِ خدا جن کے لئے آئی ہو

☆

وہ مقدس کتاب ان پہ نازل ہوئی	جس میں ممکن نہیں کچھ الٹ پھیر تک

☆

مری تلاش میں خامی نہیں صداقت ہے	خدا ضرور ملے گا اگر نبی مل جائے

☆

انھیں خدا نے بنایا ہے رحمت عالم
سب ان کے لطف و کرم بے حساب دیکھتے ہیں

☆

نعت گوئی میں شاعر کو آدابِ نعت گوئی کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کے اساسی پہلو ہیں۔ ضروری ہے کہ اظہار نعت میں آداب رسالت کے تمام تقاضوں کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

کیونکہ ذراسی بے احتیاطی نعت گو کے افکار و خیالات رسالت کے اصولوں کی پاسداری نہ کرنے کے باعث ایمان کی دولت سے محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ظفؔر صدیقی نہ صرف آداب نعت گوئی سے واقف ہیں بلکہ اسے وہ آداب عبادت سے تعبیر کرتے ہیں۔ان کی نعتیہ شاعری کا حُسن مذہبی تقدس کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ملاحظہ ہوں چند اشعار:

خدا خود مدح خواں، جس کا خدا خود جس کا شیدائی
رسولوں میں رسول ایسا ہمارا کملی والا ہے
وجہ عزت ہی نہیں عین عبادت ہے ظفؔر
یاد میں ان کی شب وروز غزل خواں ہونا

☆

ان کے وصف وُحسن کا ثانی زمانے میں نہیں
سارے عالم میں انھیں قدرت کا اک شہکار لکھ

ظفؔر صدیقی کی نعتیہ شاعری میں حُبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جس طرح عقیدت واحترام کے ساتھ جلوہ گر ہے، اور وہ جس طرح اپنی والہانہ محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں ان کا ایک ایک شعر ثنا خوانی کے ذریعہ قاری اور سامع کے دل و دماغ کو روشن کر دیتا ہے۔ان کی نعتیہ شاعری کی زبان بھی غزلیہ شاعری کی طرح عام فہم، بیان، اسلوب اور فکر وفن کا مجموعہ خاصا ہے۔

یہی وجہ کہ ان کی نعتیہ شاعری کو عام قاری اور سامع بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری میں بھی تشبیہات واستعارات کا بھرپور استعمال ہوا ہے جسے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ وہ سادہ، واضح اور سریع الفہم ہیں ایسے اشعار جو روانی وتسلسل کے ساتھ سہل ممتنع کے اوصاف سے پُر ہیں۔ملاحظہ ہوں، چند اشعار:

خدا ہے دینے والا مصطفیٰ ہیں بانٹنے والے انھیں کی ذات سے ہر ایک خاص عام زندہ ہے

☆

انھیں خدا نے بنایا ہے رحمتِ عالم سب ان کے لطف وکرم بے حساب دیکھتے ہیں

☆

پیار کی جوت ہر اک دل میں جگانے آئے آپ انسان کو انسان بنانے آئے

☆

حسین ان کی طرح لالہ و گلاب نہیں   وہ لاجواب ہیں ان کا جواب نہیں

بلا شبہ اس مجموعہ نعت ''رسالت مآب'' کی تمام نعت ان کی گداز کیفیات کی آئینہ دار ہے جس میں سوز و گداز، عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تڑپ اور سرشاری، سب کچھ موجود ہے۔ اس خوبصورت اور دیدہ زیب نعتیہ مجموعہ ''رسالت مآب'' کی پیشکش پر انہیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ ان کی نعتیہ شاعری، ان کی نجات کا وسیلہ بن جائیں۔ آمین!

ظفؔر میں نعت پڑھتا ہوں فرشتے لکھتے رہتے ہیں
یہی اعمال نامہ ہے جو بخشش کی ضمانت ہے

☆ نیولائن، گلزار باغ، پٹنہ
Mob. 8789934730

☆☆☆

ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ)

اعلیٰ حضرت سیّد علی حسین اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ کی شاعری کے تنوّعات اور اس میں نعت کی جمالیات

کسی بھی شاعر یا ادیب کی تخلیقات کے عمیق مطالعے سے اس کی شخصیت اور فکر وفن کے حوالے سے بہت سارے پہلوا ُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ جیسے اس کی افتادِ طبع، علمی، ادبی اور روحانی بصیرت و بصارت وغیرہ۔ اگر شاعر ہے تو اس کی شاعری کا محور، اس کا مکتبِ عشق، اشیاء کا فہم وادراک اور اس کو اپنے اسلواب میں بیان کرنے کا لب ولہجہ اور اگر ادیب یا محقق وتنقید نگار ہے تو اس کا اسلوب نگارش، تحقیق وتنقید میں اس کی فکر رسا کا مقام ومرتبہ وغیرہ۔

جب ہم حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ کی شاعری یا ان کے فکر وفن پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہیں تو ان کے یہاں تنوعّات کی وہ جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں جو نگاہِ دل کے ساتھ روح کو بھی مسحور کرتی ہیں۔ جسے ہم بالفاظ دیگر کہہ سکتے ہیں کہ ان کے یہاں تنوعّات کی فراوانی اور جلوؤں کا وفور بے حد و بے کراں ہے۔ چونکہ اس وقت میرا موضوع ان کی شاعری کے تنوعّات اور اس کی جمالیات ہیں اس لیے میں ان کے دیگر اوصاف ومحامد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف ان کے مجموعۂ کلام ''تحائفِ اشرفی'' کی روشنی میں ان کی شاعری کے تنوعّات اور اس کی جمالیات پر ہی گفتگو کرنا بہتر سمجھتا ہوں گرچہ انکی دوسری جہتیں بھی کم نہیں بلکہ عظیم تر ہیں۔

حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت حضرت الحاج سید شاہ سعادت علی علیہ الرحمہ کے یہاں کچھوچھہ مقدسہ، ضلع فیض آباد (امبیڈکر نگر) اتر پردیش میں ۲۲/ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ بروز دوشنبہ مبارکہ صبحِ صادق کے وقت ہوئی۔ چونکہ حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ کو ایک خاص نسبت غوث العالم حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے جن کے علمی، ادبی اور روحانی تصرفات کا معترف ایک زمانہ ہے۔ میرا ماننا ہے کہ اولیائے کاملین کی تاریخ ان کے تذکرے کے بغیر

مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکناف عالم میں اس دیار مقدس کی شہرت و پذیرائی عام ہے۔ روئے گیتی پر یہ وہ مقدس سرزمین ہے جو زمانۂ قدیم سے علماء وصوفیا کی منظور نظر رہی ہے۔ علماء وصوفیا ہمیشہ یہاں کی خاک کو اپنی نگاہ بصیرت وبصارت کا سرمہ بنانے پر فخر ومباہات کرتے رہے ہیں۔

جیسا کہ ہم سبھی واقف ہیں کہ بزرگوں کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے کسی بھی بچے کی تعلیم وتربیت کا اہتمام نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ خاص کر بسم اللہ خوانی کسی خدا رسیدہ، صاحب علم وفضل سے ہی انجام دلاتے تھے۔ جس کی واحد وجہ یہ ہوتی تھی کہ یہ بچہ بھی آگے چل کر علم و فضل کے ساتھ روحانیت کا امین اور نیّر تاباں بن کر اکناف عالم کو اپنے علمی، ادبی اور روحانی تصرفات سے روشن وتابندہ بنادے۔ اسی معمول پر کاربند رہتے ہوئے حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضرت الحاج سید شاہ سعادت علی علیہ الرحمہ نے بھی آپ کی بسم اللہ خوانی چار برس چار مہینے اور چار دن کی عمر میں حضرت مولانا گل محمد خلیل آبادی علیہ الرحمہ سے انجام دلائی۔

حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے اپنے وقت کی جن مایۂ ناز شخصیات سے کسب علم یا کسب فیض کیا ان چند کے نام حسب ذیل ہیں۔(۱) مولانا گل محمد صاحب خلیل آبادی (۲) مولوی امانت علی صاحب کچھوچھوی (۳) مولوی امانت علی صاحب گورکھ پوری (۴) مولوی قادر بخش صاحب کچھوچھوی۔ ان کے اساتذہ کی مذکورہ تفصیل میں نے ''تحائف اشرفی'' کے دوسرے نسخے سے تحریر کی ہے۔ ان کے اساتذہ کی فہرست میں مزید اضافے کے امکانات ہیں جو تحقیق وتفحص کی متقاضی ہے۔

حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے جن حضرات سے خلافت واجازت یا اوراد ووضائف کی اجازت حاصل کی ان کی تفصیل اس قدر ہے۔ یہ تفصیل بھی میں نے ''تحائف اشرف'' کے دوسرے ایڈیشن سے اخذ کی ہے۔(۱) برادر اکبر حضرت سید شاہ ابو محمد اشرف حسین علیہ لرحمہ (۲) حضرت راج شاہ صاحب سوندھوی علیہ الرحمہ (ضلع گڑگاؤں) (۳) حضرت مولانا شاہ محمد امیر کابلی علیہ الرحمہ (۴) حضرت سید محمد حسن غازی پوری (۵) حضرت سید شاہ آلِ رسول قدس سرہ مارہرہ مقدسہ۔ ان کے علاوہ خاندان اشرفیہ کے اس وقت کے تمام علماء ومشائخ سے صوری ومعنوی فیوض وبرکات حاصل کیے۔ یہ تفصیل بھی حتمی نہیں بلکہ اس میں بھی مزید اضافے کے امکانات ہیں۔

حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی علمی وروحانی وجاہت کا یہ عالم تھا کہ اس کے معترف خود ان کے اکابر بھی تھے۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ اور علامہ اقبال کے مصاحب حضرت سید غلام بھیک نیرنگ اشرفی علیہ الرحمہ آپ کی عظمت وبزرگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ''تحائف اشرفی'' میں ایک مقام پر تحریر

فرماتے ہیں:

''ہمارے حضرت مدظلہ العالی کے بعد جناب شاہ آل رسول قدس سرہ نے کسی کو خلافت واجات نہیں بخشی۔''[1]

حضرت اشرفؔی میاں علیہ الرحمہ کا مجموعۂ کلام ''تحائف اشرفی'' جو اس وقت میرے پیشِ نظر ہے وہ ان کے مرید وخلیفہ حضرت سید غلام بھیک نیرنؔگ علیہ الرحمہ کا مرتب کیا ہوا ہے جس کی پہلی بار اشاعت ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں ہوئی تھی۔ دوسری بار اس کی اشاعت کا بیڑا آپ کے پر پوتے حضرت علامہ سید اظہار اشرف صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے اُٹھایا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یہ شعری سرمایہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آیا۔

چونکہ آپ کا یہ مجموعۂ کلام آپ کے مرید وخلیفہ حضرت سید غلام بھیک نیرنؔگ علیہ الرحمہ کا مرتب کیا ہوا ہے اس لیے میری فہم وفراست میں مرتب کی حیثیت سے ان کا نام ضرور آنا چاہیے تھا، لیکن کن وجوہات کی بنا پر ان کا نام نہیں آسکا، میں کہہ نہیں سکتا۔ پہلی بار کی اشاعت میں بہ حیثیت مرتب ان کا نام تھا کہ نہیں میرے علم میں نہیں اور نہ ہی میرے پاس اس کی کوئی کاپی ہی دستیاب ہے۔ اگر کہیں سے بار اوّل کی اشاعت کا نسخہ دستیاب ہو جائے تو صورتِ حال واضح ہو سکتی ہے۔ ۱۹۹۰ء کے بعد تیسری بار اس کی اشاعت کا عمل جمعیۃ الاشرف اسٹوڈینٹس مومنٹ، جامع اشرف، کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد کے توسط سے آیا جس کی پی۔ڈی۔ایف فائل میرے پاس محفوظ ہے۔ مگر اس نسخے میں بھی حضرت سید غلام بھیک نیرنؔگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کوئی تعارف پیش نہیں کیا گیا ہے، جو لائق صد افسوس ہے۔

''تحائف اشرفی'' پر تحریر مقدمے میں محترم جناب سید محمد امین اشرف، سابق ریڈر شعبۂ انگریزی، علی گڑھ مسلم، یونیورسٹی، علی گڑھ حضرت کے کلام کے ضائع جانے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''تحائف اشرفی'' اعلیٰ حضرت شاہ علی حسین اشرفؔی میاں کا شعری مجموعہ ہے جو فارسی، اردو اور ہندی کلام پر مشتمل ہے۔ یہ کلام پہلی بار ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۵ء میں علامہ اقبالؔ کے قریبی دوست اور اعلیٰ حضرت (اشرفی میاں علیہ الرحمہ) کے جلیل القدر خلیفہ غلام بھیک نیرنؔگ کی کوششوں سے اشاعت پذیر ہوا۔ تقریباً پون صدی بعد یہ دیوان فاضل منقول ومعقول حضرت کے پر پوتے مولانا سید اظہار اشرف کی مخلصانہ مساعی سے زیور طبع

سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آرہا ہے۔ بیشتر کلام ضائع جانے کی وجہ یہ ہے کہ شاعری اشرفؔی میاں کے لیے وسیلۂ شہرت نہ تھی۔'' ۲

میری دانست میں حضرت اشرفؔی میاں علیہ الرحمہ کے لیے اگر چہ شاعری شہرت و ناموری کا ذریعہ نہ تھی مگران کے اشعار یا کلام کا ضائع ہو جانا ادب کا بہت بڑا نقصان ہے۔اس نقصان کا اندازہ ادب کا ایک ادنیٰ طالب بھی لگا سکتا ہے۔دوسری اور تیسری بار اشاعت کے موقع پر ان کے گم گشتہ کلام کی کوئی تلاش و جستجو نہیں کی گئی۔جبکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نہایت ہی انہماک کے ساتھ ان کے گم گشتہ کلام کی تلاش و جستجو کر ان کو ان دونوں اشاعتوں میں شامل مجموعۂ کلام کیا جانا چاہیے تھا، اگر اس وقت یہ کام کیا گیا ہوتا تو آج کی بہ نسبت بہت ساری آسانیاں میسّر تھیں جو آج مفقود ہو چکی ہیں۔اس لیے کہ اب ہمارے بہت سے اکابر دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، جو ان کی شاعری اور ان کے فکر و فن کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتے تھے۔مگر اس کے باوجود میں اب بھی ناامید نہیں ہوں اس لیے کہ امید ہی زندگی ہے اور امیدوں سے امکانات کی دنیا روشن و تابندہ ہے۔امید کی راہ پر ہی چل کر بڑے سے بڑے کارنامے انجام پاتے ہیں۔اے کاش کوئی مردِ کوہ کن آمادۂ پیکار ہو جائے اور تحقیق و تفحص کر حضرت کے مابقیہ کلام کو اکٹھا کر کے مرتب کر دے۔

حضرت اشرفؔی میاں علیہ الرحمہ کے مجموعۂ کلام ''تحائف اشرفی'' کا آغاز فارسی کلام سے ہوا ہے۔اس کے ابتدا میں پانچ کلام ایسے ہیں جن کی وضاحت اس کے مرتب حضرت سید غلام بھیک نیرنگؔ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہیں کی ہے کہ یہ ''حمدیہ'' کلام ہیں یا غزلیہ۔جیسا کہ انہوں نے دیگر کلام کو سرخی کے ذریعے واضح کیا ہے۔اردو کلام کے ابتدا میں بھی انہوں نے ''حمد'' کی سرخی لگا کر واضح کر دیا ہے کہ یہ حمدیہ کلام ہے۔ملاحظہ ہو اردو حمدیہ کلام:

مشہور ہو رہا ہے عزّ و جلال تیرا
جاری ہے ہر زباں پر قال و مقال تیرا

تو پردۂ تعین رُخ سے اگر اُٹھا دے
عالم کو محو کردے حسن و جمال تیرا

آنکھوں میں عاشقوں کی شکلوں میں مہ رُخوں کی
جلوہ دکھا رہا ہے یہ خط وخال تیرا

گاہے بشکلِ ممکن گاہے برنگ واجب
نظارہ ہو رہا ہے اے با کمال تیرا

نظروں میں اہلِ دل کی کثرت ہے عین وحدت
ہر حال میں ہے حاصل قرب و وصال تیرا

خود کر کے عشق اپنا پردے میں کیوں چھپا ہے
شاہد ہے مجلسوں میں یہ وجد وحال تیرا

مل جائے جام وحدت گر واعظا تجھے بھی
مٹ جائے دل سے تیرے یہ قیل وقال تیرا

مرنے سے اپنے پہلے مر کر ہوا جو واصل حاصل ہوا اسی کو پیارے وصال تیرا

جب تجھ میں اشرفیؔ ہے اور اشرفی میں تو ہے
پھر کیا سمجھ میں آئے ہجر و وصال تیرا

مگر میری دانست میں اگر غزلیہ کلام سے پہلے ان پانچوں کلاموں کو رکھا گیا ہے تو یہ اپنے آپ میں اظہر من الشّمس ہے کہ یہ حمدیہ کلام ہی ہیں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔

میں نے بعض محققین اور دانشوروں جیسے ڈاکٹر محمد اسماعل آزادؔ فتح پوری، سابق صدر شعبۂ اردو ایم۔جی پی۔جی کالج، فتح پور اور مشہور و معرف شاعر و ادیب فاروق احمد جائسی وغیرہ سے ان کے حمدیہ یا غزلیہ کلام ہونے کے بارے میں مشورہ کیا تو ان لوگوں نے بھی اس کو ان کے حمدیہ کلام ہونے کی تائید و توثیق کی۔ نیز اسی تجسّس میں ''کلیات جامی'' کا مطالعہ کیا تو یہ راز منکشف ہوا۔علامہ جامیؔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے کلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ میں نے اپنی شاعری کے لیے غزل کا اسلوب اختیار کیا ہے کہ غزل کا اسلوب منازلِ عشق و محبت اور مقام توحید و معرفت کے بیان کرنے کے لیے زیادہ موزوں و مناسب ہے۔علامہ جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کے پیشِ نظر یہ بات قرینۂ قیاس اور عقل سے قریب تر ہے کہ حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ نے بھی درج ذیل فارسی کلام میں غزل کا اسلوب اختیار کر کے ''حمد'' کو ایک نیا رنگ و آہنگ دینے کی کوشش کی ہو، ارشاد فرماتے ہیں:

(۱)

عمرہا جلوۂ او جُست نگاہم پیدا کرد آئینۂ دل صورت ماہم پیدا
بے گمانیست کسے پیشِ نگاہم پیدا کہ شد از جلوہ او نور خدا ہم پیدا
کعبہ و دیر ز آوارگیم تنگ آمد نیست در عشق مگر جائے پناہم پیدا
مگذر از رہِ الطاف کہ ایں شیوۂ تست گر چہ صد فتنہ نمایند گناہم پیدا
حالِ بے تابیِ دل از منِ بیمار مپرس کہ شررہا شود از سوزش آہم پیدا
چشم گریاں دلِ سوزاں رُخ زرد و تنِ زار در رہِ عشق تو گشتند گواہم پیدا

اشرفیؔ ذلت و رسوائی کوئے خوباں
کرد در ہر دو جہاں عزت و جاہم پیدا

(۲)

بحضور شہ کشادم لب عرض مدعا را کہ مراں زدرگہِ خودمن عاجز و گدا را

نظرے تلطفے کن تو بحال من خدا را | کہ نہ تاب ِ ہجر دارم بحضور دار مارا
بجہاں اگرچہ گشتم نہ بمدعا رسیدم | کہ سوائے در گہ تو بکہ آرم التجا را
بمذاقِ صوفیانہ ز کشاکشِ زمانہ | دل من کہ بود مومیں شدہ ہم چوں سنگ خارہ

سر اشرفی فدایت بسر رہ رضایت
بسرت کہ سر نہ تابم چو کُشی بہ تیغ ما را

(۳)

این است بعشق حاصلِ ما | شد بر تو فدا تن و دل ما
گفت از پس قتل قاتلِ ما | بنگر سوئے رقص بسمل ما
ایں عشق کجا رساند مارا | شد کوچۂ یار منزل ِ ما
گاہے نگہے بکشتگاں کن | بے رحم مباش قاتلِ ما
از گوشۂ چشم ہم نمی بینی | صدرہ الم است شامل ما
در بحر محبت غریقم | از چشم نہانست ساحل ِ ما

جز وصل مخواہ اشرفی ہیچ
دیگر نہ بود محاصلِ ما

(۴)

بشکل شیخ دیدم مصطفیٰ را | ندیدم مصطفیٰ را بل خدا را
ز خود فانی شدم دیدم بقا را | ندیدم غیرذاتِ خود خدا را
مکن اے زاہدے خشک اعتراضے | چہ دانی سرّ توحید خدا را
اگر گوئی مرا تو بُت پرستی | بگویم در بُتاں دیدم خدا را

چہ گویم اشرفم یا اشرفیم
مپرس ایں سرّ پنہانی خدا را

(۵)

بر یار فدا کردم پیری و جوانی را | بیہوشی و بیخویشی آمد منِ فانی را
با دلبر رعنائے خوش رابطہ دارم | با کس نتواں گفتن ایں راز نہانی را
صد گفت وشنودگاں دارم بطونِ خود | اینجا نبود دخلے تقریر زبانی را

کردم چوں معطل ایں احساس ظواہر را　　از دیدۂ دل دیدم انوار معانی را
میرد نہ پسِ مُردن جویائے وصال اُو　　کئے خوف اجل ماند دلدادۂ فانی را
خود عاشق و معشوقم خود طالب و مطلوبم　　پوشیدہ بدل دارم ایں سرّ نہانی را
اے اشرفی بیدل جان فدیۂ جاناں کُن
تا جانِ جہاں گردی بینی رُخِ معنی را

حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی فارسی شاعری کے مطالعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کے کلام میں تغزل، تصوف، عشق و محبت نیز توحید و معرفت کا وہی رنگ و آہنگ ہے جو فارسی کے متقدمین شعرائے کرام کے یہاں ہے۔ نیز ان کے فارسی کلام کے بغائر مطالعہ سے دل و دماغ میں جو نقش اُبھرتا ہے وہ یہی کہ اگر فارسی کے متقدمین شعراء کے کلام کے ساتھ ان کے کلام کو پڑھا جائے اور پہلے سے یہ متعین نہ ہو کہ یہ فارسی نژاد شاعر کا کلام ہے اور یہ ہندی نژاد حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کا کلام ہے تو شاید کہ دانشوران ادب بھی با آسانی یہ فیصلہ نہ کر سکیں کہ کون سا کلام کس کا ہے۔ چند اشعار مزید ملاحظہ فرمائیں:

مماتے بہتر است از صد حیاتے　　اگر پیشِ نگاہِ یار باشد

☆

چہ کسے کہ پیشِ رویت بقمر نظر نہ افتد　　تو کمال حسن داری کہ درو ضرر نہ افتد
ہمہ مہ رُخان عالم چو بحفلے در آیند　　بخدا کہ جز رُخِ تو بکسے نظر نہ افتد
دلِ آرزوئے مندم ز تو دارد التجائے　　کہ فقیر آستانت بدرِ دگر نہ افتد

☆

ایں صورت زیبائے من عکس جمال یار باشد　　اندر ہمیں آئینۂ ظاہر رُخ دلدار شد
خوردم شراب وحدتش ایں سینۂ بیکینہ ام　　از فیض پیر میکدہ گنجینۂ اسرار شد
کردم بسے جرم وخطا آں مہربان با سخا　　در زیرِ دامانِ عطا ستار شد غفار شد
اے جان من حاوی شدہ چنداں جنون عشق تو　　ایں قصۂ دیوانگی مشہور ہر بازار شد

☆

دردِ عشق تو بدل دارم و گویم از شوق　　یا رب ایں درد شب و روز بہ افزائش باد
عاشق زار کے از وصل بتاں گردد سیر　　ہر دم افزوں پئے دیدار تمنائش باد

اشرفیؔ دل متنفر شود از غیر صنم دائما چشم دلم محو تماشایش باد

☆

مذکورہ اشعار مشتے نمونہ از خروارے کے تحت پیش کیے گئے ہیں جن کی روشنی میں اہل زبان و ادب حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ کی فارسی شاعری میں ان کے مقام و مرتبے کا تعین بہ آسانی کر سکتے ہیں کہ فارسی شاعری میں اُن کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ چند اشعار مزید ملاحظ فرمائیں:

سروے بقامت تو بہ بستاں ندیدہ ام چوں تو گلے بہ ہیچ خیاباں ندیدہ ام
در باغ دہر گشتم و دیدم ہزار گل یک گل چو رویت اے گل خنداں ندیدہ ام
ہر کس کہ یک نظر بجمال تو کرد گفت جز حق دگر بصورت انساں نہ دیدہ ام

مذکورہ اشعار میں آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک اور ان کی لاثانیت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ خوب تر ہے۔ میرے اپنے خیال میں نعت گوئی میں اس سے بہتر انداز میں آقا کریم علیہ السلام کے سراپائے مبارک اور ان کے جمال جہاں تاب کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ میں نے اپنے مقالے کے آغاز میں ہی یہ بات تحریر کی ہے کہ کسی بھی شاعر یا ادیب کی تخلیقات سے اس کی افتادِ طبع اور نقطۂ نظر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت اشرفیؔ علیہ الرحمہ ایک جگہ اپنا مسلک و مشرب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حُبِّ علی نقشِ نگین سینہ ام شیعہ نیم سُنّی بے کینہ ام

ایک کلام میں وہ اپنی ذات اور اپنے اوپر طاری کیفیات کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

محمد نور حق و من نور مصطفیٰ ہستم بجا ایں است گر گویم کہ من نور خدا ہستم
بظاہر بندۂ مسکیں بباطن شاہ با تمکیں ازیں رُو از پئے خلق خدا حاجت روا ہستم
عوام الناس کے واقف شوند از کیف حالِ ما کہ من از عقل و فکر و وہم ایشاں ماورا ہستم
ز سرّ باطن ام آگہ شود کے مردِ نا محرم بچشم عاشقاں معشوقم و عاشق نما ہستم

بہ پیشِ طالباں اے اشرفیؔ بے پردہ می باشم
مگر از چشم نا محرم نہاں در پردہا باشم

حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ نے مذکورہ کلام میں جو بھی دعویٰ کیا ہے اس پر دلیل بھی بڑی پختہ اور منطقیانہ انداز میں دی ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد کسی کے پاس بھی سرِ مو انحراف کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ جیسے پہلے شعر میں اُن کا یہ فرمانا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں اور میں نور مصطفیٰ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوں اور جب میں نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوں تو میرا یہ کہنا بجا ہے کہ میں اللہ جلّ مجدہ کے نور سے ہوں۔ دوسرے شعر میں اپنے حاجت روا ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بظاہر تو میں ایک بندۂ مسکین ہوں مگر بباطن جاہ وتمکنت والا بادشاہ ہوں اور اسی سبب میں مخلوق کی حاجت روائی فرماتا ہوں۔ حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ نے یوں تو جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر خاص کر اپنی نعت گوئی کے بارے میں فرماتے ہیں:

اشرفیؔ فیض نعت شہ دیں سے تو خوش بیاں خوش بیاں ہو گیا

طبعی طور پر انسان کے مزاج میں جدیدیت رچی بسی ہوتی ہے۔ بالخصوص شعراء وادبا جو ہمیشہ اپنے قاری اور سامع کو ایک نئے جہانِ رنگ وبو سے واقف کرانے کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ نیز ان کی پذیرائی بھی اسی بنا پر ہوتی ہے۔ چونکہ شاعری نام ہی ہے اعلیٰ تخیل اور افکار عالیہ کا۔ ایسی صورت میں حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ اپنے آپ کو کیونکر مبریٰ رکھ سکتے تھے۔ انہوں نے تو اپنے ہر کلام میں فکر وفن کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ جنہیں پڑھنے کے بعد بے ساختہ زبان پر آفریں آفریں کے الفاظ آ ہی جاتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

آنکھوں میں چکا چوند ہے کیوں زائرو کہدو کیا سب کی نگاہوں میں مدینہ نظر آیا
اے اشرفیؔ زار کہوں تجھ سے میں کیونکر ان آنکھوں سے اس دم مجھے کیا کیا نظر آیا

☆

مرے ستانے کے واسطے گر نقاب چہرہ پہ ڈالتے ہو
تمہاری صورت کے دیکھنے کو یہ چشم باریک بیں ہے دل میں
جھکا کے سر بیٹھتے ہو تم کیوں یہ راز اے اشرفیؔ بتا دو
بندھا ہے کس کا تمہیں تصور یہ کس کی شکل حسیں ہے دل میں

مدینہ طیبہ نعت گوئی کا ایسا دل گیر اور عشق رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لبریز موضوع ہے جس پر شاید ہی کسی نعت گو شاعر نے شیفتگی آمیز اشعار نہ کہے ہوں، خاص کر وہ حجاج کرام جنہیں نعت گوئی کا شرف بھی ملا ہو ان کے اشعار تو وارفتگی اور خودسپردگی کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔

حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ عشاق رسول کے میر کاروں تھے۔ ان کے دل میں اپنے جد امجد حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی محبت جاں گزیں تھی جسے بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ ۱۲۹۵ھ میں آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر زیارت

کے لیے حاضر ہوئے اور بعد حاضری وزیارت کے ہندوستان واپسی کے لیے رخت سفر باندھا تو اس وقت ان کا دل اپنے جدّ کریم کی محبت میں تڑپ اُٹھا۔عشق رسول کی ایسی کیفیت طاری ہوئی اور برجستہ ایک نعت پاک کہی، جس کا ایک ایک شعر آج بھی پڑھنے اور سننے والے پر سرمستی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ان کی اس نعت پاک کا مقطع ملاحظہ فرمائیں، جو قابل داد ہے،فرماتے ہیں:

اشرفیؔ کو دمِ رخصت درِ شاہانہ سے جو طلب کرتا ہے کر دیجئے عطا آج کے دن

مزید پوری نعت پاک برائے ملاحظہ پیش خدمت ہے:

درِمحبوب سے ہوتے ہیں جدا آج کے دن دل سنبھلتا نہیں اپنا بخدا آج کے دن
نہیں طیبہ سے سفر پیش ہوا آج کے دن میرے نزدیک ہوا حشر بپا آج کے دن
ہو کے رخصت درِ والا سے بصد نالہ وآہ روتے جاتے ہیں غریب وفقرا آج کے دن
کوئی چوکھٹ پہ فدائی کوئی ستون کے صدقے لے رہا ہے کوئی پردہ کی بلا آج کے دن
دیکھ کر قبۂ خضرا نظر حسرت سے سینکڑوں کرتے ہیں فریادو بکا آج کے دن
دیکھئے کب مرے سرکار بلاتے ہیں مجھے اب تو میں شہر مدینہ سے چلا آج کے دن
کل خدا جانے کہاں صبح کہاں شام ملے عاشقو کھا لو مدینہ کی ہوا آج کے دن
دم آخر جو مدینہ میں پہنچ جاؤں میں سمجھوں مقبول ہوئی میری دعا آج کے دن

اشرفیؔ کو دمِ رخصت درِ شاہانہ سے
جو طلب کرتا ہے کر دیجئے عطا آج کے دن

حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ نے جملہ اصناف سخن میں اشعار کہے ہیں اور وافر مقدار میں کہے ہیں۔ان کے بعض اشعار ایسے کہ اگر ان کو بغیر مطالعہ ومشاہدہ یا تفہیم شعر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو معانی ومفاہیم کا تعین دھرا کا دھرارہ جائے گا اور ایک نئی بحث کا آغاز ہو جائے گا۔جیسے:

کوئی بندہ کو خدا کہتا ہے کیا کریں آپ ہی کہلاتے ہیں

میری دانست میں شعرفہمی بھی اپنے آپ میں ایک فن ہے جو اس کے اسرار ورموز اور اسکی ابعاد و جہات سے بہرہ ور نہیں وہ کبھی بھی شعر کی حقیقت و ماہیت تک نہیں پہنچ سکتا۔اس لیے ضروری ہے کہ شعر کو اس کی جہات وابعاد کے دائرے میں سمجھا جائے ۔میں نے اس پر ایک تفصیلی بحث اپنے جریدے ''دبستان نعت'' کے چھٹے شمارے کے اداریے میں کی ہے۔

حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ اسی لیے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

بعد مرے ہم نشیں پڑھ کے مرے شعر کو بولیں گے حسرت سے یوں نافہ ہے آہو نہیں

حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ کی شاعری کے امتیازات واختصاصات پر روشنی ڈالنے کے لیے علم راسخ خصوصاً علم تصوف اور اس کی موشگافیوں سے وقفیت ضروری ہے۔ بغیر ان پر گرفت کے نہ تو ان کی شاعری کو کما حقہ سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اہلِ علم کے سامنے پیش ہی کیا جا سکتا ہے۔ خاص کر ان کی فارسی اور ہندی شاعری اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کو ان کے شناساں تک حضرت کے کلام کو پہنچایا جائے جس سے کہ وہ ان کا مطالعہ کر ان کے علمی و ادبی مقام و مرتبے کا تعین کر سکیں، اس لیے کہ کسی بھی فن پارے کی قدروں کا تعین اس کے فن کار ہی کرتے ہیں جبھی کسی شخصیت کو ادب میں اس کا جائز مقام و مرتبہ مل پاتا ہے ورنہ کاغذ کے کاغذ تو سیاہ ہوتے ہی رہتے ہیں۔

میں حضرت اشرفیؔ میاں علیہ الرحمہ کے ہندی کلام کا مطالعہ کر رہا تھا تو اس میں مجھے شاعری کی ایک صنف ''اَدّھا'' نظر آئی۔ میں نے ہندی کلام کو''دوہے''،''کویتا''اور''بھجن'' کی شکل میں تو بہت پڑھا ہے، مگر''اَدّھا'' کے بارے میں مجھے علم نہیں تھا کہ یہ بھی ہندی شاعری کی کوئی صنف ہے۔ جب میں نے پہلی بار''تحائف اشرفی'' میں پڑھا تب جا کر مجھے علم ہوا کہ ہندی شاعری کی کوئی صنف ''اَدّھا'' بھی ہے۔ میرا تجسس اس صنف کے تئیں اس حد تک بڑھا کہ میں نے بہت سارے احباب اور اہل علم سے رجوع کیا اور استفسار کیا کہ یہ کیا ہے تو محترم فاروق جائسی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ یہ ہندی شاعری کی ایک صنف ہے اور اس کو''ادّھا'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ پہلے مصرعے کا ادھا حصہ پہلے دو شعر اور اس کے بعد ہر شعر پر عود کر آتا ہے جس سے سامع پورا مصرع خود بخود سمجھ جاتا ہے اسی لیے اس کو''اَدّھا'' کہا جاتا ہے اور اس کا تعلق موسیقی سے۔ چنانچہ حضرت اشرفیؔ میاں ایک 'اَدّھا' میں فرماتے ہیں:

کہاں گئے پیارے مار کریجوا میں بان
برہا کی آگ لاگی مورے تن میں جر رہے پران
کہاں گئے پیارے
ان کے درس کو ترست جیرا رودت سانجھ بیہان
کہاں گئے پیارے
اشرف پیا سے کہت اشرفیؔ تم بن جیا اُکلان
کہاں گئے پیارے

میری دانست میں عصر حاضر میں ہندی کے بڑے سے بڑے شاعر بھی شاعری کی اس صنف سے واقف نہ ہوں گے اور یہی وہ امتیازات و اختصاصات ہیں جن کو اگر ہم سلیقے سے اس فن کے شناساں کے سامنے پیش کریں تو وہ بطیّب خاطر حضرت کے علمی و ادبی مقام و مرتبے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے۔ میں ان کی فارسی، اردو اور ہندی شاعری کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ تینوں زبانوں کے سرخیل و امام ہیں اور ان کا وہی مقام و مرتبہ ہے جو ان زبانوں کے متقدمین شعراء کا ہے۔ خاص کر ان کی شاعری میں نعت کی جو جمالیات اور اس کی ترفّعات ہیں وہ ایک الگ ہی جہت لیے ہوئے ہیں۔ مضامین کی تو ان کے یہاں بھرمار ہے۔ ایسے ایسے نادر موضوع کو وہ اپنی شاعری میں لاتے ہیں کہ قاری پڑھکر دم بخود رہ جاتا ہے جن پر گفتگو کرنے کی یہاں گنجائش نہیں اس کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں۔

میں اپنے اس مقالے کا اختتامیہ حضرت کے درج ذیل شعر پر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ خود ان کو اپنی شاعری کی عظمت کا احساس تھا کہ ان کی شاعری کا مقام و مرتبہ کیا ہے:

میں تیرے جوش طبیعت کے اشرفیؔ قرباں　　بیاں کے وقت یہ مضموں کہاں سے آتے ہیں

ماخذ:

۱- 　تحائف اشرفی۔ خانقاہ اشرفیہ، سرکار کلاں، کچھوچھہ شریف، فیض آباد، صفحہ ۴۴

۲- 　تحائفِ اشرفی۔ خانقاہ اشرفیہ، سرکار کلاں، کچھوچھہ شریف، فیض آباد صفحہ ۱۶

☆☆☆

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (امروہہ)

ڈاکٹر محمد آصف حسین کا بڑا کارنامہ
''دیوانِ کافی کی تدوین و تصحیح متن''

عزیز گرامی قدر محترم ڈاکٹر محمد آصف حسین نے ''دیوانِ کافی'' کے مقدمہ بعنوان ''ہوا یوں کہ'' میں لکھا ہے کہ:

> ''پیش نظر دیوان کی تدوین و تصحیح کی دشواریوں کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس میدان کے شہ سوار ہوں ورنہ عام قاری کے نزدیک تو یہ کون سا بڑا کام ہے، اس میں کیا رکھا ہے۔''

تو بھائی! احقر کے نزدیک تحقیق متن۔ تدوین و ترتیب۔ تخلیق بالخصوص شعر گوئی، افسانہ نگاری وغیرہ سے زیادہ ذمہ دارانہ اور جاں گُسِل کام ہے اور حقیقی معنی میں اس جام و سنداں سے کھیلنا ہر ہوس ناک کے بس کا کھیل نہیں کیونکہ ایک محقق، ناقد بالخصوص مدوّن کی ڈھیر ساری علمی و ادبی، تاریخی، زمانی و مکانی و بیانی ذمہ داریاں ہوتی ہیں جو عام طور پر شاعر و ادیب یا افسانہ نویس کی نہیں ہوتیں۔

ایک تخلیق کار اور ایک تدوین کرنے والے میں کیا فرق ہوتا ہے اس سلسلے میں نہایت علمی انداز کا پیراگراف محترم پروفیسر شریف حسین قاسمی سابق صدر شعبۂ فارسی دلی یونیورسٹی نے یوں لکھا ہے کہ:

> ''دنیا میں سعدی شیرازی کی معروفِ زمانہ کتاب 'گلستاں' کے بے شمار خطی نسخے موجود و محفوظ ہیں، ان میں ایک دو ایسے بھی ہیں جن کے ترقیمے سے پتا چلتا ہے کہ وہ اس نسخہ سے منقول ہیں جو سعدی کے لڑکے کا نسخہ تھا، اس کے باوجود اگر سعدی پھر سے جنم لیں اور ان کو بتایا جائے کہ آپ دنیا میں پائے جانے والے اپنی کتاب گلستاں کے خطی نسخوں کی مدد اور بنیاد پر اسے مرتب کر دیں، تو سعدی یہ نسخے دیکھ کر اور ان کے متن میں اختلافات کی کثرت کی طرف متوجہ ہو کر، یہی ایماندارانہ جواب دیں گے کہ 'میں دوبارہ گلستاں لکھ سکتا

ہوں لیکن اس کے دستیاب ایک دوسرے سے مختلف نسخوں کی بنیاد پر اس کا متن مرتب نہیں کر سکتا۔'' (قدیم فارسی متن کی تدوین، مسائل وحل، مشمولہ رضا لائبریری، جنرل 2021، صفحہ 33-32)

مدوّن کی ایماندانہ ذمہ داریاں

1- مدوّن کو صرف اسی زبان پر مہارت ہونا کافی نہیں جس زبان کا وہ نسخہ مرتب کر رہا ہے، مثلاً اردو زبان کے مدوّن کو عربی فارسی، ترکی، ہندی وغیرہ زبانوں پر بھی اچھی پکڑ ہونی چاہیے کیونکہ اردو میں عربی فارسی ترکی الفاظ وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ مدوّن کو اُن کا صحیح پڑھنا بہت ضروری ہے۔ حتی الامکان عربی الفاظ پر اعراب لگا دینے چاہیے۔

2- مدون کو مصنف کے زمانہ، سماجی ومعاشرتی ماحول اور اس علاقہ کی زبان سے بھی واقف ہونا ضروری ہے جہاں کا وہ مصنف باشندہ ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں دہلوی دبستان اور لکھنوی دبستان کے اختلافات ہیں کہ لکھنوا سکول والے جس حرف کو مونث بولتے ہیں، دہلوی اس کو مذکر بولتے ہیں۔

3- خاص طور پر شعری متون کے مدوّن کو موزون طبع ہونا ضروری ہے اور شعر فہمی، عروضی گتھیوں، ردیف و قوانی کی باریکیوں اور صنائع لفظی ومعنوی سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔

4- مدوّن کو قدیم وجدید املا کی جانکاری ہونا بھی ضروری ہے۔

5- مدوّن کو رسم الخط یا کم از کم خط نسخ، خط طغراء، خط شکستہ بالخصوص خط نستعلیق کی اچھی جانکاری ہونا لازمی ہے۔ موجودہ دور میں مدوّن کو اپنا نسخہ موجودہ مروجہ املا میں ہی مرتب کرنا چاہیے۔

6- مدوّن کو اصل مصنف کے مذہب، مسلک وعقیدہ اور مزاج سے بھی واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ ایسا لگے گا کہ غالب سے معذرت کے ساتھ:

کر رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اس کے بالمقابل ایک شاعر، ادیب، داستان گو، ناول نگار، افسانہ نویس پر اس طرح کی کوئی ذمہ داری یا پابندی نہیں ایک وہبی استاد اور صاحب طرز شاعر وادیب جو کچھ بھی لکھ دے گا اسی پر مدوّن کو مندرجہ بالا مختصر مہارتوں، چابکدستیوں کو کام میں لاتے ہوئے اپنا اغلاط واختلافاتِ لفظی ومعنوی سے صاف ستھرا نسخہ تیار کرنا ہوگا:

بہت کٹھن ہے ڈگر پنگھٹ کی

راقم الحروف نے ان آٹھ دس دنوں میں ''دیوانِ کافی'' کا جتنا مطالعہ کیا ہے الحمدللہ ثم الحمدللہ

اس میں محترم ڈاکٹر محمد آصف حسین کو کافی حد تک ثابت قدم پایا ہے۔ ’’اللہ کرے زور قلم اور زیادہ‘‘

ڈاکٹر آصف حسین نے اپنے مدوّنہ ’’دیوانِ کافی‘‘ میں کلامِ کافی کے دیگر نسخوں کی اغلاط کو درست کرنے اور اس کے تمام ہی مشکل و غیر مانوس الفاظ پر زیر، زبر، پیش لگانے میں جس ہنر مندی سے محنت کی ہے، میں اس کی داد دیتا ہوں۔ بالخصوص تصحیح متن کے ساتھ ہی ’’دیوانِ کافی‘‘ میں اغلاط فاحشہ کی ایک مکمل فہرست الگ سے بھی شامل کردی گئی ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ محترم ڈاکٹر محمد آصف حسین شعری رموز و نکات اور فنِ عروض سے بھی واقف ہیں، یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں آصف صاحب نے اپنے مدونہ ’’دیوانِ کافی‘‘ کے صفحہ 30/ پر لکھا ہے:

’’کچھ اشعار میں کاتب کی کارفرمائی سے الفاظ کی ترتیب بدل گئی ہے جس کی بنا پر مصرعہ بحر سے خارج ہوگیا ہے مثلاً:

عمامے کو سر پر یہ سجایا شب معروج (غلط)

سر پر جو عمامے کو سجایا شب معراج (صحیح)

بلا شبہ ڈاکٹر آصف حسین نے ’’دیوانِ کافی‘‘ کی تدوین میں بڑی محنت، لگن، عقیدت مندی اور ذمہ داری سے کام لیا ہے، آپ نے قدیم و جدید املا کا لحاظ و خیال رکھتے ہوئے اس کو درست کرکے مروجہ املا لکھا ہے۔

آپ نے جہاں عروضی غلطیوں کو درست کیا وہیں اشعار میں آئے عربی فارسی جملوں بطور خاص قرآنی آیات کا مع حوالوں کے ترجمہ بھی پیش کیا ہے، مثلاً:

بسرتاج فاوحی و بدل اسرار ما اوحی

حبیبِ رازدارِ خالقِ اکبر ہوئے پیدا

’’دیوانِ کافی‘‘ کے مطالعہ کے بعد ڈاکٹر آصف حسین صاحب کی محنت، لگن، تلاش و تحقیق اور خوب تر کی جستجو اور ذمہ دارانہ رویہ کو دیکھ کر بے ساختہ احقر کی زبان پر آیا ہے:

’’دیخ اس طرح کہتے ہیں سخنور سہرا‘‘

میں ابتدائی سطور میں لکھ آیا ہوں کہ مدوّن کو عروض اور شعر گوئی کی فنی باریکیوں، صنائع لفظی و معنوی، الفاظ کی فصاحت و بلاغت اور بر محل استعمال سے بھی اچھی طرح واقفیت ہونی چاہیے۔ تو ’’دیوانِ کافی‘‘ کے مدوّن ڈاکٹر آصف حسین کی اس خوبی و صلاحیت کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ مولوی

کفایت علی کافی علیہ الرحمہ کا شعر ہے:

دردِ دل نے زور تڑپا کیا مجھے اے طبیبِ مہرباں فریاد ہے

حضرتِ کافی کے مطبوعہ کلام میں یہ لفظ''زور'' روز لکھا ہوا ہے۔ یہاں زور اور روز دونوں درست مانے جا سکتے ہیں مگر''زور'' میں جو فصاحت، معنی آفرینی اور جمالیاتی حُسن ہے وہ روز میں نہیں۔ میں یہاں اس پر زیادہ بحث نہ کرتے ہوئے صرف ڈاکٹر آصف حسین کے زور کی تعریف و توصیف اور حمایت زور کے ساتھ کرتا ہوں۔

حقیقی طور پر میں محترم آصف حسین کے کام کرنے کی ذمہ داری و ایمانداری سے بہت زیادہ متاثر ہوں جب کہ محترم ڈاکٹر آصف حسین صاحب اکثر ملاقاتوں اور فون پر بھی اپنے انکسارانہ مزاج کے تحت احقر سے فرماتے ہیں کہ:

''یہ سب میں نے آپ کی روش پر چل کر سیکھا ہے۔''

نہیں بھائی! آپ اردو زبان و ادب کے مخلص مجاہد ہیں آپ میں اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ راقم الحروف نے محترم ڈاکٹر آصف حسین صاحب مرادآبادی اور خود میں زمین آسمان کے فرق کی بات اس لیے لکھی کہ میں نے ہمیشہ بھر پیٹ اردو فارسی کی روٹیاں کھائی ہیں اور محترم ڈاکٹر محمد آصف حسین نے بھوکے پیاسے رہ کر اردو زبان و ادب کو بھر پیٹ کھلایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری ساری کتابیں سرکاری پروجیکٹ اور بجٹ سے چھپیں مگر ڈاکٹر آصف حسین کی کوئی کتاب سرکاری و غیر سرکاری ادارے سے مالی تعاون کے ساتھ شائع نہیں ہوئی؛ بلکہ انھوں نے اپنی جیب خاص سے شائع کی ہیں۔ میں ڈاکٹر آصف حسین صاحب کے اس مخلصانہ رویہ اور خلوص نیت پر ہمیشہ سلام محبت و عقیدت پیش کرتا ہوں۔

یہاں دو ایک سخن گسترانہ باتیں بطورِ مشورہ عرض کر دوں۔ صرف ایک ایک مثال پر ہی اکتفا کروں گا۔

1 پہلے املا کی ایک غلطی جس سے شعر کے معنی میں فرق اور کمی پیدا ہو رہی ہے''دیوانِ کافی'' صفحہ 113 پر نعت پاک کا چوتھا شعر:

برعرش چو افتاد گذر در شب معراج کشتند ملایک ہمہ قربانِ محمد

یہاں دوسرے مصرعے میں 'کشتند' نہیں 'گشتند' ہونا چاہیے۔ یہ محترم ڈاکٹر آصف حسین کی غلطی نہیں ہے بلکہ قدیم خطی نسخوں میں 'ک' اور 'گ' میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ گ کی جگہ بھی ک ہی استعمال ہوتا تھا۔

2- راقم الحروف فرہنگ نویسی کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے سبب درخواست گزار ہے کہ شاعر بعض الفاظ کو فرہنگی و لغوی معنی سے اوپر اٹھ کر الفاظ کا استعمال کرتا ہے تو ان الفاظ کے معنی بھی اسی نہج پر لکھنے چاہیے۔

مثلاً ''دیوان کافی''صفحہ 194 پر نعت نمبر 99 میں پانچواں شعر:

ان کے ناخن کا تراشا گر ملے حبیبِ جاں میں اس کو پنہاں کی جیے

حبیب کے معنی بلاشبہ گریباں اور دامن کے ہیں مگر اس مصرعۂ ثانی میں حبیب جاں، کے معنی دل اور سینے کے ہوں گے۔

تیسرے ایک اہم لفظ ''سیدِ سادات'' دیوان کافی میں کئی جگہ آیا ہے۔ سید کے معنی سردار اور سادات اس کی جمع ہے۔ سید السادات کے معنی سرداروں کے سردار ہوئے۔ محترم ڈاکٹر محمد آصف حسین صاحب نے اس کے معنی لکھے ہیں ''سیدوں کے سردار'' تو محترم بھائی ڈاکٹر محمد آصف صاحب! کیا رحمت اللعالمین آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یا آپ کے یا دیگر کسی غیرِ سید مسلمان کے سردار نہیں ہیں۔

سید سادات کی ترکیب بھی غلط ہے جو کہ ''دیوانِ کافی'' میں کئی جگہ استعمال ہوئی ہے۔ یہ اصل میں سیّدُ السّادات ہے۔ دیوان کافی یا کلامِ کافی پر گفتگو کی سو اس وقت یہ میری ذمہ داری نہیں، اس وقت تو مجھے صرف محترم ڈاکٹر محمد آصف حسین صاحب کی تدوینی صلاحیتوں، متن کی تصحیح اور اشعار کی درست قرأت کی باریکیوں اور ایمانداری و ذمہ داری کے ساتھ ادبی و علمی کاموں کو سرانجام دینے کے جذبوں سے متعلق بات کرنی تھی۔

مجھے بخوبی اندازہ ہے کہ میں اپنا یہ فرض منصبی پوری طرح انجام نہیں دے سکا کیونکہ مجھے گھنٹی بجنے، پرچی آنے یا ناظم صاحب کو پیٹھ پیچھے آ کر کھڑے ہو جانے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ محترم سید محمد ہاشم صاحب مجھے کئی بار گھور کر دیکھ چکے ہیں اس لیے میں اپنی بات کو یہیں ختم کرتا ہوں اور عزیز گرامی قدر ڈاکٹر محمد آصف حسین مرادآبادی کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ مایوس نہ ہوں۔

یار زندہ صحبت باقی

میں ایک بار پھر ''دیوانِ کافی'' کو کافی پڑھ کر آپ کی تدوینی صلاحیتوں کا کھل کر زور کے ساتھ اعتراف کروں گا۔ ان شاءاللہ

اب رہی بات ''دیوانِ کافی'' یا کلام کافی پر گفتگو کی تو عرض خدمت ہے کہ احقر نے ''دیوانِ کافی'' کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ واقعی جناب کفایت علی کافی مرادآبادی ایک محبّ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے کلام بلاغت نظام کا ایک ایک مصرعہ عشق رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پُر ہے۔ دوسرے کلام کافی کے مطالعہ سے یہ بھی اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کافی ایک قادر الکلام، کہنہ مشق اور استاد شاعر تھے، زبان و بیان پر اچھی قدرت و مہارت تھی، آپ کی جو

میلادی نعتیں ہیں ان میں خوب خوب جوش ہے، جذبہ ہے گھن گرج ہے جو بلاشبہ دلوں کو گرما دیتی ہیں۔ مثلاً:

اک زلزلہ سا کوشکِ کسرا میں پڑ گیا　　چمکی جو برق شوکت و اجلال مصطفیٰ

سید کفایت علی کافی مرادآبادی کو انگریز حکومت نے بغاوت کے جرم میں 1857ء کو پھانسی دی اس وقت آپ نے اپنی مشہور زمانہ مندرجہ ذیل نعت پاک پڑھتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا　　میرے رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صفیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہانا　　بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو　　اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
نامِ شاہانِ جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں　　حشر تک نام و نشان پنجتن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود　　آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعتِ حضرتؐ کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

☆ گھیر مناف، امروہہ (یوپی)
Mob. 9997161315

☆☆☆

محمد معز عالم اویسی نعیمی (مرادآباد)

دیوانِ کافی: ایک تجزیاتی مطالعہ

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حضرت مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی اُن علمائے کرام میں سے ہیں جنہوں نے اپنے ملک کی حفاظت وصیانت کے لیے غاصب انگریزوں کے خلاف نہ صرف جہاد کا فتوی صادر کیا بلکہ اپنی جان بھی اس راہ میں قربان کر کے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ملک کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے حضرتِ کافی نےعشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبی ہوئی اپنی نعت 'کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا' کے ذریعے حضور نبیٔ رحمت نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نعتِ رسول سے جس محبت وعقیدت کا اظہار فرمایا، یہ اصل میں حضرتِ کافی کی اُس دیرینہ آرزو کی تکمیل ہے جس کی خواہش آپ نے مناجات کے ایک شعر میں یوں فرمائی تھی:

یاالٰہی شغلِ نعتِ مصطفائی میں رہوں جسم وجاں میں جب تلک میرے وفا کا ساتھ ہو

(دیوانِ کافی، ص:۱۶۶)

حضرتِ کافی کا تحریری سرمایہ ۱۲ کتب پر مشتمل ہے، ان میں ایک کتاب 'ابواب التاریخ' (۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء) کے علاوہ باقی ۱۱ کتابیں مطبوعہ اور منظوم ہیں۔ حضرتِ کافی کی سب سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب 'دیوانِ کافی' ہے۔ 'دیوانِ کافی' ان کا غزل کی ہیئت میں نعتیہ دیوان ہے، باقی تمام مطبوعہ کتابیں مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔ 'دیوانِ کافی' غرہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/ مارچ ۱۹۱۱ء میں مطبع ابوالعلائی حیدرآباد دکن سے ۶۴ صفحات میں شائع ہوا تھا، اس کے مرتب مالک مطبع ابوالعلائی سید حسین تھے۔ الحمدللہ! آج ۱۱۳ سال بعد ماہِ ربیع الاول ۱۴۴۶ھ/ستمبر ۲۰۲۴ء کی مبارک ساعتوں میں تحقیق وتدوین کے جدید اصول کے مطابق 'دیوانِ کافی' کی اشاعت جدید عمل میں آئی ہے۔

مرادآباد کے عظیم محقق ڈاکٹر محمد آصف حسین نے دیوان کو جدید ترتیب وتحقیق سے مزین کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد آصف حسین ہندو کالج مرادآباد سے بی۔ ایس۔ سی، مہاراجہ ہریش چندر کالج مرادآباد سے ایم۔ اے (اردو) اور بریلی کالج سے بی۔ ایڈ ہیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے ماہرِ عروض وقوافی ڈاکٹر عارف

حسن خاں (سابق صدرِ شعبۂ اردو، ہندو کالج مراد آباد) کے زیرِ نگرانی 'مراد آباد میں نعت گوئی کی روایت' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا، اس پر روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی سے سنہ ۲۰۱۳ء میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ایوارڈ ہوئی۔ ڈاکٹر محمد آصف حسین کا یہ تحقیقی مقالہ مراد آباد میں نعت گوئی کی روایت کے حوالے سے اوّلین مقالہ ہے۔ اب تک موصوف مراد آباد کے مختلف علمی و ادبی گوشوں پر ۱۶ کتب تحریر کر چکے ہیں جن میں ۱۱ کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور پانچ کتابیں منتظرِ اشاعت ہیں۔

ڈاکٹر محمد آصف حسین حضرتِ کافیؔ کی کتب اور بالخصوص دیوانِ کافیؔ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مندرجہ بالا فہرست میں 'ابواب التاریخ' ہنوز غیر مطبوعہ ہے، باقی تمام تصانیف مثنوی کی ہیئت میں ہیں جو مصنف کی حیات میں شائع ہو چکی تھیں۔ البتہ 'دیوانِ کافیؔ' ایسی واحد تصنیف ہے جو نعتوں پر مشتمل ہیا وراس کی تمام تخلیقات غزل کی ہیئت میں ہیں۔ دستیاب 'دیوانِ کافیؔ' نا تو مصنف کا مرتبہ ہے اور نہ مصنف کی حیات میں شائع شدہ بلکہ مصنف کی شہادت کے طویل عرصے کے بعد (۵۳ سال) شائع ہوا تھا۔'' (دیوانِ کافیؔ، ص: ۲۴)

ڈاکٹر محمد آصف حسین نیدس سال کے طویل عرصے تک تلاش و جستجو کے بعد دیوانِ کافیؔ کو ۲۷۹ صفحات میں شائع کیا ہے، دیوان کی اشاعتِ اوّل میں موجود کتابت اور طباعت کی غلطیاں خواہ وہ اعراب کے حوالے سے ہوں یا حروف کی کمی بیشی کے حوالے سے یا پھر رسم الخط کے حوالے سے، سب کی اصلاح کی ہے، ان تمام غلطیوں کی تعداد ۴۵۰ سے زائد ہے۔ کتاب کے آغاز میں ایک مضمون بعنوان 'دیوانِ کافیؔ کے بارے میں' شاملِ کتاب ہے، اس میں اس کی مکمل تفصیل بیان کی ہے، اسی کے ساتھ دیوان کے جدید ایڈیشن کی خصوصیات کو بھی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ دو صفحات میں حضرتِ کافیؔ کے حالاتِ زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ حضرتِ کافیؔ کے حالاتِ زندگی اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ ڈاکٹر محمد آصف حسین نے یہ بیان کی ہے کہ:

> ''حضرتِ کافیؔ کے حالاتِ زندگی اور خدمات کا مکمل تعارف عنقریب شائع ہونے والی کیات 'کافیؔ مراد آبادی حیات اور شاعری' میں مفصل طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن تدوین و تحقیق کے جدید تقاضوں کے تحت سوانحی کوائف پیش کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا مختصراً پیش کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔'' (دیوانِ کافیؔ، ص: ۲۰)

مرتب محترم کی بات اپنی جگہ کافی حد تک بات درست ہے، مگر حضرتِ کاؔفی کی شخصیت کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں جو معلومات عام طور پر دستیاب ہیں یا مرتب کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں، دیوان کے پیشِ نظر اِن 'حالاتِ زندگی' میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کافی ووافی جلد از جلد حضرتِ کاؔفی کے مکمل حالات زندگی منظرِ عام پر لانے کے اسباب مہیا فرمائے۔

کتاب کا انتساب ڈاکٹر محمد آصف حسین نے حضرتِ کاؔفی کو 'سلطانِ نعت گویاں' کا لقب دینے والے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی، حضرتِ کاؔفی کے اوّلین محقق پروفیسر ایوب قادری اور اپنے والدِ گرامی جناب زاہد حسین مرحوم کے نام کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد آصف حسین نے دیوان میں مفید حواشی تحریر کیے ہیں، جن میں کچھ اشعار اور الفاظ کی تسہیل وتشریح کی گئی ہے، نیز اکثر تلمیحات کا مکمل حوالہ تحریر کرتے ہوئے مختصر وضاحت بھی کردی گئی ہے۔ دیوان کے آخر میں 'فرہنگ دیوانِ کاؔفی' کے نام سے مشکل الفاظ کی فرہنگ اور ڈاکٹر عارؔف حسن خاں کا سنہ عیسوی اعتبار سے 'قطعۂ تاریخ' بھی شامل ہے۔

زیرِنظر دیوان عربی حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے، اس میں عربی حروفِ تہجی کے ش، ظ اور غ کے علاوہ تمام حروف کی ردیف شامل ہیں۔ دیوانِ کاؔفی تین حمد، تین مناجات، ۱۰۴ نعتوں، ۶ سلام، ۶ مناقب، ۴ تضامین، ۲ رباعیات، ۴ قطعات اور ایک نظم پر مشتمل ہے۔ نعتوں میں تین نعتیں، سلام میں سے تین سلام، رباعیات میں ایک رباعی اور قطعات میں سے دو قطعات فارسی میں ہیں۔ مجموعی طور پر دیوان میں حمد، مناجات، نعت، سلام اور مناقب کے اشعار کی تعداد ۱۰۶۷ ہے، ۳۴- اشعار تضامین کے ہیں، ان کے علاوہ دو رباعیات اور چار قطعات ہیں۔ فارسی کلام کے حوالے سے ایک بات یہ عرض ہے کہ حواشی میں اگر فارسی کلام کا اردو ترجمہ شامل کردیا جاتا تو اردوداں قارئین کے لیے فارسی کلام کی تفہیم آسان ہوجاتی اور اگر اردو ترجمہ منظوم شکل میں کردیا جاتا تو نورٌعلیٰ نور ہوجاتا۔

دیوانِ کاؔفی میں شامل تین حمد میں سے دو 'الف' کی ردیف میں اور ایک 'ب' کی ردیف میں ہے۔ حضرتِ کاؔفی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا میں اپنے خیالات کو شعری جامہ پہناتے ہوئے انتہائی مؤدبانہ اور عاجزانہ لب ولہجے میں عرض گزار ہیں:

احسان وکرم ہم پہ وہ کیا کیا نہیں کرتا ۔۔۔ وہ کون سی رحمت ہے کہ مولا نہیں کرتا
اس گلشنِ امکاں میں نہیں برگ کو جنبش ۔۔۔ جب تک کہ ہَوا کو وہ اِشارا نہیں کرتا

(دیوانِ کاؔفی، ص:۶۶)

مزید ایک دوسرے مقام پر یوں عرض کناں ہیں:

خدائی کے لائق تُو سردار یا رب سبھی جزو کل کا خبردار یا رب
کروں کس زباں سے بھلا حمد تیری زباں میں نہیں تابِ گفتار یا رب
نہیں تیرے اوصاف کی حد و غایت کہاں تک کرے کوئی اظہار یا رب

(دیوانِ کافیؔ، ص:۸۶-۸۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے، اس لئے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ زندگی میں دنیا اور آخرت سے متعلق، جو کچھ بھی مانگے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے مانگے، کسی دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ حضرتِ کافیؔ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ بے نیاز میں مناجات کی شکل میں جو التجائیں کی ہیں، ان میں اس چیز کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے اور حضرتِ کافیؔ کا اپنے مالکِ حقیقی سے والہانہ عقیدت واحترام بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔ دیوان میں تین مناجات ہیں، ان میں پہلی 'ب' کی ردیف میں، دوسری 'د' کی ردیف میں اور تیسری 'ہ' کی ردیف میں ہے۔ دیوانِ کافیؔ میں مذکور ایک مناجات کے چند اشعار بطورِ مثال پیش ہیں:

دے مجھے راست راہ یا اللہ نہ رہوں کج نگاہ یا اللہ
بطفیل نبی شفیعِ امم بخش میرے گناہ یا اللہ
دمِ آخر تلک ہو میرے نصیب دین و ایماں کی چاہ یا اللہ
ہو مرا خاتمہ مع الاثبات کلمۂ لا الہ یا اللہ
ہو توئی گور میں بوقتِ سوال مرا پشت پناہ یا اللہ

(دیوانِ کافیؔ، ص:۱۷۱)

حضور نبیٔ رحمت سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف، شمائل وخصائل، محاسن وکمالات اور فضائل واختیارات کا بیان وہ بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کی انتہا کو پہنچنا مخلوق میں سے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ حافظ شیرازی کی زبان میں یہی کہا جا سکتا ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرتِ کافیؔ اپنے ایک فارسی سلام میں اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

قاصرم از شرحِ حرفے از کتابِ حُسنِ تو گر بگویم یا نویسم تا قیامت السلام

(دیوانِ کافی ص:۱۴۶)

ترجمہ: حضور! آپ پر سلام اگر میں قیامت تک آپ کے حسن کی کتاب کے ایک حرف کی بھی شرح بیان کروں یا لکھوں، تو بھی میں بیان کرنے سے قاصر رہوں گا۔

دیوانِ کافیؔ میں ۱۰ نعتیں اردو زبان میں ہیں، جب کہ ۳ نعتیں فارسی میں ہیں۔ ان کے علاوہ چار تضامین ہیں، جن میں دو حضرتِ کافیؔ کی خود کی نعتوں پر کہی ہوئی ہیں، بقیہ دو میں ایک جان محمد قدسیؔ کی مشہورِ زمانہ فارسی نعت 'مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربیؐ' پر ہے اور دوسری عاشقِ رسولِ صادق حضرت جامیؔ کی نعت 'لی حبیب عربی مدنی قرشیؐ' پر ہے۔ چاروں تضامین مخمس کی ہیئت میں اردو زبان میں ہیں، ان کے علاوہ ایک نعتیہ قطعہ بھی ہے۔

حضرتِ کافیؔ نے اپنے نعتیہ اشعار میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کے القابات کے جو گلدستے پیش کئے ہیں، اُنہیں پڑھنے کے بعد طبیعت عشقِ رسول کی خوشبو سے معطر ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی طبیعت میں فرحت وانبساط کی وہ لہریں نمودار ہوتی ہیں جن سے جسم وروح دونوں سرشار ہو جاتے ہیں۔ بطورِ مثال چند القابات حاضر ہیں:

حبیبِ یزداں، خاتمِ پیغمبراں، شفیعِ دردمنداں، شفیعِ عاصیاں، افضلِ پیغامبراں، ختمِ پیمبراں، سردارِ سروراں، مخدومِ مرسلاں، مقصودِ کُن فکاں، ممدوحِ قدسیاں، سلطانِ انس وجاں، سیدِ کون ومکاں، شفیقِ دردمنداں، مجسمِ نورِ جہاں، مطلعِ انوارِ احساں، مظہرِ نورِ فیضِ یزداں، افتخارِ انس وجاں، مقتدائے مرسلاں، قاسمِ خلدو جاں، موجبِ امن واماں، پیشوائے جادۂ صدق وصفا، باعثِ ایجادِ کائنات، صاحبِ معراجِ معجزات، شہسوارِ شبِ معراج، سحابِ رحمتِ حق، کلیدِ گنجِ رحمت، حبیبِ رحمت، کفیلِ کارامت، مظہرِ رحمت، مصدرِ رَافت، مخزنِ شفقت، عینِ عنایت، حبیبِ رازدارِ خالقِ اکبر، فخرِ ملک، فخرِ بشر، برجِ رسالت کے قمر، قسیمِ حوضِ کوثر، باعثِ حُسنِ جن وبشر، موجبِ نورِ شمس وقمر، مہرِ عرب، شاہِ کشورِ لولاک، ابذالِ عنایت، سلطانِ رسالت، سلطانِ نجابت، مقبولِ شفاعت، سیمائے سیادت، خاتمِ دورِ رسالت، ہادیٔ راہِ ہدایت، گوہرِ بحرِ فُتُوت، مظہرِ انوارِ غیب، ختمِ رسل، مظہرِ فیضِ اتم، شہنشاہِ اُمم، رُخِ تنویرِ عالم، صاحبِ توقیرِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرتِ کافیؔ نے نعت کے مضامین قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے اِس خوبصورتی کے ساتھ اخذ کئے ہیں کہ جنہیں پڑھنے کے بعد قاری کی طبیعت عشقِ رسول کی تاب ناکیوں سے منور ومجلّٰی ہو جاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو کہ حضرتِ کافیؔ خود عالمِ شرع ومتبعِ سنت تھے، عشقِ رسول سے آپ کے اَفکار وخیالات معمور تھے اور آپ کا دل حضور کی محبت سے منور تھا۔

حضرتِ کافیؔ کی نعتیہ شاعری کے مقام و مرتبہ کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان جیسے عاشقِ رسول نے اپنی رباعی میں آپ کو 'سلطانِ نعت گویاں' کے لقب سے یاد فرمایا اور خود کو 'وزیرِ اعظم' کہا:

مہکا ہے مری بوئے دہن سے عالم	ہاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافیؔ سلطانِ نعت گویاں ہے رضا	ان شاء اللہ میں ہوں وزیرِ اعظم

(دیوانِ کافیؔ، ص: ۱۶۵)

نیز ایک دوسری رباعی میں حضرتِ کافیؔ کے 'مضمون کی بندش' اور 'دردِ دل' پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

پرواز میں جب مدحت شہ میں آؤں	تا عرش پرِ فکر رسا سے جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضاؔ	کافیؔ کا دردِ دل کہاں سے لاؤں

(دیوانِ کافیؔ، ص: ۱۶۵)

حضرت فاضلِ بریلوی نے حضرتِ کافیؔ کی نعتیہ شاعری کے مذکورہ بالا اوصاف بیان کرنے کے ساتھ ہی آپ کے کلام پر تنقید بھی فرمائی ہے۔ ڈاکٹر محمد آصف حسین ابتدائیہ میں حضرت فاضلِ بریلوی کی تنقیدی عبارت نقل کرتے ہیں:

> ''سوا دو کے کلام کے کسی کا کلام میں قصداً نہیں سنتا، مولانا کافیؔ اور حسنؔ میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے۔ البتہ مولانا کافیؔ کے یہاں لفظِ 'رَعنا' کا اطلاق (یعنی استعمال) جابجا ہے اور یہ شرعاً محض ناروا بے جا (یعنی نامناسب اور بے فائدہ) ہے۔ مولانا کو اِس پر اطلاع نہ ہوئی ورنہ ضرور احتراز فرماتے۔'' (دیوانِ کافیؔ، ص ۱۷، بحوالہ: الملفوظ، حصہ دوم، صفحہ: ۲۲۵، مکتبۃ المدینہ)

حضرتِ کافیؔ کے زیرِ نظر دیوان میں لفظِ 'رعنا' کا استعمال درج ذیل تین مقامات پر موجود ہے:

جمالِ حسن میں رَعنا، کمالِ خُلق میں یکتا	کوئی پیدا ہوا ایسا نہ ہووے گا یہاں پیدا (ص: ۴۵)
آنکھ خورشیدِ قیامت سے لڑائیں لاکھ بار	عاشقانِ چشمِ رَعنائے جنابِ مصطفیٰ (ص: ۷۸)
سِہی سروِ ریاضِ بے مثالی	قد رَعنائے دل جوئے محمد (ص: ۱۱۲)

حضرت فاضلِ بریلوی نیا اپنی مشہورِ زمانہ مناجات 'یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو' حضرتِ کافیؔ

کی مناجات 'یاالٰہی حشر میں خیرالوریٰ کا ساتھ ہو' کی زمین پر نظم فرمائی ہے۔

حضرتِ کافیؔ کی ۱۰۴ نعتوں اور ۴ تضامین میں سے ۶۳ نعتیں وہ ہیں جن میں آپ نے ابتدا تا انتہا حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کے کسی ایک پہلو کو موضوع بنایا ہے۔ اس سلسلے میں ہم اگر ولادت باسعادت کی بات کریں تو ۱۳ نعتیں حضور کی ولادتِ باسعادت کے موضوع پر ہیں، ۵ نعتیں شبِ ولادت کے موضوع پر اور دو نعتیں محفلِ میلاد کے موضوع پر ہیں۔ ان دونوں نعتوں میں ایک غزل کی ہیئت میں ہے جب کہ دوسری تضمین کی شکل میں ہے۔ ولادت سے متعلق اکثر نعتوں میں حضرتِ کافیؔ نے اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے 'حدیث لولاک' کی بہترین ترجمانی کی ہے۔ ایک نعت سے تین شعر ملاحظہ کیجیے:

طفیلِ سرورِ عالم ہوا سارا جہاں پیدا — زمین و آسماں پیدا مکیں پیدا مکاں پیدا
نہ ہوتا گر فروغِ نورِ پاکِ رحمتِ عالم — نہ ہوتی خلقتِ آدم نہ گلزارِ جناں پیدا
شہِ لولاک کے باعث، حبیب پاک کے باعث — جنابِ حق تعالیٰ نے کیا کون ومکاں پیدا

(دیوانِ کافیؔ، ص: ۴۵)

راتوں میں سب سے افضل واعلیٰ رات وہ رات ہے جس میں حضور کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ حضرتِ کافیؔ شبِ ولادت کی افضلیت کے بارے میں یوں گویا ہیں:

لیلۃ القدر ہے یاں جلوہ نما آج کی رات — سحرِ عید ہے یاں پردہ کشا آج کی رات
شبِ قدر و سحرِ عید کو یاں کیا رتبہ — ہے شبِ مولدِ محبوبِ خدا آج کی رات

(دیوانِ کافیؔ، ص: ۴۵)

برصغیر ہندوپاک میں صدیوں سے عاشقانِ رسالت مآب، حضور کی پیدائش کے موقع پر محفلِ میلاد منعقد کرتے چلے آرہے تھے۔ اس محفل میں حضور کی ولادتِ مبارکہ کے وقت پیش آنے والے واقعات کو نظم ونثر کی شکل میں والہانہ عقیدت ومحبت کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا، محفل کے اختتام پر کھڑے ہوکر نذرانۂ درود وسلام بھی پیش کیا جاتا تھا لیکن بدقسمتی سے ۱۹ویں صدی میں محفلِ میلاد کے انعقاد پر اختلافات کا آغاز ہوگیا جس سے برصغیر کی محبت بھری فضا مکدر ہوگئی۔ حضرتِ کافیؔ محفلِ میلاد میں حاضری سے متعلق فرماتے ہیں:

سر کے بل چاہیے اے اہلِ دِلا یاں آنا — الفتِ رحمتِ عالم میں ذرا یاں آنا
محفلِ مولدِ سلطانِ رسالت ہے یہ — عین آداب سے باصدق و صفا یاں آنا

بے ادب کو تو یہاں دخل نہیں بار نہیں　　عطرِ آداب سے پوشاک بسا یاں آنا
(دیوانِ کافی، ص:۵۰۰)

نیز محفلِ میلاد میں قیامِ تعظیمی کے ثبوت اور اس کے منکرین کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہُوا فتوائے علمائے عرب سے مسئلہ ثابت　　اٹھو تعظیم کو وقتِ بیانِ مولدِ حضرت (ص:۹۶)
انکارِ بزمِ مولد ہے جس کسی کا مذہب　　ہے اُس کی جاں کو شعلہ نورِ شبِ ولادت (ص:۹۸)

ان کے علاوہ آپ کی دس نعتوں کا موضوع جسمِ اطہر ہے، مدینہ منورہ اور درودِ پاک کے موضوع پر آٹھ-آٹھ نعتیں شامل ہیں، چار نعتوں کا موضوع شبِ معراج اور اسی طرح چار نعتوں کا موضوع محبتِ رسول ہے نیز دو نعتوں کا موضوع حضور کی بارگاہ میں استغاثہ ہے، ان کے علاوہ ایک ایک نعت دیدارِ رسول، شفاعت، وسیلہ، مُہرِ نبوت، پیراہن شریف، وفات شریف، حوضِ کوثر، اور مسجدِ نبوی کے ستون 'ستونِ اسطوانہ' پر ہے۔ طوالت کے سبب مثالوں اور ان پر مزید گفتگو سے پرہیز کیا جا رہا ہے۔

حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ ذی وقار میں دیوان میں موجود حضرتِ کافی کے پیش کئے گئے چھ سلام میں سے تین سلام اردو میں ہیں جن کی ردیف 'م' ہے۔ تین سلام فارسی میں ہیں، جن میں دو 'م' کی ردیف میں ہیں اور تیسرے کی ردیف 'ن' ہے۔ اردو سلام سے تین اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یا نبی تم پہ بار بار سلام　　بے عدد اور بے شمار سلام
روزِ اوّل سے لے کے تا بہ ابد　　آپ پر روز سو ہزار سلام
یہ بھی تھوڑا ہے آپ کی خاطر　　بھیجئے گر کروڑ بار سلام
(دیوانِ کافی ص:۱۴۴)

عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب حضرات اہلِ بیت اطہار اور حضرات صحابہ کرام کی محبت ان کی تعظیم اور ادب واحترام انسان کے دل میں جلوہ فگن ہوتے ہیں۔ ان دونوں کے بغیر عشقِ رسول کی منزل میں قدم رکھنا تو دور کی بات ہے، عشقِ رسول کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے حضرتِ کافی اپنے ایک قطعہ اور ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

قطعہ

فاطمہ و حسن حسین و علی　　ہیں بلاشک یہ اہلِ بیتِ نبی

جو محبِ نبی ہے اے کافیؔ اس کو واجب ہے دوستی اِن کی
(دیوانِ کافیؔ، ص:۲۴۶)

رباعی

خورشیدِ ہدایت ذاتِ رسولِ معصوم اصحابِ نبی چرخِ ہدایت کے نجوم
بے حبِ نبی و حبِ یارانِ نبی کافیؔ نہیں مغفرت مآثر معلوم
(دیوانِ کافیؔ، ص:۲۴۴)

حضرات صحابہ کرام کے بارے میں اہلسنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں۔ حضرتِ کافیؔ اس عقیدے کو ایک شعر میں یوں رقم کرتے ہیں:

تمامی عدل تھے اور سب کے سب راہِ خدا پر تھے یہی ہے مذہب حق اعتقادِ اہل سنت ہے
(دیوانِ کافیؔ، ص:۲۲۰)

حضرات صحابہ کرام میں خصوصی طور پر حضراتِ خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام و مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

امیر المومنیں صدیقِ اکبر نائبِ حضرت بہ ایوانِ خلافت صدرِ دیوانِ صداقت ہے
پھر اُس کے بعد ہے فاروقِ اعظم جاہد و غازی کہ انسانِ بصیرت مردمِ عینِ عدالت ہے
مناقب کیا کروں عثمان ذی النورین کا ظاہر کہ عینِ شرم و تمکیں مخزنِ جود وَسخاوت ہے
خدا کا شیر حیدر ابن عمِّ سرورِ عالم کہ جس کے دستِ بالادست میں تیغِ شجاعت ہے
(دیوانِ کافیؔ، ص:۲۲۱)

حضرتِ کافیؔ نے اپنی شاعری میں حضرات اہلِ بیت اطہار اور حضراتِ صحابہ کرام کی فضیلت و بزرگی پر جگہ جگہ عقیدت کی پھول نچھاور کر کے ان سے محبت کا درس دیا ہے۔ دیوان میں حضرات اہلِ بیت اطہار کے با قاعدہ طور پر دو مناقب، ایک رباعی، دو قطعات؛ ایک اردو اور ایک فارسی میں موجود ہیں، دونوں مناقب 'ے' کی ردیف میں ہیں۔ ایک منقبت خصوصی طور پر مولائے کائنات خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں 'الف' کی ردیف میں ہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں تین مناقب اور ایک رباعی ہے۔ پہلی منقبت کی ردیف 'الف' ہے اور باقی دو کی ردیف 'ے' ہے۔

الغرض حضور رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عشق و محبت ہی حضرتِ کافیؔ کی زندگی کا

مقصدِ اصلی اور سرمایۂ افتخار تھا، اس کا اظہار آپ نے کئی مقامات پر اِس طرح فرمایا:

بس آرزو یہی دلِ حسرت زدہ کی ہے سنتا رہے شمائل و احوالِ مصطفیٰ (ص:۷۹)

رات دن ہے یہ دعائے کافیِ شوریدہ حال کر عطا یا رب تولّائے جنابِ مصطفیٰ (ص:۷۸)

دے بہرِ دعائے نبوی مطلبِ کافؔی جز عشق نبی اور تمنا نہیں کرتا (ص:۶۷)

جب تلک باہم ہو یارب جسم و جاں کا ارتباط نعتِ حضرت میں رہے میری زباں کا ارتباط (ص:۱۲۳)

مقامِ فخر ہے کافؔی کہ تو مداح ہے کس کا تیرا ممدوح کیسا ہے، حبیبِ ربِ اکبر ہے (ص:۱۹۳)

حضرتِ کافؔی عالمِ دین اور فاضلِ جلیل ہونے کے ساتھ ساتھ منصبِ قضا و افتا پر بھی فائز تھے، لیکن اِن تمام فضیلت و بزرگی کے باوجود دنیا میں اپنا تعارف حضور کے ایک عاشق کی حیثیت سے کراتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

میں نہیں شاعر، مدیحِ صاحبِ لولاک ہوں ہم صفیرو مجھ کو اپنے کام ہی سے کام ہے

(دیوانِ کافؔی، ص:۲۲۵)

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں حضرتِ کافؔی خود کو شاعر کی جگہ حضور کا مداح اور ثنا خواں کہلانا پسند کرتے ہیں؟ تو خود ہی ایک دوسرے مقام پر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہم کو اُمید قوی ہے کہ صفِ محشر میں تیرے مداحوں کا اک رتبۂ اعلیٰ ہوگا

(دیوانِ کافؔی، ص:۵۹)

حضرتِ کافؔی دنیا سجاتے ہوئے اپنے ساتھ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعریف و توصیف آخرت کا توشہ اور زادِ راہ کی شکل میں لے جانے کی تمنا کرتے ہیں۔ مناجات کے ایک شعر میں اپنی اس آرزو کو رب کے حضور پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

بعد مرنے کے بھی کافؔی کی یارب یہ دعا دفترِ اشعارِ نعتِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

(دیوانِ کافؔی، ص:۱۶۶)

بوقتِ شہادت تختۂ دار پر حضرتِ کافؔی کی زبان پر جاری نعتیہ اشعار اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ رب کے حضور آپ کی یہ تمنا قبولیت سے سرفراز ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اپنی آخری نعت میں حضور رِسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے والہانہ عشق و محبت اور غلامی کا اظہار یوں فرمایا:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا پر رسول اللہ کا دینِ حَسن رہ جائے گا

ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا بلبلیں اُڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا

اَطلس وکم خواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو اِس تنِ بیجان پر خاکی کفن رہ جائے گا
نامِ شاہانِ جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں حشر تک نام ونشانِ پنجتن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے اوپر دُرود آگ سے محفوظ اُس کا تن بدن رہ جائے گا
سب فنا ہوجائیں گے کافیؔ ولیکن حشر تک نعتِ حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا
(دیوانِ کافیؔ، ص:٦١)

حضرتِ کافیؔ کے پورے دیوان میں صرف درج ذیل تین اشعار ایسے ہیں، جن پر اہلِ علم حضرات کلام کر سکتے ہیں:

اس صاحبِ معراج کا مداح ہے کافیؔ اللہ بھی مشتاق ہے جس کا شبِ معراج (ص:١٠٦)
حسن وہ حسن کہ جس حسن کا عاشق ہے خدا وصف اُس حسن کا قرآن ہے سبحان اللہ (ص:١٧٣)
دشتِ یثرب میں ترے ناقے کے پیچھے پیچھے دھجیاں جیب وگریباں کی وہ اُڑاتے جاتے (ص:٢٠٨)

ان کے علاوہ دو اشعار میں ٹائپنگ کی غلطیاں راہ پا گئی ہیں، جن میں ایک شعر صفحہ نمبر ٧٧ پر یوں درج ہے:

ہے نصب العین جس کی کحل مَــا زَاغُ البَصَــرُ
ہے وہ زیبا چشمِ رعنائے جنابِ مصطفیٰ

قرآن کریم میں مازاغ کے غین پر زبر ہے جب کہ شعر میں پیش ٹائپ ہوگیا ہے حالانکہ حاشیہ میں مرتب نے حوالہ دیتے ہوئے جب یہ آیت درج کی ہے تو زبر ہی تحریر کیا ہے۔

دوسرا شعر صفحہ نمبر ٢٣٨ پر تضمین کا آخری شعر ہے، اس میں آخری مصرعہ اس طرح ٹائپ ہوگیا ہے:

ہم سمجھتے ہیں شفاعت کا صلہ یہاں آنا

حالانکہ وزنِ شعری کی مناسبت سے 'یہاں' کی جگہ 'یاں' لکھا جائے گا۔

حضرتِ کافیؔ کے نعتیہ دیوان کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ پورے نعتیہ دیوان میں حضور رِسالت مآب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور آپ کے فضائل وکمالات کے مختلف پہلوؤں مثلاً: ولادتِ باسعادت، شبِ ولادت، محفلِ میلاد، جسمِ اطہر، شبِ معراج، مدینہ منورہ، دیدارِ رسول، درودِ پاک، محبتِ رسول، حضور کی بارگاہ میں استغاثہ، شفاعت، وسیلہ، مُہرِ نبوت، پیراہن شریف، وفات شریف، حوضِ کوثر، اور مسجدِ نبوی کے ستون 'ستونِ اُسطوانہ' پر جس محبت وعقیدت اور ادب واحترام کے ساتھ حضرتِ کافیؔ نے اپنی عقیدت کا خراج پیش کیا ہے، اس کو پڑھنے کے بعد قاری

کو یہ سمجھنے میں آسانی ہوجاتی ہے کہ آج سے ۱۶۶سال پہلے برصغیر ہند وپاک کے مسلمانوں کی اعتقادی فکر کیا تھی؟ اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان کے کیا عقائد ونظریات تھے؟

حضرتِ کافیؔ کا یہ دیوان نعتیہ ادب کے سرمایہ میں بیش بہا اضافہ ہے کیونکہ اردو میں نعت کی تاریخ وارتقا کے حوالے سے اب تک جو بھی گفتگو کی گئی ہے، اس میں حضرتِ کافیؔ کا ذکر نعت گو شاعر کی حیثیت سے ضرور موجود ہے، مگر آپ کا کلام محققین کی دسترس میں نہیں تھا، اس لیے اس پر سَرسری گفتگو ہوئی ہے، دیوان کی جدید اشاعت کے بعد اب اُمید ہے کہ ہمارے اردو کے معزز محققین اور ناقدین نعت کی تاریخ وارتقا پر بحث کرتے وقت دیوانِ کافیؔ پر سَیر حاصل گفتگو کریں گے، نیز الگ سے دیوانِ کافیؔ پر اپنے وقیع خیالات کا اظہار بھی فرمائیں گے۔ بالخصوص ہماری یونیورسٹیز کے اساتذہ حضرتِ کافیؔ کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی مقالات قلمبند فرمائیں گے۔

اس کے علاوہ عاشقانِ نعت کی بھی ذمے داری ہے کہ وہ محفل نعتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرتِ کافیؔ کے نعتیہ کلام کے پڑھنے پڑھانے کا ضرور اہتمام کریں کیونکہ حضرتِ کافیؔ کا یہ نعتیہ دیوان عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے معطر ومجلی ہے، اس کو پڑھنے کے بعد اَفکار نورِ ایمان سے روشن اور خیالات عشقِ رسول کی وادی کے ایسے ہم راہی ہوجاتے ہیں کہ پھر زندگی محبتِ رسول اور اتباعِ رسول کی شیدائی ہوجاتی ہے۔

☆ بھوڑے کا چوراہہ، یاسین مارکیٹ کے سامنے
موبائل: 9410287927
ای میل : mohdmoizalamnaimi@gmail.com

☆☆☆

محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)

کتابُ جاورہ (گلشن آباد) میں نعت گوئی کی تاریخ' کا ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری کی وقیع کتاب ''جاورہ میں اردو نعت گوئی کا ارتقاء'' محض نعت گوئی پر محاکمہ و جائزہ نہیں پیش کرتی، بلکہ جاورہ (گلشن آباد) کے گزرے پورے ادبی منظرنامے (scenario) کو وا کرتی ہے۔قاری صحرا اثر ہو کر پوری کتاب کو جلد ختم کرنے کی دُھن میں پڑھتا ہی نہیں جاتا، وہ اِس مسلم اسٹیٹ کے ماضی میں خود کو شہر جاورہ میں جیتا پھرتا جاتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ آج کا جاورہ کل کے جاورہ سے اکثریت قبول کر کے پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں نے تمھیں بالائے طاق رکھا ہے۔ پہلے جیسا رشتہ آج بھی قائم ہے اور کل بھی رہے گا۔ فانوسِ فکر کی جوت کسی قدر ویسی ہی ہے جیسی کل تھی۔اردو کے شعراء و ادباء بڑے اہتمام سے ماضی کی نوابی مشعل لئے شب و روز حال میں موجود ادب نوازوں سے ادبی رہ روی پر مائل رہنے کی سعی ناتمام کرتے نظر آتے ہیں:

جلوہ گاہِ ناز گیتی میں ابھی رونق کے ڈیرے ہیں
شمع تاریخی سے روشن تم رکھو کہنہ روایت کو

یہ جاورہ ضلع رتلام، ایم پی، میں ایک ایسا شہر ہے جہاں کبھی نوابین سادہ مگر حسین طمطراق سے عوام کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ وہ بہت ادب نواز تھے۔کارِ ادب میں ذوق وشوق رکھنے والوں کو ادب کی تخلیق اور اس کی نشر و اشاعت پر گامزن رکھتے تھے۔ خود بھی آئینہ در آئینہ بر آئینہ فکر وفن کے اختصاص وصواب کے سمن زار میں قدم رنجہ رکھتے تھے۔ مختلف اصناف میں تجربات ہوتے تھے۔ نعت پر بھی مشق اپنا سکّہ چلاتی تھی۔ حمدیہ اشارے رکھنے والے اشعار بھی اپنی زیبائی کا پرتو قرطاس پر ثبت کرتے تھے۔ محفلوں میں یادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے کہے گئے اشعار کاوش پاروں کی شکل

میں پیش کیے جاتے اور عوام و خواص اس ادبی زم زم سے سیراب ہوتے تھے:

شرار تھے کہ وہ دم بھر میں آگ پیدا کریں مچلتی راکھ میں فہم و ذکا کے عنصر تھے

اگر یہ کہا جائے، تو صد فیصد بجا ہوگا:

حمد کی ہر لکھنت مشکل ہے ہے یہ آساں، اگر ہو خوفِ خدا

ہے تقاضا فنائے رب کا یہی سجدہ رب کے علاوہ ہو نہ ادا

دوسری جانب جب بھی شعر کی صورت میں یہ کہا جاتا ہے، تو مقامِ رُسل اور بالخصوص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدِ مدح جو آسمانی صحائف بالخصوص قرآن نے مقرر کردی ہے، اس سے تجاوز نہ ہونے پر آمادہ کیا جاتا ہے:

شاعری آساں نہ سمجھو دھار ہے تلوار کی نعت گوئی اور مشکل ہے فن دشوار کی

ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری کی اس کتاب پر اپنا خیال پیش کرنے والے ہر چہار مقتبس نے الگ الگ جو اظہار کیا ہے وہ بہت نپا تلا ہے۔ غیاث الرحیم شکیب کہتے ہیں: یہ معاملہ منفرد، معلوماتی اور رواں دواں تحریر ہوا ہے۔ اسلوب (word dictation) ایسا شاندار کہ پڑھئے تو پڑھتے ہی چلے جائیں۔

رشید اندوری رقمطراز ہیں: شبانہ بیٹی کی یہ تحریر اور اس کی برکتیں مشعل بن کر اس نیک بی بی کی زندگی کی راہوں کو روشن کریں گی۔ اس موضوع پر قلم اٹھانے کی نوبت تو زندگی کی شام ہوتے ہوتے آتی ہے۔ اس جواں سالی میں ایسا مقدس موضوع مصنّفہ کی صحت طبع اور روشن سوچ کا اعلامیہ ہے۔ دل بہت چاہتا ہے کہ اور لکھوں، مجبور و معزور ہوں، لہٰذا:

خدا کرے کہ تری فکر نعت پر اتریں وہ رفعتیں جنہیں اندیشۂ زوال نہ ہو

غلام معین الدین معین نے دل کی پوری صفائی کے ساتھ اپنی تقریظ میں لکھا ہے...... ''عجیب و غریب حالات میں ایک اجنبی، پردہ نشین خاتون کے ذریعے مواد فراہم کر لینا بہت بڑا کام ہے۔ اس اہم کام کو جاورہ کے کسی بیٹے یا بیٹی کو انجام دینا تھا...... لیکن اللہ نے یہ کام برہان پور کی ایک بیٹی کے ہاتھوں کروایا۔ اس دخترِ برہان پور اور اہلیانِ برہان پور کو (سلام) و مبارکباد۔''

ڈاکٹر عزیز عرفان (علیگ) بجا فرماتے ہیں۔ 'مؤلفہ نے بہت اہم ادبی میراث سے پردہ اٹھایا ہے، جو امتدادِ زمانہ سے تقریباً گم نام سی تھی۔ اہالیانِ جاورہ کو بطورِ خاص موقع بھی فراہم کیا ہے کہ اپنے اکابرین کی شاعری کو از سرِ نو پڑھیں اور اس کی ادبی اہمیت کا اعتراف کریں۔'

ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری کے لئے پہلے 'دبستان نعت' کے لئے اِس کتابی مقالے کو لکھنے کے تعلق

سے صبر ایوب علیہ السلام اور گریۂ یعقوب علیہ السلام سے گزرنا پڑا۔ پردہ نشین خاتون کو جاورہ کے مختلف محلوں، علاقوں اور کٹڑوں سے مواد کی فراہمی کے لئے اکثر و بیشتر پیروں پیروں (strict on foot only) گزرنا پڑا۔ فضول تخلیق سے کتاب کو پاک رکھنے کے لئے آسان مگر معنی آور الفاظ کا انتخاب کر کے تقریباً چار سو صفحات پر مقالے کو محیط کرنا شبانہ انصاری کے ہی بس کا کام تھا۔

کتاب کے فلیپ پر موجود دو اشخاص نے پذیرائی کے الفاظ سے اس کی اہمیت کو اجاگر کر کے اِسے مزید خواندگی بنا دیا ہے۔ یہ دو حضرات ہیں تنویر رضا برکاتی، چیئرمین دارالسرور برہان پور (ناشر) اور ڈاکٹر سراج اجملی (شعبۂ اردو اے، ایم، یو) دونوں نے ڈاکٹر نکہت انصاری کو تعریف اور دعائیں پیش کی ہیں۔

کتاب کو پانچ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ اِن ابواب کے زیریں مختلف عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔ جاورہ نے چار نوابین کے زریں ادوار دیکھے ہیں۔ نواب عبدالغفور خاں، نواب غوث محمد خاں، نواب اسماعیل خاں اور نواب افتخار علی خاں کے ادوار۔ ان نوابوں نے کم و بیش ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی۔ شہر جاورہ رتلام ضلع (ایم پی) کی ایک بڑی تحصیل کی صورت میں مرجع عوام ہے۔ یہاں آج بھی روزانہ زائرین کی آمد رہتی ہیں۔ کئی مقامات ایسے ہیں جہاں لوگ مسلسل کئی دنوں تک قیام پذیر رہے ہیں۔ مشائخ وصوفیاء نے جاورہ اور اس کے قرب و جواب کو اپنا مسکن بنایا، جس سے لوگوں کی یہاں آوا جاہی جاری رہی اور آج بھی جاری ہے۔ ایک مقام ہے 'حسین ٹیکری' جہاں روز ہجوم رہتا ہے۔ اِس طرح یہ شہر پر امن گہما گہمی سے پر بہار رہتا ہے۔ یہ اندور سے تقریباً ایک سو پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں قدیم عمارات، مساجد اور مدرسوں کی موجودگی اِس بات کی غماز ہے کہ زبان و بیان کی جوت یہاں کے دل دیپک سے شب میں روشنی ہوتی رہی ہے، دن میں تعلیم و تعلم کے ذریعے چھوٹوں بڑوں کے دل و دماغ کو پُر ضیاء کرتی رہی ہے۔

اس جاورہ سے مرزا غالبؔ کو بھی خطوط کے ذریعے تعلق تھا۔ مصطفیٰ خاں شیفتہ، عظیم بیگ، قرۃ العین حیدر، روبینہ عرشی اور اسرارالانصاری وغیرہ نے اسی شہر کو اپنی آمد سے مالا مال کیا۔ اس رنگا رنگ تہذیب کے دیار نے شعراء کو بھی پروان چڑھایا۔ نعت کے اعلیٰ نمونوں کو پیش کرنے والے شعراء نے اپنی الگ چھاپ چھوڑی۔

پہلے نواب کے دور سے ہی اردو یہاں کی سرکاری زبان قرار پائی۔ دوسرے نواب غوث محمد خاں ۴۱ر برس تک حاکم رہے۔ علماء، شعراء، ادباء و حکماء وغیرہ کی بڑی فیاضی سے سرپرستی کی۔ علم و فضل سے

آراستہ و پیراستہ نواب محترم محفلوں کی سر پرستی کرتے رہے۔ انعام واکرام واعزاز سے سخن وروں کی قدردانی کی۔ ان کی اپنی شاعری تو معدوم ہے، لیکن ان کی نثری محنت تین کتب سے نمایاں ہے۔ (۱) سیرِ محتشم۔ (۲) سیر گاہِ محتشم۔ (۳) تذکرۂ سلاطین مغلیہ۔

اوّل کتاب سیر وتفریح سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری شکارنامے کی شکل میں ہے۔ جاورہ پریس سے شائع شدہ تیسری کتاب 'تذکرۂ سلاطین مغلیہ' میں مغل سلاطین کا جامع تذکرہ ہے۔ ان کے دور میں ایک فارسی لغات 'غیاث اللغات' مولوی غیاث الدین رامپوری کے ذریعے ترتیب دی گئی تھی۔ تیسرے نواب اسماعیل خاں کے عہد میں ادب کی پیار کی رفتار کم نہ پڑی۔ یہ اور تیز ہوئی۔ انہیں کے دور میں سکندر جہاں بیگم ضیاء جیسی مقتدر خاتون کے ذریعے سخن سفر ہوا۔ تو بہتوں کو ورطۂ حیرت میں پڑنا پڑا۔ جاورہ کی یہ دختر رام پور کے نواب کی شریک حیات تھیں۔ انہی کی ایک بہن سلطان جہاں بیگم حیا بھی اچھی شاعرہ تھیں ان کا بڑا اہتمام ہوا۔ کتابوں کے علاوہ رسالے بھی منظر عام پر آئے۔ یہ اچھے اور قیمتی جریدے (magazines & journals) تھے۔ ساتھ ہی خطاطی بھی اپنے عروج پر آئی۔ مشاعروں (Poeterum) کا رواج ہوا۔ نشستوں کا جا بجا ہونا عام ہوا۔ مشاعروں میں سیماب اکبرآبادی، خواجہ حسن نظامی جیسے عبقری اشخاص جاورہ پہنچے اور ادبی ماحول میں چار چاند لگائے:

افق پہ ڈالو نظر اک ہلال کے پیچھے — کئی ہلال نظر آئیں گے قطار میں اک
ایں جامہ گویاں نظر آتے جاورہ میں عظیم — نوابی دور سے اب تک سبھی شمار میں اک

اب آگے ہم اوّلاً جاورہ کے پوری نوابی ادوار کے شعراء، ادباء کو صفحۂ قرطاس پر لاتے ہیں۔ اس کے بعد آزادیٔ ہند سے ۱۹۴۷ء میں آگے تک کے بیشتر شعراء و ادباء کے اسمائے شہرت مآب کا ذکر کرتے ہیں۔

اوّل شمار کے اسماء میں مرزا برکت علی خاں، منشی نصر اللہ بیگ، شیخ قدرت اللہ قدرتؔ، نظام الدین نظامؔ، منشی امانت اللہ امانتؔ، پیر جی محمد یوسف خاں، امبا سہائے فرحتؔ، وجیہ الدین خاں شررؔ، عالمگیر خاں عالمؔ، حفیظ اللہ خاں رشکؔ، پنڈت جگموہن شوقؔ، مشرف یار خاں شرفؔ، حافظ بیرسٹر منیر الدین منیرؔ، رحیم داد خاں شیدائی، حیات اللہ خاں عیشؔ، مرزا اختر یار شبابؔ، خواجہ اکبر حسین اکبرؔ، ساغرؔ اجمیری، جلال الدین نظمیؔ، برہان الدین برہانؔ، نادان طیغوری، منشی احمد علی، عشرت گیلانی، بیدلؔ گلشن آبادی، شہزادے میاں ادیب، حمید الظفر حمید، پیارے میاں سعیرؔ، شیخ عبدالشکور نشترؔ، خطاط سہیل اور ہلال رام پوری وغیرہ ہیں۔

دوم شمار کے اسماء میں خستہؔ گلشن آبادی، محمد شفیع، خطیبؔ گلشن آبادی، محبؔ گلشن آبادی، صابر گلشن

آبادی، ادبؔ گلشن آبادی، غفار بیگ اثرؔ، سلطان احمد خاں ثروتؔ، ساحرؔ افغانی، محمد حسین سحرؔ، پروفیسر وسیم الدین وسیمؔ، احسانؔ علیم، سردار سنگھ ساقیؔ، ہستی مل جبین ہستیؔ، مغیث الرحیم سرابؔ، ایم سعیدؔ، سیف الدین سیفؔ، رحمت اللہ انصاری، پروفیسر رشید احمد جعفری، شمیم فرحتؔ، اقبال جاوید، غیاث الرحیم شکیبؔ، توقیرؔ اعظمی، واقف حیدری، پروفیسر ظفر نظامی، محمد رفیع گلشن آبادی، اوصاف رسول شبابؔ، جمیلؔ گلشن آبادی، عارف قریشی عارفؔ، فضل حیاتؔ، معین الدین خاں معینؔ، سبطِ رسول صبرؔ، یوسف سحرؔ، جہانگیر نیازی، احمد رضا گلشن آبادی، شاکر رضا، شادؔ گلشن آبادی وغیرہ ہیں۔

اوپر مذکور دونوں گروپوں کے اسماء میں سے چند کے اشعار بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، تاکہ جاورہ کے اِن بالغ نظر شعراء و ادباء کی کاوشوں کے اشعار سے قارئین کرام مستفید ہوسکیں۔ واضح رہے کہ ہم ذیل میں صرف حمد و نعت کے اشعار ہی پیش کریں گے، کیونکہ یہی اشعار (کاوشیں) ہمارے موضوع کے مخاطب ہیں:

ہوا ہے نہ ایسا، نہ ہوگا کبھی　　شفیع قیامت ہیں بیشک وہی
بحق جناب نبی الکریم　　جرائم مرے بخش دے اے رحیم

شیخ قدرت اللہ قدرتؔ

الف صلوا علیٰ النبی عربی　　سید الانبیاء و العجمی
عشق دل کو مرے لگادیجئے　　حسن اپنا مجھے دکھا دیجئے

محمد یوسف خاں یوسفؔ

زباں کا کام ہے مدح رسول و آل رسول　　یہ شرف نور بن کے چشم سر میں رہا
وہی ہے رتبۂ یارانِ مصطفیٰ عالم　　شرف نجوم کا جو پہلوئے قمر میں رہا

عالمگیر خاں عالمؔ

مے خانۂ نبی ہے یہ جب چاہے آکے پی　　پُر ہے ہر ایک ساغر و صہبا اُٹھا کے پی
دل سے خیال ماؤ شما کو مٹا کے پی　　یہ جام بیت کے ہیں محمد پیا کے پی

رحیم داد خاں شیدائیؔ

ہوا ہے کوئی ایسا اور نہ ہوگا　　بیاں میں آئے کیا شانِ محمد
ملک کیوں منھ نہ چومیں شوقِ دل میں　　کہ ہے عیش ثنا خوانِ محمد

حیات اللہ خاں عیشؔ

پروردگار عشق، مآلِ جنوں کی خیر
دامن کا کام لینے لگے آستیں سے ہم
ساغروہ آئی مسجدوں سے آواز ''الحبیب''
کیا کام لے رہے ہیں زباں کا جبیں سے ہم
ساغرؔ اجمیری

اک نور مسلسل سے میں رہتا ہوں ہم آغوش
جب سے غمِ احمد کا دِیا دل میں جلا ہے
پھرتی ہے خطیب آنکھ میں تصویر محمد
شاید ترے انجام کا آغاز ہوا ہے
خطیبؔ گلشن آبادی

شہِ ہر دوسرا کوئی نہیں ہے
حبیب کبریا کوئی نہیں ہے
محمد مصطفیٰ تیرے علاوہ
محمد مصطفیٰ کوئی نہیں ہے
ادبؔ گلشن آبادی

کیسے قدموں سے رہوں دور رسولِ عربی
کسی عنواں نہیں منظور رسول عربی
قصرِ فردوس کے غلماں کی نشاط انگیزی
اور نہ پھیلا سکے کچھ حور رسولِ عربی
ہستی مل جبین ہستیؔ

قیامت تک نبی کی رہنمائی کام آئے گی
نہ ان سا رہنما کوئی، نہ ان سا پیشوا کوئی
خدا سے بالمقابل بات کرنا تو بڑی شے ہے
نہ پہنچا عرشِ اعظم تک سوا کے مصطفیٰ کوئی
رحمت اللہ انصاری پرویزؔ

بندگی میں یہ اضافہ آپ ہی کی دین ہے
علم کس کو تھا نمازوں کے یہاں ارکان کا
مل گئی عارف سعادت نعت گوئی کی جسے
شکر کیسے ہو ادا اللہ کے احسان کا
عارف علی قریشی عارفؔ

حرف اللہ نے جب نور کے پیکر میں رکھے
فکر نے مانگ لئے نعت کے دفتر میں رکھے
کبھی جبریل بھی خاموش کھڑے ہیں لیکن
جنبشِ لب کبھی سرکار نے کنکر میں رکھے
یوسف سحرؔ

آزادی کے بعد بھی جاورہ میں نعت گوئی پر قلم فرسائی ہورہی ہے۔ رسالہ 'المعین' کے ذریعے نثر نگاری پر بھی اسپ قلم دواں ہے۔ ناول، افسانے، ڈرامے بھی تحریر ہورہے ہیں۔ نعت پر خاص توجہ دینے میں سوداؔ، مصحفیؔ، ذوقؔ اور داغؔ کے سلسلے کے احباب پیش پیش ہیں۔ ذوقؔ کے شعری سلاسل کا ایک نادر مخطوطہ جاورہ کے ایک بزرگ شاعر غیاث الرحیم شکیب صاحب کے دولتکدے پر قلمی بیاض کی

صورت میں محترمہ شبانہ انصاری کو ملا۔ یہ ناقص الطرفین ہے۔صرف دس اوراق باقی ہیں۔ یہ مارچ ۱۹۴۲ء کے نعتیہ مشاعرے کے تعلق سے جمع کلام پر مبنی ہے:

ادا ہو شکر کس منھ سے خدائے پاک و برتر کا کیا ہے امتی ہم کو شفیع روز محشر کا
ابھی جو چاہے لکھ دے کاٹ کر لکھا مقدر کا محمد مالک و مختار ہے اللہ کے گھر کا

خواجہ اکبؔر چشتی

یہ مخطوطہ اپنے میں بہت تعلّی پر مبنی کلام رکھتا ہے۔تجاوزاتِ اوّابین سے پُر ہے۔رب العالمین سے شعراء دعا گو ہیں۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتجی ہیں:

محمد مالک و مختار ہے اللہ کے گھر کا کنارہ گرچہ ناپیدا ہے وحدت کے سمندر کا
مگر اللہ اکبر حوصلہ اس کے شناور کا فسانہ یوں تو لب پر ہے قسم حوضِ کوثر کا

حکیم میاں خاں احسؔن

اس ضمیمے پر جو کہ طرحی مخطوطے پر مبنی ہے، اپنے مقالے کو ڈاکٹر صاحبہ نے اختتام پزیر کیا ہے۔ جزاک اللہ۔

حاصل مضمون کے طور پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری صاحبہ، شعبۂ اردو، بھگت سنگھ گورنمنٹ پی جی کالج جاورہ ہی میں درس وتدریس سے جاورہ کی نسل نو کی تربیت کررہی ہیں۔ متعدد کتابوں کی مصنفہ ہونے کا انہیں امتیاز حاصل ہے۔

ان کی یہ وقیع ومعلوماتی کتاب جاورہ کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے۔اس کو بہتر کاغذ پر شائع کیا گیا ہے۔ قیمت ۲۵۰ روپے ہے۔سن اشاعت ۲۰۲۳ء ہے۔ان کی تحقیق کو نشر الصوت کرنا سزاوار مستحسن و تفویض ہے۔ یہ پذیرائی اس لئے بھی عین ضروری ہے کہ وہ امت کی باپردہ خاتون ہوتے ہوئے بھی تصنیف وتصویر سے اردو ادب کے قاری کو معلومات فراہم کررہی ہیں۔

☆ روپ پور، کھدرا، لکھنؤ
موبائل : 9451300431

☆☆☆

محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)

''لبیان الحمد'الحمد''

منیر احمد جامی نے اردو ادب کو کئی کتب فراہم کیں۔ نعتیہ مجموعہ ''نقش اوّل'' اور حمدوں کا مجموعہ ''حرف تمام'' سرِ فہرست ہیں۔ آپ کو اللہ رب العزت سے والہانہ محبت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ الفت ہے۔ آپ بنگلور سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاہ سیّد مصطفیٰ رفاعی جیلانی سے آپ یوں متاثر رہے کہ آپ کی والدہ نے ان کی قصائد کی وقیع کتاب دِکھاتے ہوئے کہا تھا کہ اس کتاب کا مصنف ایک لڑکا ہے، جس کی تصویر کتاب میں موجود تھی۔ مزید یہ کہا کہ یہ لڑکا اِس کتاب کی کمائی سے اپنی والدہ کو حج بھی کرائے گا۔ منیر احمد جامی نے بھی اس طور و روایت کو خود سے کرنے کا فیصلہ کرلیا اور کتب کو منظرِ عام پر لانے لگے۔ 'الحمد' کی تزئین وترتیب دی۔ لکھاریوں نے بھی تعاون کا وعدہ کیا اور اپنے قلم کو جنبش دے کر نظم ونثر سے اِس ضخیم کتاب کے لئے قیمتی مواد فراہم کئے۔ حمد کے مقتضیات پر سیر حاصل گفتگو سے کتاب 'الحمد' مزین ہے۔

حمد کیا ہے؟ اس کی ادائیگی، اہمیت وفضیلت کے لزوم کیا ہیں؟ اللہ رب العزت کی یکتائی ووحدانیت کی تعریف وتوصیف کس طرح کی جانی چاہئے؟ حمد اللہ رب العزت کی خلاقیت وحاکمیت، نیز ربوبیت سے خصوص رکھتی ہے، تو ہر لمحہ ولحظہ یہ تعریف اور اس کی یاد ذہن میں لسانیت یقین سے کیسے کی جائے؟ الفاظ کس رنگ یا رنگوں سے مصبوغ ہوں، جب ہم حمد وثناء میں مشغول ہوں؟ کیا ایسے قواعد بھی ہیں جن کو Follow کرتے ہوئے اللہ کی Praise اور Prayer کی جائے؟ معاملاتِ زیست میں حمد کی رہنمائیاں کون سی ہیں؟ یہ چھوٹے بڑے سوالات قرآن مقدس سے بالخصوص اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالعموم جوابات پاتے ہیں اور وہ بھی فقید المثال اللہ تعالیٰ کو اس کے کل صفاتی ناموں سے جانا اور پکارا جائے۔ ایک مسلمان کو اسماء الحسنیٰ کی واقفیت کے ساتھ ان کی منشاء کو جاننا از حد ضروری ہے۔ یہ نام کیا Denote کرتے ہیں اور کہاں تک رب کائنات کی مجیدی ومجیری کا پیام دیتے ہیں؟ ہر مسلمان ومومن کو ایک بھرپور زندگی گزارنے کے صحیح عمل کے لئے اللہ کی کتاب، احادیث اور صحابہ

کے اثر کی طرف رجوع ہونا پڑے گا۔ ساتھ ہی مفکرین کرام کی توضیحات پر بھی وقت صرف کرنا ہوگا۔ والا جاہ وقدر وشان والے ربِّ خدا کی عبادت کا یوں ضرور حق ادا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حمد ونظم ونثر (Prose & Poetry) دونوں میں اپنا مقام رکھتی ہے۔ نظم سے کہیں زیادہ نثر میں یہ کہیں اور زیادہ کی جانی چاہئے۔ ہمارے لکھنے والے لکھنے پر آتے ہیں تو بس شعری حمد پر توجہ دیتے ہیں۔ نثر یکسر ذات وحدہٗ لاشریک کی تعریف سے دور نظر آتی ہے۔ سائنسی علوم، ابلاغ وخبر کے مضامین میں ایسے بہت بلکہ بیشتر معلوماتی اسباق وجز موجود ہیں جن پر اگر لکھا جائے تو شعری حمد سے کہیں زیادہ نثری حمد کی زمین ہموار ہوسکتی ہے۔ فرہنگ وفرہنگ ادب میں نثری حمد کی چھوٹی بڑی کتابوں کی ضرورت ہے، جن میں Quotations دے کر اللہ کی خلاقیت کی تفسیر وتنسیخ پیش کی جانی چاہئے۔ دوسرے ضروری مضامین آرٹ نیز (Art Stream) سے تعلق رکھنے والے جغرافیہ، سماجی وتہذیبی رویوں سے متعلق شرعی علم کے فاضل مضمون اللہ کی ستائش کے پیرائے بھی دیں گے۔ حمد کی تحقیق متقاضی ہے کہ اِدھر بھی کام شروع کیا جائے۔ آج کی Medicinal اور Informative ترقی نے Quotations کے ساتھ نثری حمد کے سامان مہیا کررکھے ہیں:

پنداشتہ اسباقِ نثر، حمد کی لوحیں تصریح حمد کے لئے تم ان کو پڑھو بھی

حمد یہ شاعری کے لوازمات میں چند امور پر غور کرنا ضروری ہے۔

۱- تحمید وتمجید وتسبیح وتہلیل تعوذ وتسمیہ لسانِ معتبر سے طویل ہو۔ یہ اوّلین کام ہے۔ نثر میں تو اسے لکھ کر برتنا ہے۔

۲- سورہ الحمد پڑھ لی جائے۔ اب شعری یا نثری سعی کی جائے۔

۳- اللہ کی احدیت پر آنچ نہ آئے، یعنی شرک سے محکم اجتناب برتا جائے۔

۴- تحریر میں یزداں کا استعمال قطعی نہ کیا جائے۔ خدا کا استعمال اللہ کے لئے کرنا واضح اور بالکل صحیح ہے۔ یزداں سے دو خداؤں کا تصور ابھرتا ہے۔ دوسری زبانوں میں ایک خدا کے لئے بھی مناسب الفاظ ہیں۔

۵- عرفان الٰہی کے لئے بدنی، فکری پاکی لازم ہے، سو ہر دنیوی شے سے کٹ کر صرف اللہ کا ہوکر افزوں خوفِ خدا کے ساتھ کچھ لکھا یا پڑھا جائے۔

٦- ذاتی نام اللہ کو دہرانا یوں ہو کہ اسے اسم اعظم کے طور پر ذہن ودل وزبان بر حاضر رکھا جائے۔ بقیہ صفاتی ناموں کو تحریر میں برابر لایا جائے۔ ثنائے جمیل اسی کی متقاضی ہے۔ اللہ ال الہ کا مخفف ہے۔

۷- الفاظ کا انتخاب اعلیٰ وارفع ہو۔ عربی وفارسی کے احسن الفاظ منتخب کرکے کلام کو سجایا جائے۔ دوسری زبان میں بھی لکھ سکتے ہیں۔

۸- لا اور اِلا کے سابقے تصور میں برقرار رہیں۔ ایسا لگے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

منیر احمد جامی نے کتاب ''الحمدُ'' کو کئی Sations میں تقسیم کیا ہے۔ انتساب اٹپٹا ہے۔ حمد پر محنت کررہے لوگوں کے نام کتاب معنون ہونا چاہئے تھی۔ نامۂ تبریک، حصہ نثر کے بعد حصہ نظم ہے۔ بہت سی کاوشوں میں جھول ہے۔ ان کمیوں سے کاوشوں کو پاک کرنا لازم تھا۔ ان بابوں سے پہلے مشمولات کا عنوان ہے۔ منیر احمد جامی نے اچھی اردو حمد لکھی ہے، جو عربی Script پر پُر عکس ہے۔ واہ واہ۔ کیا کہنے۔ حمد کے بعد نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرز پر ہے۔ بہت خوب۔

پیش گفتار میں حمد پر کام کی تڑپ کا ذکر ہے۔ قابل توجہ ذکر۔ حمد کی Poetical forms پر سیر حاصل بحث ہے۔ نثر میں حمد کی کتب لائی جائیں۔ اِس پر پیش گفتار خاموش ہے۔ حمد نگاری ونویسی پر لوگ توجہ مرکوز کریں، اس کی پرزور اپیل جامی صاحب نے کی ہے:

خیال فکر ونظر، تخیل، قلم، یہ کاغذ، یہ سب ترا ہے — یہ تیرا بندہ حقیر جامی جو تو لکھائے وہ لکھ رہا ہے

☆

مجتبیٰ، مصباح، طیب، ناصر و معلوم وحق — ہاشمی، امّی لتھامی عادل و طٰہٰ متیں

مضمون نگاروں نے اپنی وسعتِ فکر کے مطابق مضامین سپرد قلم کئے ہیں۔ ترنیمیں (Poems) زیادہ تر کرناٹک کے شاعروں کی ہیں۔ جامی صاحب نے سرعت میں ان حمدیہ کاوشوں کو'الحمدُ' کی زینت بنادیا ہے۔ انہیں چھان پھٹک کرنا چاہئے تھی:

تو رفیق ہے، تو شفیق ہے، تو سمیع بھی ہے، تو شفیع بھی ہے
تیری ذات سب سے عظیم ہے، تری شان سبحانہٗ

مضامین میں غوطہ زنی کرنے پر زرّیں نکات سے سابقہ پڑتا ہے۔ ڈاکٹر غضنفر اقبال نے الحاج محمد مصباح الدین المعروف بہ کوکب حیدر آبادی کو بیسویں صدی کا زیادہ حمدیہ کلام لکھنے والا شاعر گردانا ہے۔ ان کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری پر مبنی ضخیم کتابیں نشاط عشق، فردوس بریں، ثنائے حق، عشاق فردا، ذوالجلال وغیرہ طبع ہوکر قبول عام کی سند پاچکی ہیں۔ منیر احمد جامی کی کتب نقش لاثانی، حرفِ تمام، وجہ کل، ارتفاع، صدقت اور تذکرۃ الصالحین اعلیٰ کاوشیں ہیں۔ پروفیسر شاہ حسین ہنری نے رعایت لفظی ومعنوی سے رباعیات وغیر رباعی مساعی سے کئی کتاب اردو ادب کو سونپی ہیں۔ امجد حسین امجد حافظ کرناٹکی نے تو کمال فن کو عروج بخشا ہے۔ نور وحدت، اللہ جمیل، اللہ احد اور رباعیات حافظ (حمدیہ) ادب کو مالا مال کیا ہے۔ دکن کے شعراء بھی آج شمال ہند کے شہرت یافتہ کہنہ مشق مشہور شعراء کے ہم قدم ہورہے ہیں۔

اپنے 'حمد الٰہی' کے تحت مفتی محمد علی قاضی نے بڑی خدالگتی بات کہی ہے۔ وہ اچھے معاملات کے

طے ہونے پر ہمیشہ "اللھم لك والحمد ولك الشكر" کی بات کرتے ہیں۔خلافِ طبیعت کچھ ہوتو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔لغزش یاد آئے تو استغفر اللہ کہنے کی بات کرتے ہیں۔خطرات سامنے ہوں تو"اللھم انی اعوذبك جميع الفتن ما ظهر منها و ما بطن" کی یاددہانی کراتے ہیں۔''حمد باری تعالیٰ'' مضمون کے تحت چراغ ہلوری فرماتے ہیں کہ قرآن کی پانچ صورتیں حمد سے شروع ہوتی ہیں۔

۱-سورۃ الحمد۔ ۲-سورہ انعام۔ ۳-سورہ کہف۔ ۴-سورہ سبا۔ ۵-سورہ فاطر

ثابت شدہ بات ہے کہ حمد وثنا کا مستحق صرف اور صرف اللہ ہے۔بندہ جب تعریف کرتا ہے تو وہ کچھ بڑھا گھٹا نہیں رہا، بلکہ حکمتِ رب کا بیان رب کی منشاء کے عین مطابق کرتا ہے۔وجہ صاف ہے۔

"یسبح لهٗ مافی السمٰوات وما فی الارض" :

اتر گیا جو ترے دل میں لاشریک لہٗ
رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا

'الحمد' کتاب کے مضامین لکھنے والوں میں خواتین بھی شامل ہیں۔سلمہ بی کولور نے اچھا مضمون لکھا ہے۔اپنے مضمون 'حمد' کی ادبی اہمیت اور فن حمد گوئی میں وہ رقمطراز ہیں۔کوئی حمد کو وچن کہتا ہے،تو کوئی بھجن، کوئی Prayer یا Hymn عیسائی شعراء نے پہلے پہل یورپ میں خدا کی تعریف میں کاوشیں لکھیں۔

لفظ حمد فعل ہے/ حامد فاعل ہے۔یعنی بندہ/ مفعول یعنی محمود ہے۔/ قدیم صحیفوں میں بھی حمد کے ہی مضامین ملتے ہیں۔اسلام لے آنے پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حمد و بزرگی کے کلام لکھے۔اللہ کا شکرادا کیا:

وعلمنا الاسلام فا اللّٰہ الحمد
وانذرنا ناراً ولبشو جنة

منیر احمد جامی کو سلام۔انہوں نے حمد پر توجہ دی۔اس کی افادیت پر قلم چلایا۔دوسروں سے خامہ فرسائی کرائی۔''الحمد'' جیسی اور بھی کتب کی ضرورت ہے۔واضح رہے نثر پاروں کی صورت میں حمد پر ضخیم وغیر ضخیم کتب بھی آنی چاہئے۔ان کتابوں میں دستیاب و جاری علوم (سائنس،خبر وغیرہ) سے Quatations پیش کئے جانے کی ضرورت ہے۔

☆ روپ پور، کھدرا، لکھنؤ

☆☆☆

زاویۂ نگاہ

فاروق جائسی (کانپور)

دبستانِ نعت (۸) ایک جائزہ

ماشاءاللہ دبستانِ نعت کا آٹھواں شمارہ نظرنواز ہوا۔ سب سے پہلے میں ڈاکٹر سراج احمد قادری کا اداریہ پڑھتا ہوں ۔جس میں ڈاکٹر صاحب بار بار نعتیہ ادب کے فروغ اوراس کی توانا تنقید پر زور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ان کا فرمانا ہے کہ ’’خوداحتسابی کا عمل بھی تنقید ہی کی ایک شکل ہے۔مگر افسوس صد افسوس کہ اہلِ ادب نے ان تمامی تابندہ نقوش کو تنقید کے زمرے میں شامل ہی نہیں کیا ہے،جبکہ بغایر دیکھا جائے تو رب تبارک تعالیٰ نے تخلیق وتحقیق، تنقید ونظر اور جرح و تعدیل کی صلاحیت اس کی سرشت میں ودیعت فرمارکھی ہے‘‘۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری اور محترم فیروز سیفی کی سعیِ جمیلہ کے تعریف وتوصیف نہ کرنا کتمانِ حق کے مترادف ہوگا۔ میں ان ہر دو حضرات کی خدمتِ عالیہ میں اپنا یہ تہنیتی شعر حاضر کرتا ہوں اوران کی صحت وسلامتی کے لئے اللہ تعالی سے دریوزہ گر ہوں کہ یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کی ترویج واشاعت کے لئے منتخب فرمایا ہے:

نعوت وحمد کی دنیا میں اپنا نام کرتے ہیں خدا توفیق دے جن کو وہی یہ کام کرتے ہیں
(فاروق جائسی)

متذکرہ آٹھواں شمارہ حضرت احمق پھپھوندوی (۲۶/اپریل ۱۸۹۵ء ۸/اگست ۱۹۵۷ء) کے نام معنون کیا گیا ہے۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ احمق پھپھوندوی ایک مجاہدِ آزادی اور مزاحیہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین نعت گو شاعر بھی تھے انھوں نے حمدیہ،نعتیہ اور منقبتی کلام سے اردو ادب کے گلستان میں ہمیشہ تازہ رہنے والے پھول کھلائے ہیں۔ یہ دبستانِ نعت کا اختصاص ہے کہ اس مجلّہ میں ایسے ایسے گوشے شامل کئے جاتے ہیں جو اہلِ نظر کے علم میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں اور بہت سے تاریک گوشوں کو منور کردیتے ہیں۔ احمق پھپھوندوی کا یہ گوشہ دبستان نعت کے سنہری سلسلہ

کی ایک کڑی ہے۔

سید شاہ اختر چشتی صاحبِ سجادہ آستانۂ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف، قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس مقالہ کے مصنف عابد چشتی صاحب کو بہت قیمتی ادبی، شخصی اور خاندانی معلومات فراہم کیں جس کی وجہ سے یہ مضمون ایک ادبی دستاویز بن گیا ہے۔ اس ضمن میں احمق پھپھوندوی، جو تقدیسی شاعری میں مدّاح پھپھوندوی تخلص فرماتے تھے، کے کچھ اشعار حاضرِ خدمت ہیں جس سے ان کی تقدیسی شاعری کا اندازہ کیا جا سکے:

بارِ الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر
پھر اسے آزاد کر
پھر اسے آباد کر
پھر اب اسے یاد کر
پھر اب اسے شاد کر
سخت مصیبت میں
ہے غیب سے امداد کر
بارِ الٰہا پھر اب ہند کو آزاد کر

☆

یقیں ہم کو ہوتا نہیں کیمیا کا — مگر جب تری خاکِ در دیکھتے ہیں
جہاں دیکھتے ہیں وہ نقشِ کفِ پا — ملائک کے سجدے میں سر دیکھتے ہیں

☆

احمق پھپھوندوی مدّاح صاحب کی یہ تضمین پہلی بار منظرِ عام پر لانے کا شرف بھی دبستانِ نعت کو حاصل ہے جو حضرت خواجہ مصباح الحسن حافظ بخاری، پھپھوند شریف کی تخلیق پر ہے، ورنہ نو بند پر مشتمل یہ تضمین پردۂ خفا میں رہ کر معدوم ہو سکتی تھی مگر دلشاد صاحب چشتی نے مداح صاحب کا جملہ کلام بھی محفوظ رکھا ہوا ہے۔ پہلے خواجہ مصباح الحسن حافظ بخاری کی مشہور نعت، مشمولہ ''مصباحِ مدحت'' ملاحظہ فرمائیں:

نعت شریف

یا نبی الھدیٰ سلام علیک — یا رسول رسولُ الوریٰ سلام علیک
یا عظیمُ الرجا سلام علیک — یا عمیمُ العطا سلام علیک

مـنبعُ الـجـودِ مصـدرُالا یمـاں | انـتَ یـا مـصـطـفیٰ سلام علیك
افـضـلُ الـخـلـقِ اکملُ الانساں | سیّـدُالانبیـاء سـلام عـلیك
اوّلُ الـخـلـقِ آخـر الـرُسُـلِ | خـاتـمُ الا نبیـاء سلام علیك
عـالـمُ شـاھِـدم بـلا ریـب | دافـعُ لِـلـبـلاء سـلام عـلیك
لیـس فـی الـخـلـقِ کُـلِھم مِثُلك | کـامِـلُ الا صـطـفـا سـلام علیك
لیـسَ لـلـمـذنـبِ سـواك کـفـیل | یـا شـفـیـع الـوریٰ سلام علیك
لیـس فـی الـکرنِ مشغـات سواك | یـا مـغـیـث الـوریٰ سلام علیك
لیـس لـی مـلـجـاءُ سِـوا ھـابك | مُـنتھـاءُ الـرجـا سلام علیك
اَنـا مـصـبـاحُ عبدُكَ الـمـذنِـب | سـائِـلُ لِـلـعـطـا سـلام علیك

(''مصباحِ مدحت''از: شاہ سید مصباح الحسن)

اور مداح صاحب کی تضمین کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں:

اے شہِ انبیا سلام علیک | اے حبیبِ خدا سلام علیک
شافعِ دوسرا سلام علیک | ''اے نبی الہدیٰ سلام علیک
یا رسول الوریٰ سلام علیک''

(تضمین از: مدّاح پھپھوندوی)

☆

''ترکی زبان کے چند نعت گوشعراء کا تعارف'' میں ڈاکٹر محمد آصف، امراوتی (مہاراشٹرا) نے ترکی زبان میں نعت شریف کی تخلیقات کا جائزہ لیا ہے۔ میں اس مضمون پر کچھ عرض کرنے سے قبل یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جس زمانہ میں تاتاری، چنگیز خاں کی قیادت میں اپنی بربریت کا مظاہرہ کرتے، لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا ننگا ناچ کررہے تھے اسی دور میں ''اوغوز'' ترکوں کی ایک شاخ نے اپنے کو اپنے بنیادی قبیلہ سے الگ کرلیا تھا۔ اس نے اپنے قبیلہ کو''قائی'' قبیلہ کے نام سے موسوم کرلیا تھا، یہ لوگ جانوروں اور کپڑوں کی تجارت سے اپنے قبیلہ کو پال پوس رہے تھے۔ یہ قبیلہ یکتا پرست اور دیندار تھا۔ اس دور میں سلجوقی، خوارزمی اور بازنطینی حکومتیں آپس میں محاذ آرائی کرتی رہتی تھیں۔ قائی قبیلہ کے سردار کا نام سلیمان شاہ تھا۔ سردار سلیمان شاہ کا بیٹا ارتغرل بھی بہت بہادر، ذہین اور نبرد آزمائی میں مشہور تھا۔ اتفاقاً ارتغرل غازی ایک ایسی جنگ کا حصہ بن گیا جو علاء الدین خوارزم اور بازنطینیوں کے

درمیاں ہو رہی تھی۔ وہ علاء الدین خوارزمی کی حمایت میں جنگ میں کود پڑا کیوں کہ وہ کمزور پڑ رہی تھی۔ اس جنگ میں خوارزمی فوج کی فتح ہوئی اس سے سلطان علاء الدین خوارزم بہت خوش ہوا اور اس نے اپنی حکومت میں نہ صرف ایک شاداب خطۂ زمین ارتغرل کو دے دیا بلکہ اس کو بازنطینی حکومت پر حملہ آور ہونے کی بھی اجازت دے دی۔ ارتغرل نے اپنی وفاداری اور حکمت عملی سے خوارزمی حکومت میں اپنے رابطے بنا لئے تھے۔ اس نے دھیرے دھیرے بازنطینی علاقوں اور قلعوں پر قبضے کرنے شروع کر دئے اور ان مفتوحہ علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اب اسے ارتغرل غازی کہا جانے لگا تھا۔

کہتے ہیں کہ ارتغرل غازی، شیخ محی الدین ابن عربی کے حلقۂ ارادت میں شامل تھا، اسے شیخ اکبر کے مشورے، رہنمائی اور دعائیں حاصل تھی انہیں کی دعاؤں کے فیض سے اس کو ہر محاذ پر کامیابیاں حاصل ہوتی رہتی تھیں۔

اسی ارتغرل غازی کے بڑے بیٹے کا نام عثمان تھا جس نے ۱۲۹۹ء میں سلطنتِ عثمانیہ کی شاندار بنیاد رکھی جسکی سرحدیں شمال میں ہنگری، جنوب میں یمن، مشرق میں عراق اور مغرب میں الجزائر تک وسیع ہوگئی تھیں۔ یہ دورِ حکومت ۱۹۲۲ء تک اپنے کم و بیش ۳۶ حکمرانوں کا شاندار دور رہا ہے۔ آخر کار عربوں کی ناعاقبت اندیشی اس اسلامی حکومت کے زوال کا باعث بنی۔ برطانیہ، امریکہ، روس اور فرانس وغیرہ نے اس سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا جو کم و بیش چھ براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔

متذکرہ دورِ حکومت کی خاص بات یہ ہے کہ شاہانِ عثمانیہ نے اسلام کے علم کو ہمیشہ بلند رکھا جس کی نشانیاں اب بھی قسطنطنیہ کی مسجد آیہ صوفیہ، اندلس کی مسجدِ قرطبہ، مکہ اور مدینہ میں تعمیراتی شکل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ سلاطین مذہبِ اسلام کی سربلندی کے لئے ہمیشہ کوشاں اور مستعد رہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی پوری سلطنت میں خدا اور اس کے رسول کی عظمتوں کا پرچم ہمیشہ بلند رہا۔ اسی سلطنت عثمانیہ کی ہمت افزائی اور اعانت کی وجہ سے ترکی سلطنت میں ہمیشہ نعت و منقبت کا چلن عام رہا جس پر ڈاکٹر محمد آصف نے اپنے مضمون میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

بقول ڈاکٹر محمد آصف ''پانچویں صدی ہجری میں تمام ترکی اسلام کے رنگ میں رنگ گیا۔ اس دوران یہاں تصوف بھی پروان چڑھا اور صوفیائے کرام اسلام کی تبلیغ اور تزکیہ کی نمایاں خدمات انجام دینے لگے جس کے لئے وہ شاعری کا بھی استعمال کرنے لگے۔ صوفیائے کرام لوگوں کو محبت اخوت، رواداری اور سماجی ہم آہنگی کا درس دیتے۔ اس کے لئے انہوں نے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہارا لیا۔ ترکوں کی تہذیب میں قبولیت اسلام سے قبل بھی شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ ترک اپنا

ادب رکھتے تھے اور ادب سیکھنے کے خواہاں رہتے تھے"۔ یہاں کے کئی سلاطین نہ صرف یہ کہ خود ادیب و شاعر تھے بلکہ ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی کرنے میں فخر کیا کرتے تھے۔

ترکی ادب میں صوفی شاعر خواجہ احمد یساوی، سلیمان باقر خانی اور یونس ایمرے، لامی چلپی اِلسلام زنجیب فاضل کسا کورک، یمن دیدے اور ان کی تصانیف کے سلسلے میں ڈاکٹر محمد آصف نے سیر حاصل گفتگو کی ہے جس سے ترکی زبان میں تقدیسی شاعری کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ یہی نہیں انہوں سلیمان چلپی کی "وسیلۃ النجات" اور "تذکرۃ الشعرا"، یزیجیو غلی محمد کی "محمد بے" اور، خاقانی کی "حلیہ" پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے ان کتابوں کے مشمولات کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے تا کہ قارئین اس سے مستفیض ہوسکیں۔ یہ بات قارئین کی دلچسپی کا مرکز ہوسکتی ہے کہ ترکی زبان میں چلپی نے "تذکرۃ النجات" اس لئے تحریر کی تھی کہ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت اور برتری سے انکار کیا جارہا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ ہندو پاک میں وہابیت کا فتنہ برپا تھا جس کے سدباب کے لئے علامہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرطاس وقلم کا استعمال کیا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ ڈاکٹر محمد آصف کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

☆

علامہ محمد شہزاد مجددی، لاہور (پاکستان) کا مضمون "اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات" ایک بہت اہم مضمون اور نعتیہ ادب کا تنقیدی جائزہ ہے جو دبستانِ نعت کے آٹھویں شمارہ کی زینت بنا ہے۔ فاضل مصنف نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی، علامہ اقبال سے لیکر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر علی خان سے لیکر پیر نصیر الدین گولڑوی تک کے مقتدر نعت گو شعراء کی نعت گوئی کا تذکرہ کیا اور ان حضرات کے حضور خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے۔

متذکرہ مضمون میں علامہ محمد شہزاد فرماتے ہیں کہ "عقیدتمندانہ رجحان کے نتیجہ میں کچھ ایسے لوگ بھی نعتیہ شاعری کے میدان میں اترے جو مطلوبہ شرعی استعداد اور علمی قابلیت کے حامل نہ تھے لہٰذا ان کے قلم سے نکلنے والے کلام میں کچھ غیر شرعی اور غیر علمی رویے بھی شامل ہوئے اور موضوع روایات تک ذخیرۂ ادب میں شامل ہوتی چلی گئیں اور عوامی مقبولیت اور پذیرائی نے انہیں رفتہ رفتہ درجۂ استناد عطا کردیا۔"

اس سلسلہ میں نیم ملا، کم علم شاعر اور مترنم نعت خواں حضرات کے کلام میں غیر مستند، غلط اور وضعی کلام و مضامین شامل ہوتے گئے اور انہیں رواج بھی مل گیا۔ اس سے نعتیہ ادب کے استناد اور تقدیس

پر حرف آیا۔اس عمل کا ایک فائدہ بھی بہر حال یہ ہوا کہ نعتیہ ادب میں تنقیدی رجحان کو فروغ حاصل ہوا۔علامہ شہزاد مجددی جیسے بالغ نظروں نے نہ صرف ان موضوع روایتوں کی نشاندہی کی بلکہ اپنے تنقیدی مضامین میں ان موضوع روایتوں کا شد و مد کے ساتھ رد بھی کیا۔ان کی یہ تردید مستند احادیث اور حوالوں کی روشنی میں ہیں جن سے انکار کرنا ناممکن ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ نعت گو شعرا ان موضوع روایات کو نظم کرنا ترک کریں اور اپنے ہم عصروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

☆

''نعتیہ شاعری کے آداب'' علامہ ناوک حمزہ پوری کی تصنیف ہے۔موصوف کثیر المطالعہ، مسلم الثبوت، کہنہ مشق شاعر، ماہر عروض، مانے ہوئے نقاد، عمدہ نثر نگار، افسانہ نویس اور بے شمار کتابوں اور مضامین کے مصنف ہیں۔شعر و ادب کا ذوق ان کا خاندانی وصف ہے۔ان کے بزرگوں میں علامہ قوس حمزہ پوری کا نام بہت مشہور و معروف ہے جن کو اردو اور فارسی ہر دو زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ ''رباعیّاتِ قوس حمزہ پوری'' ان کی قابلِ قدر تصنیف ہے۔حضرت قوس رحمۃ اللہ علیہ کا شمار صاحبِ سلسلہ لوگوں میں کیا جاتا ہے۔

''نعتیہ شاعری کے آداب پر تنقیدی نظر''، ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجؔد (پٹنہ) کا مضمون، دبستانِ نعت کے آٹھویں شمارہ کی زینت ہے۔ڈاکٹر امجد رضا امجد کے مطابق ناوکؔ حمزہ پوری کی متذکرہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔

۱-نعتیہ شاعری۔۲-غیر مسلم شعرا اور ان کی نعتیہ شاعری۔۳-نعتیہ شاعری کے آداب۔

ڈاکٹر امجد رضا نے ناوک حمزہ پوری کی کتاب پر عالمانہ تنقیدی نظر ڈالی ہے۔اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ ناوک حمزہ پوری ادبی طور پر سخت گیر اور مذہبی معاملات میں متشدد ہیں اس لئے ان کے سخت جملوں پر انگشت نمائی کی جاسکتی ہے۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ ناوک صاحب کی واقفیت عربی زبان سے اتنی گہری نہیں ہے کہ وہ عربی اشعار پر کوئی اہم رائے پیش کرسکیں اسی لئے سیوف الہند والے شعر پر ان کا ترجمہ عربی شعر سے کچھ متغائر ہوگیا ہے۔لیکن نفس مضمون بہر حال ظاہر ہوجاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لفظ نار کی جگہ نور اور سیوف الہند کی جگہ سیوف اللہ کہنے کا فرمان جاری کردیا۔یہ بات اتنی مشہور ہے کہ کسی کو بھی اس شعر کے معنی میں التباس نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ ناوک حمزہ پوری۔

غالب کے شعر ''زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا۔ کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے'' کے سلسلہ میں ناوک حمزہ پوری کا یہ کہنا کہ لوگ اس کو نعت کا شعر سمجھتے، ہیں سو فی صد درست ہے۔

اچھے اچھے مقررین بھی اس سے واقف نہیں ہیں کہ یہ اشعار کسی صاحبِ ثروت تجمل حسین خاں کی مدح میں کہے گئے تھے۔لیکن غزل کے اشعار کی خاصیت یہ ہے کہ لوگ شعر کے وہ مفاہیم بھی اخذ کر لیتے ہیں جس کو خود تخلیق کار نے نہ سوچا ہوگا اور وہ مفہوم شعری تناظر میں بالکل مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تم ،تو، تیرا، ترا وغیرہ ضمائر کے استعمال کی بات ہے تو اس سے بچنا محال ہے۔قدیم شعراء کا کلام ان ضمائر سے بھرا پڑا ہے مگر یہ بھی اشد ضروری ہے کہ جہاں تک شاعر بچ سکتا ہے اسے اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے فقیر، بے کس، بے سہارا، قاصد یا ایلچی جیسے الفاظ کا استعمال سوئے ادب ہے۔علماء نے اس سے جگہ جگہ منع فرمایا ہے۔ناوک حمزہ پوری کے بہت سے معتقدات ہمارے معتقدات سے میل نہیں کھاتے جس کی رد کے لئے بار بار دبستان نعت میں پورے پورے مضامین سپردِ قلم کئے گئے ہیں وہاں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔علم غیب کے سلسلہ میں مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ نبی کے معنی ہی ''غیب کی باتیں بتانے والا'' ہے۔ڈاکٹر امجد رضا نے جن باتوں پر اعتراض کیا ہے اس کے بہت مستند دلائل موجود ہیں جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ناوک حمزہ پوری کی روش نامناسب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات، ان صلی اللہ علیہ وسلم کا شفیع محشر ہونا، بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبر ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت کی درخواست کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہادی ہونا یہ ساری باتیں بار بار زیر بحث آ چکی ہیں۔متذکرہ مضمون میں بھی ڈاکٹر امجد رضا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اشعار سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''علم غیب، قدرت وملکیت، ہدایت و حکمت، شفاعت واستعانت، اور قبضۂ واختیار'' اللہ کے فضل وکرم سے حاصل ہے۔حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت جمیش رضی اللہ عنہ بن اویس نخعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نابغہ رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، نواب صدیق حسن وغیرہم کے اشعار سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مندرجہ بالا اختیارات حاصل ہیں۔جن کو ان باتوں پر یقین نہ ہو انہیں اپنے عقائد پر دوبارہ غور کر لینا چاہئے۔

غیر مسلم شاعروں کے اشعار کی ادبی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے اور وہ کسی بھی مسلم شاعر کے مقابلہ میں کم رتبہ نہیں ٹھہرتی۔کچھ لوگوں کا قیاس ہے کہ غیر مسلم نعت گو شعراء اپنے دور کی ادبی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے، مسلم سلاطین، فرماں رواؤں یا رؤساء کا تقرب حاصل کرنے اور اپنی قادر الکلامی

دکھانے کے لئے نعوت کہا کرتے تھے۔ مجھے اس سے پورا پورا اتفاق نہیں ہے، کیوں کہ بہت سے غیر مسلم شاعروں کے کلام میں حسنِ عقیدت کا جو اظہار ملتا ہے وہ قلبی لگاؤ کے بغیر ممکن نہیں ہے اور پھر دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ غیر مسلم شعراء کے سلسلہ میں یہ کہنا کافی ہے کہ یہ کیا کم ہے کہ ان غیر مسلم شاعروں نے ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور ان کے معجزات واخلاقیات کا تذکرہ بطریق احسن کیا ہے۔ اس لئے ناوک صاحب کی باتوں سے متفق نہیں ہوا جا سکتا۔ چند غیر مسلم شاعروں کے اشعار قارئین کی نذر ہیں جو زیر بحث مضمون کا حصہ ہیں:

غل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا کے ساتھ ہے لے کے دلّو رام کو حضرت گئے جنت میں جب
(ڈلورام کوثری)

محمد مصطفےٰ نے مجھ کو دیوانہ بنایا ہے مئے توحید سے مخمور مستانہ بنایا ہے
(رام چند سمن سرحدی)

پرسشِ روزِ جزا کی فکر پھر کیوں ہو ہمیں بخشوانا جب ہمارا آپ کے قابو میں ہے
(چھنومل نافذ دہلوی)

☆

''حضرت امام بوصیری کے قصیدۂ بردہ کا تنقیدی جائزہ'' از پروفیسر ابوسفیان اصلاحی میں مجھے یہ دیکھ کے خوشی ہوئی کہ موصوف نے ''حضرت امام بوصیری'' لکھا ہے ورنہ وہ ان بزرگوار کے نام سے قبل یا مابعد کوئی بھی تکریمی لفظ نہیں لکھتے تھے۔ شاید سب سے پہلے ان کی اس نامناسب روش پر مجھ ناچیز ہی نے اعتراض کیا تھا۔

ان کے اس مضمون میں مجھے کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔ حضرت امام بوصیری کے اشعار کی لا تعداد شرحیں مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں انہیں کا اس مضمون میں بھی اعادہ کیا گیا ہے۔ انھوں نے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے ان اشعار کو پھر ہدف بنایا ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے اس مضمون میں بھی ان معجزات کا حوالہ نہیں دیا ہے جو ان کے نزدیک ضعیف روایات پر مشتمل ہیں صرف اتنا لکھا ہے کہ:

۱- امام بوصیری کے خود ساختہ نقطہ نظر سے اتفاق کرنا مشکل ہے

۲- سوادِ امت نے شفیع المذنبین کا جو تصور پیش کیا ہے اس کا قرآن سے کوئی علاقہ نہیں ہے

۳- امام بوصیری کے بہت سے خیالات لائق تردید ہیں

۴- (امام) بوصیری کی نعتیہ شاعری۔ میں مختلف معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں بیشتر معجزات کی کوئی اساس نہیں ہے۔

۵- (امام) بوصیری کا یہ تصور بالکل غلط ہے کہ روزِ جزاء جب اللہ کا ظہور ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت اور شفاعت کام آئے گی۔

میرا خیال ہے کہ یہ مضمون اس لئے تشنہ ہے کہ اسمیں نقطہ در نقطہ بات نہ کہہ کر عمومی طور پر باتیں لکھ دی گئیں ہیں جن کا عمومی جواب یہی ہوسکتا ہے ان ساری باتوں کا جواب دبستانِ نعت کے گزشتہ شماروں میں دیا جا چکا ہے وہاں انصاف کی نظر سے دیکھ لیا جائے تو تشفی و تسلی ہو جائے گی اور اصلاحی صاحب کی اصلاح بھی۔

☆

''حاجی محمود مہاجر حسرتؔ'' کے نام سے ڈاکٹر راہی فدائی کا مضمون بھی دبستانِ نعت میں شامل ہے۔ ڈاکٹر راہی فدائی کہنہ مشق شاعر، کثیر التصنیف مصنف، ماہر عروض داں، محقق اور انصاف پسند ناقد ہیں۔ دکنی ادب پر ان کا کام اردو ادب کا اہم ترین سرمایہ ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون میں ''تیرہویں صدی ہجری کے ایک گمنام منظوم سیرت نگار'' حاجی غلام محمود مہاجر حسرتؔ کے منظوم ترجمہ ''ریاض سیر'' کو منظر عام پر لانے کا مستحسن کام انجام دیا ہے۔ ریاض سیر، منظوم سیرت پاک ''معجز مصطفےٰ'' (فارسی) نامی مثنوی کا منظوم ترجمہ ہے۔ ''معجز مصطفےٰ'' حضرتِ ذوقی ویلوری متوفی ۱۱۹۴ھ کی گراں قدر تصنیف ہے۔ یہ مثنوی تقریباً ساڑھے سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر راہی فدائی دکنی ادب کے متبحر عالم ہیں، ان کے یہاں معلومات کا غیر معمولی خزانہ ہے۔ جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو مرکزی معاملات کے اردگرد کی ساری معلومات اپنے مضمون میں سمو دیتے ہیں۔ متذکرہ مضمون میں بھی حضرت ذوقی ویلوری اور حاجی محمود مہاجر حسرتؔ تک آتے آتے انہوں نے حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ، نظامی بیدری، محمد قلی قطب شاہ، قدرتی بیجاپوری، غوث آرکاٹی، قربی ویلوری، اردو کے اوّلین نقاد باقر آگاہ ویلوری، محی الدین قادری اور ویلور کے مشائخ وغیرہ کا اجمالی تذکرہ، ان کی تصانیف کے نام اور ان میں شامل اشعار کی تعداد وغیرہ کی اطلاعات فراہم کردی ہیں۔ یہ وہی کرسکتا ہے جس کے ذہن و دل میں علم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر راہی فدائی اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں کہ ''سات ہزار سے زاید اشعار کے خالق حضرت حسرتؔ کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔'' ڈاکٹر افضل الدین اقبال مرحوم، حیدرآباد، کے حوالے سے

تحریر کیا ہے کہ حسرتؔ کا اصل نام حاجی غلام محمود محاجر تھا، نسبی تعلق قومِ نوائط سے ہے، محاجر آپ کا خاندانی لقب ہے۔ مدراس کے رہنے والے تھے اور شاہ محوی کے شاگرد و مرید تھے بعدہٗ شاہ عبداللطیف قطب ویلور سے بھی فیض حاصل کیا۔ حسرتؔ کے معاصرین میں علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) اور علامہ عبدالعلی لکھنوی ثم مدراسی (متوفی ۱۲۲۵ھ) وغیرہ تھے۔ حاجی محمود محاجر حسرتؔ نے ''معجز مصطفٰے'' کا دکنی زبان میں منظوم ترجمہ کرتے وقت یہ بات نظر میں رکھی کہ اس سے عوام الناس کو فائدہ ہو اور وہ انہیں دعائیں دیں:

مرے جی میں یک روز آئی یہ بات — کہ کچھ زندگی کو نہیں ہے ثبات
کسی کو نہ مجھ کو ہوا فائدہ — مرے بعد تا وہ پڑھے فائدہ
نہیں فارسی سے کوئی آشنا — کرے گا ترے حق میں پڑھ کر دعا
جو حاصل کریں فائدہ سب عوام — ثواب اس کا پہنچے گا تجھ کو مدام
جو یہ مشورت مجھ کو دل نے دیا — تو میں مستعد ترجمہ پر ہوا

ڈاکٹر راہی فدائی نے حسرتؔ کی مثنوی سے حمد، نعت، بزرگانِ دین کی منقبت کے اشعار نموتاً مضمون میں شامل کئے ہیں۔ آخر میں ڈاکٹر راہی فدائی نے تحریر کیا ہے کہ ''آپ (حسرتؔ) نے معجز مصطفٰے'' کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ ترجمانی بھی کی، اپنے طور پر اضافے بھی کئے، سلاست اور روانی کا خاص خیال رکھا، صنایع و بدایع کا جابجا بھرپور استعمال کیا، تشبیہوں اور استعاروں سے مثنوی کا دامن بھر دیا اس طرح ''ریاض السیر'' کو تخلیقی درجہ عطا کیا۔ نقادانِ سخن کو اس مثنوی کے مزید محاسن و مزایا کی توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔''

مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں ہے کہ دبستانِ نعت ایک ایسا مجلّہ ہے جو گم شدہ نعتیہ اور ادبی خزانوں کو تلاش کر کے اہلِ ذوق اور اہلِ نظر کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے تاکہ ان کے قلوب سیرت محمدی سے منور و مجلی ہوتے رہیں اور ساتھ ساتھ مستحسن ادبی ذوق کی آبیاری بھی ہوتی رہے۔

☆

''حضرت مولانا امام احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ اور نعت گوئی'' ڈاکٹر عقیل ہاشمی (حیدرآباد) کا مضمون ہے جس میں اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی کے ضمن میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس مضمون کی شروعات بہت ہی شاندار طور پر کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خاص امتیازات سے مشرف فرمایا ہے خصوصاً:

☆ کلمۂ شہادت میں اپنے نام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی کو شریک کرنا۔

☆ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت قرار دینا۔

☆ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت تسلیم کرنا۔

☆ اور درود و سلام کی نعمت عظمیٰ کا اعلان فرمانا۔''

بقول ڈاکٹر مسعود احمد دہلوی ''امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اس عالمی جماعت کے قائد و رہبر تھے جو والہانہ و جان نثارانہ اس کی محبت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و خاتمیت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ جماعت صرف محبت کی بات کرتی ہے۔ ساری امت کو محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکتہ پر جمع کرتی ہے۔ بیشک یہ جماعت عالمی جماعت ہے اسی کو سوادِ اعظم میں اہل سنت کہا جاتا ہے۔'' اور اسی جماعت کے رہبر و رہنما امام احمد رضا خاں ہیں جو خود بھی حب مئے محمد میں سرشار رہے اور گلستان نعت میں ''حدائق بخشش'' کے نام سے اپنے نقشِ جاوداں ثبت کر گئے۔''

ڈاکٹر عقیل ہاشمی نے اعلیٰ حضرت کی تخلیق کردہ نعوت اور ان کے مستحسنیات پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ایسی صنف سخن، کوئی ایسی فنی ولسانی خوبصورتی نہیں ہے جو اعلیٰ حضرت کی نعتوں میں موجود نہ ہو۔ ان کی نعتوں کی تعریف و توصیف کی حد و انتہا نہیں ہے۔ ان نعتوں کو جتنا پڑھا گیا اور ان پر جتنا لکھا گیا شاید فارسی اور اردو ادب میں اتنا کسی کی نعوت پر نہیں لکھا پڑھا گیا۔

دو اشعار مجھے متذکرہ مضمون میں ایسے بھی نظر آئے جو لوگ پڑھتے تو خوب ہیں مگر شاید کم کم لوگوں کو یہ علم ہو کہ یہ اشعار حضرت عزت بخاری کے ہیں:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر — نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

گر بخواہی معرفت و قربِ ذاتِ کردگار — با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

(عزت بخاری)

ڈاکٹر عقیل ہاشمی نے اپنے مضمون میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''اعلی حضرت اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا، وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہ تھے۔'' ڈاکٹر عقیل ہاشمی نے اعلیٰ حضرت کے مشہور اشعار سے بھی اپنے مضمون کو مزین کیا ہے:

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ رسالت پہ لاکھوں سلام

☆

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد

☆

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

☆

لیں شفاعت نے قیامت میں بلائیں کیا کیا عرقِ شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا

☆

پروفیسر محمد شریف سیالوی (سیالکوٹ، پاکستان) کا مضمون ''اندلسی شاعری میں روایت مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی دبستانِ نعت کے آٹھویں شمارہ کی زینت ہے۔ڈاکٹر سراج احمد قادری کے ذاتی تعلقات کی وجہ سے ہندوستان ہی نہیں پاکستان اور دیگر مما لک سے بھی ''دبستان نعت'' میں اہم صاحبان قلم کی شمولیت ہوتی رہتی ہے۔ یہ مضمون بھی منفرد قسم کا ہے کہ اس میں اندلسی شاعری میں نعت گوئی سے اردو والوں کو متعارف کرایا جارہا ہے۔ میں اسے افادیت کا حامل سمجھتا ہوں کہ ہسپانیہ، (اسپین) کا اجمالی تذکرہ یہاں پیش کردوں تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہوسکے کہ اسلامی حکومتوں نے دنیا میں کس شان سے حکومتیں کیں اور انکی حکومتوں میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کس طرح بلند رکھا گیا۔

البیریا، ہسپانیہ یا اسپین، براعظم یوروپ کے جنوب میں واقع ہے جو ہسپانیہ، پرتگال اور جدید فرانس پر مشتمل ہے۔ اسی ملک کے ایک صوبے کا نام اندلس ہے۔ اس سرزمین نے متعدد عروج وزوال دیکھے۔ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک، جو اس وقت افریقی مما لک کا گورنر تھا، کے دورِ خلافت (۷۰۵ تا ۷۱۵) میں یہ خطہ مملکت اسلامیہ میں شامل ہوا۔ اس سرزمین کی فتح کو اسلامی فتوحات میں تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اموی خلیہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر طارق بن زیاد نے سمندری سفر طے کر کے کم وبیش سات ہزار فوج کی مدد سے تقریباً ایک لاکھ عیسائی فوج کو ''کوہِ جبرالٹر'' کے نواح میں شکست فاش دی تھی، تب سے اس پہاڑی کا نام جبل الطارق پڑ گیا۔ کشتیوں کو جلا دینے کا واقعہ اسی فتح سے متعلق ہے۔ سمندری سفر مکمل کرنے کے بعد طارق بن زیاد نے اپنی ساری کشتیاں اس لئے جلوادی تھیں کہ یا تو فتح حاصل ہوگی یا شہادت، دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس علاقہ نے اموی اور عباسی دونوں خلفاء کا دور دیکھا ہے۔ اسلامی حکومت ۷۸۰ء سے ۱۴۹۲ء تک کم وبیش ساڑھے سات سو سال قائم رہی۔ اس دور میں عیسائی عوام کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری پوری آزادی تھی۔

آس پاس کی عیسائی حکومتوں کی، مسلم ریاستوں سے برابر جنگ چلتی رہتی تھی۔ اس اتھل پتھل کے باوجود اس ملک نے قابلِ قدر نشانات تاریخ عالم پر ثبت کیئے۔ یہاں معلم، مفکر، فلاسفر، علماء، فقہا،

حکماء، اطباء، جراح، سائنسدانوں اور موسیقاروں کی ایک روشن کہکشاں نظر آتی ہے جس سے یوروپین حکومتوں نے بھی خوب خوب فائدہ اٹھایا، دراصل یوروپ کی سائنسی ترقی اسی اسلامی مملکت کی رہین منت ہے۔اس ملک میں تعلیم وتربیت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ یہاں شرح خواندگی سو فیصد تک پہنچ گئی تھی، دور دور سے لوگ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہاں آتے رہتے تھے۔ یہاں کی کتابوں کو پہلے لاطینی اور پھر فرانسیسی اور انگریزی میں ترجمہ کرانے کے بعد سارے علوم وفنون کو اہل یورپ نے اپنے نام معنون کرلیا اور اپنے ہی کو علم وفن اور سائنسی علوم کا موجد مشہور کردیا۔

یہاں ابن حزم، ابن عبدالبر اور ابن عربی جیسے علمائے دین، ابن طفیل، ابن رشید اور ابن سینا جیسے فلسفی، ابوالقاسم زہراوی، ابن زہر بن مروان، احمد الحرانی اور عمر الحرانی جیسے طبیب، ابن زیدون اور ابن عمار جیسے خطیب وشاعر اور عباس بن فرناس، ابوالبرکات بغدادی اور المجز یطی جیسے سائنسداں پیدا ہوئے۔ یہاں کے لوگوں میں اللہ کی وحدانیت اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بہت راسخ تھی اس لئے یہاں کی زبان میں بھی نعت رسول کا کی تخلیقات کا سلسلہ بہت دراز ہے۔

۱۴۹۲ء میں جب یہاں کے آخری بادشاہ ابوعبداللہ کو ازابیلا اور فرنانڈس کے ہاتھوں شکست ہوئی تو یہ ملک پھر عیسائیوں کے زیر نگیں آگیا۔ پھر چشم فلک نے مسلمانوں پر ہونے والے وہ مظالم بھی دیکھے جس سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ یا تو عیسائی مذہب اختیار کرلو یا اس ملک سے باہر چلے جاؤ۔ جو مسلمان ترک وطن کرکے افریقی ممالک میں جاسکتے تھے انہوں نے سمندر کے راستے اپنا سفر شروع کیا، نہ جانے کتنے لوگ سمندر کی آغوش میں سو گئے۔ جو ہسپانیہ میں رہ گئے تھے انہیں عیسائی مذہب باکراہ اختیار کرنا پڑا۔ پھر یہاں سے مسلمانوں کا وجود ہی ختم ہوگیا۔ ساری مساجد اور لائبریریاں گرجا گھر میں تبدیل کردی گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

پروفیسر محمد شریف نے اپنے مضمون میں عبدالواحد مراکشی، ابوالولید الباجی، ابوبکر بن العربی، شیخ اکبر ابن العربی وغیرہ کی علمی بیداری کا تذکرہ بھی کیا ہے اور نعت گوئی میں مختلف اصناف سخن کے تنوع کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

پروفیسر صاحب نے ابوزکریا بن محمد بن خلدون کی نعوت میں ہجر ووصال کی کیفیت کا بیان بھی کیا ہے۔ عبدالعزیز بن علی غرناطی کے کلام میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارداتِ قلبی اور پاکیزہ جذبات ومحبت کی تصویر پیش کی ہے۔ امام خیر الدین محمد بن حیان کے نعتیہ قصیدہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تذکرہ کیا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اس بات کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ متذکرہ

اسلامی دور میں عوام الناس، عمراء اور سلاطین کے ہاں محفلِ میلاد کا انعقاد ہوتا رہتا تھا۔ یہاں کے شعراء اسلامی دور کی عربی شاعری سے متاثر تھے اور اسلوب شاعری میں انہیں کا اتباع کرتے تھے۔ انہوں نے لسان الدین ابن الخطیب، ابن الحیان، ابو اسحاق ابراہیم وغیرہ کی شاعری کے نمونے بھی دیئے ہیں اور ان کا اردو میں ترجمہ بھی پیش کیا ہے تاکہ قارئین اس دور کے کلام سے محظوظ ہو سکیں۔

بقول پروفیسر محمد شریف ''اندلس میں روایت نعت کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ نعت، عربی زبان سے مورسکی اور اسپانوی زبانوں میں بھی منتقل ہوئی۔ عیسیٰ بن جابر کو ان زبانوں میں قصائد نظم کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اندلس میں نعت گوئی کے تنقیدی مطالعہ کی خاصی گنجائش ہے۔''

☆

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) نے اپنے مضمون ''نعت کے اہم رجحانات'' میں محسن کاکوروی کی جمالیاتی تخلیقیت، ترقی پسند شعراء کا نظریہء مساوات، حالی کا استغاثہ بحور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، غالب کا احساسِ عقیدت، تصدق حسین کی آزاد نظم اور ہیتی جدت، جیسے آزاد نظم، نثری نظم، نظم معریٰ، ہائیکو، واکا، ثلاثی، دوہا، سانیٹ، ماہیے، کجری، نعتیہ گیت کا بہترین منظرنامہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے بہت واضح طور پر مختلف شاعروں کے نعتیہ کلام، ان کے تخلیق کاروں کا مختصر مگر جامع تذکرہ سے اپنے مضمون کی تزئین کاری کی ہے۔ ان کے بیانات سے مختلف ادوار میں شاعروں اور ان کے نعتیہ کلام کی اچھی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ انہوں نے روح کو سرشار کر دینے والی نعتیہ شاعری میں سے چنندہ اشعار بھی اپنے مضمون میں پیش کیے ہیں جن سے مضمون میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ اس میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جس طرف سے بھی ہوا ان کا گزر
طائرانِ تیرگی سب اڑ گئے
راستے منزل کی جانب مڑ گئے

(ہائیکو از مظفر وارثی)

نعت لکھوں تو کس طرح لکھوں
ان کی تعریف میں کروں کیسے
مجھ کو الفاظ ہی نہیں ملتے

(ہائیکو از رضی الدین)

ڈاکٹر عزیز احسن نے نعتیہ قطعات، سہ حرفی، دوہے، واکا، سانیٹ، ماہیے، مثنی جیسی کم مقبول ہیتوں پر نہ صرف یہ کہ گفتگو کی ہے بلکہ ان کے نمونے بھی سپردِ قلم کئے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے نعتیہ مضامین

کے تنوع پر بھی گفتگو کی ہے اور نمونے کے اشعار اپنے مضمون میں شامل کئے ہیں۔ مجھے مضمون میں اس کمی کا گہرا احساس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے بڑی پروقار صنف سخن ''رباعی'' کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

☆

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوی (یوپی)، ایک عمدہ شاعر اور قابلِ قدر نثر نگار ہیں۔ ان کا مضمون ''اردو نعتیہ شاعری میں موضوعِ خلق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایک جائزہ'' دبستانِ نعت کے آٹھویں شمارہ میں شامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **وَ اِنّکَ لَعَلَ خُلقِ عظیم۔** (اور بیشک تو بہت بڑے اخلاق پر ہے)

ڈاکٹر جمیل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلقِ عظیم اور اخلاقِ حسنہ پر بہت مختصر مگر جامع تحریر سپردِ قلم کی ہے۔ تنصیب حجر اسود کے وقت سارے قبائل کا خیال رکھنا، اپنی چادرِ مبارک مہمانوں کے لئے بچھا دینا، عدی بن حاتم طائی کو اپنے گھر لے جانا اور اپنی جگہ بٹھانا، طائف والوں کے مظالم پر حضرت معاذ بن جبل کے درخواست کرنے کے باوجود بد دعا نہ فرمانا، فتح مکہ کے دن عام معافی کا اعلان فرمانا، حضرتِ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجتے وقت لوگوں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آنے کی نصیحت فرمانا اور طائف کے ان لوگوں کو بھی معاف فرمانا جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لہولہان کر دیا تھا۔ مضمون نگار جمیل راٹھوی نے بجا فرمایا ہے:

ایمان کا نشان تو خلقِ نبی سے ہے دونوں جہاں کی شان تو خلقِ نبی سے ہے
قرآن نے عظیم کہا ان کے خلق کو انسانیت کی جان تو خلق نبی سے ہے
(جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی)

فاضل مضمون نگار نے نعت گوئی کے موضوعات، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات، حضرتِ ابو طالب کے ایک شعر کا مفہوم، مولانا باقر آگاہ اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا تذکرہ، مولانا حالی کی مسدس، محمد الیاس برنی، حفیظ جالندھری، ابوالمجاہد زاہدؔ، جوش ملیح آبادی جگن ناتھ آزاد، جمیل راٹھوی، وغیرہ کی شاعری میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ پر مبنی اشعار بھی نمونہ کے طور پر نقل کئے ہیں۔ چند اشعار قارئین کرام کے لئے حاضر ہیں:

خلق ان کا خلق ہے کونین میں خلقِ عظیم ان کی سیرت ہے کتاب اللہ سے ملتی ہوئی
خلق کے حق میں سراپا رحمت اللعالمیں شانِ رحمت ہے رسول اللہ سے ملتی ہوئی
(محمد الیاس برنی)

دلوں سے رنگ کدورت چھڑا دیا جس نے وہ ذات ، نقشِ عداوت مٹا دیا جس نے
وہ ذات ذکرِ خصومت بھلا دیا جس نے وہ جام بادۂ الفت پلا دیا جس نے
حبیب خالقِ اکبر پہ ہو درود و سلام ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام
(حفیظ جالندھری)

☆

ڈاکٹر مولوی بشیر الحق قادری، ویلور، (تمل ناڈو) نے ☆ بارہویں صدی ہجری کی مایۂ ناز منظوم سیرتِ طیبہ ''معجز مصطفےٰ'' کا ایک علمی و تجزیاتی مطالعہ ☆ کے نام سے ایک مضمون، دبستانِ نعت کے آٹھویں شمارہ میں شامل اشاعت ہے۔ ''معجز مصطفےٰ'' ایک طویل اور ضخیم مثنوی ہے جو سات ہزار دو سو صفحات کو محیط ہے۔ اس میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو محور بنایا گیا ہے۔ اس قابلِ قدر کتاب کے مصنف حضرتِ ذوقی ویلوری ہیں جن کو خدا نے ہمہ جہت اوصاف سے نوازا تھا۔ ڈاکٹر بشیر الحق نے مختلف حوالوں سے تحریر کیا ہے کہ یہ کتاب جناب ذوقی نے صرف ڈیڑھ ماہ میں مکمل کر لی تھی اور اس دوران ان کی عمر عزیز تقریباً تیس سال تھی۔ ان حقائق کو خود جناب ذوقی نے نظم کیا ہے:

متمم شد ایں نامۂ رنج کاہ بتائید حق در یک و نیم ماہ
در آں وقت کایں نامہ رخ بر کشود فزوں تر زِ سی سال عمرم نبود

(اللہ کی تائید و مہربانی سے ڈیڑھ ماہ میں یہ کتاب تب مکمل ہوئی جب میں بیماری اور تکلیف کی کیفیت میں تھا۔ جب یہ کتاب منظرِ عام پر آئی تو میری عمر تیس سال سے زائد نہ تھی)

حضرت ذوقی کے اسلاف کے بارے میں ڈاکٹر بشیر الحق نے تفصیلی گفتگو کی ہے جو افادیت کی حامل ہے۔ دراصل ان کے جد امجد حضرات سید برہان الدین، سید اسمٰعیل، سید عبدالفتاح عسکری (مقیم احمد آباد گجرات)، سید قطب الدین، سید عبدالخالق، سید محمد، سید عبداللطیف اول 'باپو جی' (جو گجرات سے بیجاپور آ گئے تھے اور وہیں آخری سانسیں لیں)، ان کے فرزند حضرت میراں سید ولی اللہ بھی بیجاپور ہی میں آسودۂ خاک ہیں۔ یہ سب کے سب دکن کے علماء وفقہاء اور مذہبی امور کی تبلیغ واشاعت میں کلیدی کردار ادا کرنے والوں کے سرخیل مانے جاتے ہیں۔

سید ولی اللہ بیجاپوری کے فرزند شاہ عبداللطیف دوئم بیجاپوری، عادل شاہی حکومت کے خاتمہ کے بعد شاہ میر، سرا اور آرکاٹ ہوتے ہوئے اپنے چار سالہ فرزند ابوالحسن قربی کے ساتھ ویلور آ گئے۔ اور عالمِ رویا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق یہیں قلعہ ویلور کے شمالی سمت

میدان میں فروکش ہو گئے۔ یہیں مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کی تعمیر کرائی جو آج بھی ''حضرت مکان'' کے نام سے قائم و دائم ہیں۔ یہاں سے آج بھی سلسلۂ رشد و ہدایت جاری ہے۔

قربی ویلوری، باقر آگاہ ویلوری اور ذوقی ویلوری وغیرہ انہیں متذکرہ بزرگوں کا سنہری سلسلہ ہیں جو راہ تصوف کے مسافر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبان تصانیف اور ادب کے معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرتِ باقر آگاہ کو تو اہل ادب اردو کا پہلا ناقد بھی مانتے ہیں

ڈاکٹر بشیر الحق نے اس مضمون میں بہت عرقریزی کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ انہوں نے ان ساری کتابوں اور ان کے مصنفوں کے نام تحریر کر دئے ہیں جن سے یہ گراں قدر معلومات فراہم ہوئی ہیں۔ جہاں ضروری ہوا وہاں اقتباسات سے بھی اپنی تحریر کو مدلل بنایا ہے۔ حضرت ذوقی کی ابتدائی زندگی سے آخر تک کا احاطہ بھی کیا ہے۔ ''معجزِ مصطفیٰ'' فارسی زبان میں ہے جس کو محور بنا کر حاجی غلام محمود نے اردو زبان میں ''ریاض سیر'' کی تصنیف کی ہے یہ کتاب ''معجزِ مصطفیٰ'' کا اردو قالب ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات کو تفصیل کے ساتھ نظم کیا گیا ہے۔ یہ مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ اس میں قطبِ ویلور اور ان کے اسلاف کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ سمو دیا گیا ہے۔

حضرت ذوقی جو ''معجزِ مصطفیٰ'' کے مصنف ہیں کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ''حضرتِ ذوقی اقطاب و ابدال کی نسل سے تھے اور خود بھی مقامِ قطبیت وغوثیت پر فائز تھے۔ آپ کی علمی و ادبی خدمات، خرقِ عادت اور کرامت کے طور پر ظہور پذیر ہوئیں۔ آپ کی باقیات میں تین لاکھ سے زاید اشعار اور ساٹھ تصانیف ہیں۔ (وہ تقریباً)۔ سات سو اشعار ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے۔۔۔ یہ ان کی کرامات وخوارق عادات میں سے ایک ہے۔ حضرت ذوقی کی منثور کتابیں بھی ہیں جو تفسیر، حدیث، اصول، عقائد، منطق، معانی، بدیع، نحو، صرف، اور عروض پر مشتمل ہیں'' اس مضمون میں مثال کے طور پر جو اشعار پیش کیے گئے ہیں ان میں سے کئی اشعار کمپوزنگ کی سہو کا شکار ہو گئے ہیں:

''اے خانقاہ نو کہ دہد شرح صدور'' میں خانقاہ کی جگہ ''خانقہِ'' لکھنا چاہئے تھا ورنہ رباعی کا مصرع وزن سے گر جائے گا۔'' (صفحہ ۲۰۶)

''زِ آلاف ہفت و دو از ماست''	یہ مصرع بھی غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ ۲۱۵)
آخریں کتاب خود گفتہ	یہ مصرع بھی غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ ۲۱۵)
بتائید گزار والا نژاد	یہ مصرع بھی غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ ۲۱۶)
زِ آلائش خسم پاک کن	یہ مصرع بھی غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ ۲۱۷)

ازاں جاں در جہاں روے گرد	یہ مصرع بھی غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ۲۱۹)
فلک چوں زمیں زیر پابش مدام	یہاں پایش کا محل ہے	(صفحہ۲۲۰)
نباشد زائینِ تصویب دور	یہاں ''زِ آئین'' کا محل ہے	(صفحہ۲۲۱)
تبیعت شان کمر چست	مصرع غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ۲۲۱)
ازیں جا بگفت آں 'امیر بج ق'	امیر بجق کا محل ہے	(صفحہ۲۲۲)
نہ یکجا بر انداست حیدر زسخن	مصرع غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ۲۲۳)
شنو اے۔ نور چشمان من	غالباً لفظ ''پسر'' چھوٹ گیا ہے	(صفحہ۲۲۳)
ہمیں باش زآلائش خبث دور	یہ مصرع غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ۲۲۳)
اشارات او دادۂ جاں را نشاط	اس مصرع میں ''را'' زاید لکھا گیا ہے	(صفحہ۲۲۴)

مولانا عبدالحئ منگلوری کا مصرع ''مثنوی، غزل، اور رباعیات'' میں غزل کی 'ز' ساکن نظم ہوئی ہے جبکہ یہ متحرک ہے۔(۲۲۴)

گفتند ایں گنجہ کہ رشحے بہ ما رسید	یہ مصرع غلط کمپوز ہوا ہے	(صفحہ۲۲۶)
کرے گا تیرے حق میں پھر کیا دعا	یہاں 'ترے' کا محل ہے	(صفحہ۲۲۷)
کرنہ اوس کے قدموں سے ایک دم جدا	یہاں ''یک دم'' کا محل ہے	(صفحہ۲۲۷)
جہاں بیچ جب تک۔ میں جیتا رہوں	مصرع میں شاید ''میں'' چھوٹ گئی	(صفحہ۲۲۸)

اس میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ ڈاکٹر بشیرالحق نے دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور کے مشائخ اوران کے اسلاف کے بارے میں جو مضمون سپرد قلم کیا ہے وہ ایک اہم دستاویزی اہمیت کا حامل ہے۔حق بات یہ ہے کہ شمال کے نقادوں نے دکن کے صاحبان قلم کو نظرانداز کرنے کی روش اختیار کررکھی تھی جو کسی طرح مناسب نہیں گردانی جاسکتی۔ڈاکٹر سراج احمد قادری قابلِ مبارکباد ہیں کہ ان کے اسرار پر یہ مضمون منصۂ شہود پر آیا، دبستان نعت میں شامل ہوا اور قارئین ایسی اہم مذہبی اورادبی شخصیات سے واقف ہوسکے۔

☆

مولانا نثار احمد فدائی باقوی کا مضمون ''جنوبی ہند کے فرد فرید علامہ فدوی باقوی کی مایۂ نازحمدیہ نظم 'ثنائے ذوالجلال' کا ایک عالمانہ جائزہ'' بھی دکن ہی کے مشہور ومعروف صوفی شاعر، محقق اورعروض داں علامہ فدوی باقوی کے بارے میں سپردقلم کیا گیا ہے۔اس مضمون میں، مضمون نگار نے علامہ

فدوی باقوی کے سلسلۂ نسب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان کے اسلاف بھی بہت جید عالم و فاضل، علومِ اسلامیہ کے ماہر اور بانیان درسگاہ ''باقیات الصالحات'' میں سے تھے۔

مولانا نثار احمد فدائی باقوی نے علامہ فدوی باقوی کی حمدیہ نظم ''ثنائے ذوالجلال'' پر گفتگو کی ہے۔ یہ نظم فدوی باقوی نے پہلی بار میل وشارم کے مشاعرہ منعقدہ ۱۹۶۶ء میں پڑھی تھی جس میں فاضل مصنف خود بھی شریک تھے۔ مضمون نگار نے بحر ہزج مثمن مقبوض میں کہی گئی نظم ''ثنائے ذوالجلال'' پر گفتگو کرنے سے قبل ایک منثور حمدیہ پیراگراف تمہیداً تحریر کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے۔ یہ تمہید بہت خوب ہے۔ متذکرہ نظم چار چار مصرعوں کے سات بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند کا چوتھا مصرعہ ''کہاں کہیں یہاں نہیں، بتا کہ تو کہاں نہیں'' متوارد ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

نشانِ بے نشاں ہے تو، مکینِ لامکاں ہے تو — عیاں نہیں، نہاں نہیں، نہاں ہے تو عیاں ہے تو
نہ ابتدا، نہ انتہا، محیط بے کراں ہے تو — کہاں کہیں یہاں نہیں، بتا کہ تو کہاں نہیں

مضمون نگار نے دو اہم باتیں غلط تحریر کی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ حضرت داغ دہلوی کا مشہور شعر:

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں — صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
(مرزا داغؔ دہلوی)

اپنے ''استاد محترم ناصر باقوی'' کے نام لکھ دیا۔ مندرجہ بالا مشہور شعر مرزا داغؔ دہلوی کے مجموعہ کلام ''مہتاب داغ''، میں موجود ہے، جسکا مطلع اور مقطع قارئین کی نذر ہیں:

عذر آنے میں بھی ہے، پاس بلاتے بھی نہیں — باعثِ ترکِ ملاقات بتاتے بھی نہیں
زیست سے تنگ ہوائے داغؔ تو جیتے کیوں ہو — جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں
(مرزا داغؔ دہلوی)

مولانا نثار نے غالب کا شعر بھی غلط طریقہ سے یوں لکھا ہے:

آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی — کیا یہ ضروری سب کو ملے ایک سا جواب

مضمون نگار نے مصرع اولیٰ کو مصرع ثانی بنا دیا اور اس مصرع کو بھی غلط لکھا۔ ''نسخۂ حمیدیہ'' جو مرزا غالبؔ کا مستند مجموعۂ کلام ہے، میں متذکرہ شعر یوں درج ہے:

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
(مرزا غالبؔ)

صفحہ ۲۳۱ پر نظم ''ثنائے ذوالجلال'' کا پہلا بند کمپوزر کی زیادتی کا شکار ہو گیا۔ پہلے مصرعہ میں لفظ ''جلال'' دوبار لکھ دیا گیا جب کی یہ مصرعہ: ''جلال تو، جمال تو، کمال تو، زوال تو'' لکھا جانا چاہئے۔

☆

تنویر پھول مقیم نیویارک (امریکہ) کا مضمون ''نعت، بزبانِ حضور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی اس شمارہ میں شامل اشاعت ہے۔ تنویر پھول ایک مشہور پاکستانی شاعر اور نثر نگار ہیں۔ ان کی نگارشات تسلسل سے مختلف رسائل وجرائد میں شایع ہوتی رہتی ہیں۔ ان کا متذکرہ مضمون، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدتوں اور محبتوں کا مظہر ہے۔ مضمون میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اللعالمینی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تنویر پھول کا یہ جملہ آبِ زر سے لکھنے لائق ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے کو رب العالمین کہا تو ساتھ ہی ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلمکو رحمت اللعالمین کے لقب سے سرفراز فرمایا''۔

عباد بن شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑے باغ کے مالک سے واپس دلوانا، جس کے باغ سے بھوک سے مغلوب ہوکر بغیر اجازت کھجوریں توڑ لی تھیں، مسجد میں پیشاب کرنے والے کو مسلمانوں کی اذیت رسانی سے بچانا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں سے رحم کا برتاؤ کرنے کی تاکید باربار کرتے رہنے کی تلقین کرنا، اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد فرمانا اور اپنی رشتے کی بہن حضرتِ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرادینا، پرندوں اور جانوروں پر رحم کرنے کی تاکید فرمانا، اونٹ کو بھوک سے بیتاب دیکھ کر اس کے انصاری مالک سے اس کو خوراک بہم پہنچانے کی سفارش کرنا، دشمنوں پر عفو وکرم کی بارش کرنا، اپنے اوپر کوڑا پھینکنے والی کی عیادت کو جانا، طائف کے ایزارسانوں کے حق میں بددعا نہ کرنا، غزوۂ احد کے موقع پر اللہ سے دشمنوں کے قصور کو معاف کرنے کی دعا کرنا، فتح مکہ کے روز عام معافی کا اعلان کرنا، منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کی تدفین میں شامل ہونا، اسکو اپنا پیراہن مبارک کفن کے لئے دینا، اپنا لعاب دہن اس کے منھ میں ڈالنا، اور نماز جنازہ میں شریک ہونا، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا، تمام عمر کسی کو اذیت نہ دینا اور برا بھلا نہ کہنا، ان سارے واقعات کو تنویر پھول نے اپنے مضمون میں بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معنوں میں ہر کس وناکس کے لئے رحمت اللعالمین ہیں۔ تنویر پھول کے یہ اشعار ان کی عقیدتوں کی ترجمانی کرتے ہیں:

وہ آئے رحمت للعالمیں بن کر   وہ آئے تاجدارِ مرسلیں بن کر

وہ آئے مرہم قلبِ حزیں بن کر وہ آئے مالکِ خلد بریں بن کر

(تنویر پھول)

☆

''مہاجر نعت گوشعرا کا ایک اجمالی جائزہ'' جناب فیروز سیفی، مقیم نیو یارک کا بیش قیمتی مضمون ہے۔ یہ فیروز سیفی وہی قابلِ صد احترام شخصیت ہیں جن کی اعانت اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کی کاوشوں سے دبستان نعت کی اشاعت شاندار طریقہ پر ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان دونوں حضرات کی عمر، صحت اور آسودگی میں برکت عطا فرمائے۔

متذکرہ مضمون میں فیروز سیفی نے ان مہاجر نعت گوشعراء کا کلام پیش کیا ہے جوکسب معاش کے سلسلہ میں اپنے ملک سے دور قیام پزیر ہیں اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نعت کا نذرانہ پیش کر کے اپنے کو مفتخر کرتے اور ثواب دارین حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ان سارے کے سارے شعراء کی جائے پیدائش ہندوستان ہی ہے۔ اللہ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ فیروز سیفی اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں کہ ''دونوں جہان کی کوئی بھی ایسی شے نہیں ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیجاہ میں اپنے اپنے طور پر ہدیۂ درود وسلام نہ بھیجتی ہو۔ ہدیۂ درود وسلام کی دوسری شکل یا دوسرا نام ہی نعت گوئی ہے۔ اسی لئے انسانوں اور جناتوں کو نعت گوئی کا حکم دیا گیا ہے۔''

فیروز سیفی نے عزیز اولیاء سلیمانی، عاقل اکبر آبادی، ظہیر صدیقی، بے چین اجپوری، محمد اصطفا خان لکھنوی،، ظہیر احمد ظہیر، طور نورانی، سید نجم نعمانی سبزواری، اور تنویر پھول کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا ہے اور ان کے اشعار مثال کے طور پر رقم کئے ہیں۔ ان شعراء کی تصنیفات اور جائے پیدائش کے بارے میں بھی مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ ان میں سے چند اشعار قارئین کی نذر ہیں:

عشق کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ حلقۂ آفاق میں گرمیِ محفل ہے وہ

(علامہ اقبال)

زہے تبلیغِ دیں شانِ ہدایت اس کو کہتے ہیں کہ بد کردار آئے اور نیکوکار ہو جائے

(عزیز اولیاء سلیمانی)

مدینے میں جانے کو جی چاہتا ہے مقدر جگانے کو جی چاہتا ہے

(عاقل اکبر آبادی)

دل ہو کہ مری جان مدینے کی ہواؤ ہو زیست کا سامان مدینے کی ہواؤ
(ظہیر صدیقی)

غم و آلام کی یورش کہ جب بھی مجھ پہ ہوتی ہے دلِ پر درد کا ہوتا ہے درماں نعت کا نغمہ
(بے چین اجپوری)

نہ کیوں ہو نورِ مجسم وہ جسمِ بے سایہ نکال دی گئی ظلمت ہو جس کے سینے سے
(محمد اصطفا خان لکھنوی)

بے چینیوں سے کہہ دو آئیں نہ پاس میرے اب نعتِ مصطفٰے میں مصروف ہے مرا دل
(سید حسین نذر زیدی)

پھول مہتاب ستارے سارے آپ کے رخ کے نظارے سارے
(طور نورانی)

ادب سے نگاہوں کو اپنی جھکاؤ وہ دیکھو، وہ باب السلام آرہا ہے
(سید نجم نعمانی سبزواری)

غم سے مجھے چھڑا لو آقا مدینے والے طیبہ ہی میں بسا لو، آقا مدینے والے
(تنویر پھول)

☆

''شگفتہ جمال اجملی کا میلاد نامۂ اجملی'' راقم الحروف (فاروق جائسی) کا مضمون ہے جس پر ''میلاد نامۂ اجملی'' کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ محترمہ شگفتہ جمال اجملی، پروفیسر سراج اجملی کی والدہ ماجدہ ہیں، یہ میلاد نامہ انہیں کی تصنیف ہے۔ اس کتاب پر ایک تفصیلی، طویل اور مبسوط مقدمہ، پروفیسر سراج اجملی نے سپرد قلم کیا ہے۔ اس کتاب میں نظم و نثر دونوں کا استعمال کیا گیا ہے، میلاد شریف کی اہمیت و افادیت پر مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ روایات کی زبان بھی بہت سادہ اور سلیس رکھی گئی ہے تا کہ میلاد کی محافل میں شریک ہونے والی مستورات اسے آسانی سے سمجھ سکیں اور دین محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان کو آسانی ہے۔ حمد و مناجات اور منقبت کے اشعار بہت سادہ اور موثر ہیں۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ یہ کتاب ایک عورت کی تصنیف ہے اور عورتوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ حمد و مناجات اور نعت و منقبت کے چند اشعار حاضر کر رہا ہوں تا کہ مصنفہ کی منظوم مشمولات کا اندازہ کیا جا سکے:

تو ہے خدائے واحد ہے پاک نام تیرا وردِ زباں ہے ہر دم یارب کلام تیرا

شمس و قمر بنائے، ارض و سما بنایا		کرتا ہے شکر ہر دم ہر خاص و عام تیرا

☆

رحم کر ربِّ جہاں شاہِ ہدیٰ کے واسطے		رحمتِ عالم حبیبِ کبریا کے واسطے
حضرتِ حسنین کے صدقہ میں ہو میری نجات		پیاری بی بی اور علی مشکل کشا کے واسطے

میلاد شریف کے بیانات میں جناب محمد رسول اللہ کی سیرت پاک اور ان کے اصحاب کی زندگی کی خاص خاص باتوں کا بہت عمدہ طور پر تذکرہ کی گیا ہے۔ پوری تحریر میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ سامعین محفل کی چسپیدگی قائم رہے۔ یہ کتاب کئی زاویوں سے افادیت کی حامل ہے۔ میں اس بات کی سفارش کرتا ہوں کہ اس کا ایک نسخہ ہر مسلمان اپنے یہاں رکھے کہ اس میں بہت سی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

☆

''آج میں لکھتا ہوں سراپا کس کا''، پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع، ساہیوال (پاکستان) کا مضمون ہے جس میں محسن کاکوروی کے مختلف کلام میں سراپائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر گفتگو کی گئی ہے۔ پروفیسر محمد شفیع کے مطابق ''محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری میں نمایاں ان کی شوخی و شگفتگی کے ساتھ بیان کردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا ہے''۔

ان کے مشہور قصیدہ ''سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل'' کے مختلف ادبی وفنی محاسن پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ فاضل مضمون نگار نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس قصید نے اردو نعتیہ کلام کی ایک نئی جہت سے لوگوں کو روشناس کرایا ہے کہ یہ ہندوستانی سیاق وسباق اور ہندوستانی ماحول میں اور فضا میں کہا گیا نعتیہ کلام ہے۔ پہلے تو لوگوں نے اس نعتیہ کلام میں ہندوستانی ماحول یعنی متھرا، گوکل، کنہیا اور مندروں کی شمولیت کو کوقبول نہیں کیا مگر رفتہ رفتہ کلام کی اثر آفرینی نے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی اور اسے مقبولِ عام بنا دیا۔ اس نعتیہ کلام کے ہندی کلچر نے بھی لوگوں کو ایک نئی اور تازہ ترین ہوا کا احساس کرایا۔ اس قصیدہ میں بھی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا نگاری کو خاص دخل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر عضو مبارک کا بیان اور اس کی نادر تشبیہات اس قصیدہ کی جان ہیں۔

محسن کاکوروی کا جملہ کلام تشبیہات واستعارات، مرصع سازی، بیان وبدیع، ہندوستانی تہذیب وتمدن، منظر نگاری، جدتِ بیان، ندرتِ کلام اور اپنے خاص اسلوب سے پہچانا جاتا ہے۔ ان کی نعتیہ کلام سے چند اشعار حاضر ہیں جو مضمون نگار نے اپنے مضمون میں شامل کئے ہیں:

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل		برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

چشمِ مے کش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب
پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل
سایہ زیبا ہی نہ تھا آپ کی قامت کے لئے
روشنائی تھی یہی مہرِ نبوت کے لئے
ترے عارض کو میں آیئنۂ نورِ خدا سمجھوں
کہ فہمِ سرِّ وحدت ہے الف ایماں کی ابجد کا

☆

حقا کہ وہ جسم سر سے تا پا
ہے شاہدِ غیب کا سراپا
پیشانی ہے جزو مصحفِ رو
اس پارے کے دو رکوع ابرو
اس گردنِ صاف کی بلندی
تکبیر فریضۂ سحر کی
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن سے
لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن سے

☆

''اڈیشا میں نعت نگاری ایک مختصر جائزہ''، انور بھدرکی نے سپرِدِ قلم کیا ہے۔انور بھدرکی بہت ہی قابل، بہت ہی باصلاحیت، مختلف زبانوں پر عبور رکھنے والے، کثیر التصانیف، کثیر المطالعہ، درجنوں سبجیکٹ پر ماسٹرس ڈگری رکھنے والے شاعر، نثر نگار، نقاد، مترجم، محقق اور ناگپور یونیورسٹی کے رسرچ اسکالر ہیں۔

انور بھدرکی کے مطابق اوڈیشہ اردو کے مراکز سے دور بھلے ہی رہا ہے مگر اردو کے ارتقاء میں اس کا اہم حصہ ہے۔یہاں کے سب سے پرانے شاعر شیخ امین اللہ چرخی ہیں جن کا مجموعہ کلام ۱۹۰۷ء میں دیوان چرخی کے نام سے شایع ہوا۔ڈاکٹر حفیظ نیواپوری رقمطراز ہیں کہ ''اڈیشا کا اوّلین تذکرہ ملک محمد جائسی کی پدماوت میں پایا جاتا ہے''۔فاضل مصنف نے اڈیشا میں اردو اور فارسی کے چلن کے سلسلہ میں اہم گفتگو کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اڈیشا بھی قصرِ اردو ادب کی تعمیر میں شامل رہا ہے۔

بقول انور بھدرکی، ''نعت گوئی کی معنوی اہمیت وافادیت، افضلیت، اکبریت، سرمدیت اور ابدیت کے پیش نظر ادب میں اس کو ایک مکمل صنف کے بطور درجہ دیا جا چکا ہے''۔اس مضمون میں انہوں نے راقم الحروف (فاروقؔ جائسی) کے ایک مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے نعت کی تعریف کو متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ نعت سبھی ہیئتوں میں کہی گئی ہیں اور کہی جاتی رہیں گی۔ چونکہ مضمون نگار کا مطالعہ بہت وسیع ہے اس لئے انھوں نے اپنے متذکرہ مضمون میں بہت سے دیگر مصنّفین کی تحریروں کے اقتباسات پیش کئے ہیں جو ان کے بیانات کو مدلل بنانے میں معاون ہیں۔ انہوں نے ان اقتباسات سے یہ ثابت کیا ہے کہ اوڈیشا میں اردو نعتیہ شاعری کی روایت کم وبیش تین سو سال پرانی اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

انور بھدرکی نے اڈیشا میں نعتیہ شاعری سے اپنے کو مفتخر کرنے والے ابتدائی دور کے نعت گو شعراء کا تذکرہ بھی کیا ہے اور ان کے نمونۂ کلام بھی پیش کئے ہیں۔ان کی محنت، کاوش اور تحقیق سے یہ مضمون ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔انور بھدرکی جو بھی کام کرتے بہت محنت اور تحقیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کرتے ہیں۔انھوں نے اس مضمون کو بھی گنج ہائے گراں مایہ سے بھر دیا اور ایک قابل قدر کام کیا ہے۔میں اس مضمون کی اشاعت پر ڈاکٹر سراج احمد قادری، فیروز سیفی اور انور بھدرکی کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ یہ مضمون رسرچ اسکالرس کے لئے شمع رہگزر کا کام کرے گا۔اس مضمون میں شامل کچھ نعتیہ اشعار حاضرِ خدمت ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اڈیشا کے نعت گو شعراء بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔

صفیں بنائے کھڑے ہوئے ہیں درونِ اقصیٰ تمام مرسل
مقام دیکھو امام بن کر چلے ہیں وہ مرسلاں سے آگے

(راشد شبنم)

دھوپ رنج والم کی بہت تیز ہے، یاشہِ دیں ہمیں آسرا دیجئے
اے حبیبِ خدا التجا ہے یہی اپنے دامن میں ہم کو چھپا لیجئے

(خالد رحیم)

تجلی کس کی بکھر گئی ہے کہ اس سے ہر دو جہاں ہے روشن
یہ کس کی آمد کا معجزہ ہے زمیں ہے روشن زماں ہے روشن

(عبدالمتین جامی)

بد گمانی کی تیرہ شبی میں جب بھی لیتا ہوں نامِ محمد
آگہی کے اجالوں سے فوراً ہونے لگتا ہے پر نور سینہ

(نورالٰہی ناطق)

نصیبہ کعبے کا جاگ اٹھا، قمر نبوت کا جوں ہی چمکا
ہے یہ نبی کے قدم کا جلوہ حرم کا پتھر ہے مہکا مہکا

(اولادِ رسول قدسی)

اس مضمون میں بھی کمپوزنگ کی بہت سی اغلاط نظر آئیں ہیں۔میں ان کو اس لئے لکھے دے رہا ہوں تا کہ قارئین کو ان اشعار کو درست پڑھ سکیں۔اس طویل مضمون میں چند کمپوزنگ کی اغلاط در آنے

سے اس کی افادیت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔اس کی اہمیت مسلم رہے گی کہ یہ اڈیشا کی نعت گوئی کے سلسلہ میں ایک اہم مضمون ہے:

لئے جب آب کوثر شاقی کوثر سے کہہ دوں گا ادھر بھی دیکھنا حیدرِ کرار میں بھی ہوں

(ساقی کوثر لکھنا چاہیے۔دوسرا مصرع ناموزوں اور ذم کا پہلو بھی لئے ہوئے ہے) صفحہ ۲۸۲

الٰہی تجھ سے یہی دعا ہے، شمسِ عاجز کا مدعا ہے (اس مصرع میں شاید 'یہ' چھوٹ گیا ہے) صفحہ ۲۸۳

ساتویں سطر میں ''استغاثہ لکھا ہے جبکہ یہ ''استغاثہ'' ہے صفحہ ۲۸۴

ویقی پیڈیا کے بجائے ''ویکیپیڈیا'' لکھنا چاہیے صفحہ ۲۸۷

اسلام کا ہے مہر و کرم اور عما اصول راس آئی ہم کو احمدِ مرسل کے دھول کی

(مہمل شعر ہوگیا) صفحہ ۲۸۷

درِ کعبہ......اک عظمت بھرا دل لے کے آیا ہوں

(مصرع ناموزوں ہے،شاید 'یہ' چھوٹ گیا ہے) صفحہ ۲۸۸

چھایا تھا کفریت کا اندھیرا چہار سمت وحدانیت کا اجالا رسول پاک

(کفریت اور دوسرا مصرع غلط) صفحہ ۲۸۹

اس میں رب کی دعا ہے پڑھو درود و سلام (اس کی بجائے 'اسی' لکھا جانا تھا) (صفحہ ۲۹۸)

☆

'نعتِ محمد صلِّ علیٰ ایک انمول نعتیہ مجموعہ از شہزاد بیگ''،ڈاکٹر شبیر احمد قادری، فیصل آباد (پاکستان) کا سپردِ قلم کیا ہوا مضمون ہے۔

اس مضمون سے مترشح ہوتا ہے کہ ماشاءاللہ فی زمانہ فیصل آباد کی سرزمین پر نعت گو شعراء کا ایک گلشن کھلا ہوا ہے۔یہی نہیں یہاں پر نعت خواں حضرات بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں اور اس شہر کی فضاؤں کو نعتیہ اشعار نورانی بنا رہے ہیں۔ڈاکٹر شہزاد بیگ کے نعتیہ مجموعہ ''نعت محمد صلِّ علیٰ'' میں ۶۳ نعتیں شامل ہیں جو حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری، قابلِ تقلید،شاندار اور نورانی زندگی سے مطابقت اور رعایت رکھتی ہیں۔اس نعتیہ مجموعہ کو اپنی ستائشی تحریر سے آراستہ کرنے والوں میں ڈاکٹر انعام الحق،جلیل عالی، ناظر علی سید،تنویر سحری رام پوری،کوثر علی اور افتخار عارف جیسے مقتدر شعرائے کرام شامل ہیں۔یہی نہیں اس مجموعہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے والوں میں مشہور و معروف نعت خواں سید زیب مسعود بخاری جیسے حضرات بھی شامل ہیں جن کی آراء بہرحال اہمیت کی حامل ہیں کہ یہ

حضرات خود بھی نعت گو اور نثر نگار ہیں۔

متذکرہ حضرات کے مطابق یہ مجموعہ شہزاد بیگ کے عجز، انکسار، عقیدت، وفورِ جذبات، اسلوب تازہ، مضامین نو بہ نو اور مدینہ منورہ کی محبت وعقیدت سے مزین ہے۔ مجموعہ پر اظہار رائے کرنے والوں نے صاف طور پر اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ مجموعہ عام مجموعات کی روش سے الگ ہٹ کر تخلیق ہوا ہے اور اپنے اسلوب کی وجہ سے منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ چند اشعار ''نعتِ محمد صلِ علیٰ'' سے قارئین کی نذر ہیں:

شہزآد واپسی کا نہیں مجھ میں حوصلہ — اور رات آخری ہے محمد کے شہر میں
دل کو سکوں ملا، مری آنکھوں کو روشنی — کس درجہ تازگی ہے محمد کے شہر میں
میرے نبی نے ہر خطے میں دستک دی — عربی عجمی ہر لہجے میں دستک دی
سب سے آخری دستک تھی یہ دنیا میں — اس لئے آپ نے ہر گوشے میں دستک دی

☆

ڈاکٹر ستار سآحر نے ''سلیمان اطہر جاوید کی نعت گوئی'' پر ان کے مجموعہ کلام 'آنگن آنگن دکھ کے پیڑ' کے حوالہ سے مضمون سپردِ قلم کیا ہے جس میں صرف دو نعتیں اور ایک نعتیہ شعر شامل ہے۔ یہ مضمون دبستان نعت کے آٹھویں شمارہ میں شامل اشاعت ہے جس میں ان کے دیگر نعتیہ اشعار پر رائے زنی کی گئی ہے۔ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید مشہور ومعروف ناقد، قابلِ اعتبار محقق، بے باک کالم نگار، عمدہ شاعر اور فارغ شدہ ماہر تعلیم ہیں۔ ان کی کم وبیش تیس کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ متذکرہ مضمون ایک سرسری مضمون جیسا ہے۔ جو اشعار نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں وہ بھی بہت معیاری نہیں ہیں۔ اشعار فنی اسقام کا شکار بھی ہیں۔ مثال کے طور پر:

اک حرف نعت جو میرا قبول ہو جائے — مری حیات کی قیمت وصول ہو جائے

مندرجہ بالا شعر میں ''اک حرف'' کی ہائے حطی ساقط الوزن ہے، اس طرح یہ شعر بحر سے خارج ہے:

نہ ہوں شمار میں اور 'نہ' کسی قطار میں ہوں — جو ایک آپ سے نسبت ہے بے مثالی ہوں

مندرجہ بالا شعر میں دوسرا 'نہ'، کو دو حرفی لفظ 'نا' کے وزن پر نظم کیا گیا ہے۔ یہ حرف ہمیشہ ایک متحرک حرف کے طور پر استعمال ہوتا آیا ہے۔ قدیم شعراء کے اشعار اس ضمن میں میری نظر میں ہیں مگر وہ دور دوسرا تھا جب اردو ارتقائی مراحل میں تھی۔ اس لئے ایک پروفیسر صاحب سے یہ غلطی نا قابل قبول ہے۔ [نہ] اسی طرح اور اسی وزن میں استعمال کیا جانا چاہئے جیسے مرزا غالب، بہادر شاہ ظفر اور

انشاءاللہ خان وغیرہ نے استعمال کیا ہے:

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے وہ میں ایک مشتِ غبار ہوں
(ظفؔر)

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
(انشاؔء)

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
(غالؔب)

ویسے بھی ''شمار و قطار میں ہونا'' محاورہ ہے اور اسے توڑ کر نہیں پیش کیا جانا چاہئے کہ 'شمار' الگ کہا جائے اور 'قطار' الگ کہا جائے۔ پروفیسر اطہر جاوید کے کچھ اچھے اشعار بھی ستار ساحر نے پیش کئے ہیں جن میں سے منتخب اشعار حاضر ہیں:

وہ ایک نام کہ جو اصلِ دین و ایماں ہے — وہ ایک نام کہ جو ماورائے بحث و دلیل
وہ ایک نام کہ جو علم و عشق کا عرفاں — وہ ایک نام کہ جو صرف پیار کی قندیل
وہ ایک نام کہ جو این و آں کا حاصل ہے — وہ ایک نام کہ قربان جس پہ ربِّ جلیل

☆

ڈاکٹر شاہد احمد جمالی، جے پور (راجستھان) کا یہ مضمون ''راجستھان میں اردو نعت گوئی پر ایک نظر'' کے عنوان کے تحت سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ صوبۂ راجستھان میں اردو ادب کی آبیاری ایک زمانہ سے ہوتی آئی ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کے بعد دورِ انگلشیہ میں بھی یہاں کی ریاستیں اردو کے معماروں کی کفالت کرتی آئی ہیں، جن میں ریاست ٹونک اور ریاست لوہارو کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس خطہ میں اردو کے ابتدائی نقوش سترہویں صدی کے اواخر سے ملتے ہیں۔

اس دور میں دکنی، گوجری اور راجستھانی زبان اردو رسم الخط میں ہی لکھی جاتی تھی۔ اسی زمانہ سے اس خطہ میں نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں۔

ڈاکٹر شاہد جمالی نے راجستھان کے کم و بیش تیس نعت گو شاعروں کا مختصر تذکرہ کہ اس مضمون میں

شامل کیا ہے اور ان کے منتخب اشعار بھی بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ کچھ شاعروں کے نعتیہ اشعار حاضر ہیں:

جب چاہا حق پاک نے پیدا کروں جہان — اوّل نورِ محمدی کے نا حق سبحان
پاک محمد مصطفٰے نبیوں کے سردار — عطا کیا حق پاک نے ان اوپر معراج
(خواجہ نجم الدین نجم)

ہوتی رہی محشر میں ادا حشر کی رسمیں — ہم تکتے رہے صورتِ سلطانِ مدینہ
(میر محمد صدیق قاتل اجمیری)

خدا سے اپنی امت بخشوالی حشر سے پہلے — شفاعت نام ہے اس کا شفاعت اس کو کہتے ہیں
(عالمگیر کیف ٹونکی)

محتاج وہ نہیں کسی فخر مزید کا — جس کو شرف ملا ہے محمد کی دید کا
(محمد فرحت اللہ فرحتی، امروحوی)

اگر اے نسیم سحر ترا ہو گزر دیارِ حجاز میں — مری چشمِ تر کا سلام کہنا حضورِ بندہ نواز میں
(اختر شیرانی)

بنایا ہے دو عالم کو خدا نے ایک صورت سے — ادھر بھی جلوہ احمد کا، ادھر بھی جلوہ احمد کا
(مرزا مائل دہلوی)

اجالوں پر ہوا جاتا ہے پھر غلبہ اندھیروں کا — دکھا دو پھر جمالِ عالم آرا یا رسول اللہ
(رشید احمد احمر جے پوری)

اس مضمون میں بھی کتابت کی اغلاط نظر آئی ہیں، جن کی وجہ سے اشعار کے بحر اور اوزان میں فرق آ گیا ہے۔ کمپوزنگ کی تصحیح کی غرض سے اس کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

صفحہ ۳۲۱	قافلہ آج (یا) کہ کل جائے	('یا' چھوٹ گیا تھا)
۳۲۳	کلام اللہ سے کس وقعت سے نام آیا محمد کا	(مصرع بحر سے خارج ہے)
۳۲۳	نظر آتا نہیں کچھ فرق اکثر دیکھتا ہوں (میں)	(میں چھوٹ گیا تھا)
۳۲۴	گمرہ خلیل کا تھا پدر، نوح کا پسر	(مصرع میں 'گمراہ' غلط لکھا تھا)
۳۲۴	(عجب) ڈھب حضرتِ آدم کو یاد آیا خوشامد کا	(مصرع میں 'عجیب' غلط لکھا تھا)
۳۲۵	جنہوں نے تجھ (سے) ہزاروں کی آبرو رکھ لی	(مصرع میں 'جیسے' غلط لکھ تھا)
۳۲۶	وہ رسولِ رحمت کبھی، کبھی رحمتوں کے مبین بھی	(مصرع بحر سے خارج لکھ گیا ہے)

۳۲۷ آپ ہی کیلئے ہے زمین وزماں آپ ہی باعثِ خلقِ کون ومکاں
(مصرع میں باعثِ 'خلق وکون ومکاں' غلط لکھا تھا)

۳۲۷ تو ہم عاصی (گنہگاروں) کا بیڑا پار ہو جائے (یہاں گناہ گاروں غلط لکھا تھا)

۳۲۸ اک رحیم ایک کریم ایک محبّ اک محبوب ('ایک رحیم ایک کریم اک محبّ اک محبوب' غلط تھا)

☆

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے ''امروہہ کے چند نعت گو'' شعراء کے تحت ایک مضمون سپردِ قلم کیا ہے۔ امروہہ کی سرزمینِ ادب اتنی زرخیز ہے کہ جسکا جواب نہیں۔ ہندوپاک میں یہاں کے شعراء ادباء نے اپنے نشانِ قدم ایسے ثبت کئے ہیں کہ جو کبھی معدوم نہیں ہو سکتے۔ مصباحی صاحب نے درست فرمایا کہ یہاں کے خاص خاص شعراء اور ادباء کا نام ہی گنانے پر آئیں تو ایک مستقل اور ضخیم کتاب بن جائے گی۔ یہ سعادت کسی کسی شہر کو حاصل ہوتی ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کا ''جو ذرہ بھی جہاں ہے وہیں آفتاب ہے''۔ ڈاکٹر مصباح نے کچھ اہم نعت گو شاعروں کے بارے میں اطلاعات فراہم کی ہیں۔ میری نظر میں اسے تذکرہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں حضرات ضیاء الرب ضیائی، محمد احمد بقا امروہوی، حسن رضا صدیقی، رئیس احمد، کفیل امروہوی، جنید اکرم فاروقی، زبیر احمد سیفی، احمد رضا فراز، مجاز امروہوی، ڈاکٹر ناصر پرویز، شیبان قادری، شہاب انور اور مستجاب احمد شبلی کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان کے کلام سے بھی منتخب اشعار پیش کئے ہیں اور تذکرہ کا حق ادا کیا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار نے روح کو مسرتوں سے بھر دیا کہ یہ اشعار ادبی اور فنی لحاظ سے تو قابلِ ستائش ہیں ہی ساتھ ساتھ اور عقیدتوں کی پاکیزگی اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ارادتمندی کی بہترین مثال ہیں:

یہ عمل کرتے ہیں مشتاقانِ کوئے مصطفےٰ رخ بسوئے کعبہ ان کا، دل بسوئے مصطفےٰ
(مفتی نسیم احمد فریدی)

منسوخ اس لئے ہوئے آئینِ سابقہ حاجت تھی زندگی کو مکمل نظام کی
(طرب ضیائی)

چاند سے پوچھو چاند بتائے اس نے کہیں کوئی دیکھا چاند
چاند بتائے میں نے نہ دیکھا روئے محمد جیسا چاند

سوریہ سے پوچھو کون ہے سورج چاند سے پوچھو کون ہے چاند
چاند کہے سورج بتلائے کعبہ سورج طیبہ چاند

(جنید اکرم)

مندرجہ بالا مضمون میں کمپوزنگ اور فنی اغلاط بہت کم نظر آئی ہیں، پھر بھی اغلاط ہیں، جیسے:
ہے ختم ہر کمال فقط آپ پر حضور سرتا (بہ) پا کمال بنائے گئے ہیں آپ (اس شعر میں 'بہ' چھوٹ گیا تھا)
میں شہر طیبہ و بطحا کی گرد 'ہوا' ہوتا۔ حضور آپ کو ہر لمحہ چومتا ہوتا۔ ('ہوا' کی 'ہ' ساقط الوزن، مصرع بحر سے خارج ہے)

☆

ڈاکٹر رضوان امجدی اپنے مضمون ''لکھنؤ کے چند نعت گو شعراء'' میں رقم طراز ہیں کہ ''لکھنؤ صرف ایک شہر ہی نہیں بلکہ یہ ایک علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی دبستان ہے۔ یہاں کی زبان و بیان میں جو شیرینی اور متانت، تہذیب و تمدن میں شائستگی اور علم و ادب میں بالیدگی ہے وہ پوری دنیا کے کسی بھی شہر کو یہ عز و شرف حاصل نہیں۔ اس سرزمین پر اردو کے جملہ اصناف سخن کے دانشور اور نابغۂ روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں۔''

ڈاکٹر رضوان امجدی نے اپنے متذکرہ مضمون میں اسلم فاروقی، تسنیم فاروقی، قیصر وارثی، بشیر فاروقی، مصور لکھنوی، بشر فردوسی، بہزاد لکھنوی اور حمید صدیقی کی نعتیہ شاعری پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہی نہیں مضمون نگار نے ان حضرات کے مجموعۂ کلام اور ان کے کلام کے محاسن پر بھی روشنی ڈالی ہے، جہاں جہاں ممکن ہوا شاعروں کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وصال بھی درج کر دیا ہے۔ ان میں کئی حضرات کے ساتھ مجھے مشاعروں میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ شعراء اپنے اپنے فن میں واقعی یگانۂ روزگار تھے، بیشتر تو نظم و نثر دونوں میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اللہ ان سب کی مغفرت فرمائے۔ ان شعراء کے چند اشعار قارئین کی نذر ہیں جو قلب و روح کی طہارت کے لئے بار بار پڑھے جانے کے قابل ہیں:

ان کے جیسا کوئی انسان نہ دیکھا نہ سنا — چلتا پھرتا ہوا قرآن نہ دیکھا نہ سنا
یہ زمیں کیا ہے، فلک زیر نگیں ہے ان کے — ہم نے ایسا کوئی سلطان نہ دیکھا نہ سنا

(اسلم فاروقی)

رسول اللہ کے مکے کی گلیاں تو نہیں باقی — مگر اپنی جگہ پر اب بھی ہے غارِ حرا چلئے

ثانی نہ مصطفیٰ کا ہوا مصطفیٰ سے قبل
ثانی نہ مصطفیٰ کا ہوا مصطفیٰ کے بعد
بھیجو درود ان پہ ولیؔ ہر دعا سے قبل
بھیجو درود ان پہ ولی ہر دعا کے بعد
(پروفیسر ولی الحق انصاری)

ہمیں معراج کے بارے میں بس اتنا ہی کہنا ہے
گھڑی جس طرح رک جاتی ہے گردش رک گئی ہوگی

تسنیمؔ نعت کہنے کو کہتا تو ہوں مگر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
(تسنیم فاروقی)

یا رسول اللہ انظر حالنا پڑھتے رہو
وقتِ مشکل اس سے بہتر اور دعا کوئی نہیں
وہ صدائیں بے اثر ہیں وہ دعا دعا نہیں ہے
وہ دعا کہ جس دعا میں ترا واسطہ نہیں ہے
(قیصر وارثی)

امتی ان کو بھلائے ہوئے بیٹھے ہیں بشیرؔ
وہ تو راتوں کو بھی سوئے نہیں امت کے لئے
سواری نور، دولھا نور، باراتی بھی نورانی
دلوں کو نور سے بھر لو، شبِ معراج آئی ہے
(بشیر فاروقی)

پیشِ نظر ہیں روضۂ اطہر کی جالیاں
نظروں میں کائناتِ تمنا ہے اور ہم
یہ ہے ادبِ خواب گہِ سرورِ کونین
طیبہ سے گزرتی ہے دبے پاؤں صبا بھی
(مصور لکھنوی)

ہر یگ میں کام آئے گا انسان کے لئے
اتنا مہان آخری بھاشن ہے آپ کا
آکاش سج رہا ہے بڑی دھوم سے بشرؔ
سندر سواگتم ابھینندن ہے آپ کا
(بشر فردوسی)

ہم مدینے سے اللہ کیوں آ گئے قلبِ حیراں کی تسکیں وہیں رہ گئی
دل وہیں رہ گیا جاں وہیں رہ گئی خم اسی در پہ اپنی جبیں رہ گئی
اللہ اللہ وہاں کا درود و سلام، اللہ اللہ وہاں کا سجود و قیام
اللہ اللہ وہاں کا وہ کیفِ دوام وہ صلوٰۃِ سکوں آفریں رہ گئی

(بہزاد)

ادھر ڈھونڈھتی ہے ادھر ڈھونڈھتی ہے
خدا جانے کس کو نظر ڈھونڈھتی ہے

جہاں ڈھونڈھتی ہے جدھر ڈھونڈھتی مدینہ کو میری نظر ڈھونڈھتی ہے

(حمید صدیقی)

مندرجہ ذیل اشعار میں کمپوزنگ کی اغلاط درآئیں ہیں۔قارئین کی سہولت کیلئے درج کردی گئیں ہیں:

صفحہ ۳۵۳ یہاں پر بے اجازت جبرئیل (بھی) آیا نہیں کرتے ('بھی' زائد لکھا گیا ہے)

صفحہ ۳۶۹ ہم کہاں اور (کہاں) دیارِ حبیب ('کہاں' کمپوزنگ سے رہ گیا ہے)

☆

ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی، گوالیار (ایم۔پی) کا مضمون ''ترقی پسند نعت گو: احمد ندیم قاسمی'' اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے کہ ترقی پسند شاعروں کے درمیان بھی ایسے ایسے شعراء موجود تھے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والہ وشیدا تھے۔ان کے دلوں میں اللہ کی وحدانیت اور محبتِ رسول کی روشنی موجود تھی جس کا انہوں نے برملا اظہار کیا اور اس بات کا ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ یہ الحاد کے خلااف ہے جو ان کی پارٹی کے بنیادی اصولوں میں سے ایک تھا۔انہیں شاعروں اور قلمکاروں میں ایک مشہور و معروف نام احمد ندیم قاسمی کا بھی۔

ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی لکھتے ہیں کہ'' ترقی پسندوں نے مذہب کو افیون سے تشبیہہ دی۔ترقی پسندوں کے درمیان سے ہی ایسے شعراء نکلے جن کے سبب اردو نعتیہ روایت کو مزید استحکام حاصل ہوا۔حسرت موہانی، جوش ملیح آبادی، احسان دانش، احمد ندیم قاسمی، خلیل الرحمان اعظمی اور عمیق حنفی ایسے ترقی پسند شعراء ہیں جنھوں نے نعتیہ شاعری کی اس روایت کے معیار کو مزید رفعت بخشی۔(احمد ندیم قاسمی) آپ کا اصل نام احمد شاہ اعوان تھا۔پر دادا محمد قاسم کی رعایت سے قاسمی کہلائے۔مذہب بیزاری کے عصری رجحان کے برخلاف تقدیسی ادب کے آفاقی پہلوؤں کے حوالہ سے کچھ نیا کر گزرنے کی خواہش ہمیشہ ان کے دل میں کارفرما رہی۔''

قاسمی صاحب نے اپنی تقدیسی شاعری کے مجموعہ ''انوار جمال'' میں لکھا ہے کہ'' میری ترقی پسندی نے بیشتر قرآن وحدیث سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے انسپریشن حاصل کیا ہے۔'' ان کے مندرجہ ذیل اشعار متذکرہ مضمون میں شامل ہیں:

اس قدر کون محبت کا صلہ دیتا ہے اس کا بندہ ہوں جو بندے کو خدا دیتا ہے

پورے قد سے میں کھڑا ہوں یہ کرم ہے تیرا مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

☆

میں ظلمتوں میں تجلی کی گر دہائی دوں تو میرے سر پہ برستے ہیں آہنی تارے

☆

مجھے خبر ہے تمہاری نگاہ ہے مجھ پر اسی لئے تو میں شعلوں میں تیر جاتا ہوں

احمد ندیم قاسمی کا اسلوب ان کی نعتیہ شاعری میں جگہ جگہ ظاہر ہوتا ہے۔مندرجہ بالا اشعار میں بندے کا خدا دینا، پورے قد سے کھڑا ہونا، آہنی تاروں کا برسنا اور شعلوں میں تیر جانا ان کے اسی منفرد اسلوب کی غمازی کرتا ہے۔

☆

''منظوم سوانح اعلیٰ حضرت: رضویات کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ'' محمد اشرف رضا کا مضمون ہے جو اس شمارہ میں شامل ہے۔مضمون کے مصنف نے امرا و سلاطین، علمی و ادبی شخصیات کی سوانح، بیجا پور کے شاہی دور اور سلاطین، اردو میں لکھی جانے والی مثنویات، سوانح کی تعریف اور اس کے اجزائے ترکیبی، سوانح کی ضروریات، سوانح کے بارے میں اقتباس وغیرہ وغیرہ پر خوب خوب لکھا مگر ان کے مضمون سے چار صفحات پڑھ جانے کے بعد بھی یہ عقدہ نہیں کھلا کہ متذکرہ منظوم سوانح اعلیٰ حضرت کن صاحب کی کاوش و فکر کا نتیجہ ہے۔چار صفحات کے بعد مضمون نگار نے محبوب گوہر کے بارے میں لب کشائی کی کہ وہ عصر حاضر کے نامور ادیب و شاعر پھر بھی صاف طور پر یہ نہ لکھا کہ متذکرہ ''منظوم سوانح اعلیٰ حضرت'' مولانا محبوب گوہر صاحب کی تصنیف ہے۔جو اقتباس پیش کیا اس میں بھی مصنف کا نام غائب ہے، بس یہ لکھ دیا ہے کہ ''اردو نثر کا فنی ارتقا، صفحہ ۳۱۸، مطبوعہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی''۔ یہ لاپرواہانہ طریقۂ کار ایک ثقہ اور باعلم مصنف کے شایانِ شان نہیں ہے۔

مصنف نے متذکرہ منظوم سوانح سے قبل لکھی جانے والی اس قبیل کی سوانح میں مفتی محمود جان، جودھ پوری کے مختصر منظوم سوانح کا ذکر کیا ہے۔مصنف نے گوہر صاحب کی تصنیف سے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے اس کتاب کی انفرادیت ظاہر ہوتی ہو خواہ وہ کوئی تحقیقی پہلو ہو یا پھر کوئی فنی یا ادبی پہلو۔۴۴۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں بہت سی ایسی باتیں ضرور ہوں گی جن پر پہلے گفتگو نہ ہوئی ہو مگر مصنف ان باتوں کو دائرۂ تحریر میں لانے سے قاصر رہے ہیں۔متذکرہ مضمون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مختلف ابواب قائم کر کے اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر بھر پور روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کتاب میں بہت سے مقتدر صاحبانِ قلم کے دعائیہ کلمات اور ذاتی تاثرات شامل ہیں۔ان حضرات میں پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ، ڈاکٹر عزیز احسن، پروفیسر مجید اللہ قادری (کراچی)، مفتی شمس

الدین بہرائچی، ڈاکٹر حسن رضا، حلیم حاذق وغیرہ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔

مندرجہ ذیل شعر کمپوزر کی لاپروائی کا شکار ہو گیا ہے:

ایسے عالم میں بریلی شہر سے احمد رضا　　اترے میدانِ 'عمل' میں لے کے فاروقی ادا

(یہاں میدانِ 'محل' غلط لکھ گیا ہے)

☆

''وہ ورق تھا دل کی کتاب کا'' کے نام سے ایک مضمون دبستانِ نعت شمارہ ''۸'' شامل اشاعت ہے جس کے مصنف مولانا محمد قمر انجم قادری فیضی ہیں جنھوں نے ''سخن زارِ نعوت'' پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، مگر ان کے بنائے ہوئے عنوان ''وہ ورق تھا دل کی کتاب کا'' سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کس کتاب پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں، جب تک کہ کم و بیش آدھا مضمون نہیں پڑھ لیا گیا۔ مضمون کے درمیان یہ بات نکل کر سامنے آسکی کہ یہ مضمون ان کے محترم مولانا شمس تبریز خا کی ظہوری مرکزی کے نعتیہ مجموعہ ''سخن زارِ نعوت'' پر لکھا گیا ہے جس میں ۹۲ نعوت شامل ہیں۔ اس مجموعہ میں تاج الشریعہ اختر رضا خان، نجم الامین عروس فاروقی (پاکستان)، اولادِ رسول قدسی اور خادم رسول عینی جیسے علماء و شعراء کے تاثرات شامل ہیں۔

متذکرہ مضمون کی ابتدا میں مولانا قمر انجم قادری نے نعت کے عربی ماٰخذ پر معلوماتی گفتگو کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو شاعر نہ تھے مگر ان کا ادبی ذوق بے حد ارفع و اعلیٰ تھا۔ وہ شاعر اور شاعری کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انھوں نے عہد جاہلیت کے مشہور شاعر امراء القیس کو ''اشعر الشعراء'' کہا اور اسی دور کے شاعر عنترہ بن شداد سے ملنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا۔

مضمون نگار نے تحریر کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً پانچ سو ساٹھ سال قبل آپ کے جد امجد کعب بن لوٗ ی نے پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ ''محمد'' کا استعمال کیا اور آپ کے اجداد میں ہی کنانہ بن خزیمہ نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ ''احمد'' استعمال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد حضرت عبدالمطلب نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''محمد'' کا استعمال کیا۔ یہ اطلاعات بہت اہم ہیں کیا ہی اچھا ہوتا کہ مضمون نگار ان کتابوں کا حوالہ بھی دے دیتے جہاں سے انہیں اخذ کیا ہے۔

اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں تقریباً سب ہی عورتیں اور مرد شعر و ادب سے شغف اور شعر گوئی کی صلاحیت رکھتے تھے۔ حضرت ابو طالب اور حضرت

علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صاحبِ دیوان شعراء میں سے تھے۔آخر میں شمس تبریز خاکی کی نعت گوئی کی قصیدہ خوانی کے بعد مولانا قمرانجم نے ان کے چار اشعار مثال کے طور پر پیش کئے ہیں جن میں سے دو اشعار بالکل ہی غیر معیاری اور قلم زد کرنے کے قابل ہیں ۔میرا ذاتی خیال ہے کہ جب کوئی عقید تمند اپنے بزرگ کی کتاب پر کچھ لکھتا ہے تو وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کر پاتا۔یہی اس مضمون میں نظر آتا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پہنچ کر شہر طیبہ میں دلِ حسرت زدہ میرا　　وہاں سے پھر کرے رحلت نمی دانم نمی دانم

مندرجہ بالا شعر میں نمی دانم نمی دانم (میں نہیں جانتا، میں نہیں جانتا) کا کیا استعمال ہے اور شعر میں کیا مفہوم اس سے برآمد ہوتا ہے؟؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ شعر مہمل ہو کر رہ گیا ہے۔اب دوسرا شعر تو کمال کا ہے:

اسی ایک امید پر جی رہا ہوں　　میں دیکھوں گا اک دن مزارِ مدینہ

مندرجہ بالا شعر میں ''مزارِ مدینہ'' کا کیا محل ہے۔کیا مدینہ کا مزار بھی کہیں ہے۔شاید شاعر مزار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بات کر رہا ہے مگر اس کا عجز بیان، وہ بھی نعت میں میری سمجھ سے بالاتر ہے۔میرا خیال یہ ہے کہ نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنے سے قبل شاعر کو کم از کم ان الفاظ پر قدرت حاصل کر لینا چاہئے جن کو وہ نعت میں استعمال کرنے جا رہا ہے اور اپنا شعر اشاعت سے قبل کسی قابل شاعر کو دکھا لینا چاہئے۔

☆

اب جو مضمون میرے سامنے ہے اس کا عنوان ہے ''بحضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔ یہ مضمون ایک عاشقِ رسول، نعتیہ ادب کے متبحر عالم، نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہنے والے، مدیرانہ صلاحیتوں کے مالک اور دبستانِ نعت کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری کے رشحہ قلم کا نتیجہ ہے جن کی ذاتِ گرامی بشمول جناب فیروز سیفی، ہندو پاک اور دیگر بیرونِ ممالک میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔یہ ہر دو صاحبان دبستانِ نعت اور نعت ریسرچ سنٹر کے حوالہ سے اردو دنیا میں عزت و توقیر کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔متذکرہ مضمون قابلِ قدر تصنیف ''بحضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ضمن میں ہے جس کے مصنف ''نابغۂ روزگار، محقق و ناقد پروفیسر عبدالحق صاحب، پروفیسر ایمیرٹس، دہلی یونیورسٹی، دہلی'' کے انتخاب نعت پر مشتمل ہے۔اس میں ملا داؤد (ولادت ۱۲۸۶ء) سے لے کر سید صبیح رحمانی (ولادت ۱۹۶۵ء) تک کے اٹھاون (۵۸) شعراء کا منتخب کلام شامل کیا گیا ہے۔یہ پورا کا پورا مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ اس میں نعت کے حوالے سے بہت اہم باتیں سپرد قلم کی گئی

ہیں۔ میں ڈاکٹر سراج احمد قادری ہی کی تحریر سے چند اہم باتیں تحریر کر رہا ہوں:

''اس کتاب کی تدوین کی عظیم سعادت ربِّ کریم نے پروفیسر عبدالحق کے نام لکھ رکھی تھی تو یہ دولتِ بے بہا کسی اور کو کیوں کر میسر ہوتی۔''بقول محسن کاکوروی:

زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے
کلام نعتیہ رکھا مری زبان کے لئے ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ

آگے ڈاکٹر سراج احمد قادری فرماتے ہیں''ڈاکٹر عبدالحق نے اپنے انتخاب کو تاریخی تسلسل سے ترتیب دیا ہے اور اس کا آغاز ملا داؤد کے نعتیہ کلام بعنوان 'مثنوی چندائن' سے کیا ہے۔ انتخاب میں اٹھاون شعراء کے نعتیہ کلام کو تاریخ وار اس طرح ترتیب دیا ہے کہ شاعر کے نام کے ذیل میں معلوم تاریخ پیدائش و وفات، مع ماخذِ کلام اور عنوان، نعتیہ کلام درج ہے۔''

ڈاکٹر عبدالحق کا یہ بیان کہ''ہماری ادبی تاریخ خسرو کے مشکوک کلام سے نہیں شروع ہوتی۔ یہ ایک مغالطہ ہے ان کے اردو کلام کے وجود کا پختہ ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف انہیں کے معاصر ملا داؤد کا کلام معتبر اور تحقیق شدہ ہے''میرا خیال ہے کہ یہ بیان دے کر امیر خسرو سے منسوب سارے کلام کو الحاقی کہہ کر مسترد کر دینا بھی حضرت امیر خسرو کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ جو کلام کسی مستند شاعر کے نام سے سینہ بہ سینہ سیکڑوں سال کا سفر کر کے ہم تک پہنچا ہے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دینا کہ یہ کلام تحقیق شدہ نہیں ہے ادب کا نقصان کرنے کے مترادف ہے۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے گوپی چند نارنگ نے''خسرو کا ہندوی کلام'' مرتب کر کے شایع کیا ہے۔ اس سے یہ طے پا جاتا ہے کہ امیر خسرو کا ہندوی کلام یا ریختہ کا وجود اردو ادب میں پایا جاتا ہے۔ جہاں تک ملا داؤد کی''چندائن'' کا معاملہ ہے اس کی زبان اودھی ہے نہ کہ اردو، اس لئے ان کے کلام کو خسرو کے کلام پر اولیت دینا میرے نزدیک مناسب نہیں ہے۔

''بہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم'' پر دنیا بھر کے صاحبانِ قلم نے آن لائن اور آف لائن تبصرے کئے ہیں جن میں صدف فاطمہ صاحبہ (پاکستان) کا تبصرہ صاحبِ مضمون کو سب سے زیادہ پسند آیا۔ فیروز سیفی، ڈائرکٹر نعت رسرچ سنٹر، کا یہ کہنا کہ نعت کی کوئی نصابی کتاب مرتب ہونی چاہئے بہت مفید مشورہ ہے۔ بقول ڈاکٹر سراج احمد قادری،''جو نعت گو شعراء اس انتخاب میں جگہ پانے سے رہ گئے ہیں اگر ان کی شمولیت ہو جاتی ہے تو بلا شبہہ یہ نعتیہ ادب کا ایک جامع انتخاب ہوتا۔''

☆

''اقبال خلشؔ کی نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ'' انس نبیل، برار (مہاراشٹر) کا مضمون ہے جو

اقبال خلش (تلمیذ حبیب ہاشمی) کی شاعری کا احاطہ کرنے کی کوشش ہے۔

میرے ایک بزرگ دوست، استاد الاساتذہ اور ثقہ شاعر اقبال خلش اکبر آبادی بھی ہیں، ابھی بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں اور اپنے شاگردوں کی ایک فوج کے کلام کو صیقل کر رہے ہیں۔ان کے کئی مجموعے شایع ہو چکے ہیں۔ان کا ایک شعر سن لیجئے پھر میں انس نبیل صاحب کے مضمون کی طرف آؤں گا:

چہرے مٹنے کے لئے ہیں چہرے سب مٹ جائیں گے
آئینہ تھا، آئینہ ہے، آئینہ رہ جائے گا

(اقبال خلش اکبر آبادی)

انس نبیل کے مطابق اقبال خلش ،حبیب ہاشمی کے شاگردوں میں سے تھے۔حبیب ہاشمی ہندوستان اور بیرونِ ملک میں ہونے والے مشاعروں میں بہت مشہور و معروف اور مقبول تھے ،فنِ شاعری کے لحاظ سے میں انہیں بہت باخبر شاعر مانتا ہوں۔ میرا اور ان کا بہت سے مشاعروں میں ساتھ رہا۔اقبال خلش کو حبیب ہاشمی کے علاوہ غنی اعجاز، خلیل فرحت کارنجوی، فصیح اللہ نقیب اور محبوب راہی جیسے باکمال شعراء کی صحبت حاصل تھی۔انس نبیل نے مضمون کی ابتدا میں عمدہ اشعار کی خصوصیات بیان کی ہیں۔انہوں نے اقبال خلش کے اشعار میں مضمون آفرینی، عمدہ تراکیب، منفرد اسلوب، صنائع لفظی و معنوی اور تجنیس کی موجودگی کی طرف اشارے کئے ہیں۔اقبال خلش کی نعتیہ شاعری میں صنعتِ تجنیس، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت صحابہ اور اچھوتے مضامین کے ذیلی عنوانات کے تحت عمدہ گفتگو کی ہے۔مثال میں جو اشعار پیش کئے ہیں ان سے آپ بھی لطف اندوز ہوں اور اقبال خلش کی مغفرت کی دعا کریں:

آپ کی ذکر کی رفعت کے گواہوں میں ہیں
یہ مؤذَن، یہ مؤذِن مرے مکی مدنی

کالی کملی کو چومتے ہیں عمر
گھر سے نکلے تھے لال پیلے سے

یہ جس سے نعت نبی لکھ رہا ہوں کاغذ پر
خلش سیاہی نہیں ہے یہ روشنائی ہے

علی سے، ابن رواحہ سے، ابن ثابت سے
شعورِ نعت چلا مجھ غلام تک پہنچا

مضمون نگار انس نبیل نے اقبال خلش کی شاعری میں جن خصوصیات کی طرف اشارے کئے ہیں ان کے دلائل بھی پیش کئے ہیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ مضمون مختصر ہوتے ہوئے بھی کافی حد تک تفصیلی ہے۔

☆

''حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول ☆انوار احمدی☆ کی روشنی میں''، عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا مضمون ہے جسے دبستان نعت کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری نے سپردِ قلم کیا ہے۔ یہ کتاب حضرت مولانا حافظ محمد انوار اللہ، (ولادت ۱۲۶۴ھ) کی گراں قدر منظوم تصنیف ہے جو مسدس کے فارم میں لکھی گئی ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری کے اس مضمون میں ان کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھلکا پڑتا ہے، کیوں نہ ہو کہ یہ کتاب خود عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہے۔ صاحبِ مضمون کے مطابق ''حضرت شیخ الاسلام کے علمی وادبی کارناموں کے گوشے اور اس کی جہتیں اتنی ہمہ گیر اور وسیع ہیں کہ کسی ایک مقالے میں ان کا احاطہ کر پانا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ مولانا محمد شبیر احمد نظامی نے۔ آپ کی ۱۴ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔''

ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اپنے مضمون میں عشق کی معنویت اور اس کے اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے اس کو عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط کر دیا ہے جس کے بغیر کوئی بھی بندۂ مومن، مومنِ کامل نہیں ہو سکتا۔ اور یہی ''انوار احمدی'' کا مرکزی خیال ہے۔

یہ کتاب ''انوار احمدی'' ۶۲ مسدسات پر مشتمل ہے۔ ان مسدسات کی ابتدائی سات بندوں کی تشریحات خود صاحبِ تصنیف نے لکھی ہیں جو ۲۹۴ رصفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ جب صرف سات بندوں کی تشریح ۲۹۴ رصفحات کو محیط ہے تو کل کتاب کی تشریح کتنے صفحات کو محیط ہو سکتی ہے۔

بقول ڈاکٹر سراج احمد قادری ''اس خاکدانِ گیتی پر جتنے بھی عشاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے ہیں ان کا شیوہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کی حفاظت وصیانت اور اغیار کے ہر اس فعل کی مدافعت تھا جس سے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسر شان کا پہلو نکلتا ہو۔'' فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سفیان بن عینیہ، خلیفہ عبدالحکیم، علامہ اقبال، پروفیسر فاروق احمد صدیقی اور قدرت اللہ شہاب وغیرہ کے وہ نظریات واقوال شامل کئے ہیں جو عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہی عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متذکرہ کتاب کا جوہرِ خاص ہے۔ اس کتاب ''انوار احمدی'' کے ہر ہر مصرع میں احادیث

نبوی کا نور دکھائی دیتا ہے۔حافظ محمد انوار اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے بارے میں خود وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

’’اس کتاب میں التزام اس امر کا کیا گیا ہے کہ حتی الامکان احادیث و آثار کا مضمون لکھا جائے۔سوائے صحاحِ ستہ کے اور کتب حدیث سے بھی احادیث اس میں نقل کی گئی ہیں۔‘‘ ان کی یہ کتاب سراپا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آئینہ دار ہے۔کچھ احادیث جن کا ذکر مسدسات کی تشریح کے حوالہ سے ڈاکٹر سراج احمد قادری نے کیا ہے انہیں درج کر دینا ناظرین کے لئے افادیت کا حامل ہوگا اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشعار کی سماعت فرما کر حد درجہ خوش ہوتے تھے۔مندرجہ ذیل احادیث کے متن سے ہی متذکرہ مسدسات کے مصاریع کا خمیر اٹھا ہے جو معنی و مفہوم کا جہان معنی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔مسدسات کے اشعار کی تشریح سے مندرجہ ذیل احادیث ہمارے اذہان کو منور و مجلی کرتی ہیں:

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے عمرہ کے لئے مکۂ معظّمہ میں داخل ہوئے تو ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ رہے تھے۔ ’’ہٹو اے اولاد کفار، حضرت کے راستے سے، آج ہم تم کو حضرت کی کتاب کے حکم پر وہ مار ماریں گے جو سروں کو گردنوں سے جدا کر دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے ابن رواحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو حرم میں تم اشعار پڑھتے ہو۔آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ ان کے اشعار کفار کے دلوں پر تیر سے جلد سرایت کرتے ہیں۔‘‘ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ کفار کی دل شکنی کی جائے۔

☆ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے قصیدہ میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو وارفتگی اور سرشاری ہے وہ بے حد و بیکراں ہے۔اسی قصیدہ کی سماعت کے دوران اپنی چادرِ رحمت عطا فرمانا کئی جہات سے متعدد فکری در وا کرتا ہے۔

☆ نابغہ جعدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو ایک طولانی قصیدہ پڑھا۔تو آپ نے دعا دی کہ خدائے تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر (دانتوں) کو نہ توڑے۔روایت ہے کہ نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ دو سو سال سے زاید زندہ رہے اور انؓ کے سارے دانت صحیح و سلامت تھے۔

☆ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نبیوں کا

ذکر ایک قسم کی عبادت ہے۔ صالحین کا ذکر کفارہ ہے گناہوں کا۔ موت کا ذکر صدقہ ہے۔ قبر کا یاد کرنا تم کو جنت سے نزدیک کرتا ہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے انعام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ ذاکرین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے گا۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ دو ایسے اشخاص کو جنت میں جانے کا حکم فرمائے گا جن کی کوئی نیکیاں نہ ہوں گی۔ وہ لوگ متعجب ہوں گے تو اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ ''میں نے قسم کھائی ہے اپنی ذات کی کہ دوزخ میں داخل نہ ہو وہ شخص جس کا نام احمد یا محمد ہو نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھائی ہے کہ نہ عذاب کرے گا دوزخ میں اس شخص کو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے موسوم ہو۔'' (شرح پانچویں مسدس)

☆ آسمانوں پر ہر جگہ، جنت کے در و دیواروں پر، حوروں کے سینوں پر، سدرۃ المنتہیٰ، طوبیٰ اور اشجار جنت کے پتے پتے پر، پردوں کے اطراف اور فرشتوں کی آنکھوں کے بیچ میں، غرض کہ جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں ہے جس کے پتوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ لکھا ہو اور یہ بھی مذکور ہوا ہے کہ فرشتے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں مصروف ہیں۔''

(چھٹے مسدس کی شرح سے)

☆ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ بے شمار مقربان الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے میں مصروف ہیں۔ اگر بندہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر بار درود بھیجتا ہے اور فرشتے درود بھیجنے والے کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔

(ساتویں مسدس کی تشریح سے)

الحاصل کہ ''انوار احمدی'' کے مسدسات کا ہر مصرع حدیث مبارک کی روشنی کا آئینہ دار ہے جسے صاحبِ تصنیف نے بہت تفصیل سے درج کیا ہے۔

مضمون نگار نے ساتوں مسدسات کی بنیادی باتوں کو اپنے مضمون میں جذب کر لیا ہے، جس سے ان مسدسات کی اہمیت اور صاحبِ کتاب کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے تبحر علمی کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ساتوں مسدسات کو نقل کرنا تو طوالت کا باعث ہوگا مگر ٹیپ کے بند قارئین کے لئے حاضر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جس سے شاعر کے زورِ کلام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

گرچہ یہ اشعار ہیں سب شاعری اس میں نہیں ترجمہ منقول کا ہے خودسری اس میں نہیں

(پہلے مسدس سے)

ذکر خیرالمرسلیں اس نظم سے مقصود ہے جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے

(دوسرے، تیسرے مسدس کے ضمن میں) 'رفع' ذکرِ پاک ثابت ہے کلام اللہ سے مطمئن ہوتے ہیں دل ذکرِ شہِ لولاک سے (چوتھے مسدس سے)

وحشتِ آدم گئی نامِ شہِ لولاک سے مردہ زندہ ہو گئے تاثیرِ نامِ پاک سے

(پانچویں مسدس سے)

سینے حوروں کے، ملائک کی جبینیں تا بعرش ہر جگہ اس نام کا ہے عالمِ علوی میں نقش

(چھٹے مسدس سے)

کیسی طاعت ہوگی وہ جس میں ہو خود حق بھی شریک
ہے جو طاعت سے بری جسکا نہیں کوئی شریک

(ساتویں مسدس سے)

مفتی محمد انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی منظوم تصنیف ''انوار احمدی'' کے آخر میں غزلیہ نعتوں کی شمولیت یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ان کا فارسی کلام بھی لائقِ مطالعہ ہے۔فارسی کے دو اشعار متذکرہ مضمون سے نقل کر رہا ہوں:

حبذا اے چشم کز تو دیدنیہا دیدہ ام مرحبا اے گوش کز تو مژدہا بشنیدہ ام
انورا اینجا فدائے خودخودم در بیخودی سخت حیراں بودہ ام از حالتِ پیچیدہ ام

(فارسی غزل سے)

☆

سلیمان خان، موتی نگر (بنگلور) کا گراں قدر مضمون ''بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر مسلم نعت گوشعراء کا خراجِ عقیدت'' اس شمارہ کی زینت بنا ہوا ہے۔فاضل مضمون نگار نے یہ مضمون لکھنے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔غیر مسلم شاعروں کی نعتیہ شاعری دو باتوں کی رہیں منت ہے۔ ایک تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ، جس سے ہر وہ شخص متاثر ہوتا ہے جس کے دل میں ذرا سی بھی انسانیت اور نیکی کا مادہ موجود ہوتا ہے۔دوسرا وہ جذبۂ مسابقت جس کی وجہ سے ہر شاعر اپنی صلاحتوں کو نمایاں کرنا چاہتا ہے۔غیر مسلم نعت گوشاعروں کی نہ تو تعداد کم ہے اور نہ ہی ان کی

ادبی اورفنی صلاحیتیں مسلم شاعروں کے مقابلہ میں کم گردانی جاسکتی ہیں۔غیر مسلم نعت گوشعراء کی ایک طویل کہکشاں ہے۔ان میں موجود بہت سے ستاروں کے اسمائے گرامی سلیمان خان نے اپنے مضمون میں لکھے ہیں پھر بھی بہت سے اہم نام مضمون میں آنے سے رہ گئے ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ اگران شعراء کےصرف نام ہی لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گے۔ان غیر مسلم نعت گوشاعروں میں ہندو مسلم سکھ اور عیسائی شعراء شامل ہیں۔ان حضرات میں ہرصنف سخن میں اپنے نعتیہ کلام کا نذرانہ آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کیا ہے۔شاعروں کی یہ روش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے تاحال متواتر جاری ہے اور دنیا کی کوئی ایسی زبان نہیں ہے جس میں نعتیں نہ تخلیق کی گئی ہوں۔ان شاءاللہ یہ سلسلہ تاقیامت اسی طرح جاری وساری رہے گا۔موجودہ دور میں بھی غیر مسلم شعراءنعت ومنقبت تخلیق کررہے ہیں جن میں ڈاکٹر سنجے مصرا شوق اور محترمہ ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی وغیرہ کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔اس طرح کے بے شمار غیر مسلم نعت گو ہیں جواس نفرتی دور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضوراپنی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کررہے ہیں۔

کچھ شدت پسند مولویوں کا یہ خیال کہ اگرغیر مسلم شاعراتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متاثر تھے تو مسلمان کیوں نہ ہوگئے؟اس کا آسان ساجواب میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ کیا کم ہے کہ غیر مسلم شاعرہمارے آقاومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے کسی بھی پہلو سے متاثر ہوکران کی تعریف وتوصیف بیان کررہا ہےان سے عشق نہ سہی محبت تو کرتا ہے۔یہ وہ شعراء ہیں جوکبھی بھی پردۂ خفا میں نہیں رہے کیا میرے اس بات کا کوئی جواب ہے کہ ان مولویوں نے ان پر اتنی محنت کیوں نہ کی کہ وہ ایمان لے آتے۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان لانے سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں قصیدہ تخلیق کیا تھا جوان کے ایمان لانے کا سبب بن گیا۔جن غیر مسلم شاعروں کے دلوں میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت کا جذبہ تھا کیا پتہ اللہ تعالیٰ نے ان کونعت کہنے کا کیا صلہ عطا فرمایا یاان کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔میرے خیال میں غیر مسلم نعت گوشعرأ پراس قسم کی تنقیدیں اسلام کوفائدہ تونہ پہونچائیں گی بلکہ انہیں ہم مسلمانوں سے دورکردیں گی۔بہرکیف متذکرہ مضمون میں سلیمان خان صاحب نے بہت سے غیر مسلم نعت گویوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کی ہیں خاص طور پردلورام کوثری کے بارے میں۔کچھ غیر مسلم نعت نگاروں کے چیدہ چیدہ اشعار حاضر کررہا ہوں:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں کچھ مسلماں کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

(مہیندر سنگھ بیدی)

نہیں ذکرِ محمد کے لئے تخصیص مذہب کی
یہ کس نے کہہ دیا یہ صرف مسلم کی زباں تک ہے
(چندر پرکاش جوہرؔ بجنوری)

کوثریؔ تنہا نہیں ہے مصطفےٰ کے ساتھ ہے
جو نبی کے ساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے
لیکے دلو رامؔ کو حضرت گئے جنت میں جب
غل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا کے ساتھ ہے
(دلورام کوثریؔ)

ادبؔ لائے نہ کیوں ایمان ان پر
محمد رحمت للعالمیں ہیں
(سورج نرائن سنہا ادبؔ، سیتاپوری)

انوارِ بے شمار محدود نہیں
رحمت کی شاہراہ محدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمد کا مقام
وہ امتِ اسلام میں محدود نہیں
(رگھوپتی سہائے فراقؔ، گورکھپوری)

آپ تکمیل مساوات، امین و صادق
آپ ہیں افضل الانسان رسول اکرم
سامنے سیرتِ نبوی کی کوئی کیا ٹھہرے
نیک، مقبول، خوش اسلوب، انوکھی، اچھی
(کالیداس گپتا رضاؔ)

دیر سے نور چلا اور حرم تک پہنچا
سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا
تیری معراج محمد تو خدا ہی جانے
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا
(کرشن بہاری نورؔ لکھنوی)

اے شیخ تجھی کو رہِ فردوس مبارک
کافی ہے مجھے گوشۂ گلزار مدینہ
(روشن لعل نعیمؔ، ڈیرہ غازی پور)

دل محو ہے ہمارا مدینے کی سیر میں
گھر بیٹھے ہو رہی ہے زیارت رسول کی
(رامیشور ناتھ عیشؔ، الہ آبادی)

ہوئی کافور نورِ مصطفےٰ سے شرک کی ظلمت
سیاہی سے ندامت کی دلِ کفار کالا ہے
(شنکر لال ساقیؔ سہارنپوری)

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطانِ مدینہ
(مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ)

سلیمان خان نے اپنے مضمون میں حوالہ جات کے لئے قرآنِ کریم، نغمہ محمدی از شان الحق حقی،

ہندو سکھ نعت گوشعراء۔ از: شمیم طارق اور پیغمبرِ اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم نعت گوشعراء کا خراجِ عقیدت۔ از: ڈاکٹر راہی فدائی کا انتخاب کیا ہے۔

مندرجہ ذیل اشعار میں کمپوزنگ کی اغلاط ہیں جن کی نشاندہی اس لئے کر رہا ہوں کہ اشعار کو درست طور پر پڑھا جا سکے۔

مگر کفر 'است' انکارِ محمد (شوق رام پوری، 'است' کی بجائے 'از' لکھا تھا)

ہم دید نشیں بھی ہیں تیرے مداح (ستیہ پال اختر کا یہ مصرع غلط کمپوز ہوا ہے پتہ نہیں اصل مصرع کیا ہے)

اب کیا 'کہوں' بتا دیا جو کچھ بتا دیا (دلو رام کے مصرع میں کہوں کی بجائے 'کیوں' لکھ گیا تھا)

چاند سورج کو کوئی ہاتھوں 'پہ' میرے لا دے (کالکا پرساد کے مصرع میں 'پہ' کی بجائے 'پر' لکھا تھا)

اک نور کا سورہ 'ہے' سراپائے محمد (جان رابرٹ جان کے مصرعہ میں 'ہے' چھوٹ گیا تھا)

اجالا حشر تک اس کے سوا کوئی نہ پھیلے گا (طرز لکھنوی کے مصرعہ میں 'اس کے سوا نہ کوئی پھیلے گا' لکھا تھا)

☆

''زاویۂ نگاہ'' کے تحت کئی صاحبان قلم کے مراسلے ''دبستانِ نعت شمارہ ۶۔۷'' کے سلسلہ میں شامل اشاعت کئے گئے ہیں۔ ان مراسلوں میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی، پروفیسر شریف حسین قریشی، علامہ عتیق اثر ندوی، ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی، ڈاکٹر سعید احسن قادری، حلیم صابر اور محمد اشرف رضا قادری کے مراسلے شامل اشاعت ہیں۔ کئی مراسلہ نگاروں نے محترمہ ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی کے حمدیہ کلام کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ان مراسلوں میں سے کچھ اہم اور دلچسپ جملوں کو قارئین کے لئے نقل کر رہا ہوں۔

☆ آپ (ڈاکٹر سراج احمد قادری، مدیر دبستان نعت) نے اپنے اداریہ میں ڈاکٹر عزیز احسن کے اس عقیدۂ باطل کا بھی مدلل پیرائے میں ابطال کیا ہے کہ شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لفظ ''ایلچی'' کا استعمال ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ اس سلسلہ میں پروفیسر ابوسفیان کی بھی آپ نے اچھی خبر لی ہے مگر وہ نا قابلِ اصلاح ہیں۔ بابِ فضائل میں ضعیف حدیث سے بھی استناد جائز ہے۔ ''مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام بند کی شکل میں نہیں ہے: (غزل کے فارم میں ہے):

''جبکہ پیدائشِ انس و جاں ہو گیا　　دور کعبہ سے لوثِ بتاں ہو گیا''

امام احمد رضا کا شعر نہیں ہے۔

(پروفیسر فاروق احمد صدیقی)

☆ زاویۂ نگاہ کے تحت۔ اقبال اعظمی نے اپنے مضمون کے ذریعہ شعری نگارشات کے محاسن پر بھی روشنی ڈالی ہے اور فنی لغزشوں کی طرف بھی متوجہ کیا ہے۔ دبستان نعت کے تمام شماروں کی اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری، نگراں فیروز احمد سیفی، نیویارک اور دیگر اراکین ومعاونین کی خدمت عالیہ میں۔ مبارکباد پیش کرتے ہوئے مجھے بے پناہ مسرت کا احساس ہو رہا ہے۔ (پروفیسر شریف حسین قریشی)

☆ (دبستان نعت، شمارہ ہفتم) کو جنوبی ہند کے بارہویں صدی کے ایک مردِ بزرگ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری کے نام سے معنون کیا ہے، مدیر کی یہ جستجو اور انتخاب بھی بالغ نظری پر مبنی ہے۔۔۔۔ سراج قادری کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ مختلف ہونے کو تو راہ دیتے ہیں البتہ مخالف کو سد راہ نہیں بننے دیتے۔۔۔۔ مرد درویش ڈاکٹر سراج کی منکسر اور متواضع شخصیت اپنے اخلاق عالیہ کا ہالہ تو اپنے گرد رکھتی ہے مگر ظاہری ٹھسّے پن سے کوسوں دور ہے۔ (علامہ عتیق اثر ندوی)

☆ (دبستان نعت) کے تمام سالنامے گنج ہائے گرانمایہ اور گنجینہ ہائے نقد ونظر کی حیثیت رکھتے ہیں۔۔ بڑے بڑے قادر الکلام شعراء تک ہماری رسائی نہیں تھی۔۔۔۔ (دبستان نعت نے) ان کے نقوش قلم کی تابانی سے ہمارے قلب ونظر کو روشنی عطا کی ہے۔۔۔۔ مضامین کا حصول، اصحاب مقالات سے مسلسل ربط، نعت گو شعراء سے خط وکتابت، مضامین کی کمپوزنگ، ان کی پروف ریڈنگ پھر ان کی ترتیب وتنسیق، پھر طباعت کا جان گسل مرحلہ اور سب سے بڑھ کر ان پر آنے والے مصارف کا نظم، یہ سارے مراحل۔ طول عمل اور طول امل زہرہ گداز ہی نہیں بلکہ کوزہ پشتی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ (ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی)

☆ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے جہاں علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کے افکار ونظریات ومعتقدات پر تیشہ زنی کی ہے وہیں ان کی خصوصیات کو بھی واضح فرمایا ہے اور ایک شعر کے تعلق سے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ الہامی شعر ہے۔ الہامی شعر کہہ دینے کے بعد بھی ان کے افکار ومعتقدات پر چوٹ کرنا ''چور کی داڑھی میں تنکا'' کے مصداق ہے۔۔۔۔ کسی حدیث طیبہ کو مطلقاً ضعیف کہہ دینا بہت بڑی جسارت کی بات ہے۔ (ڈاکٹر سعید احسن قادری)

☆ نعت ایک پاکیزہ اور مقدس صنف ہے۔۔۔ لیکن نعت کی روایت صرف ادبیات عالم میں نہیں بلکہ تمام آسمانی صحائف اور کتابوں میں نعت نبی موجود ہے، کیوں کہ ان آسمانی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت کے ساتھ ساتھ ان کی تعریف وتوصیف بھی موجود

ہے۔علامہ معجز مدراسی پر ڈاکٹر راہی فدائی کا مضمون۔ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔(حلیم صابر)

☆ ماہرین شریعت اور نعتیہ ادب کے محققین نے جس لفظ کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اس کے استعمال کو شان رسالت کے منافی قرار دے دیا ہے، پھر لغات و تفاسیر کا سہارا لے کر اس کے جواز کی راہ تلاش کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔(محمد اشرف رضا قادری)

☆

آٹھویں مجلّہ میں ''گلہائے عقیدت کے تحت مختلف شعراء کی نعت پاک شامل اشاعت کی گئی ہیں۔دراصل یہی وہ صنف سخن ہے جس کی ترویج، اشاعت اور صحتمند تنقید کے لئے یہ مجلّہ جاری وساری ہے۔سب سے پہلی نعت شریف ڈاکٹر راہی فدائی کی ہے جس میں ان کی عالمانہ اور شاعرانہ شان جھلکتی ہے۔نعت شریف کے اشعار میں قرآنی فقروں اور الفاظ کو موتیوں کی طرح پرو دینا، فی زمانہ ڈاکٹر مولانا راہی فدائی ہی کا حصہ ہے۔''نعم'' کی حکمرانی،''لا'' کی شان،''قالو بلا'' کی سریلی آواز وغیرہ کو نعت میں ضم کر کے شعر کی عمق میں اضافہ کر دیا اور اس میں جہانِ معنی کو سمو دیا ہے۔اسی طرح پنڈت بالمکند عرش ملسیانی کی نعت شریف بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

نعتیہ حصہ میں پرفیسر شریف حسین قریشی (رام پور)،تنویر پھول (نیویارک)،ڈاکٹر مبشر احمد نشتر (حیدر آباد)، ڈاکٹر التفات امجدی (خانقاہ امجدیہ سیوان ، بہار)، بزرگ شاعر کشن کمار طور (دھرم شالہ، ہماچل پردیش)،حبیب راحت حباب (کھنڈوہ ، ایم۔پی) ،اسلم عمادی (حیدر آباد) ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان (لکھنؤ)،ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد (پٹنہ)،علامہ عتیق اثر ندوی (سنت کبیر نگر)، مولانا نثار احمد فدائی (بنگلور)،ڈاکٹر شہزاد بیگ (فیصل آباد، پاکستان)،فقیر مصطفٰے امیؔر (فیصل آباد، پاکستان)،مولانا جابر حسین جاؔبر بستوی (جھارکھنڈ)،آرزو سہارنپوری (یو۔پی)،نفیس ناندوروی (مہاراشٹر)،سیمیں برلاس، نور بانو محجوب، افشاں عباسی (ملتان پاکستان)،ڈاکٹر انجنا سدھیر (رڑکی، یو۔پی) بیگم عروج بدایونی (یو۔پی)، پنڈت بالمکند عرؔش ملسیانی، ڈاکٹر رمیش پرشاد گرگ (وارانسی ،یو۔پی)،رام پرتاپ اکمل جالندھری (پنجاب)،نسیمی تاجی (ناگپور)،شاد ککرالوی (بدایوں)، زید احمد زید خیر آباد (یو۔پی)،شہریار ککرالوی (بدایوں)، کی نعتیں اور ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی قمر (گوالیار، ایم۔پی) کی آزاد نعتیہ نظم شامل ہے۔چند متاثر کن اشعار قارئین کے مطالعہ کے لئے حاضر کر رہا ہوں:

سکھائی آپ نے جو عالمِ ارواح میں سب کو — سریلی میٹھی میٹی وہ صدا'' قالو ابلا'' کی ہے

(مولانا ڈاکٹر راہؔی فدائی)

عطا ہمیں بھی ہو زید و بلال کا صدقہ
جہاں میں آپ کے ادنیٰ غلام ہم بھی ہیں
(تنویر پھول)

جاہ و جلالِ آقا دنیا کے سامنے ہے
معراج تھی ضروری راہِ پیمبری میں
(کرشن کمار طورؔ)

فضل سے تیرے الٰہی مجھے حاصل ہو جائے
سایۂ دامنِ رحمت سرِ محشر ان کا
(ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ)

فدائیت ہو صحابہ کے مثل اگر ہم میں
تو پر پھر کمال اگر ہے تو اس کمال میں ہے
(علامہ عتیق اثرؔ ندوی)

تو جو چاہے مرے اللہ تو میرا جینا میرا
الفتِ سرورِ کونین کا زینہ بن جائے
(ڈاکٹر شہزادؔ بیگ)

وہی نذیر و بشیر و محمد و احمد
وہی ہیں طٰہٰ و یٰسین و حامد و محمود
(آرزوؔ سہارن پوری)

زندگی کا حبس کے مارے گھٹا جاتا ہے دم
ایسے موسم میں ہوا کی تازگی تجھ سے ملی
(افشاںؔ عباسی)

نگاہوں پہ جادو، دلوں پر تسلط
جمال اللہ اللہ، جلال اللہ اللہ
(پنڈت عرشؔ ملسیانی)

مال و زر لے کر کروں گا کیا بھلا
آپ کی سرکار کرپا چاہئے
(ڈاکٹر رمیش پرساد گرگ)

مرہونِ لطف صرف مسلمان ہی نہیں
منت کشِ کرم ہے خدائی جناب کی
(رام پرتاپ اکملؔ)

شبِ معراج یہ ہے وجہ بستر گرم پانے کی
جہاں تھی بس وہیں ٹھہری رہی گردش زمانے کی
(شادؔ لکرالوی)

پلٹ کر منزلِ کونین سے جب مصطفٰے آئے
نمازوں کا حسیں تحفہ لئے خیر الوریٰ آئے
(زید احمد زیدؔ)

سلام اس خانۂ کعبہ کے دیدہ زیب منظر پر جو ہر سو قہر تھا دنیا کے ہر سلطانِ جابر پر
(شہریار ککرالوی)

فخرِ یحییٰ، فخرِ موسیٰ، فخرِ عیسیٰ، فخرِ نوح فخرِ حوّا، فخرِ آدم، الصلوٰۃ و السلام
(پروفیسر شریف حسین)

دیگر مقامات کی طرح اس حصۂ نعت میں بھی کمپوزنگ کی اغلاط ہیں۔ کہیں کہیں شاعروں سے بھی سہو ہوا ہے، وہ فنی اور عروضی تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر نظر آئے ہیں:

ہماری نعت ''اے'' آقا قبول ہو جائے کہیں کہ حاصلِ نیلِ مرام ہم بھی ہیں
(تنویر پھول)

مندرجہ بالا شعر میں ''اے'' کی 'ے' کا سقوط ہر چند کہ جائز ہے مگر بہ اکراہ اور بہ درجہا مجبوری۔ تنویر پھول جیسے شاعروں کو یہ رعایت نہیں لینی چاہئے کہ اس سے شعر کی روانی اور اس کی شگفتگی مجروح ہوتی ہے:

خدا کے حکم سے فردوس کے پردے اٹھاتی ہیں فضائیں خلد کی عطر و مہک میں ڈوب جاتی ہیں
(ڈاکٹر مبشر احمد نشتر)

مندرجہ بالا مسدس کے شعر میں ''عطر و مہک'' کی ترکیب ناجائز ہے کیوں کہ عطر فارسی اور مہک ہندی کا لفظ ہے۔ فارسی اور ہندی لفظوں کو عطف و اضافت سے جوڑ کر مرکب کرنا معیوب اور ناجائز ہے:

سراپا نورِ من نوری سے ساتوں آسماں چمکے سراپا نور کی آمد ہے کیوں 'نا' ہر مکاں چمکے
(ڈاکٹر مبشر احمد نشتر)

مندرجہ بالا مسدس کے شعر میں 'نا' کا استعمال غلط ہے۔ 'نہ' نفی کا معنی دیتا ہے اور یہ لفظ ایک حرف کا وزن رکھتا ہے، مندرجہ بالا شعر میں اسی ایک حرفی وزن کی ضرورت ہے، جیسے بہادر شاہ ظفر نے فرمایا:

''نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں''

لئے آنکھوں میں سرمہ سید کونین آتے ہیں جہاں میں رحمت للعالمیں تشریف لاتے ہیں
(ڈاکٹر مبشر احمد نشتر)

مندرجہ بالا شعر بھی مسدس کا ہے۔ اس شعر میں پہلا مصرع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ نہ ہوئی گویا کوئی شلف ہوگئی، یہ بیانیہ سوئے ادب ہے۔ ویسے بھی پہلا اور دوسرا مصرع مربوط نہیں ہے۔ مسدس کے ٹیپ کا یہ بند بیانیہ کے ڈھیلے پن کی وجہ سے نعت کے شایان شان نہیں ہے:

پھر ہم نے انجمن آرائی کی ہے نعت خوانی کی پھر ابرِ رحمتِ عالم جھما جھم جھوم کے برسا

(حبیب راحت حبابؔ)

مندرجہ بالا شعر کے پہلے مصرع میں 'پھر ہم نے' کی ہائے ہوز ساقط الوزن ہوگئی ہے اس لئے مصرع بحر سے خارج ہے۔ ویسے دوسرا مصرع بہت مزے کا رکھا گیا تھا مگر پہلا مصرع خارج از بحر ہوگیا:

رشک فردوس بریں ہے ترا کوچہ دیار شہر طیبہ سے پلٹ کر تو ہم بیکار آئے

(مولانا جابر، بستوی)

مندرجہ بالا شعر کے دونوں مصاریع بحر سے خارج ہیں:

جس نے بھی ایک جھلک دیکھی ہے آقا کی مرے
ان کی صحبت ہی میں رہ 'کر کے' وہ سرشار آئے

(مولانا جابرؔ، بستوی)

ان کی صحبت نے بنا ڈالا ہے رائی کو پہاڑ
پھول بن 'کر کے' ہی مہکے جو وہاں خار آئے

(مولانا جابرؔ، بستوی)

آنے والے تو بہت آئے مخیّر جابرؔ
ان سے بڑھ 'کرکے' نہیں کوئی بھی غمخوار آئے

(مولانا جابرؔ، بستوی)

مندرجہ بالا تینوں اشعار میں مولانا جابرؔ نے ''کے'' کو جبراً حشو بنا ڈالا۔ صرف ''کے یا کر'' سے بات بن رہی تھی، مگر شعر موزوں کرنے کے لئے ''کے'' کی بھرتی کرلی۔ رائی کو پہاڑ بنانے کا محاورہ یہاں بالکل ہی مناسب ہے۔ چوتھے شعر میں ''شہِ دین'' کی ترکیب بھی غیر معیاری ہے کہ اضافت کے ساتھ اعلان نون ثقہ حضرات کے نزدیک نامناسب ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا ہونے کے لئے شعر کہنا اور وہ بھی نعت کہنی بالکل ضروری نہیں ہے۔ ایسی غیر معیاری نعتیں ''دبستاں نعت'' میں نہیں شائع ہونی چاہیئے ورنہ ڈاکٹر سراج احمد قادری کی محنت رائیگاں ہو جائی گی، کیوں کہ وہ نعت کی صحت مند تنقید اور معیاری کلام کے حصول کے لئے دن رات کوشاں رہتے ہیں:

نبوت کیا، ولایت کیا، امامت کیا، شہادت کیا ہزار عنوان ہیں اور ایک افسانہ محمد کا

(آرزوؔ سہارنپوری)

مندرجہ بالا شعر میں 'عنوان' کی ع ساقط الوزن ہے اس لئے مصرع بحر سے خارج ہے۔ دوسرے مصرع میں جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمن میں لفظ افسانہ کا استعمال سوئے ادب ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ازل ہی سے حقیقت ہی حقیقت ہیں:

خیر الانام نبیوں کے سردار آپ ہیں　　امت کے آقا مالک ومختار آپ ہیں
(نفیس نانِدوروی)

مندرجہ بالا شعر میں ''آقا'' کی الف ساقط الوزن ہے۔اس بات کا لحاظ رہنا چاہئے کہ عربی اور فارسی کے حروف علت کہاں گرائے جائیں اور کہاں نہیں۔ ہندی لفظوں کی بات اور ہے۔اس شعر میں آقا کی الف گرانے سے لفظ ''آق'' بچے گا جو نعت میں نا قابلِ قبول ہے:

ثانی نہیں ہے جس کا وہ کردار آپ ہیں　　دشمن کے ساتھ آپ کا 'جو' پرسشِ مزاج
(نفیس نانِدوروی)

مندرجہ بالا شعر میں 'جو' کی بجائے 'یہ' کا محل ہے ورنہ شعر سے مفہوم نہ برآمد ہو سکے گا:

کہاں ہو سکے گی ہم سے شاہِ انبیا کی مدحت
کہ نہیں ہے ان سے بڑھ کر جہاں میں کسی کی سطوت
(سیمیں برلاس)

مندرجہ بالا شعر کے پہلے مصرع میں ''شہِ انبیاء'' لکھنا چاہئے تھا۔دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے:

کہا تو نے یہ خدا سے میری بخش ساری امت　　تیری ہم سے اتنی الفت تیری اس قدر عنایت
(سیمیں برلاس)

مندرجہ بالا شعر میں ہر جگہ تیری اور میری نہ لکھ کر ''تری'' اور ''مری'' کمپوز ہونا چاہئے تھا ورنہ مصرعے بحر سے خارج ہو جائیں گے:

نہیں ہو سکے گی غافل کبھی تجھ سے تیری امت　　تیری یاد سب کے دل میں تیرا نام ہر زبان پر
(سیمیں برلاس)

مندرجہ بالا شعر میں بھی تیری اور ترا کی جگہ ''تری'' اور ''ترا'' کمپوز ہونا چاہئے تھا۔

خاکِ اوجِ ثریا کے آغاز پر　　آ گئی نور کی ایک آواز پر
کن کی تائید میں قل کی تصدیق کی　　ناز نازاں ہے کس ناز سے ناز پر
(نسیمی تاجی، ناگپور)

مندرجہ بالا دونوں اشعار سے میں کوئی مفہوم نہیں حاصل کر سکا۔اگر ان اشعار میں کوئی تلمیح یا استعارہ کا استعمال ہوا ہے تو وہ قریب الفہم نہیں ہے۔میرے کہنے کا یہ مفہوم نہ سمجھا جائے کہ ان اشعار کو میں مہمل لکھ رہا ہوں مگر یہ ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ نعتیہ اشعار میں اپنے طور پر مفہوم کشید کرنے، اندازہ لگانے یا گنجلک پن کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔صاف اور واضح مفہوم نعتیہ کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

☆

ستائش نامے کے تحت بہت سے علماء، فضلاء، ادباء اور شعراء کے خطوط، جو ڈاکٹر سراج احمد قادری کو مخاطب کر کے لکھے گئے ہیں ان میں بڑے لطیف نکات کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ کہنے کو تو یہ ستائش نامے ہیں مگر ان میں ایک جہاں معنی پنہا ہے جس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔میں نے جن جملوں کو قارئین کے لئے مفید سمجھا انہیں درج کر رہا ہوں:

☆ ''جب ہم نعت کی تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس موضوع پر دیگر اصناف ادب سے کم سرمایہ نظر نہیں آتا اس کے انتقادی نقوش تو روزِ اول سے ہی روشن و تابناک نظر آتے ہیں (اداریہ، ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر دبستان نعت)''۔دبستان نعت نے قلیل مدت میں جتنا منظّم کام کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے تحقیق کی اور بھی راہیں ہموار ہوں گی۔حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محمد کی محبت دین حق کی شرطِ اول ہے　　اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

(الحاج سید محمد مفیض الدین قادری)

☆ تبلیغ کے نام پر پورے ہندوستان (بلکہ تمام برصغیر) میں ایک جماعت سرگرم ہے جس پر ہم کوئی تبصرہ یا کمنٹ نہیں کرتے مگر طریقِ تبلیغ توجہ طلب ہے۔حضرت امام جعفر صادق کا یہ قول صادق بھی قلب ندیم میں روشن ہے''(مفہوم) کوشش کرنا کہ تم تبلیغ کے لئے زبان سے کچھ نہ کہنا۔'' علم تمہاری میراث ہے جہاں سے ملے اٹھالو۔ (ندیم صدیقی کے مراسلہ سے)

مشہور صحافی، شاعر، اور کالم نگار ندیم صدیقی نے ایک معتبر و مستند عاشقِ رسول، ہندو نعت گو شاعر حضرت دلو رام کوثری کی شاعری اور ان کے آخری دنوں کے حالات اپنے مراسلہ میں بہت تفصیل سے درج کئے ہیں جسے ہر اس شخص کو پڑھنا چاہئے جو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خوئے مبارک سے برکتیں حاصل کرنا چاہتا ہو جس کی وجہ سے غیر بھی اپنے بن جاتے ہیں۔

ندیم صدیقی نے حضرت رشید کوثر کی نعت کے بہت سے اشعار اپنے مراسلہ میں نقل کئے ہیں

جسکی ردیف ہے ''میں بیحد شرمندہ ہوں'' یہ نظم ہر قاری کو ضرور پڑھنی چاہئے جس میں شاعر نے اپنی شرمندگی کا برملا اظہار کیا ہے۔ چند اشعار حاضرِ خدمت ہیں:

منہ سے رسول اللہ کہوں تو یا اللہ نکلتا ہے
جیسے سڑی، پاگل، دیوانہ، میں بے حد شرمندہ ہوں
جیسے کوئی انپڑھ اعرابی، جیسے کوئی ان گڑھ بدّو
حدِ ادب سے بھی بے بہرہ، میں بے حد شرمندہ ہوں
دادا عالم، نانا عارف، ماں صدیقہ، باپ ولی
میں کمبخت کپوت، کمینہ، میں بے حد شرمندہ ہوں
نعت بھی لکھی تو یہ نیت میری سب تعریف کریں
آپ کے نام پہ اپنا ڈھنڈورا، میں بے حد شرمندہ ہوں
یہ تو کس برتے پہ کہوں میں، میری شفاعت فرما دیں
کالے منہ سے بمشکل نکلا، میں بے حد شرمندہ ہوں
او رے غلام، کچھ آوز آئی ہم کو یہ تیری ادا بھائی
روئے جا اور یوں ہی رٹے جا، میں بے حد شرمندہ ہوں

(مراسلہ: محترم ندیم صدیقی، ممبئی)

متذکرہ مراسلہ میں ندیم صدیقی صاحب نے بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو حرف بحرف پڑھی جانے کے قابل ہیں۔ میں اس بات کی پرزور سفارش کرتا ہوں کہ دبستانِ نعت میں شائع ہونے والا ندیم صدیقی کا یہ خط بغور پڑھا جائے جس میں نعت اور دیگر شاعری پر بہت عمدہ اور معلوماتی گفتگو کی گئی ہے۔ میں نے جہاں کہیں کسی کی طرف انگشت نمائی کی ہے وہ صد فیصد اخلاص پر مبنی ہے۔ میری کسی بات سے اگر قارئین کی دلشکنی ہوئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے معاف فرمائیں گے۔

☆ ۴۰۲۔ سنگیتا اپارٹمنٹ، ۱۴/۵۹، سول لائن
کانپور- ۲۰۸۰۰۱
سل فون: 9849375197

☆☆☆

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور)

دبستانِ نعت شمارہ ۸ پر ایک ناقدانہ نظر

دبستان نعت کا آٹھواں شمارہ بروقت مل گیا، آپ کا دلی شکریہ۔ سرورق پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ذات بہت ہی خوبصورت، دلکش اور روح پرور تو ہے، لیکن اس کا شایانِ شان احترام نہیں ہو پائے گا، کتابیں ادھر ادھر رکھی اور پھینکی جاتی ہیں اس لئے اس کی اشاعت سے اجتناب کرنا چاہئے۔ سرورق کے ایک صفحہ بعد ہی غزالیٔ زماں حضرت سید احمد سعید کاظمی کے دست مبارک سے لکھی ہوئی نعت پاک پڑھ کر دل فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا، اس کو نوادرات اور تبرکات کے خانہ میں رکھنا چاہئے۔ رسالے کا انتساب آپ نے محترم جناب محمد مصطفیٰ خاں احمق پھپھوندوی کے نام کیا ہے، یہ بھی آپ کا بہت ہی مبارک فیصلہ ہے، اداریہ حسب روایت بہت ہی پُر مغز اور معلومات افزا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد بھی قابل ستائش ہے کہ:

> ''میں یہاں پر اہل علم و ادب اپنے بہی خواہوں سے نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا کہ جہاں وہ صفحات کے صفحات میری اور مجلّے کی ستائش میں رطب اللسانی فرماتے ہیں وہیں وہ میری اور مجلّے میں در آئی ہر چھوٹی بڑی خامیوں کی بھی نشاندہی فرمائیں، میں ان کا مرہون منت رہوں گا۔'' (صفحہ-۱۱)

میں آپ کی کشادہ قلبی اور وسیع النظری کو سلام پیش کرتا ہوں۔

''تحمید و تقدیس'' کے تحت تینوں حمدیہ کلام اچھے ہیں، مگر ان میں شعری لطافت کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ ''تابش وفکر و نظر کے تحت'' پروفیسر عبدالحق کا مضمون ''حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم غالب کی آگہی کا سر چشمۂ نور'' اچھا تو ہے کاش انہوں نے غالب کی مشہور فارسی نعت جس کا مطلع ہے:

حق جلوہ گرز طرز بیان محمد است
آرے کلام حق بہ زبان محمد است

کو بھی شامل بحث کرلیا ہوتا تو مضمون وقیع تر ہو جاتا۔

عابد چشتی کا مقالہ ''مجاہد آزادی احمق پھپھوندوی حیات اور نعتیہ شاعری ایک عمیق مطالعہ'' بہت ہی جامع اور بھر پور ہے۔ واقعی ہم اردو والے ان کو صرف ایک مزاحیہ شاعر کی حیثیت سے ہی جانتے تھے، وہ ایک بلند پایہ نعت گو شاعر بھی تھے اس کا علم اسی مقالے سے ہوا۔ عابد چشتی صاحب کی یہ کاوش قابل مبارکباد ہے، ڈاکٹر محمد آصف نے ترکی زبان کے چند نعت گو شعراء کا تعارف کرا کر ہماری معلومات میں قیمتی اضافہ کیا ہے ان کا مقابلہ بھی بہت ہی مدلل اور مفصل ہے ان کو بھی مبارکباد۔

علامہ محمد شہزاد امجدی کا مقابلہ ''اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات'' بہت ہی اہم اور فکر انگیز ہے۔ انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب حدیث ''الفقی فخری'' کی صحت اور عدم صحت سے بڑی عالمانہ بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے دلائل کتنے مضبوط اور برقوت ہیں، اس کا صحیح فیصلہ تو محدثین کرام ہی کر سکتے ہیں۔ بہر حال مقالہ انہوں نے بڑی محبت اور محنت سے لکھا ہے اور ان کی نیت یقیناً پُر خلوص ہے اس لئے میں ان کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجد نے اپنے مقالہ ''نعتیہ شاعری کے اداب پر تنقیدی نظر'' میں اردو کے مشہور شاعر ناقد جناب ناوک حمزہ پوری کا خوب خوب تعاقب کیا ہے۔ نعتیہ شاعری اور اس کے آداب ان کی اہم کتاب ہے جس میں تین مقالات ہیں۔ تینوں میں حمزہ پوری صاحب کے فکر و فہم نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ڈاکٹر امجد رضا نے ان کے گمراہ کن خیالات کا سختی سے محاسبہ کرتے ہوئے ان کے توہّب زدہ ذہن کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی ہے اور ان کے فکر و عمل کے تضاد کو بھی آئینہ دکھلایا ہے۔ مثال کے طور پر ناوک صاحب حضور کی شفاعت کا انکار بھی کرتے ہیں اور پھر شاعری میں یوں اقرار بھی کرتے ہیں:

گرچہ گناہکار ناوک امیدوار ہے ۔۔۔ روز شفاعت اس پہ بھی ایک نگاہ التفات

ہے بزم آخرت میں شفیع آپ ہی کی ذات ۔۔۔ دنیا میں ہر فلاح کا امکان آپ ہیں

محبوب خدا ساقی کوثر ہیں حضور ۔۔۔ بے زیب و گماں شافع محشر ہیں حضور

ڈاکٹر امجد کے مقالے سے ناوک حمزہ پوری کی طرح کج فکری کے شکار بہتوں کی عاقبت سنور جائے گی۔

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کی تحریر بعنوان ''حضرت امام بوصیری کے قصیدۂ بردہ کا تنقیدی جائزہ'' بہت ہی غلط گمراہ کن اور ایمان سوز ہے۔ انہوں نے شہد میں زہر ملا کر پیش کیا ہے جس طرح ایک

قادیانی اور منکر ختم نبوت کے کسی مضمون کو ''دبستان نعت'' میں جگہ دینا آپ یقیناً پسند نہیں کریں گے اسی طرح ابوسفیان اصلاحی جیسے ضال ومضل کی کسی تحریر کو دبستان نعت میں جگہ نہیں ملنی چاہئے۔ کیونکہ اصلاحی اپنے افکار وعقائد میں اتنا ٹھوس ہے کہ اس کی اصلاح ناممکن اور محال ہے اس سے پہلے میں نے اور مولانا اقبال اعظمی نے اس کے باطل خیالات کی تردید میں خوب خوب زور قلم دکھلایا ہے مگر پتھر میں جونک نہیں لگتی کے مصداق اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بقول آپ کے مسکرا کے رہ جاتے ہیں۔ اب اس مضمون میں اس کی ضلالت و بے دینی کے کچھ شواہد پیش کر رہا ہوں۔ توجہ فرمائیں:

(1) ''امام بوصیری نے قرآن کریم سے زیادہ احادیث پر انحصار کیا ہے لیکن افسوس کہ بہت سی ضعیف احادیث کے مفاہیم کی بنیاد پر ان کے اشعار منظوم کئے گئے ہیں۔ معجزوں کے تعلق سے احادیث ضعیف یا احادیث موضوعہ سے استنفسار کیا گیا ہے۔ (صفحہ 104)

(2) ''اردو نعتیہ شاعری شرکیہ عناصر سے مملو ہے بڑے بڑے موحدین بھی اپنے نعتیہ اشعار کو شرکیہ غل وغش سے بچا نہ سکے۔'' (صفحہ 105)

(3) ''اسی طرح یہ تصور احادیث صحیحہ میں بھی موجود ہیں کہ تخلیق کائنات کا اصل باعث اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔'' (صفحہ 107)

(4) اس لئے امام بوصیری کے اس خودساختہ نقطۂ نظر سے اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ اس کا تصور قرآن سے تصادم ہے۔'' (صفحہ 107)

(5) ''سواد امت نے شفیع المذنبین کا جو تصور پیش کیا ہے اس کا قرآن سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔'' (صفحہ 107)

(6) ''امام بوصیری کے بہت سے خیالات لائق تردید ہیں۔'' (صفحہ 108)

(7) ''بوصیری کی نعتیہ شاعری کی یہ ایک ممتاز علامت ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ صراحت کی جا چکی ہے کہ ان میں بیشتر معجزات کی کوئی اساس نہیں۔ ان کے بیشتر مراجع احادیث ضعیفہ یا اسرائیلیات ہیں۔'' (صفحہ: 113)

(8) ''بوصیری کا یہ تصور بالکل غلط ہے کہ روز جزا جب اللہ کا ظہور ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت و شفاعت کام آئے گی یہ تصور صریحا

قرآن کریم کے خلاف ہے قرآن کریم میں یہ صراحت موجود ہے کہ عدل ربانی کسی چیز سے متاثر نہ ہوگا۔" (صفحہ:123)

(9) "اللہ نے اپنے بندوں سے مانگنے اور اسے پکارنے سے منع کیا ہے۔" (صفحہ:124)

(10) "اس قصیدے کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف معجزوں کا تذکرہ ہے جس کے متعلق راقم کا خیال ہے کہ ان میں بہت سے معجزے ایسے ہیں جن کا ثقاہت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بوصیری کا یہ انداز نہایت کمزور اور لائق تنقید ہے۔ اس کی پوری نعتیہ شاعری معجزوں سے مملو ہے اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ متاثر ہوتی ہے۔" (صفحہ:125)

کیا آپ ان ہفتوات اور باطل نظریات سے اتفاق کرتے ہیں؟

ظاہر ہے کہ نہیں، تو پھر اس کی اشاعت کا جواز کیا ہے؟ ماضی میں ان سارے اعتراض کا جواب دیا جا چکا ہے۔ دبستان نعت کے تقریباً تمام شمارے گواہ ہیں۔ خاص طور پر اقبال اعظمی صاحب نے ان کی خوب خوب گوشمالی کی ہے لیکن ادھر اصلاحی صاحب "**صمٌّ بکمٌ عمیٌ فھم لا یرجعون**" کی مجسم تصویر بنے نظر آتے ہیں۔ اس لئے ان کا جواب دینے کے لئے میں اپنا وقت اپنی ذہنی قوت کو صرف کرنا نہیں چاہتا۔ آپ مدیر محترم ہیں۔ مختار کل ہیں:

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اُن کا مضمون اگر آپ بہرصورت شائع ہی کرنا چاہتے ہیں تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ اس میں موجود منافی ایمان مواد کو خارج کر دیا کیجئے تاکہ ہم جیسے قارئین کی دل آزاری نہیں ہو۔ امید کرتا ہوں آپ میری گذارشات پر توجہ فرمائیں گے۔

ڈاکٹر عقیل ہاشمی کا مضمون "حضرت مولانا امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور نعت گوئی" بھی لائق مطالعہ ہے۔ انہوں نے یہ بہت صحیح لکھا ہے کہ:

"عبارت مختصراً امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی دراصل عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس کا ہر پھول اپنے رنگ اپنی خوشبو میں منفرد و ممتاز ایمان نواز باعث مغفرت ہے۔" (صفحہ 150)

فیروز احمد سیفی صاحب کا مضمون ''مہاجر نعت گو شعراء کا ایک اجمالی جائزہ'' بہت اہم اور معلومات افزا ہے۔ڈاکٹر ستار ساحر نے پروفیسر سلیمان اطہر جاوید کی نعت گوئی سے قارئین دبستان کو روشناس کرا کر قابل ستائش کام کیا ہے۔سلیمان اطہر صاحب ایک ناقد کی حیثیت سے اردو دنیا میں بہت ہی مقبول رہے ہیں۔لیکن ان کی نعت گوئی یقیناً محتاج تعارف تھی اس کام کو مضمون نگار نے بخوبی انجام دے کر ایک ادبی فریضہ انجام دیا ہے جس کے لئے وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔سلیمان اطہر جاوید کی نعت کے اشعار ذیل فکر بلند اور فن لطیف کے آئینہ دار ہیں۔اس لئے دلوں کو متاثر کرتے ہیں:

وہ ایک نام کہ جو اصل دین و ایماں ہے — وہ ایک نام کہ جو ماورائے بحث و دلیل
وہ ایک نام کہ جو علم و عشق کا عرفاں — وہ ایک نام کہ جو صرف پیار کی قندیل
وہ ایک نام کہ جو وجہِ خلق ارض و سما — وہ ایک نام کہ جو کائنات کی تکمیل
وہ ایک نام کہ تابندگی، خوشی کی دلیل — وہ ایک نام کہ صحراء میں جیسے برگ نخیل

(صفحہ:317)

ان اشعار میں خوش عقیدگی کی باد بہاری بھی اپنی مستانہ روی سے دلوں کو مسحور کر رہی ہے۔

اردو کے ترقی پسند شاعروں میں احمد ندیم قاسمی کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔ترقی پسند شعراء بالعموم مذہب بیزار رہے ہیں لیکن قاسمی صاحب کی مذہب سے گہری وابستگی ہر دور میں تسلیم کی گئی ہے اس کا نتیجہ ان کی نعتیہ شاعری ہے جس سے ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی نے عمدہ بحث کی ہے۔یہ انکشاف بھی ہمارے لئے موجب مسرت ہے کہ قاسمی صاحب حضرت رضا بریلوی سے بے حد متاثر تھے جبھی تو ان کی مشہور زمین میں یہ اشعار کہے ہیں، جو سچی عقیدت ومحبت کے آئینہ دار ہیں اور عصری صداقتوں کے علمبردار بھی ملاحظہ ہو:

''کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا — اس کی دولت ہے فقط نقش کفِ پا تیرا
پورے قد سے میں کھڑا ہوں یہ کرم ہے تیرا — مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا
لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا — میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا
ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ — راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا''

(صفحہ:375)

محمد اشرف رضا قادری کا مقالہ ''منظوم سوانح اعلیٰ حضرت رضویات کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ'' بے حد اہم اور توجہ طلب ہے اس میں انہوں نے مولانا محبوب گوہر اسلامی پوری کی منظوم

سوانح اعلیٰ حضرت کا مفصل جائزہ لیا ہے اور بجاطور پر اس کی قدر و قیمت کا اعتراف کیا ہے۔ محبوب گوہر واقعی ایک قادرا کلام شاعر ہیں انہوں نے منظوم سوانح اعلیٰ حضرت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اپنا خون جگر صرف کیا ہے مگر افسوس اس کی صحیح داد اب تک جماعت اہلسنّت کے کسی بڑے شخص یا ادارے نے نہیں دی ہے۔ گوہر کی فکری کاوش کو دیکھ کر مجھے فارسی کے شاعر اعظم فردوسی کے شاہنامہ اور محمود غزنوی کی یاد آ رہی ہے۔ اہل علم اس کے تعلق سے ساری تفصیلات جانتے ہیں۔ سر دست اس کو دہرانے کا موقع نہیں۔

''گلہائے عقیدت'' کے تحت آپ نے نعتیں شائع کی ہیں یہ تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ نعت کو کوئی اہل علم پڑھتا بھی نہیں۔ اس لئے اس کو چار پانچ تک محدود کر دیں تو بہتر ہے اور اس کی جگہ بھی حمد کے بعد ہی ہونی چاہئے:

اب آگے تیری رضا ہے جو سرفراز کرے

☆ سابق صدر شعبۂ اردو، بی آر امبیڈکر یونیورسٹی، مظفر پور (بہار)
موبائل : 9835660835

☆☆☆

پروفیسر مجید بیدار (حیدر آباد)

''دبستانِ نعت'' کے آٹھویں شمارہ کا تجزیاتی عمل

تعریف وتوصیف کے توسط سے ایسا شعری انداز جس میں ایسی ذاتِ والا صفات کی ہمہ جہت خصوصیات بیان کی جائیں' جس کے اوصافِ حمیدہ کے بیان میں خداوند قدوس ہی نہیں' بلکہ فرشتے بھی رطب اللسان ہیں اور جس کی مدحت زمین و آسمان ہی نہیں' بلکہ تحت الثریٰ تک بھی ہمیشہ جاری رہے گی۔ اس عظیم پاکباز وجود اور بندوں کی خدمت کو شعار بنا کر انسانیت کو درس دینے والی ہستی کو پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کی حیثیت سے ساری دنیا میں شہرت حاصل ہے' جنہوں نے عرب کی سرزمین میں 40/سال کی عمر میں نبوت کا شرف حاصل ہونے کے بعد 63/سال کی عمر یعنی صرف 23/سال کے عرصہ میں ایسے اخلاقی اور تہذیبی انقلاب کا آغاز کیا کہ جس کی وجہ سے عالمی تاریخ کے ذکر کے دوران شاعروں' ادیبوں' دانشوروں اور پیغمبروں کے علاوہ جہدکاروں کے نام کی فہرست پر توجہ دی گئی تو عیسائی مذہب کے ماننے والے شخص نے سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کو عالمگیر انقلاب کا علمبردار قرار دیا' جن کے کردار اور عمل کی بنا پر دنیا اور آخرت کو سنوارنے کا درس ملا' جبکہ انسان کو حیوانی خواہشات سے نجات دلا کر انسانیت کے پیغام کو عام کرنے کا سلیقہ حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات کو خدائے لم یزل نے خیر المرسلین اور رحمتہ للعالمین کی حیثیت سے شناخت دی ہے۔ خدا کی نعمتوں اور رحمتوں سے سرشار اور سب سے چہیتے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کے علاوہ مکارمِ اخلاق کو شاعری میں پیش کیا جائے تو اس قسم کی شاعری کو اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے اور اس کی شناخت نعت گوئی کی حیثیت سے اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے شاعر کو نعت کا نذرانہ پیش کرنے کا حامل قرار دیا جاتا رہا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے سے ہی مدحتِ رسول اور مولودِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ معرفتِ رسول

کے علاوہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کشف و کرامات اور تمام مراعات اور فتوحات کے ذکر کے ساتھ رعایا پروری اور انسانیت دوستی کے مظاہر کو شاعری کے توسط سے پیش کرنے کا عمل نعتیہ کلام کی حیثیت کا حامل قرار دیا گیا۔ اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور سے لے کر موجودہ دور تک بھی دنیا کی ہر زبان میں نعت گوئی کے انداز کے ذریعہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور کارناموں کو بیان کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح نعت کے موضوعات کی ہمہ رنگی اور اس کے توسط سے پیش ہونے والے افکار کو عالمی سطح پر شہرت کا درجہ حاصل ہے' لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ عربی اور فارسی کے علاوہ براعظم ایشیاء میں سب سے مقبول ترین زبان یعنی اردو اور اس کے ادب میں نعت گوئی کی روایت کے کا انداز کو ہر دور کے شاعروں کے قیمتی اظہار کا وسیلہ قرار پاتا رہا ہے۔ اس سے زیادہ خوش آئند بات یہ ہے کہ اسی ہندوستان کی سرزمین سے نعت گوئی کی فنی' ادبی اور موضوعاتی خصوصیات کے علاوہ شاعرانہ محاسن کو بھرپور نمائندگی دینے کے لئے حمد و نعت کے فروغ کے سلسلہ کو دورانیے کے لئے ڈاکٹر سید سراج احمد قادری کی ادارت میں ''دبستانِ نعت'' جیسے ضخیم شمارہ کی اشاعت عمل میں لائی جا رہی ہے۔ ابھی تک اس کتابی سلسلہ کے 7 شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس رسالہ کے 8 ویں شمارہ کی اشاعت جنوری تا دسمبر 2023ء کی نمائندگی کرتی ہے اور اس رسالہ کی نگرانی کے فرائض نیویارک میں مقیم باشندے فیروز احمد سیفی انجام دے رہے ہیں۔ اس کتابی سلسلہ کے 8 ویں شمارہ کے مشمولات سے نہ صرف روحانی سکون حاصل ہوتا ہے' بلکہ اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں نعت کی ترقی اور اس کے کارناموں کی شناخت کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ غرض یہ رسالہ صرف کتب خانوں میں محفوظ رکھنے اور مطالعہ کے لئے پیش نہیں کیا گیا' بلکہ مسلمانوں کی دل کی دنیا کو آخرت سے وابستہ کرتے ہوئے حُبِّ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشاری کا ایک اہم وسیلہ قرار دیا جائے گا۔ اس جذبہ کی تکمیل کے لئے مجلسِ مشاورت کی جدت پسندی اور نعت گوئی کو وقار کا موقف دینے والے اہم اشخاص کی ستائش کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ رسالہ کو نعت کی تاریخ اور نعت کی خصوصیات کے علاوہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کا شاعرانہ اعتراف کرنے والا انسائیکلوپیڈیا قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

''دبستانِ نعت'' کے آٹھویں شمارے کے توسط سے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ اس کے مدیر اور نگران نہ صرف نعت لکھنے والوں کی ہمت افزائی کی جانب متوجہ ہیں' بلکہ شاعری کے اس انداز کو اعزاز کا درجہ بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ نعتیہ اشعار کے ذریعہ دلی کیفیات کا نذرانہ پیش کرنے

والے شاعر حضرت سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشعار کو ان کی تحریر میں پیش کر کے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ حرمین طیبین کی حاضری اور بابِ جبرئیلؑ سے گزرتے ہوئے ایک مسلمان کی روحانی کیفیت کو ان کے احساس کی گرمی نے جس انداز میں محسوس کیا ہے' ان فی البدیہ اشعار کو شامل کر کے بلاشبہ ''دبستانِ نعت'' کے سربراہوں نے حضرت مرحوم کی نعت گوئی کی کیفیت کو نمایاں حیثیت دی ہے۔ اس کتابی سلسلہ کو رسالہ سے زیادہ عقیدت نامہ کی حیثیت سے پیش کرنے کی جستجو کو مدیر محترم ہی نہیں' بلکہ نگران کار کی روحانی بصیرت سے تعبیر کیا جائے گا۔ کتاب کا انتساب اس عظیم ہستی کے نام معنون کیا گیا ہے' جنہیں مجاہدِ آزادی ہی نہیں' بلکہ طنز و مزاح کے سرخیل اور محترم نعت گو شاعر کا موقف حاصل ہے' جنہیں محمد مصطفیٰ خاں کے نام سے زیادہ اردو کی ادبی دنیا میں ''احمق پھپھوندوی'' کی حیثیت سے شناخت کیا گیا ہے' جن کی تاریخ پیدائش 26 ر اپریل 1895ء اور تاریخ وفات 8 اگست 1957ء قرار دی جاتی ہے اور جنہوں نے نعتیہ کلام کے ذریعہ طنز و مزاح کے شاعر اور ممتاز مجاہدِ آزادی کے علاوہ مقتدر نعت گو شاعر کی حیثیت سے اردو شاعری میں شناخت رکھتے ہیں۔ غرض ''دبستانِ نعت'' کے اس شمارہ کو کئی ذیلی عنوانات سے آراستہ کیا گیا ہے' جس کا مقصد واضح ہے کہ اس رسالہ کے توسط سے ندرتوں کے ساتھ ساتھ حقیقتوں کو بھی واضح کیا جائے۔ چنانچہ ''دبستانِ نعت'' کے انتساب کے بعد اورنگ آباد کی سرزمین سے وابستہ اور اس علاقہ کے دینی مدرسہ ''کاشف العلوم'' میں دینی علوم کے استاد اور آخر میں سرسید کالج اورنگ آباد میں عربی کے ریڈر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے والے ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی کے منظوم تاثرات سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے ''دبستانِ نعت'' کا شمارہ اور اس کے مشمولات سے استفادہ کر کے منظوم خیالات کا نذرانہ پیش کیا ہے' جس سے ثبوت ملتا ہے کہ ایک محقق اور نقاد کو بھی اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد شاعرانہ مزاج میں اظہار کی توفیق حاصل ہو چکی ہے۔ اس اظہار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''دبستانِ نعت'' کے کارناموں کو صرف عام مسلمان کی پسند ہی نہیں' بلکہ تحقیق و تنقید سے وابستہ اہم قلمکاروں کو بھی ترغیب کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ مدیر کے اداریہ کے بعد سب سے پہلے جس موضوع کا احاطہ کیا گیا ہے' اس کو ''تحمید و تقدیس'' کے عنوان سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ مضطر خیر آبادی' صوفی غازی امان اللہ خاں قادری اور کلکتہ کے محمد نصر اللہ نصر کے شعری رجحانات شامل کئے گئے ہیں۔ ان تین شاعرانہ افکار کے اظہار کو خیر آباد' اورنگ آباد اور کلکتہ کی سرزمین سے وابستہ شخصیات کی نمائندگی سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ''دبستانِ نعت'' کی عظمت کو سارے ہندوستان اور بیرونی ممالک کے قلمکاروں کا تعاون حاصل

ہے۔ عام طور پر فہرستِ مضامین کو کسی نہ کسی معنویت سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ''دبستانِ نعت'' کے مضامین کی فہرست کو ''نور ونکہت'' کا عنوان دے کر نعت کی ہمہ جہت خصوصیات کو نمائندگی دینے کے وصف کی نمائندگی کی گئی ہے۔ غرض ''دبستانِ نعت'' میں شامل مضامین کو ''نور ونکہت'' کی نمائندگی سے وابستہ کرنا بھی بلاشبہ اس کتابی سلسلہ کو اردو داں طبقہ تک پہنچانے والے افراد کی فکری صلاحیت کی صلابت سے تعبیر کیا جائے گا، جس کے دیرپا نتائج برآمد ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر ''دبستانِ نعت'' اور نگران فیروز احمد سیفی کے جذبات اور احساسات کے علاوہ کارنامہ کی ستائش کی جانی چاہیئے کہ انہوں نے موضوعات کی مناسبت سے کتاب میں شامل مختلف تنقیدی اور تحقیقاتی مقالوں کو اہم عنوانات کے تحت پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دنیا کی شہرت اور نعت کی ترقی کے لئے اس رسالہ کی اشاعت پر توجہ نہیں دی گئی، بلکہ مدحتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرشاری اور آخرت میں کامیابی کی غرض سے اس رسالہ کی تجدید کا کارنامہ انجام دیا گیا ہے، جو بلاشبہ ان کی ساری خدمات میں سب سے بڑے کارنامہ کی حیثیت کا حامل قرار دیا جائے ہے۔

''دبستانِ نعت'' کے پہلے موضوع کے بعد دوسرے موضوع کو ''تابشِ فکر'' اور ''افکارِ روشن'' سے نمائندگی دی گئی ہے، جس کے ذریعہ 21 رموضوعات کے احاطہ کے ذریعہ نعت گوئی کے حق کو تحقیق و تنقید کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اس موضوع کے تحت سب سے پہلا مقالہ پروفیسر عبدالحق کا شامل کیا گیا ہے، جس کا عنوان ''حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' رکھا گیا ہے۔ دوسرا مقالہ عابد چشتی کا تحریر کردہ ہے، جو مجاہدِ آزادی ''احمق پھپھوندوی حیات اور نعت گوئی'' سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر محمد آصف کا مقالہ ''ترکی زبان کے چند نعت گو شعراء کا تعارف'' اور علامہ محمد شہزاد مجددی کا مقالہ ''اردو نعتیہ شاعری میں موضوعات کی روایات'' شامل ہے جس سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ ''دبستانِ نعت'' کا تحقیقی و تنقیدی انداز دوسری علمی و ادبی کتابوں سے بالکل جُداگانہ ہی نہیں، بلکہ منصفانہ بھی ہے، جس میں حد درجہ مدبرانہ خصوصیت شامل ہے۔ چنانچہ ہر مقالہ نگار کی تحریر سے پیش ہونے والے مضامین میں تدبر و تفکر کے علاوہ موضوع کی ندرت کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجؔد کے مقالہ ''نعتیہ شاعری کے آداب پر تنقیدی نظر'' کے مطالعہ سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ جس جگر کاوی کے ذریعہ نعتیہ شاعری کے امکانات کو روشن کرنے کی جستجو کی گئی ہے۔ وہ بلاشبہ کسی کارنامہ سے کم نہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر ابوصفیان اصلاحی کا مقالہ ''حضرتِ امام بوصیری کے قصیدہ بردہ شریف کا تنقیدی جائزہ'' اور ڈاکٹر راہی فدائی کا مقالہ ''حاجی محمود مہاجر حسرت'' کے مطالعہ سے ان دونوں محققین کی عمیق اور

تحقیقی فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عقیل ہاشمی نے حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور اور ان کے عہد کو پیشِ نظر رکھ کر ان کی نعتیہ خصوصیات کا احاطہ کیا ہے، جبکہ پروفیسر محمد شریف سیالوی کے مقالہ کے مطالعہ سے ثبوت ملتا ہے کہ اردو ادب کو عالمی نعتیہ شاعری سے وابستہ کرنے والے افراد کے کارنامے بھی اس رسالہ میں شامل ہیں۔ ''ترکی زبان کا نعتیہ اظہار'' اور اس کے ساتھ ''اندلسی شاعری میں روایتِ مدحِ رسول'' جیسے موضوعات سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ ''دبستانِ نعت'' کے توسط سے اس صنف کو فروغ دینے والے عالمی زبانوں کے محققین کے کارناموں کو شامل کیا گیا ہے، جس سے نعت کے عالمی سطح کے سرمایہ کو اردو میں متعارف کروانے کا حق ادا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد احسن نے اپنے مقالہ ''نعت کے اہم رجحانات'' اور ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوی نے ایک اہم موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے اپنے مقالہ ''اردو نعتیہ شاعری میں موضوعِ خلقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک جائزہ: کے ذریعہ تحقیق کی بھرپور نمائندگی انجام دی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر مولوی بصیرالحق قادری آلِ قریش کا مقالہ ''بارہویں صدی ہجری کی ایک منظوم سیرت'' سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عہد کے توسط سے نعت گوئی کے امکانات پر توجہ دی ہے۔ مولانا نثار احمد فدائی باقوی کا تحقیقی مقالہ ''جنوبی ہند کے فردِ فرید علامہ فدوی باقوی کی نعت گوئی'' اور تنویر پھول کا مقالہ ''نعت۔ بزبانِ قرآن'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ خداوندِ قدوس نے قرآنِ مجید کے ذریعہ مدحتِ رسول کا فریضہ انجام دیا ہے۔ فیروز احمد سیفی نے ''مہاجر نعت گو شعراء کا اجمالی جائزہ'' اور انور بھدرکی کا مقالہ ''اڈیشہ میں نعت گوئی۔ مختصر جائزہ'' سے ثبوت فراہم کیا ہے کہ عالم گیر سطح پر ہی نہیں، بلکہ ہندوستان گیر سطح پر نعتیہ ادب کی خدمات کو انجام دینے میں اس کتاب کی اشاعت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

''دبستانِ نعت'' کے ذریعہ ڈاکٹر شاہد احمد جمالی نے ''راجستھان میں اردو نعت گوئی'' اور ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے ''امروہہ کے چند نعت گو'' اور ڈاکٹر رضوان امجدی نے ''لکھنو کے چند نعت گو شعراء'' جیسے تحقیقی مقالوں کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں نعت گوئی کے اظہاری رویے اور اس کے توسط سے پھیلنے والی روحانی زندگی کے بھرپور اثرات کے تقاضوں کی تکمیل کی گئی ہے۔ اس کتاب میں جہاں علاقائی نعت گوئی کے کارناموں کی ترقی کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، وہیں انفرادی نعت گوئی کو بھی اظہار کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ فاروق جائسی کا مقالہ ''شگفتہ جمال اجملی کا میلاد نامہ'' اور ڈاکٹر ستار ساحر کا مقالہ ''سلیمان اطہر جاوید کی نعت گوئی'' کے علاوہ ''ترقی پسند نعت گو احمد ندیم قاسمی'' مقالہ نگار ڈاکٹر قمرالزماں ل صدیقی سے نعت گوئی کے انفرادی اور شخصی انداز کا

پتہ چلتا ہے۔ محمد اشرف رضا قادری نے ''منظوم سوانحِ اعلیٰ حضرت'' پیش کر کے سوانحی نظم کو فروغ دیا ہے' جبکہ مولانا محمد قمر انجم قادری فیضی نے ''وہ ورق تھا دل کی کتاب کا'' کے توسط سے نعت گوئی کے فن کے امکانات کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر سراج احمد قادری کے دو مقالے شامل کئے گئے ہیں۔ علامہ اقبال کی مشہور نظم ''بہ حضورِ رسالت مآب ﷺ'' اور ''حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد انوار اللہ فاروقی کی نعت گوئی'' سے ان کی نعتیہ افکار سے رغبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انس نبیل نے ''اقبال خلش کی نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ'' اور سلیمان خاں نے ''بارگاہِ رسالت مآب'' کے توسط سے نعت گوئی سے اپنی فکری دلچسپی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ان موضوعاتی مقالہ جات کی شمولیت کے بعد ایک اہم موضوع ''زاویہ نگاہ'' کتاب کا حصہ قرار پاتا ہے' جس میں اس کتاب کے خصوصی شمارے جیسے ''دبستانِ نعت'' کے چھٹے اور ساتویں کتابی سلسلہ کے تنقیدی جائزہ کو پروفیسر شریف حسین قریشی اور پروفیسر فاروق احمد صدیقی کی دلچسپی کا وسیلہ قرار دیا جائے گا' جبکہ ''دبستانِ نعت'' کے ایسے باوقار شماروں کے تجزیاتی مطالعے کی نمائندگی کرنے والوں میں علامہ عتیق اثر ندوی' ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی' ڈاکٹر سعید احسن قادری' حلیم صابر اور محمد اشرف رضا قادری جیسے اہلِ قلم کے نام شامل ہیں' جس کے بعد ''گل ہائے عقیدت'' کے زیرِ عنوان ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور علاقوں سے وابستہ شاعروں کی نعتوں کے پہلے مصرعوں کو نمائندگی دیتے ہوئے شاعر کی نعتیہ خصوصیت کو شامل کیا گیا ہے۔ نعت کا نذرانہ پیش کرنے والے شاعروں میں ڈاکٹر راہی فدائی' پروفیسر شریف حسین قریشی' تنویر پھول' ڈاکٹر مبشر احمد نشتر' ڈاکٹر الطاف امجدی' کرشن کمار طور' حبیب راحت حباب' اسلم عمادی' ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان' ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد' علامہ عتیق اثر ندوی' مولانا نثار احمد فدائی' ڈاکٹر قمر الزماں صدیقی' ڈاکٹر شہزاد بیگ' فقیر مصطفیٰ امیر' مولانا جابر حسین جابر صدیقی بستوی' آرزو سہارن پوری' نفیس ماندوری' سیمیں برلاس' نور بانو محدود' افشاں عباسی' ڈاکٹر انجنا سندھیر' بیگم عروج بدایونی' پنڈت بال مکند عرش ملسیانی' ڈاکٹر رمیش پرساد گرگ بنارسی' رام پرتاپ' اکمل جالندھری' نسیمی تاجی' شاد ککرالوی' زید احمد زید خیر آبادی' شہریار ککرالوی' پروفیسر شریف حسین قریشی کی نعتوں کے نذرانے شامل ہیں۔ اس کتاب کا آخری موضوع ''ستائش نامے'' کے موضوع کی نمائندگی کرتا ہے' جس میں تین اہم شخصیات یعنی محمد افضل حسین برکاتی کے علاوہ الحاج سید محمد مفیض الدین قادری اور ندیم صدیقی کے خطوط کے ذریعہ ستائشی کلمات سے آراستہ کیا گیا ہے۔ غرض ایک ضخیم اور تقریباً 600 رصفحات پر مشتمل اس کتاب کی اشاعت سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ عقیدت کی نمائندگی سے زیادہ حقیقت کی پیشکشی کو پیش

نظر رکھ کر اس تدوین کے کارنامہ کی تکمیل کی گئی ہے۔ اس کتاب کے تمام مقالہ نگاران' شاعروں' تجزیہ کاروں اور اس کتاب کی تدوین کو ممکن بنانے والوں کا شکریہ ادا کرنا اس لئے ضروری نہیں قرار دیا جاتا کہ انہوں نے اپنے عمل کے ذریعہ خداوند قدوس کے مقرب ترین بندے کا موقف حاصل کیا ہے اور ساری دنیا کو وحدانیت' عبادت اور انسانیت کا راستہ دکھانے والے کارناموں کے ذریعہ اردو نثر ہی نہیں' بلکہ شاعری اور تحقیق و تنقید کے امکانات سے یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ اردو زبان ہی نہیں' بلکہ عالمی سطح پر شہرت رکھنے والی زبانوں کے وسیلہ سے نعت کی روایت کو منظر عام پر لانے کے کارناموں میں اس کتاب کے جذبۂ تقدیس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس کتاب کی پس پردہ جذبۂ صداقت اور جذبۂ وحدانیت کے علاوہ خدا اور رسول کی جانب سے بندہ پروری کے جذبے کو ادب دوستوں کے روبرو پیش کرنے کا کارنامہ تکمیل پا رہا ہے' اس لئے اس قدر ضخیم اور فکری شعور کی نمائندگی کرنے والے اس کتابی سلسلہ کو خدا کی طرف سے بندوں کے لئے ایک نذرانہ قرار دیا جائے گا' جو بلاشبہ دل کی دنیا آباد کرنے اور حُبّ رسول کو زندگی میں پیوست کرنے کا وسیلہ قرار پائے گا۔ چنانچہ اس کتاب کا مطالعہ روحانیت کی تربیت کا وصف بنے گا۔ چنانچہ اس قسم کی کتابوں کا استقبال کیا جانا چاہیئے۔ عصرِ حاضر میں مادیت کی بڑھتی ہوئی شناخت اور روحانیت سے بے اعتنائی کے دوران بلاشبہ ڈاکٹر سراج احمد قادری اور ان کے مددگاروں نے مل کر اس کتاب کی تدوین کا کارنامہ انجام دیا ہے' جس سے اُمتِ مسلمہ کو غور و فکر کرنے اور نعت گوئی کی نعمت سے آراستہ کرنے کا راستہ ہموار ہوتا ہے' جس کے لئے اُمتِ مسلمہ کا ہر فرد ''دبستانِ نعت'' سے وابستہ تمام اشخاص کی خدمت میں ہدیۂ سپاس گزاری پیش کرتا ہے۔

☆ سابق صدر شعبہ اردو، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد
Mob. 9441697072

☆☆☆

ڈاکٹر محمد چاند نظامی (ہزاری باغ، جھارکھنڈ)

حمد و مناجات کا کتابی سلسلہ
'دبستان نعت'-شمارہ نمبر-7

حمد و نعت کا کتابی سلسلہ 'دبستان نعت' کا شمارہ نمبر-7، 520 صفحات پر مشتمل ہے۔ جبکہ، گزشتہ شمارہ 960 صفحات پر محیط تھا۔ ابواب کی تقسیم گزشتہ شماروں کی طرح ہی ہے۔ یعنی اداریہ کے بعد 'تحمید و تقدیس' کے عنوان سے تین حمد باری تعالیٰ شامل کی گئی ہیں۔ اس فہرست میں ایک حمد ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی کی بھی شامل ہے۔ مگر، ایسا لگتا ہے کہ ان کے دوسرے شعر کا دوسرا مصرع کمپوز ہونے سے رہ گیا ہے۔ 'تابش فکر و نظر/افکار روشن' کے تحت کل 26 مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون پروفیسر عبدالحق کا 'معراج رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکر اقبال کا محرک تخلیق' کے زیر عنوان محنت سے لکھا گیا ہے۔ موصوف نے حاصل مطالعہ کے طور پر تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''مسلم ادبیات میں کسی ذی فکر تخلیق کار نے اس عظیم الشان سفر کے متعلقات پر ایسی گہری گفتگو نہیں کی۔'' (ص:27)

'نعت کے حسن بیانیہ' میں پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے نعت میں محدودیت کی شکایت کرنے والوں کو جدید نعتیہ شاعری کے حوالے سے مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر، موصوف نے انتہائی اختصار سے کام لیا ہے اور موضوع کے بعض گوشے تشنہ رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر داؤد محسن نے 'سبحان اللہ و بحمدہٖ' میں حمدیہ شاعری کی قلت کا شکوہ کیا ہے اور نعتیہ شاعری کو ترجیح دینے پر چیں بہ جبیں نظر آتے ہیں۔ انہیں یہ بھی شکایت ہے کہ:

> ''اردو شعراء کی حمد پڑھتے ہوئے موضوعات کی تنگ دامانی کا احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ، بیشتر حمد میں مضامین اور موضوعات کی تکرار کا تاثر پیدا ہوتا ہے اور یکسانیت محسوس ہوتی ہے۔ شاید ہم میں اتنی سکت نہیں ہے کہ ہم اس کی حمد و ثناء کر سکیں۔'' (ص:54)

اس سے قبل یہی شکایت ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط بھی اپنی تصنیف 'اردو میں حمد ومناجات' میں کر چکے ہیں۔فرماتے ہیں:

''عرفی نے جسے 'رہ تیغ دودم' سے تعبیر کیا تھا اور 'با محمد ہوشیار' کے بالمقابل 'با خدا دیوانہ باش' کو زیادہ سہل جانا گیا تھا، پھر بھی یہ امر واقعہ ہے کہ حمدیہ شاعری میں شعراء پیچھے رہ گئے ہیں۔ یہ حقیقت حال اس ذات الٰہہ کی توصیف بیانی میں شاعرانہ عجز وفہم کی درماندگی کا پتہ دیتی ہے۔''

(ص:122/123)

پھر موصوف خود ہی اس صورتحال کا جواب بھی دیتے ہیں کہ:

''معبود کے ساتھ رشتۂ عبدیت میں دیوانگی اعلیٰ محبت اور والہانہ عشق کی معراج متصور کی جاتی ہے۔لیکن، اس دیوانگی میں بھی بندے کا اپنے معبود کی تعریف وتوصیف بیان نہ کرسکنا یہ اللہ کے جلالی جبروت کے آگے خود سپردگی اور اس ذات خداوندی سے بندۂ عاجز متحیر ومبہوت ہو جاتا ہے اور لب کشائی کی ہمت وجرأت ہی ختم ہو جاتی ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ 'حمد' کے ایک مضمون کو سو طرح سے باندھنے کے روشن امکانات اور شاعرانہ صلاحیت رکھنے کے باوجود شعراء حمدیہ شاعری میں دم نہیں مار سکے۔'' (ص:123)

مگر یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ کائنات اور کائنات کی ہر شئے موضوع نعت کے زمرے میں آتی ہے۔ کیونکہ، حدیث قدسی ہے '**لولاک لما خلقت الافلاک**' (اگر مجھے آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا)۔ چنانچہ، نعتیہ شاعری کے توسط سے کائنات انسانی کی معاشرتی، تہذیبی، معاشی، تمدنی غرض ہر پہلو کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔نعتیہ اشعار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائل وفضائل، معمولات وعبادات، دروس وپیغامات، اخلاق وعادات، غزوات وسریات، صبر وقناعت، جود وسخا، حلم وبردباری، محبت وشفقت، عدل وانصاف، صداقت وشجاعت، عفوو درگزر اور دیگر تمام اوصاف جمیلہ اور محاسن عالیہ کے ذکر کے پردے میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی عکاسی نظر آتی ہے۔

محترم فاروق احمد صدیقی کا شمار اردو ادب کے ان چند ادباء میں ہوتا ہے جنھوں نے رضویاتی ادب کے مطالعے پر خصوصی توجہ دی ہے۔ وہ اب تک کے ایسے واحد استاد ہیں جو رضویات کے مختلف

گوشوں پر نصف درجن سے زائد تحقیقی مقالات تحریر کروا کر مختلف ریسرچ اسکالرز کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کروا چکے ہیں۔ یہ ایک ایسا ریکارڈ ہے جس کا مستقبل قریب میں ٹوٹنا مشکل نظر آتا ہے۔ انہوں نے ذکر رضا کو دینی درسگاہوں سے نکال کر عصری جامعات میں پہنچا دیا۔ ان کی تحریروں سے ان کے فنا فی الرضا ہونے کی خوشبو ملتی ہے۔ زیر نظر شمارے میں بھی انہوں نے حضرت فاضل بریلوی کی ایک نعت، جس کی ردیف 'ایڑیاں' ہے، کا اچھا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے اور اس ذیل میں یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ:

> ''تبحر علمی، ژرف نگاہی، شعری لطافت، ادبی نفاست، تشبیہات کی جدت اور استعارات کی ندرت کے لحاظ سے حضرت رضا کا کلام واقعی امام الکلام ہے اور وہ امام الشعراء ہیں۔'' (ص:57)

نیز فرماتے ہیں:

> ''حضرت رضا نے جس ذوق وشوق اور والہانہ عشق ومحبت وعقیدت کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سراپا نگاری اپنی نعتوں میں کی ہے، وہ آپ اپنی مثال ہے۔'' (ص:58)

ان کے اس دعوے کی دلیل پروفیسر ڈاکٹر محمد افتخار شفیع نے اپنے مضمون 'سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول' میں پیش کر دی ہے۔

گزشتہ شماروں کی طرح اس شمارے میں بھی پروفیسر ابوسفیان اصلاحی صاحب 'امام بوصیری کی نعتیہ شاعری۔ تحلیل و تجزیہ' کے زیر عنوان لکھے گئے ایک طویل مضمون کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ موصوف کی کمزوری یہ ہے کہ وہ تمام تر علمیت و قابلیت کے باوجود 'فراہی اسکول' کے باہر جھانکنے کو تیار نہیں ہیں اور وہ ہر چیز کو مولانا فراہی اور ان کے ہم خیالوں کے فکری پیمانے پر ہی پرکھنے کے عادی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا قلم بار بار ٹھوکر کھاتا ہے اور وہ بزرگان اسلام کی شان میں ہرزہ سرائی، ان کی تنقیص اور اتہام سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔ مثلاً امام بوصیری کے 'مدح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''معجزات کے حوالے سے بعض ضعیف روایات کا سہارا بھی لیتے ہیں، یہ چیز ان کی نعتیہ شاعری میں بہ کثرت موجود ہے۔'' (ص:101)

پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ:

> ''امام بوصیری کے نعتیہ قصائد نعت گو شعراء کیلئے میزان ومقیاس ہیں۔

اس کی روشنی میں نعتیہ مضامین میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔''(ص:109)

اور چند سطر بعد فرماتے ہیں کہ:

'' امام بوصیری نے اپنے قصائد میں بہت سی بے معنی اور موضوع روایات سے استناد کیا ہے۔''(ص:111)

غور فرمایئے! جنہوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں کثرت سے ضعیف روایات کا سہارا لیا ہو اور بہت سی بے معنی اور موضوع روایات سے استناد کیا ہو، اس کے نعتیہ قصائد نعت گو شعراء کیلئے میزان ومقیاس کیسے بن سکتے ہیں اور اس کی روشنی میں نعتیہ مضامین میں اضافہ کرنا کس طرح مستحسن قرار پائے گا۔ یاللعجب!

اصلاحی صاحب کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ جب انہیں کسی مسئلے سے اختلاف کرنا ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنے مسلک کے علماء سے رجوع کرنے کا مشورہ دے دیتے ہیں، یا یوں کہیں کہ وہ انہی مسائل سے اختلاف کرتے ہیں جن سے ان کے ہم مسلک علماء کو اختلاف ہے۔ مثلاً

(1) عام الفیل کے واقعے سے اختلاف کرتے ہوئے مشورہ دیتے ہیں کہ:

''مولانا حمید الدین فراہی کی سورۃ الفیل ایک معرکہ آراء تفسیر ہے اسے دیکھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے، جس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ عربوں نے اس ابرہہ کا مقابلہ کرنے سے گریز کیا جو خانۂ کعبہ کو ڈھانے آیا تھا۔''(ص:103)

(2) نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبداء اول تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت آدم علیہ السلام سے قبل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق کا آغاز ہو چکا تھا، گویا نبوت کا آغاز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوا۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ قرآن کریم اور دیگر ماٰخذ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے ایک مضمون میں اسی ضعیف روایت کو بنیاد بنایا ہے، جس کی مدلل انداز میں پروفیسر احتشام احمد ندوی نے تردید کی ہے۔''(ص:111)

(3) ''مولانا علی میاں ندوی نے اپنی کتاب ''المرتضیٰ'' میں بہت سی مبالغہ آرائیاں کی ہیں۔ محمود العقاد کی کتاب میں حضرت علی کے سلسلے میں حقائق بیان کیے گئے ہیں۔''(ص:123)

(4) ''پروفیسر عبید اللہ فراہی نے علم لدنی کے نقائص پر مدلل بحث کی ہے۔'' (ص:123)

(5) ''پتہ نہیں کس عہد میں علماء کرام کیلئے 'مولانا' کا لفظ بولا جانے لگا جو بداہتاً قرآن کریم کے خلاف ہے۔ پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے اپنی تفسیر میزان القرآن میں لفظ مولا کی حقیقت بیان کی ہے اور عالم دین کیلئے اس کے استعمال پر برہمی کا اظہار کیا ہے۔'' (ص:132)

(6) ''حافظ صلاح الدین یوسف نے اہل بیت کی مناسب تشریح کی ہے۔'' (ص:133)

اس کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر انہوں نے غیر معلق باتوں کا ذکر اپنے ہم مسلک کے علماء کی پیروی نیز، ان کی بڑائی کے اظہار میں کیا ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شفیع محشر ہونے سے انکار کرتے ہوئے کیسا گنجلک جملہ تحریر فرمایا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کے بغیر روز قیامت کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا۔''

(ص:114)

اسی طرح کا خود ساختہ جملہ انہوں نے 'دبستان نعت' کے شمارہ نمبر 4 میں بھی تحریر کیا تھا، جس کا جواب راقم نے شمارہ نمبر 5 میں پیش کر دیا تھا۔ مگر، افسوس ہے کہ اصلاحی صاحب کو حق قبول کرنے کی توفیق ہی نہیں ملی ہے، اس لئے وہ ہر شمارے میں مختلف علماء کے کافی وشافی جوابات کے بعد بھی اپنے موقف سے ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کی عادت شوشہ چھوڑنے کی ہوگئی ہے۔ اس لئے ان کے اعتراضات کا جواب دینا تضیع اوقات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ نیز، ان کے ہفوات کی گرفت کرنے والی ہر تحریر ان کی نگاہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے، اس کا اظہار وہ خود کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

''مجھے میری تقصیرات سے آگاہ کیا جا رہا ہے لیکن ایک خاص انداز سے
جہاں معروضیت نہ صرف مفقود وممنوع ہے بلکہ ملعون ومطعون بھی۔''

(ص:134)

ویسے مشورۃً عرض کرنا چاہوں گا کہ انہوں نے پروفیسر الطاف احمد اعظمی کی 'تفسیر میزان القرآن' تو پڑھ لیا ہے، کبھی موقع ملے تو امام رازی کی 'تفسیر کبیر' اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی 'تفسیر مظہری' وغیرہ کا بھی مطالعہ فرمالیں۔ امید ہے کہ اس کے بعد یہ لکھنے کی نوبت نہیں آئے گی کہ:

(1) ''تلاوت درود کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے فرمودات پر عمل کیا جائے...... درود اصل پیغام ہے اتباع خداوندی ، اطاعت محمدی اور پابندئی احکام شریعت کا۔'' (ص:95)

(2) ''جلوس محمدی کے قیام کا سلسلہ قطعاً دین اسلام کی ضد ہے۔''

(ص:125)

(3) ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجسم نور ہیں، نور ہی سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجسیم ہوئی جبکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت پر قرآن دال ہے۔'' (ص:131)

(4) ''امام بوصیری نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کے پوروں اور ہتھیلی کی جس سخاوت اور اس سے ابلنے والے پانی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ دراصل مذکورہ بالا قرآنی تصور سے مستفاد ہے۔'' (ص:102)

حالانکہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبداء اوّل ہونے کے سلسلے میں بعض احادیث کریمہ کا ذکر اسی شمارے میں شامل ڈاکٹر محمد آصف کے مضمون 'بارگاہ رسالت مآب میں چینی شہنشاہ کا نذرانۂ عقیدت' میں موجود ہے۔ (ص: 157) نیز، آپ کی انگلیوں کے پوروں اور ہتھیلی کی سخاوت سے متعلق حدیث پاک کا ذکر جناب اقبال اعظمی نے اپنے مضمون 'کلام اعلیٰ حضرت رضا بریلوی کی مختلف جہتیں' میں کیا ہے۔ (ص:168/170)۔ اصلاحی صاحب چاہیں تو ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

مزید عرض ہے کہ مولانا ضیاء الدین احمد امانی کی مثنوی 'گلشن سیرت' کے یہ اشعار بھی ملاحظہ فرمالیں:

نبی بولے نبوت پائی میں نے جب آدم آب و گل کے درمیاں تھے
خدا نے جب لیا میثاق مجھ سے تو وہ روح و جسد کے درمیاں تھے
یہ سارے انبیاء تھے آپ کے بعد جبینوں سے عیاں تھا نور امجاد
رہے اصلاب و ارحام مبارک محافظ نور کے جد نبی ﷺ تک

(ص:226)

نیز واقعہ فیل کے حوالے سے یہ اشعار:

یہی دادا تھے شاہ انبیاء کے یہی تھے منتظم بیت خدا کے
پہاڑوں میں چھپے سب شہر والے کیا کعبے کو اللہ کے حوالے

(ص:226)

میں نے یہ اشعار اس لئے نقل کئے ہیں کیونکہ جناب امانی کے سلسلے میں فاضل مضمون نگار احمد نثار فدائی باقوی نے یہ اطلاع دی ہے کہ:

''حضرت تھانوی (اشرف علی تھانوی) کے خلیفہ حضرت مولانا سعید کیرانوی سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔'' (ص:213)

اور مثنوی 'گلشن سیرت' کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ:

''رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے احوال و واقعات کا ذکر، آپ کی سیرت مبارکہ بشمول آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شمائل، عادات وخصائل کی تفصیلات بیان کرنے میں مصنف نے نہ کسی بے سند بات کا سہارا لیا ہے اور نہ کسی غیر معتبر ضعیف روایت کو شاعرانہ حسن بیان دیکر لطف سخن کو دو آتشہ کرنے کی کوشش کی ہے۔'' (ص:216)

اپنے اس دعوے کی دلیل میں انہوں نے محمد شفیع دیو بندی، مصنف معارف القرآن، مولانا محمد اسمٰعیل، سابق شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام، عمر آباد، حافظ عبد الواجد، ناظم و شیخ الحدیث جامعہ دار السلام، عمر آباد، مولانا شیخ آدم، مولانا محمد ابو بکر نظمی اور دیگر اصحاب فہم کی آرا نقل کی ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ:

''مثنوی گلشن سیرت پر تقاریظ لکھنے والوں میں مصنف کے ہم عصر مشاہیر علمائے دین متین، اساتذۂ جامعات، دانشوران وقت، ارباب فکر ونظر اور ہندوپاک کے مشہور ومعروف ادباء کے اسمائے گرامی شامل ہیں، جو کتاب کے معیار اور مصنف کے علمی وقار اور ادبی مقام کے ثبوت کیلئے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' (ص:222)

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہے کہ جناب امانی دیو بندی مکتبۂ فکر کے حامل عالم دین تھے، جس مکتبۂ فکر کے بنیادی عقائد وہی ہیں جو اصلاحی صاحب کے ہیں، مگر چونکہ ''مثنوی 'گلشن سیرت' نہ کسی بے سند بات کا سہارا لیکر اور نہ کسی غیر معتبر ضعیف روایت کو شاعرانہ حسن بیان دیکر لطف سخن کو دو آتشہ کرنے کی کوشش ہے''، اس لئے اس میں بیان کردہ حقائق و واقعات کو اصلاحی صاحب کو ضرور قبول کرنا چاہئے۔

بہرحال دیگر مضامین بھی معلوماتی اور دلچسپ ہیں۔ مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق نے حضرت شاہ قربی ویلوری پر اچھا مضمون لکھا ہے۔ مگر، انہیں فارسی اور اردو کا اوّلین صاحب دیوان شاعر کہا ہے

(ص: 232)۔ یہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے، کیونکہ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ (پ-1565ء، م-1612ء) ہیں۔ جبکہ، حضرت قربی کی ولادت ہی 1706ء میں ہوئی تھی۔ یونہی علامہ عتیق اثر ندوی نے اپنے مضمون 'نعتیہ شاعری (اردو) کے زمانی گوشے' میں حضرت فاضل بریلوی کے مشہور سلام کے حوالے سے ایک بند نقل کیا ہے:

جبکہ پیدا شہ انس و جاں ہوگیا دور کعبے سے لوٹ بتاں ہوگیا
مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

جبکہ یہ سلام بند کی صورت میں نہیں ہے اور مذکورہ پہلا شعر حضرت فاضل بریلوی کا نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے 'حدائق بخشش' کا مطالعہ نہیں کیا ہے اور کسی غلط مآخذ سے حوالہ نقل کرلیا ہے۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند کی حمد نگاری پر ڈاکٹر محمد امجد رضا خان کی فاضلانہ تحریر متاثر کن ہے۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں، کما حقہٗ اس کا حق ادا کردیتے ہیں۔ زیرِ نظر شمارے میں بھی انہوں نے حسان العجم خاقانؔی کی نعتیہ شاعری پر عمدہ مضمون تحریر فرمایا ہے۔

مستقل گوشہ 'زاویۂ نگاہ' کے تحت اقبال اعظمی نے 'دبستان نعت-6 پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کی نہ صرف اچھی گوشمالی فرمائی ہے بلکہ، عام قارئین کی معلومات میں بھی بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ مدیر رسالہ ڈاکٹر سراج احمد قادری کا ہر اداریہ دعوت فکر وعمل دیتا ہے۔ اس شمارے میں بھی انہوں نے بڑی کارآمد باتیں کی ہیں اور حالؔی پرستوں کی اچھی خبر لی ہے۔ اللہ کرے ان کی کوشش بارآور ثابت ہو اور تنقید نعت کے حوالے سے سازگار اور مثبت ماحول کی تعمیر میں یہ کتابی سلسلہ اپنا اہم کردار ادا کرے۔

'گلہائے عقیدت' کے تحت 28 کلام شامل ہیں، جس میں دو سلام بھی ہیں۔ ان میں 6 غیر مسلم شعراء کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ مگر، اس کی ترتیب پر دھیان دینا چاہئے۔ نعت کے درمیان سلام اور منقبت پھر نعت، اس ترتیب میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ نیز، اتنی تعداد میں منظومات کو شامل کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، تاکہ صفحات کو بچا کر مزید تنقیدی و تحقیقی مضامین کو شامل کیا جاسکے۔ مجموعی طور پر اس شمارے میں تین حمد، 25 نعت، ایک منقبت اور دو سلام کل 31 منظومات شامل ہیں۔

☆☆☆

گلہائے عقیدت

صلی اللہ علیہ وسلم

طفیل سرورِ عالم ہوا سارا جہاں پیدا
زمین و آسماں پیدا مکیں پیدا مکاں پیدا

نہ ہوتا گر فروغِ نور پاکِ رحمتِ عالم
نہ ہوتی خلقتِ آدم نہ گلزار جناں پیدا

شہِ لولاک کے باعث، حبیب پاک کے باعث
جناب حق تعالیٰ نے کیا کون و مکاں پیدا

ظہورِ ذاتِ اکرم سے فیوضِ خیر مقدم سے
نسیمِ بوستاں پیدا بہارِ گلستاں پیدا

رسول اللہ کی خاطر کئے جن و بشر حاضر
بنایا ماہ و انجم کو کئے ہیں بحر و کاں پیدا

جمالِ حُسن میں رعنا کمالِ خلق میں یکتا
کوئی پیدا ہوا ایسا نہ ہووے گا یہاں پیدا

اُنہیں کے واسطے آدم اُنہیں کے واسطے حوا
اُنہیں کے واسطے کافیؔ کئے سب انس و جاں پیدا

حضرت سیّد کفایت علی کافیؔ (مرادآبادی) رحمۃ اللہ علیہ

ﷺ

الٰہی! وہ زباں دے جو ثنا خوان محمد ہو
ثنا ایسی جو ہر آئینہ شایان محمد ہو

وہ جان پاک دے یارب جو قربان محمد ہو
وہ دل دے جو شکار تیر مژگان محمد ہو

جنون عشق و گرما گرمئی سوز محبت سے
یہ آوارہ ہو اور دشت و بیابان محمد ہو

شراب شوق سے لبریز ہو پیمانۂ الفت
نگار حسن ہو، میں ہوں، خیابان محمد ہو

مقام لی مع اللہ تک بھلا کس کی رسائی ہو
جب اس خلوت کدہ میں خاص جانان محمد ہو

بدل جائے شب بخت سیہ صبح دل آرا سے
اگر جلوہ نما روئے درخشاں محمد ہو

علیمؔ خستہ جاں تنگ آ گیا ہے درد ہجراں سے
الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمان محمد ہو

مبلغ اسلام حضرت علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ

صلی اللہ علیہ وسلم

تمنا ہے کہ مرتے وقت بھی ہم مسکراتے ہوں
زباں پر یا محمد ہو جب اس دنیا سے جاتے ہوں

بنے اے کاش اس دم سازِ ہستی آخری ہچکی
فرشتے نغمۂ صلِّ علیٰ جب گنگناتے ہوں

مزہ جب ہے کہ ہم دیوانہ وار اُن کی طرف جائیں
اشاروں سے شہِ ہر دوسرا ہم کو بلاتے ہوں

شبِ فرقت کی ان رنگینیوں پر جان و دل صدقے
تمہاری یاد ہو دل میں ستارے جھلملاتے ہوں

نہ کیوں اونچا ہو سارے انبیاء سے مرتبہ ان کا
سفارش کر کے جو امت کو اپنی بخشواتے ہوں

سکوں کی ساعتوں میں کون ان کو بھول سکتا ہے
دمِ مشکل جو ہر اک بے نوا کے کام آتے ہیں

بیاں ہو کیا شکیلؔ اس نزم دل کی جلوہ سامانی
حبیبِ کبریا جس بزم میں تشریف لاتے ہوں

شکیلؔ بدایونی

صلی اللہ علیہ وسلم

جا زندگی مدینے سے جھونکے ہوا کے لا
شاید حضور ہم سے خفا ہیں منا کے لا

کچھ ہم بھی اپنا چہرۂ باطن سنوار لیں
بوبکر سے کچھ آئینے عشق و وفا کے لا

دنیا بہت ہی تنگ مسلماں پہ ہوگئی
فاروق کے زمانے کے نقشے اٹھا کے لا

محروم کردیا ہمیں جس سے نگاہ نے
عثمان سے وہ زاویے شرم و حیا کے لا

مغرب میں مارا مارا نہ پھر اے گدائے علم
دروازہ علی سے یہ خیرات جا کے لا

باطل سے دب رہی ہے پھر امت رسول کی
منظر ذرا حسین سے پھر کربلا کے لا

کس منہ سے پیش ہوگا مظفرؔ حضور حق
اس کو شہید اسوۂ آقا بنا کے لا

مظفرؔ وارثی (پاکستان)

سرکار، مری تشنہ لبی کا بھی مداوا

سرکار، میں آنسو ہوں سرِ شاخ جلا ہوں
سرکار، شبِ جبر کے صحرا میں پڑا ہوں
سرکار، میں محتاج مسلسل ہوں کرم کا
سرکار، حوادث کی چٹانوں میں گھرا ہوں
سرکار، اندھیرا ہی اندھیرا ہے گلی میں
سرکار، ابھی دھوپ کے جنگل میں کھڑا ہوں
سرکار، مرے صبر کا پیمانہ نہ چھلکے
سرکار، میں محرومی کی مٹی سے اٹا ہوں
سرکار، یہ شب اشک بہانے میں ہے گزری
سرکار، در خوف پہ میں جلتا رہا ہوں
سرکار، مرا رزق کشادہ ہو زمیں پر
سرکار، میں خود اپنے ہی ملبے پہ گرا ہوں
سرکار، مری تشنہ لبی کا بھی مداوا
سرکار، کٹوروں میں پڑا سوکھ گیا ہوں
سرکار، میں کعبے کو دل و جاں میں بسا کر
سرکار، مدینے کی طرف چلنے لگا ہوں
سرکار، تلافی ہو مرے گزرے دنوں کی
سرکار، جلے عہد کی بے چین صدا ہوں
سرکار، ہو لمحاتِ مسرت کی بشارت
سرکار، میں تنہائی میں جل جل کے بجھا ہوں
سرکار، ہوں احوال بیاں کرنے سے قاصر
سرکار، کئی دن سے میں مرجھایا ہوا ہوں
سرکار، مرے حق میں دعاؤں کی ہو بارش
سرکار، ابھی اور عطاؤں کی ہو بارش

ریاض حسین چودھری (پاکستان)

صلی اللہ علیہ وسلم

دستِ اقدس سے بیعت کو جب مَس ہوا
وہ جو پتھر تھا، پل بھر میں پارَس ہوا

دم بخود تھے عرب، آپ کی گفتگو
جس نے دل سے سنی، دل سے بے بس ہوا

جس نے دیکھا انھیں چشمِ ایمان سے
بعد از انبیاء جگ میں اقدس ہوا

جس کو صحبت ملی وہ ستارہ بنا
اِقتدا کے لیے بس وہی بَس ہوا

جس نے چاہا انھیں، اُس کو چاہا گیا
ابنِ حبشہ کہ فرزندِ فارَس ہوا

چند برسوں میں مکہ پہ حق چھا گیا
اور باطل کا جو خار تھا، خَس ہوا

خمال کسریٰ کا، دستِ سُراقہ میں ہو؟
''ہوگا'' فرما دیا آپ نے، پس ہوا

نُطقِ حاطب کو کیسے یہ کَس بل ملا؟
مدح خوانِ رسالت یہ بیکَس ہوا

احمد حاطب صدیقی
(اسلام آباد، پاکستان)

صلی اللہ علیہ وسلم

گنبد فکر و تصور میں کھلا در کس لیے
اب نہ آئے اس طرف بادِ معطر کس لیے

عظمت شخصیت و ذات مبارک الکتاب
اوج پر نازاں ہو پھر یہ چرخ اخضر کس لیے

قد رعنا آپ کا دیکھا نہیں ہے اس نے کیا
ناز اپنے قد پہ کرتا ہے صنوبر کس لیے

گر نہ ہو عرفان ذات حضرت ختم الرسل
علم و فکر و آگہی انساں کا زیور کس لیے

ہو نہ قرباں آپ کے ناموس پر یا سیدی
یا رسول اللہ میرا یہ بھرا گھر کس لیے

قسمت تاثیر تک بدلے ہے جب وابستگی
موم کی تاثیر رکھے پھر نہ پتھر کس لیے

نعت گوئی کے عوض کیا دیں گے یہ اہل خرد
داد کی خواہش کرے کوئی سخنور کس لیے

مدح حضرت پر ملے رب سے بہائے بے بہا
سلسبیل و زمزم و تسنیم و کوثر کس لیے

اے سراج قلب و قبر و حشر و ما بعد جہاں
آپ کا دامن سلامت خوف محشر کس لیے

پروفیسر سراج اجملی (علی گڈھ)

صلی اللہ علیہ وسلم

تخلیقِ کائنات کا دعویٰ ہے اُن کی ذات
اِس زندگی کی غایتِ اولیٰ ہے اُن کی ذات

اللہ رے مقام خدا کے حبیب کا
حسن فضائے عرشِ معلیٰ ہے اُن کی ذات

تاریک شب کو مل گئی ایماں فروز صبح
خورشیدِ حق کا ایسا اُجالا ہے اُن کی ذات

رفعت خدا سے پائی ہے خود جن کے ذکر نے
لاریب ایسی ارفع و اعلیٰ ہے اُن کی ذات

بندے کو یوں خدا سے کیا آپ نے قریب
دونوں کے درمیان کا رشتہ ہے اُن کی ذات

سارے گناہگاروں کو جو دے گئی اماں
اس رحمتِ تمام کا سایہ ہے اُن کی ذات

یٰسین بھی ہیں آپ ہی، طٰہٰ بھی آپ ہی
والشّمس کا بھی محورِ زیبا ہے اُن کی ذات

حُبِّ رسول شرط ہے ایماں کی اوّلیں
افضل، بلند، برتر و بالا ہے اُن کی ذات

اسوہ رسول پاک کا قرآں کی شرح ہے
دینِ خدا کا جیسے سراپا ہے اُن کی ذات

قرآں سند ہے آپ کے خُلق عظیم کی
طرزؔی بتائے کس طرح کیا کیا ہے اُن کی ذات

پروفیسر عبدالمنان طرزؔی
(دربھنگہ، بہار)

صلی اللہ علیہ وسلم

عاقبت سنور جائے مصطفیٰ کے دامن میں
جا کے جو بھی مر جائے مصطفیٰ کے دامن میں

آرزو ہماری ہے جستجو ہماری ہے
زندگی گذر جائے مصطفیٰ کے دامن میں

بس اُنہیں کے قدموں میں اپنی منزلِ دل ہے
عشق عمر بھر جائے مصطفیٰ کے دامن میں

کوئی بھی صحابی ہو جس سے بھی نبی مانگیں
اپنی پونجی دھر جائے مصطفیٰ کے دامن میں

عظمتِ نبی یہ ہے اپنے سر کو خم کر کے
آسماں اُتر جائے مصطفیٰ کے دامن میں

اے آنا محمد کے در سے جس کو نسبت ہے
بس وہی بشر جائے مصطفیٰ کے دامن میں

آنا دہلوی

صلی اللہ علیہ وسلم

مکاں کے دل میں، سرلامکاں میں آپ ہی آپ　　ہیں حسن پیکر سرّ نہاں میں آپ ہی آپ
کرم سے لرزہ براندام ہوگئی ہے سزا　　شفاعتوں کا بھرم دو جہاں میں آپ ہی آپ
ہمیں یہ فخر ہے، روز عمل کی روز جزا　　ہمارے ساتھ سفر جاوداں ہیں آپ ہی آپ
ہے عرش وکرسی ولوح وقلم میں آپ کا نور　　یہ خلد کیا، نگہ قدسیاں میں آپ ہی آپ
ہیں آپ قافلہ سالار انبیاء و رسل　　ازل ابد کے ہراک کارواں میں آپ ہی آپ
زمیں پہ سجدہ کناں، آسماں پہ نقش رواں　　حکومت آپ کی ہے، کُل جہاں میں آپ ہی آپ
جبین نور کو جب سے زمیں نے چوم لیا　　کھلا ہے عقدہ کہ ہراک نشاں میں آپ ہی آپ
یہ کوئی ساعت بے کیف، وقفہ ہائے نشاط　　بوقت غم، نفس شادماں میں آپ ہی آپ
یہ کس کے حکم سے ہے موسموں کا ردّ و بدل　　بہار ہو کہ خزاں، ہر زماں میں آپ ہی آپ
خدا کا رنگ ہے دراصل آپ ہی کا رنگ　　سفید و زرد و سیہ، ارغواں میں آپ ہی آپ

جلا نہ پائے گی راہیؔ! اسے یہ آتش گل
خوشا، ہیں دل کے مرے آشیاں میں آپ ہی آپ

ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

صلی اللہ علیہ وسلم

نورِ ازلی افضل و امجد ہیں وہ
اے صلِّ علیٰ رحمتِ بے حد ہیں وہ
میں نعت کہوں ان کی، مری کیا اوقات
حامد ہے خود اللہ، محمد ہیں وہ

☆

آئینہ ہیں سب اوّل و آخر ان پر
ظاہر ہیں دو عالم کے مظاہر ان پر
اب کیا بچا جو غیب کے پردے میں رہے
خود نورِ خدا ہو گیا ظاہر ان پر

☆

کونین کا عنواں ہیں رسولِ عربی
آئینۂ یزداں ہیں رسولِ عربی
جس کو یدِ قدرت نے کیا ہے روشن
وہ نیرِّ تاباں ہیں رسولِ عربی

☆

زیرِ قدمِ مصطفوی کردے مجھے
نادارِ اطاعت ہوں غنی کر دے مجھے
یارب میں گنہگار ہوں پھر بھی اپنے
محبوب کے صدقے میں بری کر دے مجھے

☆

یارب مجھے آقا کی محبت سے نواز
اولادِ محمد کی عقیدت سے نواز
جس روز ہر اک سمت ہو نفسی نفسی
سرکارِ مدینہ کی شفاعت سے نواز

☆

ہو کس سے بیاں وصفِ حمیدہ اس کا
مداح ہے خود خالقِ یکتا اس کا
مشہور ہے اس نور کا سایہ ہی نہ تھا
حالانکہ دوعالم پہ ہے سایہ اس کا

☆

پہلے جو نہیں مانگا تھا اب سے مانگو
رو رو کے تضرّع سے ادب سے مانگو
بہتر ہے وسیلۂ محمد کے طفیل
مالک سے، خالق سے، رب سے مانگو

☆

وہ نورِ علیٰ نور بنا آتا ہے
اللہ بھی ہے جس پہ فدا آتا ہے
دنیا میں ضلالت کو ملے گی نہ پناہ
اب پر تو حق، نورِ خدا آتا ہے

☆

آقا کی محبت جسے حاصل ہو جائے
نافہم اگر ہو تو وہ عاقل ہو جائے
طوفان میں جو نامِ محمد لے لے
اس کے لئے مجدھار بھی ساحل ہو جائے

☆

اللہ کا فرمان سنانے والے
قرآن کی تفسیر بتانے والے
آقا نہیں تفسیر تلک ہی محدود
ہیں اس پہ عمل کر کے دکھانے والے

☆

فاروقی جائسی (کانپور)

صلی اللہ علیہ وسلم

اعزاز یہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا
پھر کوئی آسمان میں داخل نہیں ہوا

سورج ستارے چاند فلک بلکہ کائنات
کوئی مرے نبی کے مماثل نہیں ہوا

افسوس میں کھڑا ہوں سمندر کے اِس طرف
ساحل بھی میرے واسطے ساحل نہیں ہوا

دریا، ہوائیں، راستے سب سے مجھے گلہ
میری طلب نے کوئی بھی شامل نہیں ہوا

زم زم نہائیں لوگ کھجوروں کا لطف لیں
میں ایک مشتِ خاک کے قابل نہیں ہوا

آنکھوں کو نور مل گیا ہوتا مگر مجھے
اک ذرّہ اُس زمین کا حاصل نہیں ہوا

وہ روح ہے کہ دونوں جہاں جگمگا اٹھے
وہ جسم ہے کہ سائے کا حامل نہیں ہوا

صدیوں سے پی رہا ہے چراغوں کی روشنی
لیکن اندھیرا آج بھی کامل نہیں ہوا

انجم خدا گواہ بھری کائنات میں
اس مرتبے کا کوئی بھی حامل نہیں ہوا

ڈاکٹر اشفاق انجم (مالے گاؤں)

ﷺ

اساسِ یقیں ہے متاعِ حسیں ہے
ترا نام نامی حیات آفریں ہے
کلامِ الٰہی ہے خود جس پہ شاہد
وجودِ مبارک وہ ماہِ مُبیں ہے
حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا و دیں میں
ترا اِسمِ اعظم چمکتا نگیں ہے
زمانے کے روشن دماغوں کے آگے
تری بات کیا ہے دلیل مُبیں ہے
نظر میں وہ کیا لائے دُنیا کے جلوے
جسے تیری ہستی پہ کامل یقیں ہے
تصور پہ چھایا ہے جو نُور بن کر
ترا ذکر ایسا عجب دلنشیں ہے
رسالت کا جس کو نہیں تیری عرفاں
وہی دونوں عالم میں اندوہ گیں ہے
لبوں پر ہے طارقؔ کے یہ حرفِ آخر
تری ذاتِ والا مقدس تریں ہے

متین طارقؔ باغپتی (غازی آباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

انہیں جب ان کا خدا آشنائے راز کرے
بلا کے عرشِ معلّٰی پہ سرفراز کرے
ایاز کم نہیں محمود سے ترے در پر
ترا وہ در ہے جو محمود کو ایاز کرے
غمِ نبی نے غمِ دوجہاں سے دور کیا
غمِ نبی کا خدا سلسلہ دراز کرے
قدم قدم پہ ہے امت کی فکر آقا کو
ہر ایک غم کا مداوا وہ چارہ ساز کرے
جسے نصیب ہو دیدار شہر طیبہ کا
وہ اپنی خوبئ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
تو میرے دل کے بھی ارماں مچلنے لگتے ہیں
جو قافلہ کوئی رُخ جانب حجاز کرے
مرے نبی کی طرح ہاں مرے نبی کی طرح
ہے جون جو حق و باطل میں امتیاز کرے
یقیں ہے جائے گا ان کا غلام جنت میں
منافقوں سے ضروری ہے احتراز کرے
درِ نبی کی غلامی جسے ملے رضوانؔ
ہر ایک در سے خدا اس کو بے نیاز کرے

پروفیسر رضوان الرضا (رضوان علیگ)

صلی اللہ علیہ وسلم

وہ شبیہ کوئے رسول تھی جو متاع دیدہ وری رہی
کبھی چشم نم پہ نہر گئی کبھی طاق جاں پہ دھری رہی

مرے برگ جاں کو تو کھا گئیں یہ غمِ حیات کی دیمکیں
مگر آبِ عشق رسول سے مری شاخ زیست ہری رہی

مری زندگی کا کوئی بھی پل مری دسترس میں کہاں رہا
مگر اک جبین نیاز تھی وہی سوز غم سے بری رہی

تھا جو ربط عشق رسول سے تو کٹی حیات اصول سے
نہ جنوں میں چاک قبا ہوئی نہ خرد کی بخیہ گری رہی

وہی فکر و فن ہوا معتبر جو زبان حق سے ادا ہوا
جو نبی کے نام سے کی گئی وہی بات سب سے کھری رہی

یہ جو نعت کہنے کا شوق ہے یہ آبشار سکون کا
سو اسی سے صرف سخن نہیں مری روح میں بھی تری رہی

وہ جو لطف عام ہے آپ کا وہی کام آیا مرے ضیاء
مرے شہر جاں کی گلی گلی اسی روشنی سے بھری رہی

ضیاء فاروقی (بھوپال)

صلی اللہ علیہ وسلم

حدودِ طیبہ میں جب داخلہ ہو — تو سر فرطِ عقیدت سے جھکا ہو
دل اپنا محوِ یادِ مصطفیٰ ہو — لبوں پر نغمۂ صلِّ علیٰ ہو
سفر جب بھی ہو شہرِ مصطفیٰ کا — دل اپنا وجد آور کیف زا ہو
رہے طیبہ میں میرا آنا جانا — مرے اللہ! پوری یہ دعا ہو
کبھی منزل کو پاسکتا نہیں وہ — عمل جس کا خلافِ مصطفیٰ ہو
نہیں اس کے مقدر میں ہدایت — نبی سے راستہ جس کا جدا ہو
گنہ سرکار حد سے بڑھ چکے ہیں — سبھی ہوں کالعدم، گر آپ چاہو
خدایا بخش دے صدقے نبی کے — کرم کا سلسلہ بے انتہا ہو
اغثنی یا رسول اللہ اغثنی — بوقتِ نزع لب پر یہ صدا ہو
نگاہِ لطف سے آقا نوازیں — مجھے دیدار کی دولت عطا ہو
بلیات و حوادث نے ہے گھیرا — عنایت کی نظر یا مصطفیٰ ہو
دیا ہے آپ کو حق نے وہ رتبہ — کہ برتر بعد از ربِّ علیٰ ہو
رضائے رب، رضائے مصطفیٰ ہے — وہی چاہے خدا، جو آپ چاہو

ہمیں دارین میں رنج و الم کیا؟
نبی سا نوریؔ جب مشکل کشا ہو

محمد محبّ اللہ نوری

ﷺ

قدرت نے دیا ایسا انعام مدینے میں
اس دل کو ملا بے حد آرام مدینے میں

اک کیف کی حالت تھی جب باندھ لیا میں نے
اللہ کے گھر جانے، احرام مدینے میں

معلوم نہ ہو پایا، کس طرح مرے گزرے
رحمت بھری وادی کے ایام مدینے میں

اے ارض و سما والے، ایسا ہو کرم میری
ہر صبح ہو مکہ میں اور شام مدینے میں

تھی مصلحت اک ''ہجرت'' پیغمبر عالم کی
دراصل پھلا پھولا، اسلام مدینے میں

بھر لائے گا دامن میں، جو بھی وہاں جائے گا
جنت کے خزانے ہیں، ہر گام مدینے میں

آغاز کہیں کا ہو، میں دیکھنا چاہوں گا
اس زیست کا ہو جائے انجام مدینے میں

ہو جائے اگر ایسا، خوش قسمتی ہے میری
بک جائے ندیمؔ اک دن، بے دام مدینے میں

ندیمؔ فاروقی

صلی اللہ علیہ وسلم

حدیثیں گفتگو ان کی عمل قرآن جیسا تھا
میرے شاہا کا چپ رہنا خدا کی شان جیسا تھا

زمیں والوں میں رہ کر بھی سلیقہ رکھ رکھاؤ کا
سنا ہر معاملے میں ارحم و رحمان جیسا تھا

مسلماں ہی نہیں کافر بھی ان سے فیض پاتے تھے
ہر ایک احسان ان کا عالمی احسان جیسا تھا

وہ ہی ہیں رحمت للعالمیں محبوب رب ان کا
خدا سے سلسلہ دو قلب اور ایک جان جیسا تھا

امام الانبیاء ہیں شہنشاہِ دوجہاں لیکن
بچھونا اوڑھنا فقرا کی آن بان جیسا تھا

گماں کی حد سے آگے وہ جو نا معلوم سرحد ہے
اسی نفسِ حقیقت ساز کی پہچان جیسا تھا

حقیقت میں وہ کیا ہیں یہ تو بس سیمؔا خدا جانے
مگر انسان میں بہت بڑے انسان جیسا تھا

سیمؔا عابدی (شکاگو)

صلی اللہ علیہ وسلم

اُجالے دے کے دنیا کو کدھر جاتا ہے یہ سورج
درِ محبوب پر جا کر اتر جاتا ہے یہ سورج

چمک جو اس نے پاء، ہے نبی کے نور کا صدقہ
اسی صدقے کو پا کر ہی تو اتراتا ہے یہ سورج

سویرے گنبدِ خضرا کو کرنیں سجدہ کرتی ہیں
اجالے مانگ لاتی ہیں سنور جاتا ہے یہ سورج

درِ عالی کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ خود جا کر
سلامی سر کے بل دیتا گزر جاتا ہے یہ سورج

رخِ انور کی تابانی صدف لکھنے سے قاصر ہے
رخِ انور کے آگے آپ شرماتا ہے یہ سورج

صبیحہ صدفؔ (رائسین، مدھیہ پردیش)

صلی اللہ علیہ وسلم

نام محمد نورِ الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم
سارا عالم ساری خدائی صلی اللہ علیہ وسلم

عجز سراپا آدم خاکی جب جب اس کا نام لیا
آنکھ نہ جانے کیوں بھر آئی صلی اللہ علیہ وسلم

جب بھی مداوا پوچھا میں نے خود سے اپنی وحشت کا
دل سے بس آواز یہ آئی صلی اللہ علیہ وسلم

زعم خودی تھا حامل اللہ اور انساں کے ملنے میں
آپ نے وہ دیوار گرائی صلی اللہ علیہ وسلم

مجھ پر بھی ہو جائے ذرا سا کرم خدا کی رحمت کا
سب کی بگڑی بات بنائی صلی اللہ علیہ وسلم

پیار، محمد کی عظمت کا کن لفظوں میں ذکر کروں
ایک خدا کی جوت جگائی صلی اللہ علیہ وسلم

دل میں عقیدت رکھ کر بندہ بس محوِ فریاد رہے
جانے کب ہو جائے رسائی صلی اللہ علیہ وسلم

شری منیش شکلا (لکھنؤ)

صلی اللہ علیہ وسلم

اتنی ہی دور کعبے سے شہرِ حضور ہے
جتنی مری جبین مرے دل سے دور ہے

زمزم میں کیا بتائیں تمہیں کیا سرور ہے
جب اس زمیں کا شہد سے میٹھا کھجور ہے

باطن ہے ان کا نور تو خاکی ظہور ہے
امی لقب علوم پہ حاصل عبور ہے

سورج کا لوٹنا ہے اسی بات کا ثبوت
جو کچھ کہیں حضور وہ ہونا ضرور ہے

موسیٰ کو کیا خبر ہے یہ آقا سے پوچھئے
یہ کون بے نقاب سرِ کوہِ طور ہے

جنت سے کم نہیں ہے گلستانِ مصطفیٰ
غلماں ہیں گل ہر ایک کلی مثلِ حور ہے

سورج میں چاند تاروں میں اتنی ضیا کہاں
جتنا مرے حضور کے تلوں میں نور ہے

وہ اور ہوں گے جن کو ہے قہرِ خدا کا خوف
ہم کو تو ان کے لطف و کرم پر غرور ہے

بیخودؔ گناہگار سہی حشر میں مگر
آقا کہیں گے میرا گدا بے قصور ہے

رام پرکاش بیخودؔ (لکھنؤ)

صلی اللہ علیہ وسلم

ان کا روضہ مری منزل ہے، ارادا کرلوں
چاہتا ہوں کہ ہواؤں کو ہی جادہ کرلوں

پاک رکھوں میں سدا خود کو، ترا نام جپوں
مستقل نور کو اس تن کا لبادہ کرلوں

سیرتِ احمدِ مختار سمجھنے کے لئے
نفس قابو میں رکھوں ذہن کو سادا کرلوں

ان کی رحمت کے طلبگار ہیں دونوں عالم
دامن دل کو ذرا میں بھی کشادہ کرلوں

صرف دنیا نہیں عقبیٰ بھی سنور جائے گا
خود کو گر ان کے غلاموں کا پیادہ کرلوں

روح میں اپنی طہارت کے اُجالے بھر کر
عشقِ احمد میں ترے نام کو بادہ کرلوں

ان کو پانے کے لئے شوقؔ ضروری ہے یہی
پیس کر اپنی اَنا کو میں برادہ کرلوں

سنجے مصرا شوقؔ (لکھنؤ)

سلام

مصطفیٰ نورِ یزداں پہ لاکھوں سلام
حاملِ وحیِ قرآں پہ لاکھوں سلام
روضۂ جلوہ ساماں پہ لاکھوں سلام
سرورِ کُل رسولاں پہ لاکھوں سلام

آپ نورِ خدا ہیں رسولِ انام
کب خدا سے جدا ہیں رسولِ انام
تم پہ قرباں سدا ہیں رسولِ انام
ہم تو تم پہ فدا ہیں رسولِ انام

مصطفیٰ نورِ رحمت پہ لاکھوں سلام
جانِ عالم کی شوکت پہ لاکھوں سلام
ہر کمال و جلالت پہ لاکھوں سلام
نورِ طیبہ کی عظمت پہ لاکھوں سلام

آپ نورِ خدا ہیں رسولِ خدا
آپ کے ہم گدا ہیں رسولِ خدا
آپ رب کی عطا ہیں رسولِ خدا
لامکاں کی ضیاء ہیں رسولِ خدا

رحمتِ نورِ عرفاں پہ لاکھوں سلام
شاہدِ بزم خوباں پہ لاکھوں سلام
موسیٔ شاہِ دوراں پہ لاکھوں سلام
سرورِ جن و انساں پہ لاکھوں سلام

غوثیہ سلطانہ نوریؔ (شکاگو)

ستائش نامے

ڈاکٹر محمد شعائر اللہ خاں قادری وجیہی (رامپور)

محبّ من

سلام مسنون

دبستان نعت شمارہ 7 تو بروقت مل گیا تھا لیکن باقاعدہ جواب میں تاخیر ہوئی اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

میں یقینی طور پر مانتا ہوں کہ آپ نے دبستانِ نعت کی اشاعت کے ذریعے اردو کے نعتیہ ادب کے فروغ میں بنیادی کام کیا ہے۔ گاہے بگاہے لوگ نعت نگاری/نعت گوئی پر انفرادی کام کرتے ہیں لیکن آپ نے محترم فیروز احمد سیفی صاحب کی مشفقانہ اور خلوص بھری محبت کے سہارے ایک منظّم کام کی بیل ڈال دی ہے، گلستانِ حمد و نعت اب ثمر بار آور ہو چکا ہے۔ مستزاد یہ کہ مجلّہ دبستانِ نعت کے ساتھ ساتھ اب نعتیہ ادب پر آپ نے مفید اور معلوماتی کتب کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے جس کے لئے ہم سب تشنگانِ علم خلوصِ نیت کے ساتھ مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

2- رامپور کے ایک گوشہ نشین اور پختہ مشق شاعر جناب اطہر القادری مرحوم کا تازہ نعتیہ مجموعہ ''حیات معنبر'' آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ قبول فرمائیں۔

رب کریم آپ کو اور جملہ رفقاء ادارہ خصوصاً فیروز سیفی صاحب کو صحت و سلامتی کے ساتھ تادیر بعافیت و خرسند رکھے۔ آمین

☆

ابوذر انصاری (جونپور)

۲۸ر فروری ۲۰۲۴ء

محترم المقام

پروفیسر عبدالحق صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے از راہ عنایت 'دبستان نعت' کا آٹھواں شمارہ اس ناچیز کو وہاٹس ایپ پر ارسال کیا ہے۔ ذرّہ نوازی کے لئے بیحد مشکور ہوں۔ شمارہ ماشاء اللہ ضخیم ہے۔ اور فہرست کو دیکھنے سے اندازہ ہوا

کہ یہ صرف ضخیم نہیں وقیع بھی ہے۔

مجلس ادارت میں آپ کو سرفہرست دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ اور یہ معلوم کر کے اور بھی خوشی ہوئی کہ 'بحضور رسالت مآب' پر خود آپ کی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کی تحریریں شمارہ کی زینت ہیں۔ بیشک اس کتاب کی افادیت کا علم لوگوں کو ہونا چاہئے۔

اداریہ پڑھا۔ بات ایک محترم تخلیق پیاری سی 'حمد' تک پہنچی، جو پچھلے شمارہ میں شائع ہوئی تھی لیکن سہواً اس کا ایک مصرع چھپنے سے رہ گیا تھا۔ مدیر نے اپنے ایک ذمہ دار مدیر ہونے کا ثبوت اس طرح دیا کہ ادارتی نوٹ کے ساتھ آٹھ اشعار پر مشتمل پوری 'حمد' کو پھر چھاپ دیا۔ اس طرح اسے زیادہ دور تک رسائی کا موقع مل جائے گا۔ انشاءاللہ۔ 'حمد' خوبصورت ہے اور دل تک پہنچتی ہے۔ اراکین ادارہ اور حمد کی شاعرہ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

☆

ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ (پٹنہ)

ادیب لبیب محترم ڈاکٹر سراج بستوی صاحب!

ہدیہ سلام ورحمت

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

دبستان نعت کے کئی شمارے آپ کی محبتوں سے دستیاب ہوئے منتخب مضامین نے اپنی طرف متوجہ کیا، انہیں پڑھا اور طبیعت کو راحت وطمانیت محسوس ہوئی کہ ہندوستان میں بھی نعتیہ ادب کے فروغ اور بحیثیت فن اس پر بحث کی شروعات ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب! آپ نے اپنی جولانی طبع اور فکری جدوجہد کے لئے جس راہ کا انتخاب کیا ہے وہ کسی دیوانے کی مہم جوئی کی منتظر تھی، کیونکہ نعت کہنے والے بہت تھے مگر اسے تحقیقی وتنقیدی سرمایہ بنا دینے والے افراد نا کے برابر تھے۔ آپ نے الحمدللہ! اس کمی کو محسوس کیا اور ''دبستان نعت'' جیسا پاکیزہ، ضخیم علمی تحقیقی اور تنقیدی مجلّہ لے کر آ گئے۔

''دبستان نعت'' کے کالموں میں تنوع بھی ہے اور جامعیت بھی، آٹھ شماروں کی اشاعت کے بعد آپ کے اندر حوصلوں کا ایسا دریا موجزن ہو گیا ہے کہ اب ''سفر مسلسل'' آپ کی زندگی کا حاصل بن گیا ہے اور ان شاءاللہ! یہ قافلہ تلاش وجستجو کسی گام پہ رکنے والا نہیں ہے۔ نعت کے حوالہ سے آپ کی یہ

خدمت نا قابل فراموش اور قابل تحسین ہے۔ میدان محشر میں یہی سامان سرخروئی ان شاء اللہ! آپ کی نجات کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

دبستان نعت نے فن نعت کے حوالہ سے کئی تحقیقی تنقیدی تعارفی اور عرفانی تحفے ہمیں دیئے ہیں اگران تمام مشمولات کو اگر الگ الگ عنوان کے تحت مجموعہ کی شکل دی جائے تو علمی اعتبار سے یہ ایک بڑا کام ہوگا آپ اگر اس کام انجام دیں بآسانی یہ مرحلہ شوق طے ہو جائے۔

اللہ رب العزت آپ کی اس تحقیقی اور عرفانی خدت کو قبول فرمائے اور ''دبستان نعت'' کو دست برد زمانہ سے مامون رکھے۔

تعمیل حکم میں ''قاضی عبدالوحید فردوسی کی شاعری: ایک مطالعہ'' لکھا ہوا مقالہ حاضر کر رہا ہوں۔ جس شمارہ میں چاہیں شامل فرمالیں اور دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاک اللہ خیر الجزا

☆

ڈاکٹر جمیل الدین (جمیلؔ راٹھوی)

۲۷ / ستمبر ۲۰۲۴ء

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

مدیر دبستان نعت

السلام علیکم

آپ کی مخلصانہ کاوشوں کے نتیجہ میں دبستانِ نعت کا ۸واں شمارہ نظر نواز ہوا۔ ''دبستانِ نعت'' کی ضخامت اور اشاعت کا یہ تسلسل آپ کے عظم مستحکم اور عالمانہ صلاحیتوں کا تحفۂ عظیم ہے۔ جس کے لئے آپ کو دلی مبارک باد۔ اس شمارہ میں میرا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں ٹائپنگ کی خامی کی وجہ سے تصحیح کی ضرورت ہے اگر ہو سکے تو اگلے شمارہ میں اسے شائع کر دیں۔

تصحیح سے متعلق

شمارہ نمبر ۸ - موضوع ''اردو نعتیہ شاعری میں موضوعِ خلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم' ایک جائزہ''

(۱) صفحہ نمبر ۱۹۵ - سطر نمبر ۱۱' صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ''موضوعات'' ہے۔

(۲) صفحہ نمبر ۲۰۲ - سطر نمبر ۴' مصرع اولا'' کھاؤ اگر حلال تو آئے گی روح میں جلا'' ہے۔

☆

سیّد محمد مفیض الدین قادری

۱۳؍صفرالمظفر ۱۴۴۶ھ، ۱۹؍اگست ۲۰۲۴ء بروز دوشنبہ

لائق صداحترام محترم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دبستانِ نعت کا شمارہ نمبر آٹھ موصول ہوا ہم آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اتنا حسین، عمدہ اور تحقیقی مضامین و مقالات سے مزین حمد و نعت کا کتابی سلسلہ ارسال فرمایا اس کے مطالعہ سے ہماری معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا۔

گذشتہ صدی سے عصر حاضر تک قومی سطح پر بہت کم ایسا کام ہوا۔ جس سے نعتیہ ادب اور نعت خوانی کے عظیم کارنامے کو انصاف کرتے ہوئے منظّم طریقے سے سلیقے کے ساتھ نعت کے مختلف گوشوں پر تحقیقی کام کیا جاتا مگر چند برسوں میں باادب انداز میں فروغ نعت میں اپنا نام درج کرانے والے مقبول جریدہ دبستانِ نعت اور مجلس مشاورت کے ذی وقار ذمہ داران اپنی ذاتی کوششوں سے قلیل وقفے میں اتنا خوبصورت کارنامہ انجام دیا کہ آج نعت کے فروغ میں بطور مثال ''دبستانِ نعت'' کو پیش کیا جاتا ہے۔ نعتیہ ادب میں یہ تحقیقی اضافہ ہے اور ہندوستان میں کمیاب اوّلین کوشش بھی ہے۔

اس شمارے میں شامل تمام مضامین اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت عمدہ اور شاندار علمی سرمایہ ہے۔ دبستانِ نعت جناب مدیر محترم! کی نعت کے موضوع پر ان کی جدوجہد اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچے عشق کو بیان کرتا ہے۔ باری تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور یہ سلسلہ جاری رہے۔

اُمید ہے مع الخیر ہوں گے۔ تمام احباب و متعلقین کی خدمت میں پیش از پیش سلام برادر عزیز سیّد ہادؔی میاں سلّمہٗ بھی سلام گزار ہیں۔

☆☆☆

Na'at-e-Rasool

O my life, go to Madina; bring the puff of blessed breeze,
The Prophet(2) might be resentful; beg his(+) favours and mercies.
We may reform somewhat our inner personality,
From Bu Bakr (3) bring back the lesson of fidelity.
The world went ungracious to the Muslims' request,
Bring back the victory - map of Farooq's conquest.
We have been bereft of the bashfulness of our eyes,
Go to Usman (8) to bring back, wherefrom the modesty lies.
O knowledge-beggar, in the West, why to wander or stroll,
Go to Ali 's gate to get this knowledge-charity goal.
Before the falsehood, the Ummah of the Prophet, getting subdued,
Go to Hussain, the scene of Karbla, now, needs to be viewed.
Into the Court of All-Truthful, how Muzaffer himself would appear?
Please! Alter him as the martyr of uswa-e-Rasool, mere.

Versified into English Translation:
Dr. Saleem Ullah Jundran
Graciously Reviewed by:
The Hanourable Teacher of English Language & Literature-
Prof. Muhamamd Aslam Gondal Sahib
Ramzan 08, 1445 Hijri / March 19, 2024 A.D.

A Review Note

Hamd & Na'at in the Realm of English Curriculu.

Hand-o Na'at has been recognized as the most prestigious genre of poetry since ever in every language of the World. This title: "Development of Hamd and Nu'at Material for English Class 1X: A Case Study explores the significance of Hand and Na'at for compulsory English curriculum in Pakistan. The author has traced this significance in the religio-socio cultural, curricular and linguistic context. Although, there has been a prevalent tradition of incorporating Hamd and Na'at in the syllabus of all oriental languages yet English syllabus seems deficient in incorporating this important aspect of Islamic poetry.

Dr. Saleem Ullah Jundran has invited the intellectuals towards this vital subject through his insightful research. He has shown the scope of Hamd and Na'at with reference to ELT and TEFL perspective. Dr Jundran while exposing the significance of the development of the Hand and Na'at for curricular and linguistic context also gives the historical introduction of Hamd-o-Na'as in the arena of Islamic literature.

It is important to note that the readability of this Hamd

and Na'at. Maferial for the English curriculum was got assessed through the students of respective classes an primary middle and high school level. In this regard, around 20 Master degree holders. in the subject of English literature have also evaluated the developed Hamd-o-Na'at.

The author has also delineated a specimen of three model lessons of Hamd and Na'at for the prospective teachers of English language. At the same time, the idea of ETIC (English for the Transmission of Islamic Culture) has been disseminated through this effort.

As E.I.S. Lay rightly said, "to implant in children a luve of good poomy is one of the highest tasks that a teacher can undertake (1902: 229), in my humble opinion, this objective cam he aclurved through this wonderful piece of work. I congratulate the author for this innovative work
and pray to Allah Almighty to impart His love and the love of His Holy Prophet Muhammad (PBUH) and may this work belp the author and the teaders to achieve this noble goal! Ameen.

Dr. Muhammad Feroz-ud-Din Shah Khagga
Chairman
Department of Islamic Studies
University of Sargodha

Allah Almighty's Name I begin with the Name of Most Affectionate The Most Merciful

English Na'at Valley Journey : From Recitation to Writing and Research (January, 1990 - September, 2024)

[A Literary Travelogue]

Penned down by :
*Dr.Saleem Ullah Jundran

Na'at : Crown of the Poetry

Na'at is a popular poetical genre specified for the praise of the Holy Prophet Hazrat Muhammad sall-Allah-o-alaih-i-wa-aalihee wa sallum. It has been recognized as crown of the poetry. Every Muslim sinks deeply in love and respect for the Holy Prophet sall-Allah -o- alaih-i-wa-aalihee wa sallum after reading Na'at. (Mahmudur Rahman, 2004). If we have fortune enough to see the universe we may happen to find that every object of this universe is busy in praising the most beloved and the sacred cause cause of the creation of this universe ,i.e., Hazrat Muhammad sall-Allah-o-alaih-i-wa aalihee wa sallum.(Muhammad Saleem Bhatti,2000). Sarah Kazmi(2012) notes down that Na'at is a complete world. It is both intellectually stimulating and aesthetically appealing.For, it has at its heart ,the Fount of Knowledge and Enlightenment, the Holy Prophet sall- Allah-o- alaih-i-wa aalihee wa sallum.Na'at promulgates the message of "Peace for all" as its most integral part is Love.It functions against the notion of hatred.

From the era of the birth of the Holy Prophet sall-Allah-o-alaih-i-wa aalihee wa sallum till today, the poets have been writing Na'at in different languages from all over the world. Pakistan is graciously rich in Urdu Na'at

literature. However, fragrant petals of English Na'at can be seen into the pages of Pakistani English literature and world English literature. English Na'at tradition cherishes its glorious past, radiant present and fragrant future.

Prologue of the Travelogue

My journey into English Na'at valley started in 1990 from the Department of English, Government College Gujranwala, Punjab, Pakistan. It commenced thereby during my student career as President Post-Graduate English Literary Society (1990-91).Its first stage was English Na'at recitation phase.This stage realized me the need of English Na'at recitation in English Literary Programmes. Actually, this need emerged during a seminar upon Shakespeare' s play - "Hamlet". This literary programme started with English translation of the Quranic verses. It was followed by the presentation of an Urdu Na'at .Then, the guest speakers gave talk about "Hamlet". On the whole, the complete conduct of this seminar was in English medium except presentation of an Urdu Na'at. That was the moment which realized me the need of English Na'at for this literary programme of English Department, GC, Gujranwala. This need realization subsequently brought me towards English Na'at writing and English Na'at searching step.

The Path of Regular Research upon Na'at

Further development into this journey brought me on the path of regular research upon English Na'at. In 1999, this journey reached the stage of an M.Ed. Thesis

completion at Government College of Education, Faisalabad, Pakistan. Its topic was - "Na'at : Need and Scope in English Curriculum in Pakistan". The manuscript of this thesis was selected for publication in an open competition on behalf of Ministry of Education, National Book Foundation, Islamabad on the basis of innovative literary work. In 2004, this journey met the point of an MA TEFL Thesis completion in this domain at Allama Iqbal Open University,Islamabad,Pakistan. The topic of this dissertation was "The Development of Hamd and Na'at Material for Class One to Ten : A Case-Study". Al-hamd-o -Lillah ! In 2011, this journey advanced towards the approval of a Doctoral Dissertation at University of the Punjab bearing this dimension. The title of this doctoral dissertation was "The Selection of Poetry for Inclusion into Compulsory English Curriculum Grade Six to Ten". National Curriculum Council issued Congratulation Letter upon the accomplishment this Doctoral study. The initial ingredient of this poetry selection was English Hamd and Na'at.

The Path of Na'at Books Publication

The regular dissertational research into English Na'at valley brought me towards the path of poetry books authorship and publication into the realm of English Hamd and Na'at. For example, "Na'at : Need and Scope in English Curriculum" (1999).It comprised a compendium of English Na'ats for grade six to ten along with graded exercises. The review upon this book was published in Pakistan Journal of Education, Vol.XXI, Issue I, PP.211-212. Upon my next poetry book-"Source of Light"-

an English Hamd, Na'at Pot-Pourri, a foreign Professor commented : "I believe that it is very important in a non-English speaking background (NESB) country to use local cultural contexts in order to enhance meaningful learning and to value local cultures. Your poetry book is a fine example of a resource for putting this principle into practice." (Peter Charles Taylor, Professor of Transformative Education [Adjunct],Murdoch University, Australia, Feb 25,2018). My "Islamic Rhymes for the Children" {Hamd and Na'at Composition}(2000) was another series of publication in this journey. Its manuscript was also awarded a Prize by National Book Foundation under Children Literature Promotion and Development Project. It was followed by another serial publication-" Rabi-ul- Awwal Anthology" by the same author in 2023.It also contained Na'at composition and Durood-o-Salam in poetical medium.

Na'at Papers Presentation upon Conference Platforms

In addition to Hamd / Na'at poetry books' authorship and publication, the said entrance into this English Na'at Valley appeared at the National / International Conference Forums of Different Public / Private Colleges, Universities and Academies. Thereby, it were presented research papers pertinent to English Na'at Literature. These Conference - Papers' presentations were , respectively, delivered in Government College, Faisal Abad, International Islamic University, Islam Abad, Allama Iqbal Open University, Islam Abad, Pakistan Academy of

Letters, Islam Abad, University of Management and Technology, Lahore, University of Sargodha, Sargodha, Thal University, Bhakkar, Lahore College for Women University, Lahore and Hareem-e-Na'at, Sukhanwar Chicago (USA).The topic of my first research paper was -"Need of Na'at Inclusion into English Curriculum". This paper was presented in 1999 in an Educational Conference held in Government College, Faisal Abad. In continuation of this paper series journey, recently a paper entitled as "Publication and Promotion of English Na'at in Pakistan : Analytical and Chronological Literary Survey" was presented in International Islamic University, Islam Abad on the 8th September,2022.Subsequently,it followed an appearance for paper presentation in the First International Transdisciplinary Conference on Saraiki and English 2023 held at Thal University , Bhakkar. The title of this paper was "English Na'at Literature as an Elective Subject : Scheme of Studies Development." Quite recently, a research paper was accepted in A'lmi Na'at Conferen: Hareem-e-Na'at, Sukhanwar Chicago , held on the 27th April,2024.This paper was entitled as "Engrezi Na'atia Adab ka Ta'ruf (1987-2023)."

Na'at Publication into Journals and Periodicals

This English Na'at Valley journey introduced me to different research journals, too, for the presentation, dissemination and publicationof English Hamd / Na'at studies. With the Grace of Allah Almighty and the favours of the Holy Prophet sall-Allah-o-alaih-i-wa aalihee wa sallum, my English Na'at related research papers found

publication into : Journal of Elementary Education, Punjab University, Lahore, Journal of Research in Education, Punjab University, Lahore, The Islamic Culture ,Karachi University, Karachi, Seerat Journal Shahid International, Karachi and Ta'leemi Zaviay, Pakistan Education Foundation, Islam Abad. This English Na'at valley publication journey also found the way into the pages of multiple educational , literary and religious magazines namely Monthly Al-Maktab, Gujranwala, Monthly La Nabee Ba'dee, Lahore; Monthly Zia-e-Haram, Lahore; Monthly Kanz-ul-Iman, Lahore ; Monthly Nawa-i-Asatizah , Lahore ; Monthly Afkar-e-Moa'llum , Lahore ; Monthly Voice of Rights International, Lahore; Annual Magazine The Teacher, Faisal Abad ; Monthly Al-Jamiah , Jhang ; Annual Ta'leemi Gazzette, Board of Intermediate and Secondary Education ,Gujranwala; Monthly Sada-i-Haram, Kaddher Sharif, M.B.Din; Ta'abeer The Annual College Magazine , Phalia (M.B.Din.), Monthly Ma'arif-e-Raza, Karachi; Bi-Monthly The Message International, Karachi; Monthly The Minaret (International) Karachi , Monthly The Islamic Times, Stockport (UK) and Khaatam-un-Nabiyyien Mujallah International, Burhan Sharif , Attock (Pakistan).

Al-hamd-o-Lillah !In addition to these periodicals, the author's English Na'at pennship journey also found publication into Urdu / English Dailies,i.e., Roznamah Pakistan, Ta'leemi Edition, Lahore and Daily Pakistan Times, Lahore into the annals of history. A glimpse of this publication journey was endorsed into the volumes of

Fehrist Kutb-e-Na'at [Na'at Books List], Na'at Library , Shah Darrah, Lahore.

Invitation for Na'at Books Foreword Writing

The highest thanks for Almighty Allah ! , this historical journey stepped forward towards Foreword - Writing upon English Medium Na'at related books. My recent penned down Foreword was worded for Dr. Aziz Ahsan's book-"Excellence of Na'at : Conditions and Standards"(2021), Na'at Research Centre, Karachi.It was spanned over -----pages.

Award of Multiple Roles and Positions upon Na'at Journey Path

Al hamd-o-Lillah! This pleasureful English Na'at Valley Journey introduced me as English Na'at reciter, English Na'at Writer, English Na'at Foreword Writer, English Na'at Published Author, English Na'at Lesson - Planner, English Na'at Developer, English Na'at Curriculum Developer, English Na'at Promoter,English Na'at Listener and above all English Na'at Self- Researcher .This historical research paper traces out different stages, phases and modes of my three decade journey into English Na'at Valley.

My oral recitational journey into English Na'at valley has in its route several recitational stations ranging from School Morning Assembly to district level Literary Competition Forums. Furthermore, recitations of English Na'at occurred into the inaugural and concluding sessions of ELT training workshops, Punjab Examination Commission Workshops, English Teachers Refresher Courses Sessions, Literacy Teachers Curriculum

Development Workshops and Compulsory English Curriculum Review Workshops respectively at provincial and federal level. On the 29th April,2021, I was granted opportunity to recite some stanzas of my poetical composition entitled as Blessings of Durood-o-Salam in online International Hamdiah - Na'atiah Musha'irah hosted by Government College Women University , Faisal Abad.

Gratitude to the Dignified Guides of Na'at Journey Path

I am highly indebted to my all worthy Supervisors, respectable Guides and Honourable English Teachers who made this innovative and spiritual journey familiar to me. Among those respectable Supervisors / Teachers, Prof. Dr. Riaz Majeed Sahib (Faisal Abad), Prof. Dr. Maqsood Alam Bokhari Sahib (Islam Abad), Asstt. Professor Madam Shagufta Siraj Sahiba (Islam Abad), Prof. Dr. Muhammad Saeed Shaid Sahib (Lahore), Prof. Muhammad Aslam Gondal Sahib (Gujranwala), Prof. Muhammad Shakeel Khan Sahib (Gujranwala), Prof. Shamsher Ahmad Gondal Sahib (M.B.Din.) and Sayyed Wajahat Rasool Sahib Qadri Taban (Karachi). Special thanks are due for those fine friends of mine who recited my submitted English Na'at invocations and salutations into Masjid-e-Nabvi sall-Allah-o-alaih-i-wa aalihee wa sallum during their own Hajj and Umra pilgrimages.

Avowedly ,this English Na'at Valley journey finds its origin from Urdu Na'at. Because,the first Na'at which I recited in the very early years of my life, was in Urdu language. My kind mother, Mohterma Munawwar

Sultanah (1942-1976), Head Teacher Government Girls Primary School Dhunni Klan(then District Gujrat,Present Mandi Baha-ud-Din), dictated me very lovingly that very Urdu Na'at.She handed over to me its hand written lines and sent me towards Masjid on a Friday for presenting it before Jumah'prayer gathering.It was an event of early 1970s. The first couplet of that very Urdu Na'at was as under:

"Mahubbat ghair kee mujh say churra doa Ya Rasool-Allah,

Mujhey apnaa hee diwana bana lo Ya Rasool- Allah!" [English Transliteration]

My kind father, Mohtram Muhammad Hussain Sahib (1937-2008) was an English Teacher at school level. He infused the interest for English language into my humble personality. He primarily familiarized me with English language at home. So, I am indebted to my kind parents for this inducement of Na'at passion and English diction into my humble personage at very early years of my age.

Na'at Valley Journey Glittering with the Galaxy of English Na'at Writers' and Na'at Versifiers' Works and Specimens.

During this journey into English Na'at Valley, the Na'at path-finder found the blissful asset of several English Na'at writers' works and their peculiar poetical English Na'at specimens.This devotional journey introduced me to English Na'at poets through their Na'at anthologies,too. Among those authors, some were from homeland Pakistan and others were from abroad. Similarly, some

were found writing in native English while a lot of poets were found engaged in versifying English translations of oriental languages Na'at compositions.

This honoured fellowship of English Na'at writers and translations versifiers included local as well foreign poets. Those dignified names were : A.Rauf Luther, Saddique Osman Noor Muhammad, Annemarie Schimmel, Jamil Naqvi, G.D.Qureshi, Sajid Iftikhar, Aslam Bazmi, Ghulam Ali Allana, Muhammad Muqtadir, Azar Hafeez, Yusuf Islam, Monawar Gul, Haskim,Ahmed M., Ikram Azam, Matlubul Hasan Sayyid, Sayyid Mohammad Amir Imam Hur, Jameel Jalibi,Jalil Ahmad Kidwai, Rafique Khawar, Mohammad Hasan, Sayyid Ross Masood, Mohammad Atique, Professor Ahmad Ali, Mohammad Arshad Chaudhry, Bashir Ahmad Chaudhry, Ayesha Ch., Muhammad Athar Javed, Abdullah H.Deedat, Thoraya Mahdi Allam, Sultan Zahur Akhtar, Haroun Mustapha, Ishrat Jameel Siddiqui, Bashir Hussain Nazim, Elsa Kazi, Sayed Aulad-e-Rasul Qudsi Misbahi, Ahmad Mahmood-uz- Zaman, Shumaila Munib, Muhammad Afthab Cassim Qaadiri Raizvi Noori, Qamar-uz-Zaman Qamar, Abdul Majid Hameed, Sayyidah Musarrat Jahan Shafiq, M.Nasrat Ali Baig,E.A.Bowring, Muhammad Riaz Qadri, Munir Ahmad Mughal, Sarah Kazmi, Aziz Ahsan, Aqib Al-Qadri, Faiz-ur-Rehman Gill, M.J.Majid and Sami Yousaf. Among this veteran galaxy of poets, majority belonged to the translator category. They penned down the versified English translations of Na'at specimens originally written in Arabic, Urdu, Persian and other

Pakistani languages. It was a very an informative and pleasureful literary experience to peruse English Na'at specimens composed by respectable poets coming of different ages, different regions and different states of the world. But, their poetical writings were in sole praise of the only personality of the world, i.e., The Holy Prophet Hazrat Muhammad sall-Allah-o-alaih-i-wa aalihee wa sallum.This love source was the strongest magnetic force for all this literary circle.

"The destined surname 'Rehmat' he obtained,

Through whom the poor at last their hope now gained."

[Original Urdu Couplet by: Khawja Altaf Hussain Hali

English Versification by: Sayyid Ross Masood]

Profound Facility and Sanctity Experienced During Journey

I experienced too much facilitation during this journey into English Na'at Valley. For example, when I presented my synopsis upon "Na'at : Need and Scope in English Curriculum in Pakistan" in M.Ed. Faculty- Meeting of Govermnent College of Education, Faisal Abad, I was advised to provide the consent of some Supervisor on my own behalf to supervise this topic. Graciously, an Associate Professor, Dr.Riaz Majeed Sahib (GC College, Faisal Abad) awarded me the kind consent. He honoured me too much during the accomplishment of this study (1999). In the same year, a copy of this study was submitted to the Federal Ministry of Education, National Book Foundation (NBF), Islam Abad for selection in an

open competition as an innovative manuscript. It was selected thereby and its 1000 copies were printed by NBF as Book Promotional Scheme. Thus, at the very outset of this Na'at dissertational journey,The Best Creator Almighty blessed me with immense facilitation and recognition. It was unimaginable to me. Al Hamd-o-Lillah!I feel that it was the whole blessing of this topic and its contents.

In August 1999, I met the Honoured Prof. Sajjad Sheikh Sahib (The Oldest Member of the Board of Studies in English (Punjab University)).In those days, he was serving in Gordon College, Rawalpindi. Without any reference or prior familiarity, I attended his office in the College and putforth my draft of Na'at Anthology - Unzurna before him for review and comments. He generously awarded me more than an hour. When I stood up to leave the meeting room, he remarked like this, "Although he was feeling knees- joint pains for this long sitting yet this time allocation was the demand and right of this topic." In my Na'at Anthology Draft, there was a poetry line: 'Millions of Durood.' He added into the next line: the word -'Trillions.' At that time, I was not aware of this strong rhymed- word. Later upon a time, I came across him, by chance, upon the first floor of National Book Foundation Building, Islam Abad. He was busy in some his own task. Taking the benefit of that very moment, I extended before him the text matter of some English Na'ats with the humble request for emendment and review please. He gave up his own task at that very moment; hurriedly rushed for performing ablution (wuzu).With his wet hands,

he made corrections upon my English Na'at pages while in standing position.

Thereby, occurred another auspicious meeting with the Honoured Prof. Muhammad Saleem Bhatti Sahib (Former Head of Department of English, Lawrence College Murree) on this way to Na'at Valley Journey, in November,2000.The venue was an educational institution based at Tehsil Headquarter, Phalia (Mandi Baha-ud-Din). I presented him my two manuscripts related to English Hamd and Na'at material and requested him for review comments. After some days, I contacted the Honoured Professor Sahib again to know about the progress upon my humble submission.Through conversation with him, I came to know that for the last many nights he had been arising after mid-night to peruse those pages of English Na'ats.He would put rose petals upon the pages of Na'ats in those peaceful moments of late mid-night.Then he would read them for review purpose.With such devotion and dedication, he wrote "Forewords" upon my two manuscripts of English Hamd and Na'at writings.Now, he is no more in this world. But his "Forewards" upon English Hamd / Na'at Anthologies replete with the Creator Almighty's and His Holy Prophet's sall-Allah-o-alaih-i-wa aalihee wa sallum true love are shining today for the reverend readers in the published form.

Epilogue of the Travelogue

Despite this three decade journey into blissful English Na'at valley, still I find myself at initial position into the limitless journey of English Na'at valley. I most humbly

pray that this journey may seek the pleasure of Allah almighty and that of His Prophet sall-Allah-o-Ta'ala alaih-i-wa aalihee wa sallum !Let me conclude this Na'at Valley travelogue with this endowed acknowledge ment-epilogue:

"If it is not your beneficience , what is it?

You made this humble one the singer of your praises."

[Sall-Allah-o-alaih-i-wa aalihee wa sallum]

(Jameel Naqvi , 1987, P.73)

[Lyric Homage To The Last Of Prophets Hadrat Mohammad (Peace Be Upon Him)]

*Principal, Government High School Dhunni Klan,Mandi Bh-ud-Din,Punjab,Pakistan.

****

Note: [This paper was presented in "PakTESOL Regional Conference on Modern Trends in English Language Teaching" 21-22 November, 2022, University of Sargodha, Sargodha, Punjab, Pakistan.][Further updated on the 12th Rabi-ul-Awwal,1446 Hijri, 17th September, 2024, Tuseday.]

****

A Review Note
Hamd & Na'at in the Realm of English Curriculum

Hamd- o- Na'at has been recognized as the most prestigious genre of poetry since ever in every language of the world. This title: 'Develonment of Hamd and Na'at Material for English Class 1-X: A Case Study' explores the significance of Hamd and Na'at for compulsory English curriculum in Pakistan. The author has traced this significance in the religio-socio cultural, curricular and linguistic context. Although there has been a prevalent tradition of incorporating Hamd and Na'at in the syllabus of all oriental languages yet English syllabus seems deficient in incorporating this important aspect of Islamic poetry. Dr. Saleem Ullah Jundran has invited the intellectuals towards this vital subject through his insightful research. He has shown the scope of Hamd and Na'at with reference to ELT and TEFL perspective. Dr Jundran while exposing the significance of the development of the Hamd and Na'at for curricular and linguistic context also gives the historical introduction of Hamd-o-Na'at in the-arena of Islamic literature.

It is important to note that the readability of this Hamd

and Na'at, Material for the English curiculum was got assessed through the students of respective classes at primary, middle and high school level. In this regard, around 20 Master degree holders in the subject of English Literature have also evaluated the developed Hamd-o -Na'at curricular material.

The author has also delineated a specimen of three model lessons of Hámd and Na'at for the prospective teachers of English language. At the same time, the idea of ETIC (English for the Transmission of Islamic Culture) has been disseminated through this effort. As E.J.S. Lay rightly said," to implant in children a love of good poetry is one of the highest tasks that a teacher can undertake" (1992:229). In my humble opinion ,this objective can be achieved through this wonderful piece of work. I congratulate the author of this innovative work and pray to Allah Almighty to impart His love and the love of His Holy Prophet Hazrat Muhammad sall-Allah-o-alaih-i-wa aalihee wa sallum and may this work help the author and the readers to achieve this noble goal! Ameen

Sd-

(Dr.Muhammad Feroz-ud- Din Shah Khagga)
Chairman,
Department of Islamic Studies,
University of Sargodha.
E-mail:- islamicstudies@uos.edu.pkPhone: + 92 48 9230819 - 9230811 Ext. 460 Fax: + 92 48 9230819

نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کی مطبوعات

۱۔ اردو کی اوّلین تخلیق۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری

۲۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق ناگپوری

۳۔ لولاک (سیرتِ پاک پر مبنی ایک طویل نظم) چندر بھان خیال

۴۔ صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری (فکری وتنقیدی تناظر)۔ڈاکٹر شمع افروز

۵۔ چمنستان نعت (بیسویں صدی کے اردو کے مشاہیر نعت گو شعراء کے کلام کا نمائندہ انتخاب) پروفیسر فاروق احمد صدیقی

۶۔ علامہ اقبال کی داستان دکن۔میر محمود حسین ایم۔اے

۷۔ ماہ پارے (منظوم کلام) منیر احمد جامی

۸۔ رباعیات مومنؔ۔فاروق جائسی،ضیاء فاروقی

۹۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔پروفیسر عبدالحق

۱۰۔ سیدالشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔فیروز احمد سیفی (زیرطبع)

۱۱۔ کلیات خلیق۔خلیقؔ فیض آبادی (مرتب: انعام الرحمٰن خان)

۱۲۔ سفر نامۂ ارض مقدس۔ڈاکٹر سعید روشن

Dabistan-e-Naat Yearly
Registered with the registrar of News Paper for India
RNI - Title Code : UP URDU 05427
Issue No.: 9
Jan. to Dec. 2024

نعت ریسرچ سینٹر-انڈیا کی ایک اہم پیشکش

Dr. Siraj Ahmed Quadri *Editor*
Naat Research Center-India, Mohalla Banjaria West, Khalilabad
Distt. Sant Kabir Nagar-272175, U.P.
Printed at : Habibi Offset Press, Khalilabad, Distt. Sant Kabir Nagar, U.P.